

بیان غالب

بافر

بیانِ غالب

شرح

دیوانِ غالب

از

جناب آغا محمد باقر صاحب ایم اے

بفرائش

شیخ مبارک علی تاجر کتب اندون لونا ریڈوارہ لاہور

۱۹۵۴ء قیمت شش مہدے

بار پنجم ۲۰۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجھے مدت دماڑے دیوان غالب کے مطالعہ کا شوق ہے اور میں اس بات کو کلام غالب کا مجھ پر خیال کرتا ہوں کہ یہ شوق کسی عنوان کم نہیں ہونے پاتا۔ بلکہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ میں صفائی سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نہ تو میں غالب کو کسی خاص نقطہ نظر سے سمجھنے کا دعویدار ہوں، نہ دیگر شارحین کی طرح ان کی زبان اور طرز بیان پر نکتہ چینی کرنے کے لئے اس میدان میں گامزن ہوا ہوں۔ میں تو غالب کے دلا دوں میں سے ایک دلاوہ ہوں۔ ان کے کلام کو روحانی مسرت اور قلبی تسکین کا بہترین ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ ایک طالب علم کی حیثیت سے دیوان غالب کا مطالعہ کیا ہے اور یہ شرح اسی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

کلام غالب کے نکات سے لطف اندوز ہونے کے لئے میں نے بلاوگا غالب، مصنفہ مولانا حالی، شرح حسرت موہانی، طباطبائی، سہا، مقدمہ دیوان غالب، مصنفہ ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری، بخود، آسی، شوکت میرٹھی اور سعید وغیرہ کو سامنے رکھ کر وقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا۔ اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر ایک ایسی جامع شرح تیار کی جائے جو دیوان غالب کے طلباء کو یہ نکتہ مختلف شرحوں کی جہان میں سے مستفنی کر دے تو یقیناً یہ ایک بڑی ادبی خدمت ہوگی۔ ایک مدت تک اس نیک تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں پیچیدگی مانع رہا کہ کہیں ایسا کرنے سے دیگر شارحین کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میری شرح سے دوسری شرحوں کی مقبولیت پر

کوئی اثر نہ پڑے گا، تو میں نے بیان غالب کی تکمیل کا مصمم ارادہ کر کے کام شروع کر دیا۔

اس شرح کی تالیف سے میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دیوان غالب کی شرح پڑھنے والوں کو اگر بالتفصیل نہیں تو محلاً اس قدر ضرور معلوم ہو جائے کہ مختلف شارحین نے غالب کے ہر شعر کو کس نقطہ نظر سے دیکھا ہے اور اس کے مفہوم میں کیا کیا موٹگائیاں کی ہیں۔ چنانچہ جن اشعار پر شارحین نے کچھ اختلاف کیا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ مختصراً ان کے نقطہ نظر کو پیش کر دیا جائے تاکہ پڑھنے والا آسانی سے سمجھ جائے کہ اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں نے اختصار کو مدنظر رکھا پھر بھی یہ خیال سامنے رہا ہے کہ کوئی ضروری بات نظر انداز نہ ہونے پائے۔ اس لئے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اگر دیگر شارحین کی شرح سے بوجہ ابورا استفادہ منظور ہو تو ان کی اصلی شرح دیکھئے، کیونکہ میں نے عموماً ان کے اختلافی پہلو کو اخذ کیا ہے اور بیشتر مطالب کو جو ان کی شرح کی بابہ الاقتیاد خصوصیات میں شمار کئے جاسکتے ہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

میری شرح کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہئے کہ جس شرح پر تمام شارحین متفق ہیں اس کے تحت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ تمام شارحین متفق یا ہم خیال ہیں۔ نیز جہاں کسی شعر کی شرح لکھنے کے بعد کسی شارح کا کوئی مختلف مفہوم درج کیا گیا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ باقی شارحین میرے ہم خیال ہیں اور محض اسی شارح کو مجھ سے اور دیگر شارحین سے اختلاف ہے۔ اسی طرح جہاں چند شارحین ایک خیال پر متفق ہیں اور باقی دوسرے خیال پر مجتمع۔ وہاں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا

ہے ہاں طوالت سے بچنے کے لئے ایسے شارحین کا نام درج نہیں کیا جو میرے ہم خیال ہیں۔ گویا جن شارحین کا نام اختلافی مشروحوں کے تحت میں نظر نہ آئے۔ ان کو میرا ہم خیال تصور کرنا چاہئے۔

مولانا حالی کی شرح کو میں نے مقدم خیال کیا ہے جس شعر کی شرح انہوں نے تحریر فرمائی ہے۔ اس کو اسی طرح درج کر دیا ہے۔ بعض اشعار کی انہوں نے نہایت مختصر شرح لکھی ہے۔ ایسے مقامات پر میں نے خود وضاحت کرنے جسارت کی ہے۔ بخود اور سعید، یحیٰ، اور مولانا حالی کی شرح نقل کرنے میں میرے ہمیشہ رو ہیں اس لئے جہاں حالی مرحوم کی شرح درج ہو وہاں ان دونوں شارحین کے ناموں کو مقدم خیال کرنا چاہئے۔

میری شرح کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ میں غالب پر تنقید بھی نکتہ چینی کرنا سوادہی خیال کرتا ہوں۔ اس لئے میں نے عموماً اس سے گریز کیا ہے۔ ہاں جن اشعار کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی معنوی اور لفظی خوبیوں پر بالالزام اور مسلسل روشنی ڈالی ہے۔ گویا میرا طبع نظر ادب نے مطالعہ سے روحانی اور قلبی تفریح ہے نہ کہ طعن و طنز اور بد مزگی۔

میں آخر میں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ شرح طباطبائی۔ آسی۔ سہا، سعید، یحیٰ، حسرت اور مولانا حالی کی مشروحوں کو ہمیشہ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے اور میرے خیالات کی پختگی ان کی تولد سے ممنون ہے۔

محمد باقر

۲۹ مئی ۱۹۳۹ء

فہرست

نمبر شمار

صفحہ

الف

- | | | |
|----|---|----|
| ۲۱ | نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ سحر مر کا | ۱ |
| ۲۴ | جو قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار | ۲ |
| ۲۸ | تختے ہونے دیں گے ہم دل اگر پڑا یا یا | ۳ |
| ۳۲ | دل میرا سوزِ ندان سے بے محابا جل گیا | ۴ |
| ۳۵ | شوق ہر رنگِ رقیب سرو سامان نکلا | ۵ |
| ۳۹ | دھکی میں مر گیا جو نہ یابِ بزد تھا | ۶ |
| ۴۲ | شمارِ سحر مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا | ۷ |
| ۴۵ | دہریسِ نقشِ دنا دجیرِ حسی نہ ہوا | ۸ |
| ۴۸ | ستائش گر ہے زاہد اس قدر جسِ بارِغِ صنواں کا | ۹ |
| ۵۵ | نہ ہو گا یک بیاباںِ ماندگی سے ذوق کم میرا | ۱۰ |
| ۵۶ | سراپا رہی عشق و ناگزیرِ الفتِ مستی | ۱۱ |
| ۵۷ | محرمِ خمیں ہے تو ہی لوٹا سے راز کا | ۱۲ |
| ۶۲ | بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا | ۱۳ |
| ۶۷ | شب کو برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا | ۱۴ |
| ۷۰ | تاہِ دل میں شبِ امانِ اثرِ نایاب تھا | ۱۵ |
| ۷۳ | ایک ایک قطرے کا مجھے دینا بڑا حساب | ۱۶ |

۷۷	بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	۱۷
۸۱	شبِ خمارِ شوقِ ساقی ریتِ خیز اندازہ تھا	۱۸
۸۵	دوستِ غمِ نوازی میں میری سعی فرمائیں گے کیا	۱۹
۸۷	یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ بار ہوتا	۲۰
۹۱	ہوں کو بے نشاطِ کار کیا	۲۱
۹۸	درِ غورِ قہر و غضب جب کوئی ہمسائے ہوا	۲۲
۱۰۲	اسدِ ہم وہ جنوں جولاں گداسے بے سرو پایاں	۲۳
۱۰۳	پے نذرِ کرمِ تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا	۲۴
۱۰۷	گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیان ہو جائیگا	۲۵
۱۱۰	دروست کشِ دوا نہ ہوا	۲۶
۱۱۳	گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا	۲۷
۱۱۶	قطرہ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا	۲۸
۱۱۸	جب بتقریبِ سفرِ بار نے محلِ باندھا	۲۹
۱۲۰	میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں	۳۰
۱۲۱	گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا	۳۱
۱۲۱	نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا	۳۲
۱۲۳	یک ذرہٗ زبیں نہیں بیکارِ باغ کا	۳۳
۱۲۷	وہ مری چینِ جبین سے غمِ پہناں سمجھا	۳۴
۱۳۰	پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا	۳۵
۱۳۳	ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا	۳۶

صفحہ	نمبر شمار
۱۳۷	۳۷ لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا
۱۳۷	۳۸ تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
	۳۹ شب کو وہ مجلسِ فردِ خلوتِ ناموس تھا
	۴۰ آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے
	۴۱ عرصِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا۔
۱۴۲	۴۲ رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
۱۴۶	۴۳ ذکر اس پری دیش کا اور پھر بیاں اپنا
۱۴۹	۴۴ سرمہٴ مفت نظر ہوں میری قسمت یہ ہے
۱۵۰	۴۵ غافل بوجہم نازِ خود آرا سے ورنہ یاں
۱۵۱	۴۶ جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
۱۵۲	۴۷ لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں
۱۵۴	۴۸ عشرتِ قطرہ ہے دریا کا فنا ہو جانا

ب

۱۵۸	۴۹ پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
-----	--

ت

۱۶۴	۵۰ افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فناک نے
۱۶۵	۵۱ رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت
۱۶۶	۵۲ مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
۱۶۷	۵۳ آبدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست

ج

- ۵۴ گلشن میں بند دوست برنگِ دگر ہے آج ۱۴۰
۵۵ لوہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں ۱۴۱

ج

- ۵۶ نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ ۱۴۲

د

- ۵۷ حسنِ غمِ زے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد ۱۴۶

ل

- ۵۸ بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار ۱۴۹
۵۹ گھر جب بنا لیا ترے در پر کئے بغیر ۱۸۱
۶۰ کیوں جل گیا نہ تابِ رخ یار دیکھ کر ۱۸۴
۶۱ لرزتا ہے میرا دل زِ محبتِ مہرِ درخشاں سے ۱۸۸
۶۲ ہے بسکہ ہر ایک اُن کے اشارے میں نشان اور ۱۹۱
۶۳ صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگِ آخر ۱۹۴
۶۴ جنوں کی دستگیری کس سے ہو، گر ہونہ عریانی ۱۹۵
۶۵ شکرِ مصلحت سے ہوں کہ خواہاں تجھ پہ عاشق ہیں ۱۹۸
۶۶ لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور ۱۹۸

ز

- ۶۷ فارغ مجھے نہ جان کہ مانندِ صبح ۲۰۱
۶۸ حریفِ مطلبِ مشکل نہیں قسوںِ نیاز ۲۰۲

صفحہ	نمبر شمار
۲۰۵	۶۹ وسعت سعی کرم دیکھ کہ سرتا سر خاک
۲۰۵	۷۰ کیونکہ اس بُت سے رکھوں جان عزیز
۲۰۶	۷۱ نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
	س
۲۱۰	۷۲ مژدہ اے شوق اسیری کہ نظر آتا ہے
	س
۲۱۲	۷۳ نہ لبوں کے گریں جو ہر طراوت سبزہ خط سے
	ع
۲۱۳	۷۴ جاوہرہ خدر کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع
۲۱۳	۷۵ گرِ شکار سے ہے سوزِ جاودانی شمع
	ف
۲۱۷	۷۶ بیمِ رقیب سے نہیں کرتے دواہِ ہوش
	ک
۲۱۸	۷۷ زخمِ پرچہ و کیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک
۲۲۱	۷۸ آہ کو چاہئے ایک عمر بسر ہونے تک
	گ
۲۲۳	۷۹ گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دُعا نہ مانگ
	ل
۲۲۳	۸۰ ہے کس قدر ہلاکِ قریب وفائے گل

م

۲۲۸	غم نہیں ہوتا ہے آزاروں کو بیش از یک نفس	۸۱
۲۲۹	بنالہ حاصل و بستگی فراہم کر	۸۲
۲۳۰	مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دُور	۸۳

ن

۲۳۱	لوں و ام بختِ نختہ سے یک خوابِ خوش و لے	۸۴
۲۳۱	وہ فراق اور وہ وصال کہاں	۸۵
۲۳۳	کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں	۸۶
۲۳۸	آبرو کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں	۸۷
۲۴۳	عبد سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا	۸۸
۲۴۴	جہاں ہو کے بلا لو مجھے چاہے جس وقت	۸۹
۲۴۵	ہم سے کس جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک	۹۰
۲۴۶	ہم پر جہل سے ترک و فاکا لگاں نہیں	۹۱
۲۵۱	مانعِ دشتِ نوردی کوئی تدبیر نہیں	۹۲
۲۵۲	مست مردِ مک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں	۹۳
۲۵۳	برشکالِ گریہ عاشق ہے دیکھا چاہئے	۹۴
۲۵۴	عشقِ تاثیر سے نوید نہیں	۹۵
۲۵۶	جہاں ترا نقیض قدم دیکھتے ہیں	۹۶
۲۵۸	ملتی ہے خوشے نار سے نارِ التاب میں	۹۷

صفحہ	نمبر شمار
۲۶۳	۹۸ کل کے لئے کرا آج نہ خست مشراب میں
۲۶۸	۹۹ حیراں ہوں دل کو روو دل کہ پیٹوں جگر کوئیں
۲۷۳	۱۰۰ ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
۲۷۷	۱۰۱ ناز جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
۲۸۱	۱۰۲ دونوں جہاں دیکے وہ سجھے یہ خوش رہا
۲۸۲	۱۰۳ ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
۲۸۲	۱۰۴ قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
۲۸۳	۱۰۵ دل لگا کر آلیا اُن کو تنہا بیٹھنا
۲۸۴	۱۰۶ یہ ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
۲۸۵	۱۰۷ نہیں کہ مجھ کو قیامت کا احتقا، نہیں
۲۸۸	۱۰۸ ترے زون کو صبا بانہ مٹتے ہیں
	۱۰۹ زمانہ محنت کم آزار ہے بجانِ اسد
	۱۱۰ دامن بڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
۲۹۵	۱۱۱ سب کہاں کچھ لالہ دگل میں نمایاں ہو گئیں
۳۰۲	۱۱۲ دیوانگی سے دوش پہ زنا رہی نہیں
۳۰۵	۱۱۳ نہیں ہے زخم کوئی بخیر کے درخورد مرے تن میں
۳۰۸	۱۱۴ مرے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
۳۱۱	۱۱۵ دل ہی تو ہے نہ سنگِ وحشت در سے بھرنے آئے کیوں
۳۱۲	۱۱۶ غنچہ نہا شگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں

- ۱۱۷ حد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو ۳۱۸
 ۱۱۸ کعبہ میں جا رہا تو نہ وہ طعنہ کیا کہیں بھولا ہوں حق مجھ پر ۳۱۹
 ۱۱۹ وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو ۳۲۱
 ۱۲۰ قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانے میرے شیون کو ۳۲۵
 ۱۲۱ دھوتا ہوں جب میں پیٹنے کو اُس سیمتن کے پاؤ ۳۲۹
 ۱۲۲ داں اس کو ہول دل ہے تو بیاں میں ہوں شرمسار ۳۳۳
 ۱۲۳ وال پہنچ کر جو غش آتا ہے ہم ہم کو ۳۳۳
 ۱۲۴ تم جانو تم کو غیب سے جو رسم و راہ ہو ۳۳۹
 ۱۲۵ گھٹی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو ۳۴۹
 ۱۲۶ کسی کو دے کے دل کوئی نواسخ فغاں کیوں ہو ۳۴۲
 ۱۲۷ رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ۳۴۷

۵

- ۱۲۸ از مہر تابہ فدہ دل و دل ہے آئینہ ۳۴۸
 ۱۲۹ ہے سہرہ زار ہر ردہ دیوار غمگین ۳۴۸

ی

- ۱۳۰ سعد جلوہ زہر ہے جو مژگاں اٹھائیے ۳۵۰
 ۱۳۱ مسجد کے زیر سایہ خرابات چلے ۳۵۱
 ۱۳۲ بساط عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی ۳۵۴

۳۵۷	۱۳۳	ہے بزمِ بتاں میں سخن آرزوہ لبوں سے
۳۵۸	۱۳۴	تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
۳۵۹	۱۳۵	گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا۔ وہ جو کہ
۳۵۹	۱۳۶	غم دُنیا سے گر پانی بھی فرصت سر اٹھانے کی
	۱۳۷	حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آندو فرامی
۳۶۲	۱۳۸	کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہاں ہے
۳۶۵	۱۳۹	ورد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری نائے نائے
۳۶۸	۱۴۰	سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
۳۶۹	۱۴۱	گر خامشی سے فائدہ اٹھائے راز ہے
۳۷۲	۱۴۲	تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو
۳۷۳	۱۴۳	ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
۳۷۶	۱۴۴	پینس پہ گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے
۳۷۶	۱۴۵	مری ہستی فضلے حیرت آباد تھا ہے
۳۷۷	۱۴۶	رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغِ کشتہ ہے
۳۷۸	۱۴۷	چشمِ خراباں خامشی میں بھی نورِ ہوا ہے
۳۸۰	۱۴۸	عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
۳۸۲	۱۴۹	ہے آرزوِ بیدگی میں نکو ہش بجا مجھے
	۱۵۰	زندگی اپنی جب اس طور سے گزری غالب
	۱۵۱	اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے
۳۸۸	۱۵۲	رقارِ عمر قطع رہ اضطراب ہے

- ۱۵۳ دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے ۳۹۱
- ۱۵۴ گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے ۳۹۵
- ۱۵۵ کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے ۳۹۶
- ۱۵۶ آگ رہا ہے درد دیوار پہ سبزہ غالب ۳۹۸
- ۱۵۷ سادگی پہ اس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے ۳۹۸
- ۱۵۸ دل سے تری نگاہ جگرتا کہ اتر گئی ۴۰۱
- ۱۵۹ تسکیں کو ہم نہ رہیں جو ذوق نظر ملے ۴۰۵
- ۱۶۰ کوئی دن گزر نہ گئی اور ہے ۴۰۷
- ۱۶۱ کوئی امید بر نہیں آتی ۴۰۹
- ۱۶۲ دل نادان تجھے ہوا کیا ہے ۴۱۲
- ۱۶۳ کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالبہ مو آئے ۴۱۵
- ۱۶۴ پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے ۴۱۸
- ۱۶۵ جنوں تہمت کش تسکیں نہ گر شادمانی ۴۲۲
- ۱۶۶ نکو ہش ہے سزا فریادی بیداد و لبر کی ۴۲۳
- ۱۶۷ بے اعتدالوں سے سبک سب میں ہم ہوئے ۴۲۵
- ۱۶۸ جو نہ نقدِ داغ دل کی کرے شعلہ یاسانی ۴۲۸
- ۱۶۹ ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے ۴۲۹
- ۱۷۰ آگہ میری جان کو قرار نہیں ۴۳۲
- ۱۷۱ مجرمِ غم سے یاں تک سز گونی مجھ کو حاصل ہے ۴۳۵
- ۱۷۲ پابدا من ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرانورد ۴۳۶

صفحہ	نمبر شمار
۴۳۸	جس بزم میں تو ناز سے گفتاریں آئے ۱۴۳
۴۴۱	حسن مہ گرچہ ہننگام کمال اچھا ہے ۱۴۴
۴۴۶	نہ ہوتی گرمے مرنے سے تسلی نہ سہی ۱۴۵
۴۴۸	عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے ۱۴۶
۴۵۰	شکوے کے نام سے بے حد خفا ہوتا ہے ۱۴۷
۴۵۴	ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ۱۴۸
۴۵۷	میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں ۱۴۹
۴۵۸	غیر لبس محفل میں بوسے جام کے ۱۵۰
۴۶۰	پھر اس انداز سے بہار آئی ۱۵۱
۴۶۱	تفاضل دوست ہوں میرا داغ عجز عالی ہے ۱۵۲
۴۶۳	کب وہ کُشتا ہے کمانی میری ۱۵۳
۴۶۵	نقش ناز بہت طناز باغوش رقیب ۱۵۴
۴۶۷	گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے ۱۵۵
۴۶۷	جس زخم کی ہو سکتی ہو تہ سیر فو کی ۱۵۶
۴۶۹	سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم ۱۵۷
۴۶۹	ہے وصل، بھر عالم نکسین وضبط میں ۱۵۸
۴۷۰	چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے ۱۵۹
۴۷۳	ہر قدم دُورئ منزل ہے نمایاں مجھ سے ۱۶۰
۴۷۸	نکتہ چیں ہے غم دل اس کو کُشتا ہے نہ بے ۱۶۱
۴۸۰	چاک نمی خواہش اگر وحشت بعرانی کرے ۱۶۲

صفحہ	نمبر شمار
۴۸۳	وہ آ کے خواب میں شکنیں اضطراب تو دے
۴۸۴	پیش سے میری وقف کشمکش بہتر یا بستر ہے
۴۸۷	خطر ہے رشتہء لعنت رگ گردن نہ ہو جائے
۴۸۸	فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
۴۹۰	نہ پوچھ نسخہء مرہم حراحت دل کا
۴۹۰	ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
۴۹۱	کرس ہے بادہ ترے لب سے کسب رنگ فروغ
۴۹۳	کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محو تغافل کیوں نہ ہو
۴۹۳	دیبا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہئے
۴۹۴	دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے
۴۹۹	یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہء یارب مجھے
۵۰۲	حضورِ شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے
۵۰۴	کبھی نہ کسی بھی اس کے جی میں گر آجلتے ہے مجھ سے
۵۰۶	زیسکہ مشق تماشہ جنوں علامت ہے
۵۰۷	لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جاوے مجھے
۵۰۸	باز سچے اطفال ہے دنیا مرے آگے
۵۱۳	کہوں جو حال تو کہتے ہیں مدعا کہئے
۵۱۶	رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
۵۱۸	نشہ ہاشاداب رنگ و ساز ہا مست طرب
۵۱۹	عرضِ ناز شوخی و مذاں براے خندہ ہے

۵۲۱	حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے	۲۱۳
۵۲۱	جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی	۲۱۳
۵۲۷	ابن مریم ہوا کرے کوئی	۲۱۵
۵۲۸	بہت سے غم گیتی شراب کم کیا ہے	۲۱۶
۵۲۹	باغ پاکر خفقاتی بہ ڈراتا ہے مجھے	۲۱۷
۵۳۱	روندی ہوئی ہے کو کبیہ شہر یار کی	۲۱۸
۵۳۲	ہزاروں خدائیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے	۲۱۹
۵۳۳	کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے	۲۲۰
۵۳۵	مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے	۲۲۱
۵۳۶	لب عیسے کی جنبش کرتی ہے گوارہ جنبانی	۲۲۲
۵۳۷	آبدیلا بطلوفان صدائے آب ہے	۲۲۳
۵۳۷	ہوں میں بھی تماشا ٹی نیزنگ تماشا	۲۲۴
۵۳۷	سیاہی جیسے گر جائے دم تحریر کا غد پر	۲۲۵
۵۳۸	ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض ایک افعال ہے	۲۲۶
۵۴۰	خوشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے	۲۲۷
۵۴۲	جس جاسیم شانہ کش زلف یار ہے	۲۲۸
۵۴۶	آئینہ کیوں نہ دول کہ تماشا گمیں جسے	۲۲۹
۵۴۸	شبنم بہ گل لالہ زخالی ترا دا ہے	۲۳۰
۵۵۲	منظور اتھی یہ شکل تجلی کو نور کی	۲۳۱
۵۵۵	غم کھانے میں بود اول ناکام بہت ہے	۲۳۲

نمبر شمار

صفحہ

۵۵۸	مُدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے	۲۳۲
۵۶۳	نورِ امن ہے بیدار دوست جاں کے لئے	۲۳۳

قصائد

۵۶۴	سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار	۲۳۵
۵۷۷	دہرِ جزِ جلوہ یکتائی معشوق نہیں	۲۳۶
۵۸۵	ہاں مہِ نو سُنین ہم اس کا نام	۲۳۷
۵۹۶	صبح دم دروازہ خاور کھلا	۲۳۸
۶۰۵	ہاں دلِ درد مند زمزمہ ساز	۲۳۹

قطعات

۶۱۱	اے شہنشاہِ فلک منظور بے مثل و نظیر	۲۴۰
۶۱۵	گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری	۲۴۱
۶۱۶	کلکتہ کا جو نام لیا تو نے ہم نشیں	۲۴۲
۶۱۷	ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی	۲۴۳
۶۲۰	نہ پوچھ اس کی حقیقت حضورِ دالانے	۲۴۴
۶۲۱	خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سرسرا غالب	۲۴۵
۶۲۵	منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی	۲۴۶

اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے

۶۲۷	نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے	۲۴۷
	تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے	
۶۲۹	ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو	۲۴۸
	رکھ دیں جن میں بھر کے تھے مشکبوی کی ناند	
۶۳۱	اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاندار	۲۴۹
۶۳۳	افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو	۲۵۰
۶۳۴	اے شہنشاہ آسماں اورنگ	۲۵۱
۶۳۹	سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے	۲۵۲
۶۳۹	سہل تجھ مہسل ولے یہ سخت مشکل آپڑی	۲۵۳
۶۴۰	نجستہ انجمن طوئے میرزا جعفر	۲۵۴
۶۴۰	ہوئی محبوب میرزا جعفر کی شادی	۲۵۵
	گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں	۲۵۶

رباعیات

۶۴۱	بعد از اتمام بزمِ عیدِ اطفال	۲۵۷
۶۴۱	شب زلف و ریح عرقِ فشاں کا غم تھا	۲۵۸
۶۴۲	آتش بازی ہے جیسے شغلِ اطفال	۲۵۹
۶۴۲	دل تھا کہ جو جان درد تہید سہی	۲۶۰
۶۴۳	ہے خلقِ حسد قماشِ لڑنے کے لئے	۲۶۱
۶۴۳	دلِ سخت نرند ہو گیا ہے گویا	۲۶۲

صفحہ	نمبر شمار
۶۴۳	دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
۶۴۴	مشکل ہے زبیں کلام میرا اے دل
۶۴۵	بھیجی ہے جو مجھ کو شہِ حجاز نے وال
۶۴۵	ہیں شہ میں صفات دو الجلائی باہم
۶۴۶	حق شہ کی بقا سے خلق کو یاد کرے
۶۴۶	اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا
۶۴۷	کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
۶۴۷	ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
۶۴۸	سلمانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں

الف

۱

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا ۱ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
 کلو کا دھنٹ جانہماٹے تنہائی نہ پوچھ ۲ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
 جذبہ بے اختیار شوق دیکھا جاوے ۳ سینہ دشمنی سے باہر ہے دم دشمن کا
 آگے دم شہین حسن قدر ہے بھائے ۴ مدعا عقل ہے اپنے عالم تقریر کا
 بسکہ نبیوں غالب اسیری میں بھی آتش نیر یا
 موئے آتش دیدہ ہے علقہ مری زنجیر کا

۱۔ نقش .. صورتیں، تصویر + فریادی .. فریاد کرنے والا + شوخی تحریر .. بے یل و
 تحریر + کاغذی پیرہن .. ایران میں دستور تھا کہ دادخواہ کاغذ کا جامہ پہن کر
 حاکم کے سامنے جلتے تھے + پیکر .. جسم -

مرزا صاحب نے اس شعر کی شرح ایک خط میں خود بیان فرمائی ہے - ایران
 میں رسم ہے کہ دادخواہ (فریادی) کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے -
 جیسے مشعل دن کو جھلا - خون آلود کپڑا لباس پر لٹکا کر لے جاتا جس شاعر خیال
 کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخی تحریر کا فریادی ہے جو صورت تصویر ہے - اس کا
 پیرہن کاغذی ہے یعنی ہستی اگرچہ مثل نقاد و براعتیار محض ہو، موجب رنج و ملال
 آزار ہے ۲ اطمینان - سعید - اسٹی) اب ملاحظہ فرمائیے کہ اس شعر سے شاعر میں
 نے کیا کیا نتائج اخذ کیے ہیں -

سعید : انسان کی بے بود ہستی اور کشاکش حیات کا نقشہ الفاظ میں کھینچا گیا

ہے۔ حاصل ثر کا یہ ہے کہ ہستی خواہ وہ کسی چیز کی بھی ہو باعث تکلیف و رنج ہے۔ حتیٰ کہ تصویر تک بھی جو کہ صرف ایک ہستی محض ہے۔ بزبان حال فریاد کہہ رہی ہے کہ مجھ کو ہست کہ کہ کیوں رنج ہستی میں مبتلا کیا جیسا کہ اس کی کاغذ پر ہستی سے ظاہر ہے۔

انتہی و سہا: مولانا روم نے اس مفہوم کو ان اشعار میں ادا کیا ہے۔
 بشنوا ز نے چوں حکایت مے کند و ز جدائی ہا شکایت مے کند
 کو زیستان تا مرا بیریدہ اند از نفیرم مرد و زن تالیدہ اند
 مطلب یہ ہے کہ اصل سے جدا ہونے کے بعد اضطراری کیفیت پیدا ہونا ضروری ہے۔ نہ جب نیتان سے جدا ہوتی ہے تو اس میں فریاد کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب تصویر کاغذ پر سنائی جاتی ہے تو وہ اپنے کاغذی لباس کی بدولت نقاش کی شوخی تخلیق کی زبان حال سے فریاد کرنے لگتی ہے۔

بمخود: ”ہر پیکر تصویر“ سے مراد جملہ حیوانات، جمادات اور نباتات سے ہے۔ اور ساری چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔ جب موجودات عالم کا یہ حال ہو تو نقش ہستی کا اپنی بے ثباتی پر فریاد ہی ہونا شاعر کے خیال بلند و غیر معمولی جدت کا ثبوت کامل ہے۔

طباطبائی: کاغذی پیرہن پہننے کا ادراج نہ کہیں دیکھا اند نہ کہیں سنا۔ جب تک اس شعر میں کوئی ایسا لفظ نہ ہو جس سے فنا فی اللہ ہونے کا شوق اور ہستی اعتباری سے نفرت ظاہر ہو، اس وقت تک اسے بامعنی نہیں کہہ سکتے۔ مصنف کی غرض یہ تھی کہ نقش تصویر فریاد ہے۔ ہستی بے اعتباری اور بے توقیر کا اندر ہی سبب ہے کاغذی پیرہن ہونے کا شعر میں ہستی بے اعتباری

کی گنجائش نہ ہو سکی۔ اس سبب سے کہ قافیہ مزاح تھا اور مقصود تھا مطلع کہنا۔

اس لیے ہستی کے بدلے شوخی تحریر کہہ دیا۔ شعر بے معنی ہے

طباطبائی کے علاوہ تمام شاعرین اس شعر کو بامعنی بتاتے ہیں۔

کاغذی پیرہن پہننے کے رواج کے ثبوت میں یہ اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں۔

تا کہ دست قدر ما زدست تو بر بود قلم

(بابا افغانی) کاغذی پیرہن از دست قدر پاو مراد

کاغذی جامہ پہوشیداد بدر گاہ آمد

(کمال ایلی)

زادہ خاطر من تا بدہی داد مراد

۲۔ کاو کاو .. کاوش و کاوش۔ لفظی تکرار نے جستجو اور سعی بہیم کا

مفہوم پیدا کر دیا ہے + سخت جانی .. بھدر پنج + الم + جوئے شیر ..
فرہاد نے شیریں کو حاصل کرنے کے لیے نہر کھودی تھی مگر نہ ہو سکی تھی۔
شام کا .. شب بھر کا گزارنا۔

شب بھر کی مصیبتیں نہر پھو، فرقت کی رات کا صبح کرنا اتنا ہی مشکل

اور شوار تھا جتنا فرہاد کا کوہ بے ستون کھود کر جوئے شیر کا قہر شیریں تک لانا

مشکل تھا جوئے شیر اور سفیدی صبح میں جو رہنا سبست ہے اس سے شعر کا مرتبہ

بلند ہو گیا ہے۔ شاعر نے سخت جانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کوہ کن سے شب بھر

کی تابریکی اور سختی کو پہاڑ کا ٹٹنے اور جوئے شیر لانے سے اور پسیدہ نہر کو جوئے شیر

سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ جذبہ .. کشش + شوق .. قتل ہونے کا شوق + دم شمشیر ..

تلوار کی دھارا اور دھارباہر ہوئی ہے۔

میرے شوق شہادت کی اس سے بڑھ کر اور کیا کشش ہوگی کہ تلوار

کے سینے سے اس کا دم بھی باہر آ گیا ہے یعنی وہ میرے قتل کے لیے اتنی بے اختیار ہو گئی ہے کہ اس کا دم اس کے سینے سے باہر نکلا پڑتا ہے۔
 اود یہ میرے شوقِ شہادت کی کشش ہے۔

۴۔ آگنی .. علیت - عقل + دام شنیدن .. بچانا، ننا اور بھٹانا + مدعا .. مطلب - مضموم + عثقا .. معدوم -

جس وقت ہم گفتگو کرتے ہیں۔ اس وقت چاہے عقل کتنی ہی سمجھ کی کوشش کیوں نہ کرے۔ لیکن وہ ہمارے مغز کو نہیں پہنچ سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے اشعار عین صفت ہیں۔ وہ دام شنیدن میں نہیں آسکے گویا سراسر سراسر ہیں۔
 ۵۔ آتش زہریلا .. بے قرار، بیتاب، موب آتش .. اگر آل کو آگ کے سامنے رکھیں تو جل کر بل کھا جاتا ہے اود .. زنجیر سے مشابہ ہو جاتا ہے۔

میں زنجیروں میں بھی ایسا بے قرار اور مضطرب ہوں کہ سوز دل کی گرمی سے میرے پاؤں کی زنجیروں کا حلقہ جلم ہوئے بال کی طرح کمرور ہو گیا ہے۔
 حلقہ ہائے زنجیر یا کو موئے آتش وہ بے تشبیہ وینا مرزا صاحب کا کمال ہے اور ان کا جنونِ عشقِ مسلم کہ وہ قید و بند سے بھی کم نہیں ہوتا۔ بلکہ زنجیروں میں بھی گرمی عشق سے جل کر گداکھ ہو جاتی ہیں۔ سچید لکھتے ہیں کہ جلے ہوئے بالوں میں ایک قسم کی بدبو پیدا ہو جاتی ہے گویا زنجیر سے بو آنے لگی ہے۔

۲
 جز قیس اور کوئی نہ آیا بردے کار
 آسودگی نے نقب سودا کیا درست
 صحرا اگر بہ تنہائی چشمِ خسود تھا
 ظاہر ہوا کہ رخ کا سرمایہ دود تھا
 جب آنکھ ٹھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا
 تھا خواب میں خیال کو کچھ سے معاملہ

لیتا ہوں کتبِ غم دل میں سبقِ ہنوز ۴ لیکن یہی کہ رفت گیا اور بوجھا
ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برنگی ۵ میں وہ نہ ہر لباس میں تنگ ہو کر

تیشے بغیر نہ سکا کوہِ کن اسد

سرگشتہ رخسارِ رسوم و قیود تھا

۱۔ بروئے کار نہ آیا .. مقابلے میں نہ آیا + تنگی + حدود ..

بہت تنگ نظر ہوتے ہیں۔ اور کسی کو دیکھ نہیں سکتے، یا ان کی نظر
میں کوئی نہیں چھتا + مگر .. شاید۔

شاید صحرابی باوجود اپنی وسعت کے چشمِ حاسد کی طرح تنگ تھا کہ

اس میں سوائے قیس (مجنوں) کے کوئی دوسرا عاشق صحرانوردی نہ

نہ آسکا مجنوں کے سوائے اور صحرانورد پیدا نہ ہونے کا الزام صحرائی تنگ چہنی

پر لگایا گیا ہے۔ اور یہ مرزا ہی کا حصہ ہے۔

۲۔ آشفنگی .. پریشانی + نقشِ سویدا۔ دل پر ایک سیاہ رنگ کا

تل ہوتا ہے + سویدا کیا درست .. یعنی سیاہی کو دودھ کر دیا + دودھ دھواں

سویدا کو داغِ دل اور آشفنگی کو دودھ سے تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ

میری آشفنگی اور پریشانی نے داغِ سویدا کو درست کر دیا۔ یعنی اسے صاف

کر دیا اس داغ کی وجہ سے دل میں اکثر دھواں نکلا کرتا تھا۔ اب دھواں نکل

جلنے کے بعد دل کا داغ دودھ ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ داغِ دل کا سرسبز یا

حاصلِ محض دھواں تھا۔ وہ دھواں نکل گیا اور دل صاف ہو گیا۔ سید لکھتے

ہیں کہ دل کا داغ دنیا کی کمزرات میں دل لگانے سے پیدا ہوا تھا اور خود کا خیال

ہے کہ یہ داغ پریشان حالی میں اٹھائے راز کے خوف سے آہیں ضبط کرنے کا

نتیجہ ہے۔ حسرت کہتے ہیں جس طرح دھوئیں سے دل میں داغ پیدا ہو جاتا

ہے۔ اسی طرح آشفۃ خاطر اور پریشانی کے دود سے دل میں داغ سید کی صورت قائم ہوئی ہے۔ (طباطبائی۔ اتسی۔ بیخود)

۳۔ قاعدہ ہے۔ جن خیالات اور معاملات کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے وہی ہمارے خواب میں بھی آتے ہیں اور ہم عالم خواب میں اپنی الجھنوں کو سمجھتے ہیں۔ لیکن جب آنکھ کھل جاتی ہے تو ہمارے خیالات پھر وہیں آ جاتے ہیں۔ جہاں حقیقت ہوتے ہیں اور اس تمام خوابی کشمکش سے کوئی فائدہ اور نقصان ہر تب نہیں ہوتا۔

منہا: معاملہ کے لوازمات میں من و تو کا مفہوم ادا کیا ہے۔ یعنی من و تو کا انحصار خواب ہستی کے ادا نام پر تھا جب فنا فی الذات ہوئے تو جیسے تھے ویسے ہی رہے۔

سعید: دنیاوی زندگی ایک قریب نظر تھی۔ جب اسرار کے پر سے اُٹھے تو معلوم ہوا کہ عالم حیات کا سارا نظم محض ایک خواب تھا اور سود و زیاں کی کوئی حقیقت فی نفسہ نہ تھی۔

طباطبائی و بیخود: عیش اور رنج کا زمانہ گزر جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی انسان یہ سب باتیں خواب میں دیکھتا ہو اور آنکھ کھل جانے پر ان کے اثر اور نقائص فوراً طبیعت سے نازل ہو جائیں۔ اسی: میرا خیال خواب میں تجھ سے کچھ معاملہ کر رہا تھا جس میں میرا فائدہ تھا یا نقصان مگر آنکھ کھلتے ہی وہ طلسم ٹوٹ گیا۔ نقصان باقی رہا نہ فائدہ۔ میں تھا اور وہی کبج تنہائی۔

۴۔ رفت گیا اور بُوڈ تھا۔ پہلے بچوں کو آمد نامہ پڑھایا جاتا ہے اور وہ مصداقہ ان کی باطنیاں معنوں کے ساتھ اس طرح یاد کرتے ہیں کہ

رفق ہانا۔ رفت گیا + مکتب غم دل۔ مکتب عشق۔

میں ابھی تک مکتب غم دل میں مبتدی ہی ہوں اور میرا سبق رفت گیا اور بود تھا ہے، مکتب غم دل میں رفت و بود کا سبق یاد کرنے سے کبھی پاس ہونے اور پھر جاتے رہنے کی عرف دارغ منعطف ہوتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکتب عشق کا طالب علم مدتِ دوازہ کا ابتدائی درجے میں پڑا ہے اور ابھی تک اگلے درجے میں نہیں جاسکا لفظی رعایا بہت بہت خوب میں۔ رفت و بود دونوں ماضی کے صیغے ہیں وہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی دل میں فراغت میں تھا اور اب مسرت و انبساط سے بالکل محروم ہے۔ آہستی تھکتے ہیں کہ رفت و بود کو بار بار پڑھنے سے ابتدائے حزن کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

۵۔ ننگ و جود۔ جود و ہستی کے لیے باعظی عار + ہر لباس میں۔ مختلف زمانوں اور اوضاع زندگی میں۔

میرا جود دامنِ انسانیت پر ایک بدنامی تھا، میں نے اپنے عیوب کو چھپانے کے لیے طرح طرح کے لباس اور طریقے اختیار کیے۔ پہرہ بھی میرے عیوب ہر لباس میں عیاں ہی نظر آتے رہے۔ آخر جب زندگی ختم ہوئی اور میرا وضعی لباس اتار کر مجھ کو کفن پہنایا گیا تو یوں وہ عیوب ڈھک گئے۔ جو لباسِ انسانیت پر ایک بدنامی جب تھے اودا یا ہم زندگی میں کسی صورت چھپانے نہ چھپتے تھے۔

سہا، جود سے مراد جودِ مطلق ہے۔ گویا میں ہر عالم میں جودِ مطلق کے لیے در تھا۔ معیہ کا خیال ہے۔ جب تک انسان پر انسانیت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس وقت تک وہ اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے محفوظ نہیں

رکھ سکتا، جو اس کی عین فطرت ہیں۔ یہ معائب اسی وقت دُور ہوتے ہیں۔ جب انسان لباس زندگی کو چاک کر کے کفن پوش ہو جائے۔
 بخود : میں وہی انسان ہوں جس کو ملائکہ نے سجدہ کیا۔ دنیا میں آنے کے بعد میری وہ وقعت و عزت، میرے اعمال و افعال کی وجہ سے باقی نہ رہی۔ البتہ مرجانے کے بعد کفن نے ان داغوں کو چھپا لیا۔
 طباطبائی اور آسی : ننگ وجود ہونے کو برہنگی سے تعبیر کیا ہے۔ فقط لفظ باتشابہ شاعر کے ذہن کو اُدھر لے گیا۔ ورنہ ننگ وجود اس جگہ چھپا نہیں معلوم ہوتا۔

۶۔ تیشہ... کلباڑی + سرگشتہ خماز... دیوانہ، ہمیش نشہ سے + رسوم و قیود... انسان کی خود پیدا کردہ (غیر فطری) پابندیاں۔
 بطور طنز کہتے ہیں۔ اسے اسد فریاد پرست عاشق نہ تھا۔ بلکہ وہ غیر فطری رسوم و قیود میں محو تھا۔ اس لئے فطرت اپنے سر پر تیشہ مار کر مرا لگ رہی تھی۔ شہر کے عشق صداوق کے نشے سے سرگشتہ ہوتا تو اپنے آپ کو تیشہ مار کر ہلاک نہ ہوتا۔ یہ تو صاحب عقل جانتے ہیں کہ تیشہ سر پر لگنے سے انسان مر سکتا ہے۔ اس کو چاہیے تھا کہ وہ ایک آہ جاگداز تھینچتا اور مرجاتا +

۳

کہتے ہوئے ہیں گے ہم بول اگر بڑا پایا ۱ دل کہاں کہ گم کیجے، ہم نے دعا پایا
 عشق سے طبیعت نے زینت کا مزہ پایا ۲ دیکھی دعا پائی، درد بے دوا پایا
 دوست دار دشمن ہے اختلا دل معلوم ۳ آہ بے اثر دیکھی، نالہ نار سا پایا
 سادگی و سُرکاری، بخودی و بشاری ۴ حسن کو تغافل میں حُرأت، آزما پایا
 غنچہ پھر نگار کھلنے، آج ہم نے اپنا دل ۵ خون کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

ہلہل درہنیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی ہم نے بازار ڈھونڈھا، تم نے بار بار پایا
 شور پندنا ہم نے زخم پر نمک چھڑکا
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا سوا پایا
 ۱۔ ہم نے مدعا پایا... ہم تمہارا مطلب سمجھ گئے۔

اگر کسی کی گمشدہ چیز کسی اور کو مل جاتی ہے تو وہ پھیلنے کے لیے
 کہتا ہے اگر میں مل گئی تو ہم نہیں دیں گے۔ اگر کسی چیز کو لینے کی نیت ہوتی ہے
 تو ازراہ شونہ سے چھپا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اگر تمہاری چیز میں مل گئی تو
 ہم نہیں دیں گے۔ یہی معصومانہ شونہ اس شعر میں ہے کہ محبوب دل اڑا کر
 عاشق سے کہتا ہے۔ اگر میں تمہارا دل کہیں پڑا ہوا مل گیا تو ہم نہیں دیں گے۔
 عاشق کہتا ہے کہ میں سمجھ گیا۔ دل تو تمہارے ہی پاس ہے، اگر میرے پاس
 ہوتا تو میں تمہاری آرزو پوری کر کے لیے اسے کہیں، ادھر ادھر پھینک
 دیتا اور تم اسے لے لیتے پس اب تم ازراہ شونہ کہہ رہے ہو کہ اگر میں
 مل گیا تو ہم نہیں دیں گے۔

۲۔ درد کی دوا .. درد زندگی کی دوا یعنی عشق + درد بے دوا ..
 عشق ۔

شاعر کا خیال ہے کہ زندگی بغیر عشق کے بدمزہ اور بیکار ہے۔ اگر عشق
 نہ ہو تو زندگی ایک درد ہے۔ کہتے ہیں کہ جب عشق کا مرض لگا تو زندگی میں
 لطف آتا۔ کیونکہ غم عشق میں غم دنیا کو بھول گئے۔ گویا ہمیں درد زندگی دوا
 مل گئی مگر یہ دوا ایسی ہے جس کا کوئی آثار نہیں یعنی عشق درد بے دوا ہے۔
 شیطیب یا محبت مستبش برجانا محبت یا راحت اور دوا دہانی یا (ظہوری)
 مرجا سے عشق خوش سودا ہے اے طیب جملہ علت ٹٹے (مولانا رام)

۳۔ دوستدار دشمن .. رقیب کا خیر خواہ + اعتمادِ دل معلوم .. دل پر بھروسہ نہیں رہا۔

ہمارے نالہ ماٹے دل محبوب کو پہنچتے ہیں اور نہ آپس کچھ اپنا اثر دکھاتی ہیں، اس بے اثری سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا دل رقیب کا خیر خواہ ہے۔ ورنہ ہماری آہ جانگزا اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔ اور ہمارے نالے ان تک ضرور پہنچتے ہیں (طباطباتی)

سعید: چونکہ مشوق دشمن کا خیر خواہ ہے۔ اس لیے دل کو اس پر اعتماد نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آہ بے اثر ہے اور نالہ نارسا کیونکہ وہ صدقِ دل سے نہیں نکلتے۔

بیخود: محبوب ہمارا دشمن ہے اور دل اس کا دوست ہے، اب ہم دل پر خاک بھروسہ کر سکتے ہیں۔ اسی لیے اس کے نالہ و آہ میں تاثیر نہیں۔ دل کی دشمنی کا خوب ثبوت دیا ہے (آئسی۔ حسرت)

۴۔ سادگی .. بھولا پن + پرکاری .. چالاکی + بیخودی .. بے پروائی + ہشیاری .. خبرداری۔

حسیناں جہاں دیکھنے میں بڑے سادہ اور غفلت شعار نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے بھولے پن پر نہ جانا چاہیے۔ وہ حقیقتاً بڑے عیار اور ہشیار ہیں۔ اور ان کی سادگی اور تغافلِ شعاری محض اس لیے ہے کہ وہ اپنے چاہنے والوں کی جراثیم کو آزمائیں اور دیکھیں کہ عاشق کتنے پائائیں ہیں یا کتنی محبت رکھتے ہیں۔

حسرت: اہلِ حسن کی ظاہری سادگی اور بے پروائی سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مرثیاتوں کی جراثیم کو آزمائیں اور یہ دیکھیں کہ ان کو سادہ سمجھ کر برابر اشتعال

جراثیم گستاخی تو نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی سلامتی کو حقیقت پرکاری اور بخودی کو ہشیاری بھنا چاہیے (سجید تقریباً ہی)

یخود و طباطبائی: کیسے پیچیدہ خیال کو کس حسن و خوبی سے بیان کیا ہے نشست الفاظ کی تعریف نہیں ہو سکتی عشاق کا دل دیکھنے کے لیے معشوقوں

کا بھولا پن ہوا کرتا ہے۔ درحقیقت یہ بھولا پن خاص ہوشیاری اور عین چالاکی ہے ۵۔ جب موسم بہار آیا تو غنچے کھٹ گئے۔ ان کو دیکھ کر ہمارا دل پھر خون ہو گیا

اور خود فراموشی کا عالم طاری ہو گیا۔ طبی اصول کے مطابق موسم بہار میں تھیدہ جن ہو جایا کرتی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے (سجید)

حسرت: غنچے کو دیکھ کر ہم کو اپنا دل گم گشتہ و خون شدہ یاد آ گیا کہ اس کی بھڈ ہی ہیست تھی (سجید۔ یخود۔ اتسی۔ طباطبائی)

سہا: غنچہ کھلنا سے نرالی بات کرنا یا قندہ پیدا کرنا اور خون کیا ہوا نئے گشتہ حسن اور بتلائے عشق مطلب لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ سچ پھر ہی قندہ بیدار ہوا اور ہمارا دل جاتا رہا۔

۶۔ اپنی خود فراموشی دکھائی ہے۔ کہتے ہیں: ہمیں اپنے دل کا کچھ بدل معارف نہیں کہ وہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔ لیکن اس قدر ضرور معلوم ہو کہ ہم قندہ دلوں نے دل کر جب کبھی اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تو وہ اکثر قندہ ہی کو ملا۔ پس ظاہر ہوا کہ میرے دل کو قندہ خاص لگاؤ ہے۔ اس لیے ہمارے دل کا حال ہم نہیں کو معلوم ہو گا۔ پس تو کچھ نہ جیے۔

۷۔ شور اور نمک میں رعایت لفظی ہے۔ پسند۔ نصیحت۔ نمک چھڑکا .. تکلیف دی۔ آپ۔ یعنی ناصح، بطور طنز استعمال کیا ہے۔

ناصر کی نصیحتوں نے میرے زخموں پر نمک کا کام کیا۔ یعنی ان کے من

فنانے سے میرے دل کو سخت تکلیف دہنچی۔ کوئی آپ سے ذرا دور یافت کئے
 کہ کسی کو تکلیف پہنچا کر آپ کو کیا لطف حاصل ہوا (سجید)
 طباطبائی مصنف نے مرزہ کو قافیہ کیا اور ہائے محنتی کو الف سے
 بدلا۔ اردو کہنے والے اس قافیہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن فارسی والے مرزہ اور
 اردو کا قافیہ نہیں کرتے۔ وہ ہائے محنتی کو بھی حرف ردی ہونے کے قابل
 نہیں جانتے۔

آئی: شود پند سے نمک چھڑکنا قابل داد ہے۔ نمک۔ شور۔ مرزہ
 وغیرہ میں تناسب الفاظ ہے، نمک چھڑکنے سے لطف اٹھانا مراد ہے (محمود)

۴
 دل مرا سوز نہاں سے بے محایا جل گیا ۱ آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا
 دل میں ذوق وصل یا دیار تک باقی نہیں ۲ آگ میں گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
 میں عدم سے بھی پرے ہلویر نہ غافل بار ۳ میری وہ آتشیں سے بال عنقا جل گیا
 عزم پیچے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں ۴ کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرایہ جل گیا
 دل نہیں تھو کہ دکھتا درد داغوں کی بہار ۵ اس چراغاں کا کہیں کیا کار قریا جل گیا
 میں نہیں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
 دیکھ کر طرز تپا کہ اہل دنیا جل گیا

۱۔ سوز نہاں.. سوز دل ۱ آتش عشق + بے محایا.. بے خوف۔
 آتش خاموش۔ وہ آگ جو نظر نہ آئے۔ لیکن اندر ہی اندر سلگتی رہے۔ غفلت
 رعایات قابل داد ہیں۔

میرا دل آتش عشق سے جو میرے دل کے اندر چپکے چپکے سنگ ہی تھی
 جل کر دکھ ہو گیا ہے اور اس طریقہ سے جلا کر آگ لکھنے کی کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔

۲۔ آگ .. آتش عشق + گھر .. خانہ دل ۔

عشق کے آغاز میں میرے خانہ دل میں ہر وقت یاد کی یاد اور شوق وصال کے خیالات موجزن رہتے تھے۔ لیکن عشق کی آگ نے بھڑک کر خانہ دل اس طرح پھونک ڈالا کہ اب نہ تو ذوق وصال باقی ہے اور نہ یاد دوست انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ انتہا درجہ مایوس اور ناامید ہوتا ہے تو کوئی امید اور توقع باقی نہیں رہتی۔

سہا، عشق کے اس مقام کی طرف اشارہ ہے۔ جب امید و یاس وصال و ہجر یا د محبوب غرضیکہ کسی جذبے کا احساس باقی نہیں رہتا اور یہ وہ مقام حیرت و عالم فراموشی ہے کہ اس کے بعد انا المحبوب اور انا الحق کی کیفیت طرہی ہوتی ہے۔

طباہی، یعنی رشک کی آگ ایسی تھی کہ معشوق کو دل سے بھلا دیا اور اس کا غیر سے ملنا دیکھ کر ذوق وصال جاتا رہا۔ گھر سے دل اور آگ سے رشک رقیب مراد ہے۔

۳۔ اسے غافل میں عدم کے مقام سے آگے نکل گیا ہوں ورنہ جب میرا مقام عدم میں تھا تو جب بھی وہاں میں نے آہ آتشیں چسپی اس کی آگ سے عنقا کے پر جل گئے۔ شعر میں خوبی یہ ہے کہ عنقا ایک عدم پرندہ ہے۔ گویا وہ مقام عدم میں رہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب میں اس مقام میں تھا تو میری آہ آتشیں سے عنقا کے پر جل جاتے تھے۔ یعنی فنا فی عدم ہو رہا پر بھی میری آہ میں اس قدر گرمی تھی۔ بقول حسرت، اپنی نیستی کے بیان میں مبالغہ کیا ہے۔

سہا: پہلا میری آہ کا اثر یہ تھا کہ اس سے بال عنقا جلتا تھا۔ اور اب

تو بالِ عنقا بھی نہیں جلتا، گویا پہلے اگر اتنی تاثیر تھی تو اب وہ بھی نہ رہی۔ اول میری بے اثری اور بے ثباتی اور نیستی اس حد تک پہنچ گئی کہ عدم سے بھی گزر گئی ہے یا جب میں عدم میں تھا تو میری آہ آتشیں سے بالِ عنقا جلتا تھا اور اب بالِ عنقا جلنا بالفاظِ دیگر یہ کہ آہ آتشیں میں کوئی تاثیر نہ تھی۔

بیخود : میں نے ابتدائے تعلیم فنا میں شہرتِ عنقا کو مٹا دیا تھا جس کو معدوم ہونے کی ایک سب سے زیادہ دلیل سمجھا جاتا ہے۔ غافل سے مراد وہ لوگ ہیں جو ترقیاتِ انسانی کو نہیں سمجھ سکتے۔

طبا طبائی : یہ کہنے سے کہ میں عدم سے بھی باہر ہوں یہ حاصل ہوتا ہے کہ میں نہ موجود ہوں نہ معدوم ہوں اور نقیضیں مجھ سے مرتفع ہیں۔ شاید ایسے ہی اشعار پر دلی دالے کہا کرتے تھے کہ غالب بے معنی شعر کہتے ہیں۔ ”پرے“ لکھنؤ میں متروک ہے لیکن دلی میں بولا جاتا ہے۔

۴۔ عرض کیجئے۔ ظاہر یا بیان کیجئے۔ جو ہر اندیشہ سوچنے کا جوہر میں اپنی طبیعت کی گرمی کا کیونکر اظہار کروں۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں نے صمن و حشت صحرا کا خیال کیا تھا کہ اس میں بھی آگ لگ اٹھی۔ ظاہر ہے اگر وہاں پہنچ جاتے تو قیامت ہی برپا ہو جاتی۔

طبا طبائی : یہ مبالغہ غیر عادی ہے کہ طبیعت میں ایسی گرمی ہو جس چیز کا خیال آئے وہ چیز جل جلتے۔ عرض تو لوگ جوہر کے ضلع کا لفظ سمجھتے ہیں لیکن جوہر کے مناسبات میں سے عرض بہ تحریک ہے نہ بسکون۔

۵۔ کارِ فرما۔ حاکم یعنی دل۔

داغوں کو چراغوں سے تشبیہ دی ہے چراغاں۔ اظہارِ سرت میں بہت سے چراغ روشن کرنا۔

قدیم زمانے میں طرم کے سر میں چند گہرے زخم ڈال کر ان میں شمعیں لگا کر روشن کر دیتے تھے۔

افسردگی جلنا اور داغ وغیرہ مناسب الفاظ ہیں۔ میرے سینے پر جو داغ ہیں۔ تم ان کو کیا دیکھتے ہو۔ اگر میرا دل جو اس چراغاں یا داغوں کی بہار کا کارفرما تھا۔ سوز عشق سے جل نہ جاتا تو پھر تمہیں اس چراغاں کی کیفیت دکھانا۔ اسی لکھتے ہیں۔ دل میں اتنے داغ تھے کہ اب دل مٹ گیا اور بجائے دل چند داغ باقی رہ گئے۔

۶۔ طرزِ تپاک .. یعنی ظاہری تپاک اور محبت۔

اسے غالب اب میں ہوں اور افسوہ دلی کی آرزو ہے یعنی شنگی اور زندہ ولی سے میں متنفر ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا دل اہل دنیا کے ظاہری تپاک اور باطنی نفاق سے جل کر خاک ہو گیا ہے۔

اسی : اس شعر میں نکتہ یہ ہے کہ جب دل جل گیا ہے۔ تو اب آرزو دلی کی آرزو ہے۔ کیونکہ جلنے کے بعد افسردگی پیدا ہوتی ہے۔

۵

شوق ہر رنگ رقیبِ سروِ سلاں نکلا ۱ قیس تصویر کے پرشے میں بھی عرباں نکلا
زخم نے داؤد دی تنگی دل کی یارب ۲ تیر بھی سینہٴ پسں سے پراقتشاں نکلا
بوسے گل، نالہٴ دل، دودھ چرباغِ محفل ۳ جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا
دلِ حسرتِ زندہ تھا بائدۂ لذتِ درد ۴ کام یاروں کا بقدر لبِ دندان نکلا
اسے نو آموز فنا، تمّت، دشوار پسند ۵ سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا
دل میں بھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سلاطونانِ نکلا

۱۔ شوق .. عشق + ہر رنگ .. ہر طرح سے + رقیب .. دشمن + سرور سامان - آرائش - تکلفات - الفاظ مناسب ہیں - عشق جس رنگ میں بھی ہو وہ تکلفات اور ساز و سامان کا دشمن ہے - محبتوں کی تصویر دیکھیے اس کو عشق تھا - اس لیے اس کی تصویر ہمیشہ عریاں ہی کھینچی جاتی ہے -
 یہ خود : رنگ عشق ایسا واقع ہوا ہے کہ قیس کو تصویر کے لباس میں بھی عریاں رکھا - رنگ تصویر بھی قیس کی عریانی کا پردہ نہ بن سکا - ہر رنگ کے معنی عشق میں، جنون میں، عریانی میں، تصویر کے رنگ میں، الغرض ہر رنگ میں عشق دشمن ناموس ہی رہا اور مرزا صاحب نے بھی اسے عریاں ہی دکھایا -
 طباطبائی : ہر رنگ محاورہ نہیں، ہر طرح ہونا چاہیے، تناسب لفظی کے لیے محاورہ چھوڑ دینا مناسب نہیں -

۲۔ پرا افشاں .. پھٹ پھڑاتا ہوا، بیتاب، یہ لفظ تیر کے مناسب ہیں - غالب : زخم تیر کی توہین بہ سبب ایک رختہ مہنے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بہ سبب ایک طاق سا کھل جانے کے ہوتی ہے، تیر تیری دل کی دبا دیا دیتا - وہ تو ننگی دل سے گھبرا کر پرا افشاں اور سر اسیمہ نکل گیا -
 یہ خود : رشک دل نے تیر کی غفلت سے سینے کو بچا دیا اور وہ اس طرح کہ دل نے سینے کے رشک سے جس میں یار کا تیر چوک کر جا لگا تھا جان دے دی، اب تیر یار نے دیکھا کہ دل عاشق بغیر زخم کے مر گیا - میری ضرورت باقی نہیں رہی - ترک تعلق کر کے سینے سے نکل گیا - تنگ دلی سے رشک، کے عربی معنی مقصود ہیں اور پرا نشاندن کے معنی ترک تعلق کر دینا -

اسی : تنگ دل رنجیدہ کو کہتے ہیں - یہاں لفظ کے معنی کا فائدہ اٹھایا ہے - یعنی ہمراہ لی تنگ تھا اور اس میں زخم فرخ - مگر اسی زخم نے میری تنگ دلی

کے باوجود اتنا بڑا زخم کھایا۔ اور یہی سلوک میرے ساتھ تیر نے کیا کہ وہ
پراختاں میرے دل سے نکلا۔ یعنی تیر کو ایسے موقع پر پراختاں نہ کرنی چاہیے
تھی بلکہ میری تنگ دلی پر نگاہ رکھنی چاہیے تھی (طباطبائی)

۳۔ بوسے گل، نالہ دل (آہ) دود چہرہ وغیرہ میں پریشتانی کی
خاصیت ہے مرزا صاحب نے ان کی پریشتانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
کہا۔ چاہے پھولوں کی مہک ہو کہ اس کو تو بند کر تلے) اور خواہ نالہ دل
جھور یا شمع محفل کا دھواں ہو۔ غرض جو بھی تیری محفل میں جاتا ہے وہ وہاں
سے پریشتان ہو کر نکلتا ہے اور یہ تیری بیدادگری کا ثبوت ہے (مسجدِ مسیٰ)
طباطبائی: تیری بزم سے نکلنا پریشتانی کا باعث ہے۔

بیخود: یہ سب چیزیں پریشتان ہونے کی خاصیت رکھتی ہیں۔ شاعر
ان پر رشک کرتا اور کہتا ہے کہ ان کی پریشتانی کا باعث ہوا نہیں ہے۔

بلکہ یہ بھی تجھ پر عاشق ہو کر تیری بزم سے نکلتی ہیں۔ اس لیے پریشتان ہیں۔
۴۔ باندہ .. دسترخوان + بقدر .. قابلیت کے مطابق۔ کام بطلب۔

میرے حسرت زدہ دل کے دسترخوان پر لذت درد کے کھانے چنے ہوئے تھے
میرے دوستوں نے اپنے اپنے لب و دندان کی قوت تک مطابق میرے
دسترخوان درد سے درد کا ذائقہ چکھ لیا۔ گویا ہر شخص بقدر استعداد متاثر ہوا۔
(مسجدِ حسرت)

بیخود و طباطبائی: میرے دسترخوان پر اکتب درد کی کمی نہ تھی۔ لیکن
یادیں کہ ان کی قابلیت کے موافق حصہ ملا۔

آسی: بقدر لب و دندان کے معنی کم کے ہیں یعنی وہ دست میرے باندہ درد
پر ہونٹ ہی کاٹتے رہے۔ بہت کم غم کھایا۔

۵۔ نو آموز .. ہمتی + ہمت دشوار پسند .. میری ہمت دشواریوں کو پسند کرتی ہے + یہ کام .. یعنی دس فنا ۔

اے میری مشکل پسند ہمت فنا کے مدارج جو نہایت مشکل سمجھے جاتے ہیں تو ابتدائے تعلیم ہی میں آسانی سے سیکھ گئی۔ گویا فنا کے مقامات طے کرنے میں تجھے کوئی دلت پیش نہ آئی۔ چونکہ ہمت دشواریوں کو پسند کرتی ہے۔ اس لیے اب سخت مشکل آپڑی ہے کہ میں کونسا مشکل اس کے لیے تجویز کروں۔ گویا ہمت دشوار پسند کے لیے کوئی فنا سے زیادہ مشکل کام چاہیے مطلب یہ کہ ہم سمجھتے تھے جان دینا بہت مشکل کام ہے مگر افسوس ہے کہ وہ بھی آسان نکلا۔

۶۔ طوفان۔ قطرو۔ شور متناسب الفاظ ہیں۔ اے غالب میرے دل میں پھر گریہ کا ایک طوفان کھٹکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی گریہ و زاریوں میں جو قطرہ باقی رہ گیا تھا وہ طوفان ثابت ہوا۔ (اسی سہا۔ سعید) بیخود: پہلی بار تو میں نے اس جوش کو اس قدر ضبط کیا تھا کہ دریائے گریہ کا ایک قطرہ بھی آنکھ سے نہ نکلنے دیا۔ افسوس ہے اب اُس نے طوفان کی صورت اختیار کر لی۔ یعنی رفتہ رفتہ عشق نے ظاہر ہو جانے کا سامان پیدا کر لیا۔

طبا طبائے: (۱) گریہ پر میرا ضبط ایسا غالب تھا کہ میں اُسے قطرہ سے کمتر سمجھتا تھا اب وہ طوفان بن کر مجھ پر غالب آگیا۔ ۲۔ میرے ہم خیال۔

۶

دھکی میں مر گیا جو نہ اب نبرد تھا ۱ عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا ۲ اڑنے سے پیشتر بھی مرادنگ دھما
 ۳ ایف نغمائے وفا کر رہا تھا میں ۳ مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا
 دل تاجگر کے ساحل دیبائے خوں اب ۴ اس رہگزر میں جلوہ گل آگے گرد تھا
 جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی ۵ دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
 احباب چارہ سازی و حشت نہ کر سکے ۶ زنداں میں رہی خیال بیاباں نورد تھا
 یہ لائٹ بنے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
 حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

۱۔ باب نبرد .. قابل جنگ، لائٹ میدان بہادر، عشق نبرد پیش
 .. عشق جو مرد میدان (بہادر) کا طالب ہوتا ہے۔
 جو شخص کہ میدان عشق میں نبرد آزمائی کرنے کے قابل نہ تھا وہ عشق کی
 ایک دھکی سے مر گیا۔ یعنی عشق کی تاب نہ لا سکا۔ بات یہ ہے کہ عشق نبرد پیش
 ہے۔ نہ اس مرد میدان عاشق کو پسند کرتا ہے جو عشق کی مصیبتوں کو برداشت
 کر سکتا ہے، اگر عاشق میں ہمت مردانہ نہ ہو تو مصیبت کا خوف عشق کو
 باطل کر دیتا ہے۔

یہ بخود: ”دھکی میں مر گیا“ فریاد کی طرف اشارہ ہے، اور یہ کہ ہم نے
 دھکی میں اگر فریاد کی طرح جان نہیں دی بلکہ مصائب کا ہمیشہ مردانگی کے
 ساتھ مقابلہ کیا۔

۲۔ موت کا کھٹکا .. موت کا خوف، اڑنے سے پیشتر .. رنگ
 اڑنے سے پہلے یعنی وقت مرگ + قاعدہ یہ ہے کہ انسان دنیا کے لہو و لعب
 میں موت کو بھول جاتا ہے۔ لیکن شاعر کہتا ہے مجھے سروقت موت کا احسا
 تھا اس لیے میرا رنگ پہلے ہی سے زرد ہو گیا تھا۔ گویا جانکنی کے وقت

موت کے خوف سے میرا رنگ زرد نہیں ہوا تھا۔ بقول بیخود۔ میں نے اپنے آپ کو فنا ہونے سے پیشتر فنا کر دیا تھا۔ اس بیان کا لطف کچھ اہل تصوف ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اس زمین میں ایسا بلند شعر کہنا مرزا ہی جیسے علم الثبوت اور ماہر فن کا کام تھا۔

۳۔ ابھی فرد فرد تھا۔ میں ابھی نا تجربہ کار تھا + وفا.. عشق۔ میرے خیالات، عشقیہ ابھی پختہ نہ ہوئے تھے۔ گویا میں مکتب عشق میں ابھی بستہ ہی تھا کہ میں نے عشق کی کتابیں باقاعدہ تالیف کرنی شروع کر دی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ ابتدائے عشق میں میری کینیت پختہ کار عاشق کی سی تھی۔

بیخود: ابتدائے عشق میں جگر میں وفاداری کے متعلق نسخوں کی تالیف کر کے ادویہ دفا کے خواص و مزاج قائم کر رہا تھا مجھ پر تم کا آغاز ہو گیا اور میری دفا کے نسخے ناتمام رہ گئے۔

۴۔ دل تا جگر.. دل سے لے کر جگر تک + آگے گرد تھا.. کسی زمانے میں گرد تھا + رہ گئے.. دل سے جگر تک۔

بے دل سے لے کر جگر تک خون ہی خون ہے۔ یعنی میرا دل جگر خون ہو گیا ہے اور ساحل دریائے خون کا منظر پیش کرتا ہے۔ لیکن کبھی ان مقامات پر وہ کیفیت آدہا نہیں کہ ان کے سامنے جلوہ گل بھی ہیج نہ رہے بقول طباطبائی کسی زمانے میں ہم بھی دل شگفتہ درگین رکھے تھے۔ مگر اب خاطر افسردہ و غمگین رہتے ہیں۔

بیخود۔ انقلاب زمانہ کی اس قدر سچی اور پراثر تصویر کھینچی ہے۔

۵۔ غم عشق کی کشمکش اور منیبت سے عاشق کو کبھی خلاصی نہیں ہوتی۔

اگر دل جس کی بدولت عاشق کش کٹر اس مبتلا ہوتا ہے چلا جائے تو پھر بھی اس مصیبت سے نجات نہیں ہوتی۔ کیونکہ دل کے جاتے رہنے کا غم پیدا ہو جاتا ہے۔ حسرت نے میر کا یہ شعر سند میں پیش کیا ہے۔
 غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا دل کے جانے کا نہایت غم رہا
 اسی : دل کے درد سے مراد دل کے مرٹ جانے کا درد ہے ورنہ اگر دل کا درد بمعنی دل میں درد کہیں گے تو شعر بے معنی ہو جائے گا۔ دل نہیں ہے اور دل میں درد ہے۔ یعنی چہ ؟

۶۔ چارہ سازی .. علاج + وحشت .. وحشت عشق + بیابانِ نورد .. آزارہ وحشت۔

احباب نے میری وحشت کم کرنے کے لیے مجھے قید خانہ میں بند کر دیا۔ تاکہ میں جنگلوں میں مارا مارا نہ پھروں اور جوش جنوں (عشق) زیادہ نہ بڑھے، اگرچہ میں زندان میں تھا لیکن میرا خیال اسی طرح بیابانِ نوردی میں مصروف تھا۔ اس لیے ان کا علاج بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

مجھے اسیر کریں یا میری زباں کاٹیں مرے خیال کو بیڑی پہنا نہیں سکتے
 ۷۔ یہ بے کفن لاش اسد خستہ جان کی ہے، خدا مغفرت کو بے عجب آزاد مرد تھا کہ اس کی لاش بھی بے کفن پڑی ہے۔ وہ جب تک زندہ رہا تکلفات سے آزاد رہا اور اب مرکز بھی گود کفن کی قیود سے آزاد ہے بقول بیخود جملہ دعا شب نے عجب لطف پیدا کر دیا ہے۔

اسی : آزاد مرد سے فائدہ اٹھا کر لاش کو بے کفن کیا ہے اور یہ محاورہ نہایت بر محل ہوا ہے۔

شمارِ منجر مرغوبِ بُتِ مشکل پسند آیا تماشائے بیک کفِ بُردِ صد دل پسند آیا

فیض بیدلی نو میدی جاوید آساں ہے ۲ کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا
 ہواٹے سیر گل آئینہ بے ہری قاتل ۳ کہ اندازِ سخن غلطیدن پسند آیا
 جراحِ تحفۃ الماس اوتھاں داغِ جگر بدید
 مبارکباد اسد غنچہ ار جان در و مند آیا

۱۔ شمارِ سچ .. تبیح کے دانوں کو شمار کرنا۔ تبیح میں سودا بے ہوتے
 ہیں + مرغوب آیا .. پسند آیا + بُت مشکل پسند .. یہ محبوب جسے مشکل
 پسند ہوں + بہ یک کفہ برونِ سود دل .. ایک چھٹے میں سود ل اڑا لینا۔
 میرے مشکل پسند محبوب کو تبیح پر لٹھنا اس لیے پسند ہے کہ اس
 میں اس کی حسبِ خواہش ایک ہی وار میں سو سود ل اڑا لینے کی مشابہت
 پائی جاتی ہے۔

اسی : اس شعر میں تعقید ہے کہ ظاہرہ ایسے مضمون کو کوہِ کندن و کاہ
 بر آردن سے زیادہ وقت نہیں دی جاسکتی۔ بُت کی صفت مشکل پسند اس
 واسطے رکھی ہے کہ تبیح بُت کے لیے ایک مشکل اور غیر معتاد فعل ہے طرِ زیاد
 میں بے تکلفی اور سندش میں حقیقی ہے۔

۲۔ فیض بیدلی .. نا امیدی کی بدولت + نا امیدی جاوید ہمیشہ
 کی ناکامی۔

پے در پے یایوسیوں اور ناکامیوں سے ہم بالکل نا امید اور بیدل ہو گئے
 ہیں۔ اس بیدلی کی بدولت دوامی نا امیدی کا برداشت کر لینا ہمارے لیے
 معمولی سی بات ہے۔ قاصد ہے کہ جب انسان بالکل یایوس ہو جاتا ہے تو
 پھر بڑی سے بڑی ناکامیابی بھی اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کرتی۔
 اور کشائش کو ہمارا ”عقدہ مشکل“ ”پسند آگیا۔ اگر اُسے ہمارا

” عقدہ مشکل “ پسند نہ ہوتا تو اس کو سلجھایا جاتا، یعنی اب کشائش نہ ہوگی۔
 طباطبائی: یعنی دنیا کی طرف سے جو بے دلی و بے دماغی ہم کو ہے۔ اس کی
 بدولت صدمہ نو میدی دیاس کا اٹھالینا ہم کو سہل ہے، ہمیں دنیا پر خود
 رغبت نہیں ہے۔ کثود کار کی امید ہو تو کیا اور نا امید ہو جائے تو کیا۔ پہلے
 مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا عقدہ مشکل کشائش کو پسند آگیا ہے یعنی
 اب کبھی اس کی کشائش نہ ہوگی۔ اس سبب سے کہ کشائش کو اس کا عقدہ ہی
 رہنا پسند ہے اور پسند اس سبب سے ہے کہ ہمیں پروا نہیں۔ پھر ایسی
 بے نیازی کشائش کو کیوں پسند آئے (معید)

حسرت کشائش نے اپنا عمل کرنے کے لیے ہمارے عقدہ مشکل
 (نو میدی جاوید) کو پسند کیا، اور ہماری مشکل آسان ہو گئی۔ اس طور پر کہ ہم
 کو دنیا کی جانب سے جو بے دلی پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے سبب سے صدمہ
 نو میدی جاوید کا برداشت کرنا آسان ہو گیا ہے۔ کیونکہ غایت بے دلی کی
 حالت میں امید و نا امید کیساں ہو جاتی ہے۔

پتخود: جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہمارا عقدہ دشوار لایمخل ہے تو امید
 عقدہ کشائی آٹھ کرنا امید کی صورت میں ہمیشہ کو تسکین خاطر
 حاصل ہو گئی۔

آسی: (۱) فکر کشائش نے ہمارے دل کو جو بصورت عقدہ ہے پسند
 کیا اور اس کو لے لیا اور ہم سے ہمیشہ کے واسطے جدا کر دیا (۲)
 میرے ہم خیال۔

۱۰۔ ہوا .. شوق + آئینہ .. اظہار بے حری .. سنگری .. بخوں
 غلطیدن .. خون میں تر پٹا ..

ستم شعار محبوب کا باغ میں سیر گل سے لطف اندوز ہونا۔ اس کی بے مہری اور ستم شکاری کا ثبوت ہے۔ کیونکہ وہ سیر گل کے لیے باغ میں نہیں جاتا۔ بلکہ اسے بسلوں کو خون میں لوثتے ہوئے دیکھنے کا شوق ہے اور یہ تلاش اسے باغ میں دیکھنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ جہاں سُرخ سُرخ پھول شلوں سے گر کر اور ہوا سے اُڑ کر ادھر ادھر رُلتے پھرتے ہیں اور بسل بخول غلطیوں کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ تشبیہات نہایت عمدہ ہیں۔ رنگ گل سے خون اور پھولوں کا ہوا سے ہلنا، بسل کا خون میں لوثنا وغیرہ الفاظ بھی مناسب اور قابلِ تعریف ہیں۔

۴۔ جراحت .. زخم + الماس .. ہیرا + ارمغان .. تحفہ + ہدیہ .. تحفہ + غنچہ اور جان درد مند .. عشق۔

اے اسد مبارک ہو، تمہاری درد مند جان کا غنچہ (عشق) آیا ہے اور تمہارے لیے جراحت، الماس اور داغ جگر کے تحفے تحائف لایا ہے، عاشق کے لیے یہ چیزیں تحفہ اس لیے ہیں کہ اسے درد اور کرب پیدا کرنے والی چیزیں مرغوب ہوتی ہیں، الماس کی صفت یہ ہے کہ اس سے دل و جگر زخمی ہو جاتے ہیں اور اگر ہیرے کا سفوف زخم پر لگ جائے تو زخم میں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ بقول حسرت ایسے ہدیوں پر مبارکباد دے کر اپنی ایزدوستی کا اظہار کیا ہے۔

• بخود: (۱) میرا غنچہ اور دوست کو سمجھانے کے لیے گیا تھا کہ وہ مجھ سے ملے وہ تحفے کر آیا۔ یعنی خود ہی عاشق ہو گیا (۲) میرے ہم خیال طباطبائی (۱) میرے ہم خیال (۲) غنچہ سے ناصح مراد ہے اور مبارکباد تشنچ کی راہ سے۔

آسی : غمخوار سے مراد واضح کے کر فہم تے ہیں۔ واضح کے یہ متخفہ یعنی گفتگو
میرے لیے رنج وہ ثابت ہوگی۔

۸۰

دہر میں نقش و فادہ تسلی نہ ہوا ۱ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ ہوا ۲ یہ زمرہ بھی حریف دم افقی نہ ہوا
میں نے چاہا تھا کہ اندر وہ فادہ سے چھوٹوں ۳ وہ منگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
دل گرو گاؤ خیال سے دسا غریبی سہی ۴ گر نفس جاوہ سمرندہ دل تقویٰ نہ ہوا
ہوں تیرے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ بھی ۵ گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا
کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے ۶ ہم نے چاہا تھا کہ مرعاشیں سوہ بھی نہ ہوا
مرگیا صد مہ یک جنبش لب سے غالب ، ناتوانی سے حریف دم عینے نہ ہوا
۱۔ دنیا میں لفظ و فادہ استعمال تو بہت کیا جاتا ہے لیکن کبھی اصلی معنوں

استعمال نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے اس بے معنی استعمال اور خالی ذکر و فادہ سے عاشق
صادق کی تسلی خاطر نہیں ہو سکتی اس لیے یہ وہ لفظ ہے کہ جس کو کبھی اپنے
معانی کا شرمندہ احسان نہ ہونا پڑا۔ شاعر کا مقصود یہ ہے کہ جب دنیا میں
اصلی و فادہ نہیں تو صرف نقش و فادہ تسلی خاطر کیونکر ہو سکتی ہے۔

بیخود : جو لوگ وفاداری سے نقش و فادہ قائم کرتے ہیں، وہ اپنا وقت
بیکار ضائع کرتے ہیں۔ اس لیے نقش و فادہ اہل وفا کے لیے موجب تسلی خاطر
نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اہل وفا دنیا کے دستور کے مطابق جفا کے مستحق قرار دیے
جاتے ہیں۔ شاعر مصرعہ ثانی سے اپنے دل کو تسلی دیتا ہے۔

طلبا طبائی : لوگ دنیا میں وفا کر کے تسلی چاہتے ہیں جب وفا کر کے تسلی نہ ہو
تو لفظ و فادہ معنی رہ گیا۔ حاصل یہ کہ وفاداری عشاق بے معنی بات ہے۔

۲۔ کاکل سرکش .. لہرائی ہوئی یا بے قابو زلف۔ زلف کو افقی سے تشبیہ دی ہے۔ سبز خط .. آغاز خط۔ زمرہ سے تشبیہ دی ہے۔ زمرہ .. ایک قسم کا سبز قیمتی پتھر ہے جسے دیکھ کر سانپ اندھا ہو جاتا ہے حریف .. مقابل۔

تیرا زمرہ بنی سبز خط افقی پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ اس کے اثر سے تیری سانپوں جیسی زلفوں کی ایذا رسانی ختم ہو جاتی چاہیے تھی۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود خط نکل آنے کے تیری زلفوں کی دلکشی اور حسن میں کوئی کمی نہیں آئی۔

۳۔ اندوہ وفا .. غم وفا۔

میں نے چاہا تھا کہ میں مر جاؤں تاکہ مجھے وفاداری کے رنج و غم سے نجات مل جائے۔ لیکن افسوس کہ وہ یاد سنگرمیر سے مر جانے پر بھی راضی نہ ہوا۔ کیونکہ اسے مجھ جیسا وفا شعار کوئی اور عاشق نظر نہ آتا تھا اور میری وفاداری دیکھے کہ میں نے یہ قسم بھی بہ طیب خاطر برداشت کر لیا۔ سقید۔ بخود۔ جہاں طلبائی کا حسن ظن ہے کہ معشوق کو اپنی رسوائی اور بدنامی کے اندیشے سے بیزار مانتا بھی گوارا نہیں۔

لفظی اور معنوی خوبیاں اس شعر میں بہت ہیں۔ کثرتِ اندوہ، علاج میں صاندگی، اس پر بھی دل آزاری و جفا کاری، اور اس حالت میں معشوق کی مرضی پر شاکر رہنا۔

۴۔ گزر گاہ .. راستہ + نفس .. سانس + جاوہ .. راستہ + تقویٰ .. پرہیز گاری۔

اگر میرا سانس منزل پرہیز گاری کا راستہ نہ بنا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یعنی اگر میں متقی اور پرہیز گار نہ تھا تو نہ سہی۔ میرا دل جام و شراب کی گزر گاہ

تو ہے ، چلوئیں زندگی سہی کچھ نہ کچھ تو ہوں۔ بقول بہ خود۔ زندگی اور پرہیزگاری کو برابر تصور کیا گیا ہے۔

۵۔ منت کش .. ممنون .. گلابا نگ .. دلکش آواز۔

میں ترے وعدہ وصل نہ کرنے سے بھی خوش ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تو وعدہ وصل کرتا تو میرے دل کو اس سے تسلی جوتی اور میرے کان وعدہ وصل کی آواز کے ممنون ہوتے۔ خدا کا شکر ہے کہ تو نے کبھی وعدہ نہ کیا اور میرے کان وعدہ کی تسلی بخش آواز کے کبھی ممنون نہ ہوئے۔

۶۔ ہم اپنی بد نصیبی اور محوم القسمتی کی کس سے شکایت کریں۔ وہ تو حد سے گزر گئی ہے۔ ہماری آخری خواہش یہ تھی کہ ہم مرجائیں لیکن قسمت کی محرومی دیکھے کہ ہمیں موت بھی نہ آئی۔ موت ایسی چیز ہے جو اکثر بن مانگے بل جاتی ہے۔ لیکن ہم اس سے بھی محروم رہے۔

۷۔ جنبش لب .. حرکت لب + حرلیت .. بد مقابل + دم عیسیٰ .. حضرت عیسیٰ تم باذن اللہ کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

غالب اس قدر خجست و ناقواں تھا کہ وہ عیسیٰ کی جنبش لب کا صدمہ بھی برداشت نہ کر سکا۔ عیسیٰ نے تم باذن اللہ کہنے کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی۔ گویا زندہ کرنے کے کلمات ادا بھی نہ کر پائے تھے کہ غالب مر گیا اور حضرت عیسیٰ جو اس کو زندہ کرنے آئے تھے وہی اس کی موت کا باعث ہو گئے (سب متفق)

آسی (۱) میرے ہم خیال (۲) اپنا لب ہلایا تھا کہ دعا کریں ، اسی میں چل بسا (۳) عیسیٰ کو بولنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی (۴) عیسیٰ کو بلانے کے لیے جو لب ہلائے اسی میں خاتمہ ہو گیا۔

۹

ستائش گر ہے زہد اس قدحِ باغِ رضوان کا ۱ وہ اک گلہ دستہ ہم ہم بخودوں کے طاقِ نسیاں کا
 بیاں کیا کیجئے بیدلو کا دھندلے مڑھکل کا ۲ کہ ہر اک قطرہٴ خونِ دانہ ہے تسبیحِ مرہاں کا
 نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانعِ میرے نالوں کی ۳ لیا داتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستان کا
 دکھاؤں گا ماشاوی اگر فرصت زمانے نے ۴ مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سرِ چراغان کا
 کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے ۵ کرے جو پر تو خورشیدِ عالم شبِ منتاں کا
 مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورتِ خرابی کی ۶ بیوٹی برقِ خرمن کا ہے خونِ گرمِ مہنگاں کا
 اگا ہے گھر میں ہر سو سہرہ ویرانیِ تماشہ کر ۷ دارِ اب کھودنے پگھاس کے ہے میرے دیاں کا
 خموشی میں نہاں ہیں گشتہ لاکھوں آندوئیں ہیں ۸ چراغِ مودہ ہوں میں سیریاں گورِ غرباں کا
 ہنوز اک پر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے ۹ دلِ افسوہ گویا جھوٹ ہے یوسف کے زندان کا
 بغل میں غیری کی آج آپ سوئے ہیں کہیں وہ ۱۰ سبب کیا خواب میں اگر تبسم ہائے پنہاں کا
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا ۱۱ قیامت ہے سرشک اکودہ ہونا تیری مڑھکل کا
 نظریں ہے ہماری جلوہٴ راء فنا غالب ۱۲ کر یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑے پریشاں کا
 ۱۔ ستائش گر .. مداح + باغِ رضواں .. باغِ جنت + طاقِ نسیاں ..
 وہ طاق جس میں کوئی چیز رکھ کر بھول جائیں بالائے طاق رکھنا یعنی ترک کرنا ۔
 طاقِ نسیاں پر رکھنا اور بھی زیادہ مبالغہ پیدا کرتا ہے ۔ بہشت کو تخیراً گلہ دستہ کے
 ساتھ تشبیہ دی ہے ۔ لطف یہ ہے کہ گلہ دستہ سجاوٹ کے لیے طاق ہی پر رکھا جاتا
 ہے ، تشبیہ بالکل اچھوتی ہے ۔ طباطبائی کہتے ہیں ۔ اس شعر میں معنوی خوبی نہیں ۔
 حسن بیان و بدیع سے تعلق ہے ۔

زہد جس باغِ جنت کی تو اس قدر تعریفیں کرتا ہے وہ ہم جیسے بخودوں کے
 طاقِ نسیاں کا ایک گلہ دستہ ہے ۔ گویا ہمارے نزدیک جنت کی توقیر کچھ بھی نہیں

ہم تو اسے طاق نسیاں میں رکھ کر بھول جاتے ہیں۔ بقول اُسی بہشت کی تحقیر اسی کے مناسب لفظ گلہ ستہ سے کی گئی ہے اور پھر بھی اس کو باعثِ زینت قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ خود کو بیخود کہا ہے۔ اس لیے اس کو طاق نسیاں پر رکھا ہے۔

حسرت ہم بیخودی کے ایسے خوشگوار عالم میں ہیں جس کے مقابلہ میں ہم نے جنت کو بھی فراموش کر دیا ہے۔

۲۔ مڑگاں .. پلکیں۔ مڑگاں کو سوئی سے تشبیہ دی ہے۔ کاوش مڑگاں .. یعنی چھیدنا + مرجان .. مونگا۔ سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کو قطرۂ خون سے تشبیہ دی ہے۔ مرجان تسبیح میں ڈالا جاتا ہے۔

میں مڑگانِ یار کی کاوشیں کیا بیان کروں۔ ان کی کاوشوں سے میرا ہر قطرۂ خون تسبیحِ مرجان کا دانہ بن گیا ہے یعنی میرے قطراتِ خون کو مڑگانِ یار نے دانہِ مرجان کی طرح چھید ڈالا ہے۔ ظاہر ہے ہر قطرۂ خون کو چھیدنا بڑا کاوش کا کام ہے۔

سہما: قطراتِ خون دانے ہوتے ہیں اور مڑگانِ رشتہ اُجن سے ایک تسبیح تیار ہو گئی ہے۔

بیخود، مڑگانِ یار کی کاوش نے قطرۂ خون آنسو بنا دیا۔ جنھوں نے مسلسل جمع ہو کر تسبیحِ مرجان کی صورت اختیار کر لی ہے۔

۳۔ سطوت .. رعب + نیستان .. وہ مقام جہاں نے اُگتی ہے اور نے میں سے نالہ نکلتا ہے + دانتوں میں تنکا لینا .. اظہارِ عجز کرنا + ہواریشہ نیستان کا .. نے (رانسری) بن گیا +

قاتلِ محبوب کا رعب بھی میرے نالوں کو نہ روک سکا۔ ان کی بارعبِ شخصیت

کو تسلیم اور اپنی عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے جو تنکا میں نے دانستوں میں لیا تھا وہ نے بن گیا اور نلے کر لے لگا۔

آسی : تنکا نیستان کا ریشہ بن گیا۔ یعنی اُس نے سینکڑوں نئے پیدا کر دیں جس سے نالہ کشی اور بھی بڑھ گئی۔

۴۔ سرو چھاغاں .. چراغوں کو ایسے طریقے سے رکھنا کہ سرو کی صورت پیدا ہو جائے + تخم .. بیج + تماشا .. سیر۔

اگر مجھے زمانے نے صلت دی تو میں تم کو ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ میرے دل کا ہر داغ سرو چھاغاں کا بیج ہے۔ یعنی ہر داغ دل سے سرو چھاغاں پیدا ہو جائے گا۔ بالفاظ دیگر ہر داغ دل سے اتنی شرابی ہوگی کہ بہت سے سرو چھاغاں نظر آئیں گے۔

آسی : بہت اچھا شعر ہے۔ باریکی یہ ہے کہ میرا عشق روز افزوں ہے۔
دی اگر فرصت زمانے نے مے باؤسی کا اظہار ہوتا ہے۔

۵۔ آئینہ خانہ .. شیش محل جس مکان میں ہر طرف آئینے ہی آئینے ہوں۔
شبنم : وہ مقام جہاں اوس پٹی ہو جس طرح آفتاب کے سامنے شبنم نہیں ٹھہر سکتی اسی طرح آئینہ خانہ تیرے جلوہ کی تاب نہ لاسکا۔ جب تو نے آئینہ خانہ میں اپنا جلوہ دکھایا تو ہر آئینہ شبنم کی طرح پانی ہو کر بہ گیا۔

سہا : (۱) ہم خیال (۲) پر تو خورشید سے شبنم کا ہر قطرہ جگ اٹھتا ہے۔
اسی طرح تیرے جلوہ سے آئینہ خانہ جگ اٹھتا (۳) آئینہ کی جلا ماند پڑ گئی۔
سعید سہا کے دوسرے معنی بھی لکھتے ہیں۔

آسی : تیرے جلوے نے آئینہ خانہ کا وہ نقشہ بنا دیا جو دھوپ شبنم کا بنا رہتی ہے۔ یعنی حکما کا قول ہے کہ شبنم آفتاب سے پیدا ہوتی ہے اور آفتاب ہی

اس کو جذب کر لیتا ہے یعنی آئینہ خانہ تیرے جلوے کی تاب نہ لاسکا۔

۶۔ مضمر .. پوشیدہ + تعمیر .. بنانا، مراد بقا + خرابی .. تخریب - فنا + ہیولی .. اصل و مادہ ہر شے + خون گرم .. سرگرم .. سرگرمی، کوشش۔

اس شعر میں شاعر نے ایک مسئلہ طب سے استفادہ کیا ہے، اطباء

کہتے ہیں کہ حالات غریزی باعث زندگی انسان ہے، خون تحلیل ہو کر حرارت غریزی میں تبدیل ہوتا ہے۔ پھر یہی حرارت غریزی خون کو تحلیل کرتی ہے۔

تاکہ دوسرے قوی کے لیے غذا بن سکے۔ غرض وہ نتیجہ تحلیل خون بھی ہے اور خود بھی خون کو تحلیل کرتی ہے اور دونوں عملوں کے توازن سے ہستی انسان قائم

رہتی ہے۔ اسی کو شاعر کہتا ہے کہ میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی ہے

یعنی میں وہ دہقان ہوں جس کی سرگرمی خود اسی کے غرض کے لیے برق کا کلمہ

کرتی ہے (دھرم کو جلاتی ہے) گویا میرا جو وہی میری فنا کی دلیل ہے کہ اس میں

فنا ہونے کی قابلیت قدرت نے پوشیدہ رکھی ہے۔

سعید : دہقان کا خون گرم باعث خرابی ہے (پیداؤں خرمی) حاصل بجلی

کا ہیولی ہے۔ یعنی فنا خود اس کی فنا کا باعث ہے۔ کیونکہ نہ خرمی پیدا ہوتا نہ

بجلی گرتی۔ خون کو بہ لحاظ حدت و برق سے تشبیہ دی ہے۔

۷۔ اُگاہے سبزہ .. اگر گھر و دیں گھاس اُگ آئے تو دیرانی کا پیش خیمہ

بمھا جاتا ہے + تماشا کر .. سیر دیکھ - تماشا کر دن۔

۱۔ میرے گھر کی دیرانی ذرا لحاظ فرمائیے کہ ہر طرف گھاس اُگ آئی ہے

اور میرا دہقان جو غیر لوگوں کو اندرانے سے روکنے کے لیے نوکر رکھا گیا تھا وہ اب

گھاس تو چتا پھرتا ہے۔ بچارا گھاس نہ فوجے تو اور کیا کرے۔ دیرانی کی وجہ سے

گھر میں تو کوئی آتا نہیں۔ اس کو اپنی نوری کی فکر ہے اس لیے اسباب دیرانی دوا

کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس قسم کی گھاس سبزہ بیگانہ کہلاتی ہے۔ گویا
دوبان اس کو بیگانہ سمجھ کر نکالتا پھرتا ہے۔

بیخود، اگر دیوانی کو مخاطب کیا جائے تو لطف سے خالی نہیں۔ اسی
سبزہ بیگانہ کے معنی بیچ میں نہیں لاتے اور اس کے بغیر شعر میں شعوبت
پیدا نہیں ہوتی۔

۸۔ خون گشتہ .. خون شدہ، وہ آندوئیں جن کا خون ہو گیا ہو یعنی پوری
ت ہوئی ہوں چہ چراغ مردہ .. بجھا ہوا چراغ + بے زبان۔ چراغ کی لو کو زبان
سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس لیے بجھے ہوئے چراغ کو زبان کہا ہے۔

میری خاموشی میں لاکھوں خون گشتہ آندوئیں پوشیدہ ہیں گویا میں گود غریباں
کا بجھا ہوا چراغ ہوں یعنی میری بے زبانی گود غریباں کے بجھے ہوئے چراغ کی طرح
لاکھوں خون گشتہ آندوئیں کی دلیل ہے۔ (سب متفق)

بجھے ہوئے چراغ کو بے زبان آدمی اور خون گشتہ آندوئیں کو گود غریباں کے
ساتھ مشابہت دینا نہایت خوب ہے۔

مستحید، گود غریباں میں بجھے ہوئے چراغ کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ
معلوم مدفونین کی (جو کہ اس قدر بیکیں ہیں کہ ان کی قبروں پر کوئی چراغ جلانے والا
بھی نہیں) کیسی کیسی آندوئیں کا خون ہوا ہو گا۔ بقول اسی مضمون نہایت حسرتناک
الفاظ میں ادا ہوا ہے۔

۹۔ پر تو .. عکس + ہمنوز .. ابھی، اس لفظ سے ظاہر ہے کہ خیال جاتا
رہا ہے۔ لیکن اس کا پرتو باقی ہے جس کی وجہ سے دل کے تنگ و تاریک حجرہ میں
کچھ روشنی باقی ہے۔ دل افسردہ .. خانہ دل جس میں (خیال یا رے نکل جانے سے)
افسردگی طاری ہے + حجرہ .. تنگ و تاریک کو ٹھٹھری، گویا افسردگی سے حجرہ زندہ

بن گیا ہے۔ حجرہ یوسف۔ جس میں یوسف کو قید کیا گیا تھا۔ وہ نہایت تنگ و تنار یک تھا لیکن اُس کے خُش کے نور سے وہ متحد ہو گیا تھا۔ پر تو خیالِ یار کو حضرت یوسف کے پر تو حسن سے اور اپنے اولیٰ افسردہ کو حجرہ زندانِ یوسف سے تشبیہ دی ہے۔

نیں ابھی اپنے محبوب کو بالکل نہیں بھولا۔ اب تک خیالِ یار کا عکس دل میں باقی ہے اور فقط اس پر تو سے میرا افسردہ دل حضرت یوسف کا حجرہ زندان بن گیا ہے۔ کہتے ہیں حضرت یوسف کے نور حسن سے تنگ و تنار یک حجرہ بقعہ نور بن گیا تھا۔

سقیقہ حضرت یوسف کا پر تو ان کے آزاد ہونے کے بعد بھی زندان میں رہ گیا تھا۔ اسی طرح حجرہ دل میں پر تو خیالِ یار باقی ہے۔ اُٹسی، ہنوز سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نے خود خیالِ یار کو رخصت نہیں کیا بلکہ وہ افسردگی دل سے جاتا رہا، جو تم ہٹے محبوب کا نتیجہ تھی افسردگی کے معنی ٹھٹھڑ جانا اور سکڑ جانا ہے۔ اس لیے دل میں جگہ باقی نہ رہی۔ افسردہ ہونے سے حجرہ کی مشابہت بہت ہے۔

۱۰۔ تبسم ہٹے پنہاں .. زیر لب مسکراہٹ، جس کا اثر محض ہونٹوں پر ظاہر ہو۔ تبسم حجاب آمیز۔

عاشق نے محبوب کو خواب میں تبسم ہٹے پنہاں کہتے دیکھا ہے اور وہ اس خواب سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ محبوب آج رقیب کی بغل میں سو رہا ہے اسی وجہ سے وہ خواب میں حجاب آمیز تبسم کرتا ہوا دھلائی دیا ہے ورنہ وہ مستم شعار میرے خواب میں آتا اور تبسم ہٹے پنہاں کرتا، غیر ممکن ہے (حجاب آمیز مسکراہٹ وصل کا پتہ دے رہی ہے)

یہ خود۔ طباطبائی؛ تو رقیب کی نسل میں سویا ہوا ہے اور تیری حجاب آمیز مسکراہٹ مجھے خواب میں نظر آرہی ہے۔

۱۱۔ لہو پانی ہونا؛ رونا۔ خیال ہے کہ خون پانی ہو کر آنسو کی صورت اختیار کرتا ہے + قیامت ہے .. انتہائی مصیبت ہے + سرشک آلود ہونا .. آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانا۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تیری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے سے کتنے عاشق کا لہو پانی ہو کر آنکھوں کے راستے بہ گیا ہوگا۔ یعنی انھیں کس قدر حکیم پہنچی ہوگی۔ تیری آنکھوں میں آنسو آجانا تیرے چاہنے والوں کے لیے قیامت سے کم نہیں۔

سعدیہ (۱) تیرے غم میں معلوم نہیں کتنے حواں نصیبوں کا خون چکر آنسو بن کر آنکھ کے راستے نکلا ہوگا۔ تب کہیں تیری آنکھیں سرشک آلود ہوتی ہیں۔ (۲) میرے ہم خیال۔

یہ خود؛ کس کس عاشق کا لہو پانی کی طرح تونے بہایا ہوگا۔ اب اللہ مہربان کی یاد تجھ کو زلزلہ رہی ہے۔

طباطبائی؛ مڑگان معشوق جو ہمیشہ عاشق کے دل و جگر میں کھٹکا کرتی ہیں اس کا آنسو دہی آنسو ہے جو عاشق کے دل میں پیدا ہو کر آنکھوں کی طرف جایا چاہتے ہیں خود تیری سزا پر آنسو ہوتا اس کی علامت ہے کہ عاشق کا لہو پانی لپک ہو گیا۔

حسرت؛ تیری جھلک کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا۔ جس کی ندامت کے باعث تیری آنکھیں رھکتی ہیں (۲) میرے ہم خیال۔

۱۲: نظر میں ہے۔ سمجھتا نہیں ہوں، بیش نظر ہے + جادہ .. راستہ +

شیرازہ - تجزہ بندی، اجزا کو اکٹھا سی دینا + اجزاء لکھنے پر لیٹان ...
بکھرے ہوئے تجزہ -

اسے غالب جادو راہ فنا ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے گویا
اسے میں کبھی نہیں بھولتا۔ کیونکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ دُنیا کے اجزاء پر لیٹان
رشتہ فنا میں منسلک ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا کی تمام چیزیں چلے ان میں کتنا
ہی تباہی اور اختلاف کیوں نہ ہو، فنا ہو کر ایک ہو جاتی ہیں۔
گویا رشتہ فنا میں تہم اور لاق عالم سے ہوتے ہیں۔

۱۰

نہ ہو گا ایک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا ۱ حباب موجِ رفتار ہے نقشِ قدم میرا
عجبت تھی میں سے لیکن اب یہ بیابان غمی ہے ۲ کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا
۱۔ ایک بیابان ماندگی .. اتنی تھکان جو ایک بیابان کی آوازی سے پیدا ہو
یعنی بہت زیادہ تھکان + ذوق .. ذوق صحرا نوردی + حباب .. بیلہ موج .. موج +
رخسار کو موج اور نقشِ قدم کو حباب سے تشبیہ دی ہے۔ کثرت ماندگی سے بھی
بھی میرا ذوق صحرا نوردی کم نہ ہوگا۔ کیونکہ میرا نقشِ قدم موجِ رفتار کا حباب ہے۔ موج
اور حباب کا ذوقِ روانی کسی صورت میں کم نہیں ہوتا بلکہ موج جس قدر آگے بڑھتی ہے
حباب پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں سنتے ہیں پھر میں جلتے میں اور موج کے ساتھ ساتھ
ہستے ہیں، اسی طرح میری کثرت ماندگی صحرا نوردی میں مانع نہیں ہو سکتی بلکہ میں کثرت ماندگی
کے باوجود آگے بڑھتا چلا جاؤں گا۔

بیخود، جس طرح موج آب آگے ہٹنے کی غرض سے ابھرتی ہے اسی طرح میرا
نقشِ قدم آگے بڑھنے کا شوق رکھتا ہے۔

۲۔ بے دماغی .. بیزاری - نفرت + ناک میں دم آنا .. بیزار ہونا تنگ

ہونا + یہ محاورہ خوب بر محل ہوا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ مجھ کو عین سے بہت دلچسپی تھی لیکن اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ
بوسے گل سے بھی میرا دل بیزار ہے اور میں اس سے گھبراتا ہوں۔ بتقاضا تھے
فطرت انسانی اکثر اوقات بالیوسی اور افسردگی کی وجہ سے مرغوب اور دل پسند
چیزوں سے بھی نفرت و بیزاری ہوتی ہے۔

سعید: فخرِ عشق سے یہ بے دماغی پیدا ہو جاتی ہے۔

بیخود: انقلابِ زمانہ سے محبت نے نفرت کی صورت اختیار کر لی ہے۔

۱۱

سراپا دہنِ عشق و ناگزیرِ الفت، ہستی ۱۔ عیادتِ برق کی کرتا ہوں اور افسوسِ حاصل کا۔
بقدرِ طرف ہے ساقیِ خمارِ شہ کا می بھی ۲ جو تو دیباچے ہے تو میں عجیبانہ ہوں ساحل کا
۱۔ سراپا دہنِ عشق .. ہمدنِ مبتلائے عشق + ناگزیر .. مجبور۔ ناچار + ناگزیر
الفت، ہستی .. جان کو عزیز رکھنے پر مجبور ہوں + حاصل .. خرم، انجام + عشق کو
برق اور ہستی کو خرم سے تشبیہ دی ہے۔

میں سرتاپا دہنِ عشق ہوں۔ یعنی مبتلائے عشق ہوں مگر لطف یہ ہے کہ
پھر بھی اپنی جان کو عزیز رکھنے پر قہراً مجبور ہوں۔ پس میری مثال اس شخص کی سی
ہے جو برق کی پرستش کرتا ہے مگر جب برق اس کے خرم پر گر کر گرھیں کو جلا ڈالتی
ہے۔ تو پھر اس کے جل جانے کا افسوس بھی کرتا ہے۔

حسرت: میں طاعت گزار ہوں برقِ عشق کا اور طالب ہوں فنا کا لیکن ساتھ
ہی اس کے چونکہ الفت، ہستی فطرتِ انسانی میں داخل ہے اس لیے جان بھی عوز
ہے پس میں حاصل یعنی ہستی کا افسوس کرتا ہوں جس سے میرے کمالِ شوق فنا میں
کسی قدر نقص بھی نمودار ہے، مختصر یہ کہ میں موت کا طلبگار ہوں اور اپنی ایسی زندگی

پرافسوں کرتا ہوں جس پر موت کو ترجیح ہے۔

۲۔ بقدر ظرف.. حوصلہ کے مطابق.. تشنہ کامی.. پیاس + تھار.. نشہ کا آثار + خمیاۃ.. جمائی.. نشہ اُترنے کی نشانی.. جب نشہ ٹوٹتا ہے تو آدمی بار بار جمائیاں اور انگڑائیاں لیتا ہے۔ ساحل کی کچی کو انگڑائی کی صورت میں دکھایا ہے۔ اسے سلی ہر شخص کو بقدر حوصلہ تشنہ کامی ہوا کرتی ہے مگر میرا ظرف بہت بڑا ہے۔ حد یہ ہے کہ دریائے شراب بھی مجھے سیر نہیں کر سکتا جس یوں سمجھ لے۔ اگر تو دریائے شراب ہے تو میں اس دریائے شراب کا ساحل ہوں اور ساحل کی یہ خاصیت ہے کہ باوجود نوب کی و فیاضی دریا کے وہ کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ ٹیڑھا ہو ہو کر انگڑائیاں ہی لپکا کرتا ہے کہ اُس کا نشہ ٹوٹ رہا ہے اور اسے شراب کی ضرورت ہے۔ اس لیے اگر تُو بہ افراط شراب پلا سکتا ہے تو میں بھی ساحل ہوں، گویا میرا ظرف تیری دریا دلی کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ (۲) یا یہ کہ جس قدر تیرا حوصلہ شراب پلڑنے میں بڑھا ہوا ہے اُسی قدر میرا ظرف بھی بڑا ہے۔ اُسی نے پہلے معنی لکھے ہیں اور باقی شارحین دوسرے معنی لکھتے ہیں۔

۱۲

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا ۱ یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساد کا رنگ شکستہ صبح بہارِ نظارہ ہے ۲ یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز ۳ میں اور دکھ تری مژدہ ہائے دماز کا صرف ہے ضبطِ آہ میں میرا و اگر نہ میں ۴ طعمہ ہوں ایک ہی نفس جا نگداز کا میں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے چھل ۵ ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز ۶ ناخن پہ قرصِ اس گروہ نیم باز کا

تاریخ کاوش غنیمت بھجلاں ہوا آئند
میتہ کہ تھا دینہ گھر ہلے راز کا

۱۔ محرم .. دافت + توا .. آواز + پردہ .. پردہ ساز۔ جس میں سے
نغمہ پیدا ہوتا ہے + ساز .. آئہ موسیقی + حجاب .. پردہ + پردہ کو ساز کے
ساتھ مناسبت لفظی ہے۔

اسے شخص چونکہ تو راز کے نغموں سے نا آشنا ہے اس لیے تو نغمہ حقیقت
کو نہیں پہچان سکتا۔ اگر تو حقیقت میں سے دیکھے تو تجھ کو ہر چیز پر دہسائے
کی طرح نغمہ خیز اور اسرار غیبی کو ظاہر کرنے والی دکھائی دے۔ لیکن چونکہ تو نغمہ راز
سے نا بلد ہے اس لیے پردہ ساز تیری آنکھوں کے سامنے پردے (لاٹ) کا
کام دیتا ہے اور تو اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

۲۔ رنگ شکستہ .. اڑا ہوا رنگ + صبح بہار .. موسم بہار میں صبح کے
وقت پھول کھلتے ہیں اور اسی وقت خلیاں جہاں انگڑائیاں لیٹے ہوئے اٹھتے
ہیں نیز جب سو کر اٹھتے ہیں تو فیند کے خار سے طبیعت مسست اور رنگ
پھیکا پڑ جاتا ہے۔ مسستی دور ہو جانے کے بعد طبیعت شگفتہ ہوتی ہے۔ یہ نظر
غالب نے دوسرے مصرعے میں پیش کیا ہے۔

کہتے ہیں جب محبوب خوابِ ناز سے اُٹھتا ہے تو اُس کا اڑا ہوا رنگ
صبح بہار کے رنگ اُڑنے کا منتظر پیش کرتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جس وقت
ایک طرف کلیاں کھلتی ہے اور دوسری طرف معشوقوں کے گلہائے ناز شگفتہ
ہوتے ہیں یعنی مسکتے ہوئے بیدار ہوتے ہیں۔

سعیقہ: (۱) عاشق کا رنگ شگفتہ دیدنی ہے اور چونکہ اسے معشوق تیری وجہ
سے ہے۔ اس لئے تجھے اپنے اندازِ محبوبی کو برسرِ کار لانا چاہیے۔

بیخود: میرا اٹا ہوا رنگ میرے دوست کی صبح بہارِ نظارہ ہے اور وہ
 یہی وقت تو ہے جب اس کے گلہائے ناز کھلا کھاتے ہیں۔ اے معشوق صبح کے
 وقت میرے منہ پر ہوا تیاں اُٹتی ہوئی دیکھ کر تو بھی اپنے ناز و انداز کے بھول
 کھانے میں مصروف ناز و انداز ہو جا۔

اسی: نظارہ معشوق نے میرا رنگ اڑا دیا ہے اور وہ رنگ پریدہ مثل
 صبح بہار اور پھولوں کا کھلنا لازم و ملزوم ہیں اور وہ پھول ناز معشوق کے
 پھول ہیں۔ یعنی معشوق جب اپنے نظارہ سے میرا رنگ اڑتا ہوا دیکھے گا تو
 اُس کو اپنے حُسن اور ناز ہو گا۔ اسی: طباطبائی کے ہم خیال ہیں۔ طباطبائی
 نے اس قدر اور لکھ ہے کہ میرے منہ پر ہوا تیاں اُڑتے ہوئے دیکھ کر
 وہ سرگرم ناز ہو گا۔ یعنی میرا رنگ اڑ جاتا وہ صبح ہے جس میں گلہائے ناز
 شگفتہ ہوں گے۔

حسرت: شب و صبح کی صبح کو محبوب کا رنگ شکستہ ”صبح بہارِ نظارہ“
 ہے۔ یعنی اس کی دلپذیری قابلِ دید ہے۔ اس لیے گلہائے ناز کے شگفتہ ہونے
 کا یہی خاص وقت ہے۔

م: صرف .. فائدہ + طعم .. لقمہ + نفس جانگداز .. جان کو
 پگھلا دینے والی آہ۔

آہ کو ضبط کرنے میں میرا ہی فائدہ ہے۔ ورنہ ایک ہی آہ جانگداز میرا
 خاتمہ کر دے۔

طباطبائی: اپنی ناقوانی و نقاہت اور اپنی آہ کی شدت و حدت کا بیان
 مقصود ہے۔

۳۲ نظر ہائے تیز تیز .. غضب آلود نگاہیں + مڑھاتے دراز ..۔۔۔

لمبی لمبی پلکیں۔

تو غضب آلود نظروں سے غیر کو دیکھتا ہے اور مجھے تکلیف ہوتی ہے۔
کہ تیری مرہ ہائے دراز کا غیر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اس طرح دیکھنے سے تیری
مرہ گان دراز کو مفت میں تکلیف ہوتی ہے اور اس تکلیف سے میرا دل کڑھتا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ختم آلود نگاہوں سے بھی تو مجھ کو دیکھ۔

سہا: مرہ ہائے تیز تیز.. اُلفت بھری نظریں۔ تیری نازک مرہ گان
کو قیب کے پتھر جیسے دل کے چھیدنے میں تکلیف ہوتی ہوگی ان کے لیے تو
میرے جیسا نرم دل چاہیے۔

بیخود: جو لطف و عنایت کی نگاہیں تو غیر پر کرتا ہے۔ ان سے میرے دل
میں رشک و حسد پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تیرا عشق و رشک
کی برجھیاں میرے دل میں چھبھتا ہے۔

آئسی: تو غیروں کو تیز نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس سے میرے اوپر
برجھیاں چلتی ہیں یا ہر وقت تیری پلکوں کے عشق کا دکھ اٹھانا ہوں اور تو غیروں
کو دیکھتا ہے۔ ہائے علامت جمع ہے، بطور کلمہ تاسف بالکل غلط ہے طباطبائی
دو: صورتوں کو صحیح بتاتے ہیں۔

۵۱۔ بساط.. فرش + شیشہ باز.. بیخود۔ شعبہ باز بوتل کو اچھالنے
ہیں پھر اس کو اپنے جسم پر لیتے ہیں اور اس طرح ناچتے ہیں کہ بوتل جسم پر پھرتی رہتی
ہے اور زمین پر گرنے نہیں پاتی۔

طباطبائی: مرد و خیرہ باز اس کو کہتے ہیں جو شعبہ دکھاتے وقت ہاتھوں
کو اور سر کو ہلاتا ہے۔

آئسی: ہندوستان کے نٹ اور کتھک برتن میں پانی بھر کر سر پر رکھ کر ناچتے

ہیں اور وہ گرنے نہیں پاتا۔

شراب میں اس قدر جوش پیدا ہوا ہے کہ شیشے خود بخود گردش میں آ گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فرش کا ہر گوشہ شیشہ باز کا سر ہے کہ اس پر شراب کے بربز شیشے گردش رقص کر رہے ہیں۔ محفل سے لوشی کا نقشہ بہت خوب نکھینچا ہے۔

۶۔ کاوش .. کریدنا، کھودنا، گرم نیم باز .. آدھی کھلی ہوئی گرمہ۔ دل کو گرمہ سے تشبیہ دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گرمہ دل کو پہلے تھوڑا بہت کھولا جا چکا ہے۔

میرا دل جو تنگی و گرفتگی محبت سے گرم ہو کر رہ گیا ہے۔ ناخن پر کاوش کے اس طرح تقاضے کر رہا ہے کہ اس گرمہ کو بالکل کھول ڈال۔ نیم باز نہ ہونے کا یعنی مزید کاوش کر۔ ان تقاضوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ناخن ابھی اس کا مقروض ہے۔

آہستی: (۱) میرے ہم خیال (۲) گرفتگی سے اگرچہ دل گرم ہو کر رہ گیا۔ لیکن کاوش سے باز نہیں آتا اور میں برابر اس کو ناخن سے کھودے جاتا ہوں۔ (۳) دل میں جو ابھی تھوڑا سا زخم ہے اس کو اور بڑھانا چاہتا ہے۔

نیم خود: یار کی گرمہ بند قبا ہم سے آدھی کھل سکی۔ اس جرم میں ہمارا دل ہم سے کاوش کا تقاضا کر رہا ہے اور ناخن پر ابھی تک گرمہ کا فرصت باقی ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اپنے دل کو اس ناخن سے کہ جس سے بند قبا پورا نہ کھل سکا کرید کر زخمی کر لیں۔ اس سے زیادہ اس ناکامی کا بدلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

۷۔ تاراج کرنا .. بربلو کرنا۔ لوٹنا، دھیندنا .. پوشیدہ خواہش، غم بھراں .. غم جدائی۔

اسد کا وہ سینہ جس میں کہ گہرائی راز محفوظ تھے۔ کادش غم چھلنے لگا
لوٹ لیا یعنی غم جدا کرنے سے کھود کھود کر نکال لیا اور بر باد کر دیا۔ اسی اور
طباطبائی کہتے ہیں۔ اس بیان سے یہ مقصود ہے کہ غم نے رسوا کر دیا۔

۱۳

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا ۱ رکھیو یارب یہ در گنجینہ جو ہر کھلا
شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منتظر کھلا ۲ اس تکلف کو گویا تنگے کا در کھلا
گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دست کاھاؤں کیا ۳ استیں میں دشت پندار ہاتھ میں ہنتر کھلا
گوئے مجھوں اُس کی باتیں نہ پاؤں اُس کا مجید ۴ پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری ہیکر کھلا
ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال ۵ غلغلہ کا آگ وہ ہے میری گور کے اندر کھلا
منہ نہ کھلے رہے وہ عالم کہ وہ کیا ہی نہیں ۶ زلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے منہ پر کھلا
دور رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا ۷ جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نفل ۸ آج تو دھری کو ہے گادیدہ اختر کھلا
کیا ہوں غربت میں خوش جیم ہو لوٹ گیا ۹ نامہ لاتا ہے وطن سے تار بر اکثر کھلا
اُن کی اُمت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند

۱۰ واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

۱۔ اشعار کا دفتر کھلا۔ مشاعرہ جاری ہو گیا۔ گنجینہ گوہر۔ مراد بزم شعرا
یا محفل شہنشاہ، ان مشاعروں کی طرف اشارہ ہے جو قلم و محفل میں ہوا کرتے تھے۔
۲۔ شاہ شاہ کے مذاق سخن اور مجمع شعرا کے لحاظ سے بزم شہنشاہ کو گنجینہ گوہر کہا ہے۔
رکھیو در کھلا۔ آباد رکھیو۔

شہنشاہ کی محفل میں پھر شعرا اپنا اپنا کلام پڑھ رہے ہیں۔ اس مشاعرے
کی تجدید سے مسرور ہو کر وہ عالم گنتے ہیں کہ یارب اس سخن کو ہمیشہ آباد رکھنا۔

طیبا طبائی، بزم شاہی جو گنجینہ نگاہ ہے تو محض اس سبب سے کہ میرے
اشعار کا دہاں دفتر کھلا ہے اور یہ دعا ہے کہ الہی اس در کو آبلور کھ اور اس
کا فیض جاری رکھ۔

۲۔ انجم رخشندہ، چمکتے ہوئے ستارے، منظر، سماں، تکلف ..
شان، بتکدہ .. بُت خانہ میں چراغ روشن ہوتے ہیں۔ ستاروں کو چراغ سے
تشبیہ دی ہے یا ستارے ہی بتوں سے مشابہ ہیں۔

رات ہو گئی چمکنے والے ستارے نکل آئے اور یہ ستارے اس تکلف اور
شان سے برآمد ہوئے جیسے بتکدے کا دروازہ کھلتا ہے۔ بتکدے یا کسی
معبد کا دروازہ جس شان سے کھولا جاتا ہے۔ وہ ظاہر ہے مطلب صرف اس قدر
ہے کہ رات ہوئی اور ستارے بڑی آن بان سے نمودار ہو گئے۔

بیخود: رات ہو گئی۔ بزم سخن منقطع ہونے کا وقت آ گیا۔ انجم رخشندہ (اشعار)
کا منظر کھل گیا اور وہ (اشعار) ایسے آہستہ میں کہ معلوم ہوتا ہے۔ ڈھلے ہوئے
بُت سامنے رکھ دیئے ہیں۔ جو منہ سے بول رہے ہیں۔

۳۔ دشمن پنہاں .. مخبر چھپا ہوا، لشتر، جنوں کو دُور کرنے کے لیے
لشتر سے فصد کھولی جاتی ہے + دوست .. دوست نما دشمن۔

اگرچہ میں دیوانہ ہوں پھر بھی میں دوست نما دشمن کو خوب پہچانتا ہوں۔ اس
لیے اس کے دھوکے میں نہیں آتا۔ میں سمجھتا ہوں۔ اس نے مجھے دکھانے کے
لیے ہاتھ میں لشتر لے رکھا ہے تاکہ میں سمجھوں کہ میرے جنوں کا علاج فصد کھول کر
کرنا چاہتا ہے لیکن درحقیقت اس کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا ہے اور اس نے اپنی
استیث میں مخبر چھپا رکھا ہے کہ اس ہمارے سے موقع پاتے ہی مجھے قتل کر ڈالے۔
مطلب یہ ہے کہ میں فریب سے جان دینا نہیں چاہتا۔ باوجود دیرانہ ہونے کے

ظاہری دوست اور پوشیدہ دشمن کو پہچانتا ہوں۔

۴۔ بھید پانا .. راز کو جاننا + وہ پری پسیر کھلا .. بے تکلف ہو گیا +
اگرچہ میرے لیے یہ نہایت تکلیف دہ ہے کہ میں اس کی باتیں نہیں سمجھ سکتا
اور اس کا راز نہیں پاسکتا۔ پھر بھی یہ کونسی کم خوشی کی بات ہے کہ وہ پری وہ
محبوب مجھ سے بے تکلف ہو گیا ہے۔ آئندہ خود بخود مجھے مازہ داری کا موقع
مل جائے گا۔

۵۔ حسن عمل .. نیک کام کرنا + خیال حسن .. تصور معشوق۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اعمال نیک کی بدولت نیک لوگوں کی قبریں جنت
جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہتے ہیں خیال حسن
یعنی تصور محبوب بھی حسن عمل کا ہم پایہ ہے۔ کیونکہ خیال حسن سے میری قبر میں جنت
کا دروازہ کھل گیا ہے۔ گویا حسنِ یار کے تصور کی بدولت میں عذابِ قبر سے محفوظ
ہوں۔ اور عذابِ قبر سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جو دنیا میں نیک کام کرتے ہیں۔
لہذا خیال حسن حسن عمل ہوا۔

سہما۔ حسرت۔ طبا طبائی؛ تصور چہرہ معشوق سے قبر میں باغِ بہشت
دکھلائی دے رہا ہے۔ کیونکہ اس کے چہرے میں باغ کی سی رنگینی ہے تو گویا
تصور حسن اور حسن عمل کا ایک ہی ثمرہ ہے۔

دیخو؛ میں حسنِ یار معشوق حقیقی کے تصور میں ایسا محو ہو گیا ہوں کہ اس
کو حسن عمل (عبادت) خیال کرتا ہوں اور اس خیال کی بدولت میری قبر میں جنت
کی کھڑکی کھل گئی ہے یعنی میری بخشش ہو گئی ہے۔

آکسی؛ (۱) میرے ہم خیال (۲) میں عشق کی بدولت دنیا کے جھگڑوں سے
علیحدہ اور ہمیشہ ظلم و ستم سہتا رہا۔ اب مرنے کے بعد بھی وہی خیال ہے تو انہی

وہ بات سے خیالِ حُسنِ حُسنِ عِل بن گیا اور اسی کا یہ بدل ہے۔

۶۔ ہے وہ عالم .. وہ کیفیت + مُنہ پر کھلنا .. زیب دینا + نقاب .. پردہ۔ نمازِ قدیم میں نقاب مذکر بولا جاتا تھا۔ اب دہلی والے موٹ بوتلے ہیں۔

گورے گورے چہرے پر کالی کالی زلفیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن غالب اپنے محبوب کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ باوجود چہرے پر نقاب ہونے کے اس کے حُسن کا وہ عالم ہے کہ ہم نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ سبحان اللہ۔ اس شوخ کے چہرے پر نقاب زلفوں سے بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھا ہی نہیں اور مُنہ پر کھلا کے معنوں نے شعر میں جدت اور حُسن پیدا کر دیا ہے۔ بیخود: موشوقِ حقیقی کا حُسن و لہریب باوجود اس قدر پردوں کے جو ظہور تجلیاتِ قلب عشق پر کر رہا ہے اس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔

۷۔ کمالِ مہربانی سے اس نے مجھ سے کہا کہ تم کو میرے در پر پڑے رہنے کی اجازت ہے۔ یہ سُن کر میں نے اپنا پٹا ہٹوا بستر کھولنا شروع کیا لیکن اس کی شوخی دیکھتے جتنی دیر میں میں نے پٹا ہٹوا بستر کھولا یعنی بہت ہی جلدی وہ اپنے الفاظ سے پھر گیا اور مجھے پھر اپنا بستر لپیٹنا پڑا۔ اپنی خانہ بدوشی۔ محبوب کی وعدہ خلافی اور تلون مزاجی اور اس کی شوخی اور ستم طریقہ کا خوب پُر لطف نقشہ کھینچا ہے۔

۸۔ شبِ غم .. شبِ بھر + بلاؤں کا نزول .. مصیبتیں نازل ہونا۔ اختر .. ستارہ۔

آج شبِ غم تاریک کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ آسمان سے مصیبتیں زمین پر نازل ہو رہی ہیں اور تاروں نے اُن کے اُترنے کا تماشا

دیکھنے کے لیے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف کر لی ہیں۔ اسی لیے روئے زمین پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ شب غم کی تاریکی اور بلاؤں کے نازل سے گھبرا کر کہتے ہیں کہ کیا آج ستاروں کی آنکھیں آسمان کی طرف دیکھتی ہیں گی اور سطح زمین کو اپنی روشنی سے منور نہیں کریں گی۔ یعنی کیا یہ بلائیں ساری رات نازل ہوتی رہیں گی اور ستارے تمام رات ان کے نمائشے میں محو رہیں گے۔

یہ بخود: اگر روشنی ہوئی اور میں ان بلاؤں کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھ سکتا تو شاید کچھ اپنی حفاظت کی تدبیر کرتا۔

اسی: مصنف اعتراضاً لکھتا ہے کہ شب غم اس قدر تاریک کیوں ہے حالانکہ آج بلائیں نازل ہو رہی ہیں اور دیدہ اختر نخست بھی ادھر ہی کو کھلا رہے گا۔ جس سے تاریکی نہ ہونا چاہیے۔ کیوں ازراہ اعتراض ہے کہ بطریق سوال۔

۹۔ غربت .. مسافری + حوادث .. آفات ارضی و سماوی۔ مراد خبر مرگ + نامہ کھلا .. دستور تھا کہ جس خط میں کسی عزیز کی خبر مرگ ہوتی تھی اسے کھلا ہوا ہی روانہ کرتے تھے۔

میں مسافری میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں جبکہ حادثات کا یہ عالم ہے کہ وطن سے جو خط آتا ہے وہ اکثر کھلا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی اس میں کسی اند کسی عزیز کی موت کی خبر درج ہوتی ہے۔ اسی دوسرے معنی پر لکھتے ہیں کہ میرے عزیز اور دوست مجھے کھلے ہوئے خط بھیجتے ہیں یعنی مجھے رازداری کے قابل نہیں سمجھتے۔

۱۰۔ اُمنت میں ہوں .. پیرو ہوں + کام بند رہیں .. ناکامیاب باؤں ہیں + گنبد بے در .. یعنی آسمان۔ شب معراج سے گناہ ہے کہ

جب رسول مقبول عرش پر تشریف لے گئے تو آسمان اُن کے لئے کھُل گئے۔
اسے غالب میرے کام کیونکر بند ہو سکتے ہیں۔ میں تو اس کی اُمت ہیں
ہوں جس کے لیے آسمان کابلے درگنبد کھُل گیا تھا۔ گویا میری کامیابی
حضرت رسول کی اُمت میں ہونے کی وجہ سے یقینی ہے۔

۱۲۷

شب کہ برق سوزِ دل سے نہرو ابراب تھا ۱ شعلہٴ جوالہ ہر اک حلقہ گرداب تھا
داں کر مگر کو عنبرِ بادش تھا خنیاں گیرام ۲ گریہ سے یاں پیہ بالش کفِ سبب تھا
داں خود آرائی کو تھا سوتی پروئے کا خیال ۳ یاں جھوم اشک میں تارنگہ نایاب تھا
جلوئے گل نے کیا تھا داں چراغاں آبِ جو ۴ یاں رواں مرہ گانِ چشم تیسے خونِ ناب تھا
یاں میرے شہرِ یخوئی سے تھا دیوارِ جو ۵ داں وہ فرقِ نازِ محوِ بالش کخواب تھا
یاں لعل کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ مخدئی ۶ جلوئے گل داں بساطِ صحبتِ اجاب تھا
فرش سے تلخ داں طعنان تھا صبحِ رنگ کا ۷ یاں از میں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا
• ناگیاں اس رنگ سے خونِ نابہ ٹپکلنے لگا

دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخنی سے لذتِ زہ تھا

۱۔ برق سوزِ دل .. تپشِ قلب کی بجلی + نہرو اب تھا .. پتہ پانی ہو گیا
تھا یعنی سخت پیسیت زوہ تھا + شعلہٴ جوالہ .. گردش کرنے والا شعلہ شعلہٴ زند
گرداب .. بصور۔

رات کو میرے دل کی گرمی اور پیسیت سے ابر کا پتہ پانی پانی ہو گیا تھا او
اس پانی میں جو بھنور پڑتے تھے وہ میرے دل کی تاثیر سے شعلہ ہائے لہذاں
معلوم ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شب بھر میں پانی اور آگ کا ایک طوفان
اٹھ رہا تھا۔

۲۔ کرم .. کرم کرنے .. یعنی تشریف لانے + عنان گیر .. مانع + خرام .. چلتا یعنی تشریف لانا + پنبہ بالاش .. تکیہ کی روٹی + کف سیلاب .. سیلاب کے جھاگ۔

اُدھر اُن کو میرے گھر تشریف لانے میں بارش کا غدر تھا اور ادھر میری یہ حالت تھی کہ ان کے انتظار میں تکتے پر سر رکھے اس طرح دور ہاتھ کا کھنکھ سے آنسوؤں کے دریا بہ گئے تھے اور میرے تکتے کی روٹی اس سیلاب میں کف سیلاب معلوم ہوتی تھی۔

سجید: (۱) معشوق نے بارش کا تو بہانہ کیا لیکن میری حالت کو نہ دیکھا۔ جو اس کے نہ آنے سے زار ہو رہی تھی۔ اس لیے ان کو آنا ملتوی نہ کرنا چاہیے تھا آتھی (۱) میرے ہم خیال (۲) کف سیلاب تکیہ کی روٹی تھی۔ یعنی روٹی کا تکیہ بہا بہا پھرتا تھا (۳) میل میں اس قدر جھاگ تھے کہ روٹی معلوم ہوتی تھی۔

۳۔ خود آرائی .. بناؤ سنگار، آرائش + موتی پرونا .. بہت زیادہ آرائش کرنا + تارنگہ نایاب تھا .. دکھائی نہ دینا تھا۔

وہ تو اپنی آرائش اور بناؤ سنگار میں موتی پرور ہے ہتکتے یعنی حد درجہ مصروف تھے اور ادھر انتظار میں ہماری یہ حالت تھی کہ روتے روتے کثرتِ گریہ کے باعث نظر بھی نہ آتا تھا۔ یعنی ہم نے تارنگہ میں اتنے ذرائع پر وٹے تھے کہ تارنگہ بالکل چھپ گیا تھا۔

اس شعر میں تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ دو متشابہ چیزوں کا ذکر کر دیا ہے جو کمالِ فن ہے۔ اس کے علاوہ دوسری خوبی یہ ہے کہ جو کچھ محبوب کر رہا ہے وہی عاشق بھی کر رہا ہے۔ عاشق کی اشکباری اور معشوق کی خود آرائی کی تصویر

خوب کھینچی ہے۔

۴۔ باغ میں سُرخ سُرخ پھول اس کثرت سے تھے کہ ان کے عکس نے آجکے میں چراغاں کر دیا تھا لیکن یہاں ہمارا یہ حال تھا کہ اشکبار آنکھوں سے خالص خون کے نالے بہے چلے جاتے تھے، گویا آبِ بحو کے مقابلہ میں چشمِ ترغی اور شاتھائے گل کے جواب میں پلکوں پر لہو کی بوندیں۔ قطراتِ اشکِ نکلیں کی گل سے تشبیہ بہت خوب ہے۔

۵۔ سرِ پُر شور .. سرِ شوریدہ ! پر از سودا + بے خوابی .. نیند نہ آنا، دیوارِ جو .. (سرِ مگرانے کے لیے) دیوارِ ڈھونڈھتا تھا + فرقِ ناز .. سرِ غرورِ بالش .. تکیہ + کم خواب .. ایک قسم کا قیمتی کپڑا۔

بہند نہ آنے کی وجہ سے میرا پر از سودا سرِ دیوار کی تلاش میں تھا کہ اس سے ٹکریں مار کر بیہوش ہو جائے اور ادھر محبوب اپنا سرِ ناز کم خواب کے تکیہ پر رکھے۔ کمالِ ناز سے محو خواب تھا۔ بے خوابی اور کم خواب کی رعایت خوب ہے۔

۶۔ نفس .. آہ + بساط .. فرش + احباب .. احبابِ محبوب یعنی قریب! ادھر ہماری بنزم بے غدی میں ہماری آہ کی شمع روشن تھی اور ادھر محبوب کی محفل میں ان کے احباب کے لیے پھولوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ یعنی ہماری یہ حالت کہ صدمہٴ فراق سے ہم بے خود ہو رہے تھے اور ادھر محبوب رقیبوں کے جلسہ میں عیش اُڑا رہا تھا۔

۷۔ فرش سے تا عرش .. زمین سے آسمان تک، طوفان .. کثرتِ ہوا، موجِ رنگ .. عیش و عشرت + سوختن کا یاب .. سوختن کی پوری گدالی۔ اُن کی محفل میں فرش سے لے کر عرش تک عیش و نشاط کا ایک طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور یہاں محض جلنا ہی جلنا ہے۔

آسی و طباطبائی : (۱) دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ یہاں کا زمین و آسمان
آگ لگا دینے کے قابل تھا۔

۸۔ اس رنگ سے .. اس طرح سے، غزل کی طرف اشارہ ہے +
خونتابہ .. خالص خون، یعنی دردِ خیمہ اشعار + کاوشِ ناخن .. کاوشِ غم +
لذتِ یاب .. لذتِ کش۔

یگانگ میرا دل جو کاوشِ غم سے لذتِ یاب ہو چکا تھا، اس طرح سے یعنی
اشعارِ ذیل کی صورت میں خونتابہ ٹپکانے لگا۔ گریز کا بالکل نرالا طعنے لگا ہے۔

۱۵

نالہ دل میں شبِ اندازِ اثرِ نایاب تھا ۱ تھا پسندِ بزمِ وصلِ غیرِ گوشتِ یاب تھا
مقدمِ سبلا بجا دل کیا نشاۃِ آہنگ ہے ۲ خانہٴ عاشقِ مگر سازِ صدائے آب تھا
نازِشِ ایامِ خاکسترِ نشینی کیا کہوں ۳ پہلوئے اندیشہٴ وقتِ بسترِ سنجاب تھا
کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے دنیاں ۴ ذرہ ذرہ ٹوکشِ خورشیدِ عالِیاب تھا
آج کیوں پیدا نہیں اپنے اسیر کی تجھے ۵ کل ملک تیرا بھی دل مرو و قاکا یاب تھا
یادِ کردہ دن کہ ہر اک حلقہٴ تیرے دم کا ۶ انتظارِ صیدِ ہیں اک دیدہٴ یخواب تھا
میں نے رو کا راتِ غالب کو و گرتے دیکھتے

اُس کے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سبلا بجا تھا

۱۔ اندازِ اثر .. اثر + نایاب .. مفقود + پسند .. کالا دانہ جو نظر بد کو
دور کرنے کے لیے جلاتے ہیں۔

رات کو میرے نالہٴ دل میں بالکل اثر نہ تھا۔ وہ اگرچہ سخت بیتاب تھا۔ لیکن اس
کی میتابی اور جلنا بزمِ وصلِ غیر کو نظر بد سے بچانے کے لیے کالے دانے کا کام
دے رہا تھا۔ گویا میری میتابی اور تیشِ دل کا اثر اٹکا تھا۔

۲۔ مقدم سیلاب .. آمد سیلاب .. نشاط آہنگ .. خوش مسرود
ساز صدائے آب .. جل ترنگ، چینی کے ساتھ پیالوں میں پانی بھر کر لکڑی
سے اُٹھاتے ہیں۔

سیلاب کے آنے سے میرادل بہت ہی مسرور تھا کیونکہ اس کی آمد سے
خانہ بربادی اور کلی تباہی کی توقع وابستہ تھی۔ اس تمنا کے پورا ہونے کی خوشی میں
صدائے آب اور مکان کے دریا بُرد ہونے کی آواز سے ایسا معانوم ہوتا تھا۔
جیسے میرا گھر جلترنگ کا ساز تھا۔ ”صدائے آب“ اور ”آہنگ“ سے شعر
میں خوب لطف پیدا ہو گیا ہے مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنی بربادی سے مسرور
ہوتے ہیں۔ صدائے آب اور مکان کی دریا بُردگی سے جو آواز پیدا ہوتی ہے۔
اس میں اس کو جل ترنگ کے نعروں کا لطف آتا ہے۔

۳۔ تازش .. فخر + خاکستر نشینی .. خاک نشینی، بربادی + اندیشہ ..
خیال + سنجاب .. ایک جانور ہے جس کی کھال کے پوستیں، بنائے جاتے ہیں
اور رنگ اس کا خاکی ہوتا ہے۔ یہ پوستیں بہت قیمت پاتے ہیں، ہم رنگی سے
بستر سنجاب اور خاکستر نشینی میں رعایت پیدا ہو گئی۔

میں جن ایام میں خاک نشین تھا۔ اس زمانہ میں قناعت کی بدولت خاک نشینی
پر مجھ کو جس قدر غور و غور تھا وہ بیان نہیں کر سکتا۔ یوں مجھ کو میرے پہلو سے
خیال کو بستر مرگ پر بستر سنجاب کی سی راحت ملتی تھی۔ اس بیان سے اپنی قناعت
اور مشکل پسندی کا اظہار مقصود ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاک نشینی میں
انسان کبر و غرور سے خالی نہیں رہتا۔

طباطبائی : میں خاک نشین تھا مگر میرادل قناعت کے فخر و ناز کے سبب
فرش سنجاب پر لوٹ رہا تھا۔

آسی: خاک نشینی کے ایام کا فخر و ناز کیا بیان کروں کہ اس زمانہ میں ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ کبھی ہم بھی بستر قائم و سجایا پر تھکا اور اس طرح سے خیال عیش نصف عیش بنا ہوا تھا مگر افسوس کہ اب وہ زمانہ نہ رہا۔ یہ معنی اندیشے کے لفظ سے پیدا ہوئے ہیں۔

۴۔ کچھ نہ کی .. کچھ نہ کیا۔ محروم رکھا، جنون نارسا .. عشق ناقص یا بے اثر + روکش .. مقابل۔

افسوس کہ میرے عشق ناقص نے مجھے اکتسابِ تابندگی سے محروم رکھا اور نہ یہاں تو خاک کا ہر ذرہ بے مقدار ہونے کے آفتابِ عالیشان کا مد مقابل تھا۔ اگر ہمارا عشق یاوری کرتا تو ہم باوجود ذرہ بے مقدار ہونے کے آفتابِ عالیشان کی طرح جھکتے۔ یعنی عشق نارسا کی بدولت ہم خاک کے معمولی ذرہ سے بھی کمتر رہے یا یہ کہ اگر عشق ہم کو جلا کر خاک کر دیتا تو ہماری خاک کا ہر ذرہ آفتابِ عالیشان کا ہم پایہ بن جاتا۔

طبا طبائی و بخود: جنون نارسا (عشق ناقص) نے ہم کو اکتسابِ فیضِ تجلیاتِ انوار الہی و اتحادِ معشوق سے محروم رکھا، ورنہ دنیا کا ہر ذرہ اکتسابِ نور سے رشک آفتاب بنا ہوا تھا۔

آسی: (۱) میرے جنون نے نارسائی کی اور حد جنون کو نہ پہنچ سکا ورنہ جنون کے مقام کا ہر ذرہ رشکِ خورشید تھا (۲) جس مقام پر جنون پہنچ چکا تھا۔ اس مقام کا ہر ذرہ روکش آفتاب تھا۔

۵۔ باب .. کتاب کا ایک حصہ۔ دروازہ۔ سرچشمہ۔

پتہ نہیں آج کیا بات ہے کہ تجھے اپنے اسیروں (عاشقوں) کی پروا نہیں ورنہ کل تک تو اس قدر بے پروا نہ تھا بلکہ تیرا دل سرو و فاکا سرچشمہ تھا اور

تو ان کا خاص طور پر خیال رکھتا تھا۔

بیخود نے باب کے معنی دروازے کے لیے ہیں۔ اسی کو باب پر اعتراض ہے کہ یہ اردو میں مستعمل نہیں۔ خالص فارسی ہے۔

۶۔ صبید .. شکار + دام .. جال + دیدہ بیخواب .. کھلی ہوئی آنکھ۔ حلقہ دام کو دیدہ بیخواب سے تشبیہ دی ہے اور وجہ شبیہ ہے کہ چشم بے خواب حلقہ دام کی طرح کھلی رہتی ہے۔ بہت خوب تشبیہ ہے تو ان ایام کو ذرا یاد کر، جب تیرے دام کا ہر حلقہ شکار کے انتظار میں چشم بیخواب کی طرح کھلا رہتا تھا۔ یعنی تو ہر وقت عشاق کا خیال رکھتا تھا کہ میں کس طرح اور کیوں کر ان کو اپنے دام میں پھنساؤں۔

۷۔ کف سیلاب .. وہ جھاگ جو طوفان خیز پانی میں تیرتے پھرتے ہیں + سیل گریہ .. طوفان اشک۔

میں نے رات غالب کو روتے نہ دیا۔ اگر وہ روتا تو پھر تم دیکھتے کہ اس کے سیلاب گریہ میں آسمان کف سیلاب کی طرح تیزتا پھرتا گویا اس کی اشکباری سے اس قدر طوفان آتا کہ آسمان کو بھی جھاگ کی طرح ہسا لے جاتا۔ سیل گریہ آسمان تک پہنچ جاتا اور اس کے تھپیڑوں سے آسمان کف سیلاب کی طرح ہتا۔

۱۶

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا ہر احباب ۱ خون جگر دلیت مرگان یار تھا
اب نہیں ہوں اور اب تم یک شر آرزو ۲ توڑا جو تونے آئینہ تمثال وار تھا
گلیوں میں میری لٹش کو گلینے پھر کہ میں ۳ جاندا دہ ہوئے سر رہگذار تھا
موج شرب دشت وفا کا نہ پوچھ حال ۴ ہر قدہ مثل جوہر تیغ اب دار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پرآب ۵ دیکھا تو کم ہوئے پر غم روزگار تھا
۱۔ ودلیت .. امانت۔ امانت ہمیشہ واپس کرنی پڑتی ہے + جزئیات
پڑا حساب .. یعنی آنکھوں سے خون بہانا پڑا۔

حالی : یعنی آنکھوں سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جگر میں
جتنا خون تھا وہ مرگان یار کی امانت تھی اور اس لیے اس کے ایک ایک قطرے
کا حساب اسی طرح دینا پڑے گا جس طرح امانت کا حساب دینا پڑتا ہے۔
بقول سعید سوائے مرگان یار کی غلش کے کسی اور کی محبت میں خون جگر
آنکھوں سے رواں نہیں کیا جاسکتا۔

آسی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے :- حساب لینے میں غضب پایا
جانا ہے یا حساب اس وقت دینا پڑتا ہے جب کوئی بد نظمی ہوتی ہے میں
بیقراری میں بہتے سا خون بہا چکا تھا مگر اس کے بعد بھی اس کی یاد مرہ کی
کاوش اور محبت نے مجھے چین نہ لینے دیا اور جس قدر میں خون بوجھا تھا اتنا
ہی پھر خون ٹلایا۔ اس احتساب میں مجھے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔
یہ شعر بطریق اخسوس تھا۔

۲۔ ایک شعر آرزو .. وہ شہر جس میں آرزوئیں آبلو ہوں ۔ یعنی
بے حد آرزوئیں + آئینہ تماشال دار .. وہ آبدار آئینہ جس میں عکس نظر
آتے ہیں یعنی میرادل۔

تو نے میرے دل کے آبدار آئینے کو توڑ ڈالا۔ اس میں تو آرزوؤں کا ایک
شہر آباد تھا تو نے اسے توڑ کر میری ہزاروں آرزوؤں کا خون کر دیا۔ اس لیے
اب میں ہوں اور ایک شہر آرزو یعنی تماشال دار کی بربادی کا ماتم ہے۔ بقول
حسرت : تو نے ایک دلکشی کر کے میری ہزاروں آرزوؤں کا خون کر دیا۔

سعیہ: تو نے میرے دل کے آئینہ کو جس میں تیری صورت نظر آتی تھی توڑ ڈالا تو میری سینکڑوں تپناؤں کا خون ہو گیا۔

بیخود: تو نے آئینہ اس حالت میں توڑا جب تو اس میں اپنا سُندہ دیکھ رہا تھا۔ گویا تو تماشا خانہ تھا اور میں یہ موقع غنیمت جان کر تجھ کو دیکھ رہا تھا۔ میرے دل میں ہزاروں تپناؤں اور آرزوئیں جوش مار رہی تھیں جیسے غورِ حُسن نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنا ثانی دیکھتا۔ تو نے آئینہ توڑ ڈالا اور اس کے ٹوٹ جانے سے میری تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ گویا آرزوؤں کا ایک شہر تیرے آئینہ توڑنے سے برباد ہو گیا۔

طبا طبائی: آئینہ میں ایک ہی عکس نظر آتا ہے۔ لیکن جب اسے توڑ ڈالا تو ہر کُٹے میں وہی پورا عکس دکھائی دیتا ہے۔ یہاں پر ہر عکس کو دیکھ کر ایک ایک آرزو کا خون ہوتا ہے۔ غرضیکہ جس آئینہ میں معشوق کے عکس و تماشا کا جلوہ تھا۔ اس کے ٹوٹنے سے ایک شہر آرزو کا خون ہو گیا ہے۔ اُسی اس شرح کو غلط قرار دیتے ہیں۔

۳۔ جانداہ .. کشتہ + ہوا .. آرزو۔ جب میں زندہ تھا تو مجھے کوچہ گردی کا بہت شوق تھا اور یہی شوق میری موت کا باعث ہوا۔ اس لیے میری لاش کو اب گلی کوچوں میں گھینچے پھر دنا کہ مرنے کے بعد بھی میری آرزو پوری ہوتی رہے۔

طبا طبائی: ہوا کے معنی آرزو اور رہگذر سے مراد رہگذر معشوق ہے۔ سعیہ: چونکہ میں نے سب رہگذر معشوق کی آرزو میں جان دی ہے۔ اس لیے میری نفس کو گلیوں میں گھینچے پھر دنا کہ اسی طرح میری آرزو پوری ہو جائے۔ بیخود نے طبا طبائی کی شرح پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس طرح رفتہ رفتہ لوگ

میری نصیحت کو معشوق کی لگی میں لے جائیں گے اور میرا مدعا حاصل ہو جائے گا۔

آسمی: مجھے بڑا شوق تھا کہ سرڑکوں اور شاہراہوں کی ہوا کھانا پھروں جیسا کہ اکثر اسرا در شام کو ہوا بخدی کے لیے نکلتے ہیں۔ اس لیے مرنے کے بعد مجھے یہ سزا دی کہ میری لاش کو چھل میں کھینچے پھر دو اور اس طرح سے میری نازک دماغی اور شوق کو لوگوں پر ظاہر کر کے دُنیا سے تاپا نثار اور اس کے شوقوں سے عبرت دلاؤ کہ کبھی یہ ایسا نازک دماغ تھا، اب اتنا مجموعہ ہے یا یہ کہ میری حالت زندگی میں بھی مجنوںوں کی تھی بعد مرگ بھی وہی ہو۔ آسمی جاندا ہے کہ جگہ دلدادہ لکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے، ہوا کے معنی آرزو نہیں لینے چاہئیں۔ کیونکہ دلدادہ کے معنی آرزو مند ہیں۔ اس طرح سے دلدادہ بیکار ہو جاتا ہے۔

۴۔ سراب .. ایک خاص قسم کی ریت ہے۔ جو دُور سے پانی معلوم ہوتی ہے۔ پیاسا اس کی طرف جاتا ہے۔ پانی کی اُمید میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخر کار پیاس سے ہلاک ہو جاتا ہے + جو ہر تیغ .. تلوار کے خطوط۔

مجھ سے دشت و فاکا حال نہ پوچھو۔ وہ تو صبح سراب کی طرح مہک ہے اور پیلے (دفا پرست) کو دھوکا دے کر ہلاک کر دیتا ہے۔ یوں مجھ کو دشت و فاکا ہر ذرہ جو ہر تیغ کی طرح ابدار ہے، بھلا دشت و فاکا میں گامزن ہو کر کوئی کہاں تک بچ سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ وفا جان لیے بغیر نہیں رہتی۔

آسمی (۱) مخیال (۲) مجھے اپنی وفا سے کیا کیا امیدیں تھیں۔ یعنی جذب کی توقع اور معشوق کی جانب سے بھی وفا کی اُمید۔ مگر وہ سراب نکلا اور میری وفا بیکار رہی اور سردست وفا کے ذرہ ذرہ نے مجھے قتل کر دیا۔

۵ (۱) نا تجربہ کاری کی وجہ سے غم عشق کو ہم کچھ کم خیال کرتے تھے لیکن جب

حقیقتاً عشق میں کمی ہوئی تو دنیا کی تمام آفتوں نے گھیر لیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا کی تمام آفتیں اور آفتِ عشق برابر ہے (۱) عشق دنیا کے غموں سے کمیں زیادہ ہے کہ عشق کے مقابلے میں کوئی اور آفت نہیں آتی۔ یہ خود طباطبائی نے آخری مضمون لکھا ہے۔ اور سعید و آسی نے دونوں مضمون۔ بہر حال آخری مضمون بہتر ہے۔

۱۷

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا ۱ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
گر یہ چاہے ہے خلیجی مرے کا شلے ٹی ۲ درد دیوار سے ٹپکے ہے بیا بیاں ہونا
دائے دیوانگی مشوق کہ ہر دم مجھ کو ۳ آپ جانا ادھر، اور آپ ہی جہاں ہونا
جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے ۴ جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مڑگاں ہونا
عشرتِ قل گز اہل تناسوت پوچھ ۵ عیدِ نظاہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
لے گئے خاک میں ہم داغِ تنائے نشاط ۶ تو ہو، اور آپ بصدنگ گلستاں ہونا
عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا ۷ لذتِ ریش جگر غرق نمکداں ہونا
کی مرے قل کے بعد اس نے جھلتے توہ ۸ ہے اس زودِ پشیاو کا پشیمان ہونا
حیف اُس چادر گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۱۔ انسان ہونا۔ حقیقی صفات انسانی پیدا کرنا۔ بسکہ بہت زیادہ
حالی: ہادی النظر میں یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر غور سے دیکھو
جلے، تو بالکل اچھوتا خیال ہے۔ دعوئے یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان
کام بھی دشوار ہے اور دیر سے ہے کہ آدمی جو عین انسان ہے اس کا بھی عین
انسان بننا مشکل ہے۔ یہ منطقی استدلال نہیں ہے بلکہ شاعرانہ استدلال ہے

جس سے بہتر ایک شاعر استدلال نہیں کر سکتا۔
 اسی: چونکہ ہر کام کا آسان ہونا مشکل ہے۔ لہذا ہر آدمی بھی آدمی
 نہیں کہا جاسکتا۔

طبا طبائی: کمال انسانیت کے مرتبہ پر پہنچنا سہل نہیں ہے۔
 ۲۔ خرابی .. ویرانی و بربادی + کاشانہ .. جھوٹ پر + درو دیوار سے ٹپکنا
 .. ظاہر ہونا + بیابان .. بالکل ویران + الفاظ بہت ہی مناسب لائے ہیں۔
 میری گریہ و زاری کا مدعا یہ ہے کہ میرا گھر ویران ہو جائے۔ چنانچہ اس
 گریہ و زاری کے اثر سے میرے گھر کے در و دیوار سے ویرانی پکیتی ہے جس سے
 ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گھر اس شخصیت سے کوئی دن میں بالکل ویران ہو جائے گا۔
 ۳۔ واٹے .. افسوس + دیوانگی شوق .. جنون عشق + ادھر مرعوشق
 کی طرف۔

مجھ کو اپنے عشق کے دیوانہ پن پر افسوس آتا ہے کہ اس کے تقلص سے
 میں بار بار تیری طرف جاتا ہوں اور پھر آپ ہی آپ جبراً و پریشان ہوتا ہوں
 کہ میں یہاں کیوں آیا۔ کیونکہ رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔ بقول آگنی یہ شوق تھا۔
 یعنی جنون تھا کہ تیرے کو چہ میں ہزار بار گئے اور ہزار بار آئے۔

طبا طبائی: ہر دم یعنی ہر مرتبہ سانس لینے سے میں اس مبداء حیات و
 وجود کی طرف دوڑتا ہوں اور اپنی نار رسائی سے حیران ہو کر رہ جاتا ہوں۔
 بخود: بار بار مرعشوق حقیقی کا مشتاق جمال ہو کر اپنی غمدی سے گزر جاتا
 ہوں اور نار رسائی کی وجہ سے حیران ہو کر سوچتا رہ جاتا ہوں کہ میں کہاں اور اس
 کا دیدار کہاں۔

۴۔ جلوہ .. حسن یار + تقاضائے نگہ .. تقاضائے دید + جو ہر آئینہ

آئینہ فولادی مراد ہے۔

وہ خطوط جو مستقل کرتے وقت پڑتے ہیں۔ مرثگان آئینہ بننا چاہئے ہیں۔ چونکہ یار کا جلوہ محسن بہت ہی زیادہ تقاضائے دید کرتا ہے اس لیے اس کے حکم کی تعمیل میں آئینہ آنکھ اور اس کے جوہر (خطوط) پلکیں بن جانا چاہتے ہیں۔ آئینہ کو آنکھ اور اس کے جوہر کو مرثگان سے تشبیہ دی ہے۔

سمتا و سجد: مرثگان ہونا سے آنکھ بننا مراد ہے۔ یعنی جوہر آئینہ شوق تماشا میں یہ چاہتا ہے کہ مرثگان (آنکھ) بن جائے۔

آئسی: (۱) چونکہ اس کا جلوہ ہر ایک سے تقاضائے نگہ کرتا ہے جب آئینہ میں اس کا عکس پڑا تو اس کے جوہر میں یہ خاصیت پیدا ہو گئی کہ وہ مرثگان بننے لگا یا اس کے جلوہ کے اثر سے مرثگان بن گیا (۲) ہم خیال۔

۵۔ عشرت .. مسرت + اہل تمنا .. عشاق + عید نظارہ .. نظارہ کی عید۔ قتل گاہ میں عشاق کی خوشیوں کا حال نہ بوجھ + وہ قتل گاہ میں شمشیر یار کو عریاں دیکھ کر شوق شہادت سے بہت زیادہ مسرور ہو گئے۔ جیسے انہوں نے عید کا چاند دیکھ لیا اور ان کے لیے عید نظارہ آگئی مصنف کا کمال یہ ہے کہ خیال خود بخود شمشیر اور ہلال کی تشبیہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

طباطبائی: لفظ ہلال تنگی دزدن سے نہ آسکا اور شعر کا مطلب نامتام رہا۔ مطلب یہ ہے کہ عشاق کو شمشیر عریاں دیکھ کر ایسی مسرت حاصل ہوئی کہ ہلال عید کا نظارہ دکھائی دیا۔ آئسی کہتے ہیں۔ عید نظارہ ترکیب مقلوب ہے مصنف نظارہ ہلال عید گنا چامتا تھا۔

۶۔ خاک .. قبر + لے گئے داغ تمنا .. آرزو پوری نہ ہوئی۔ حقو لے گئے + بصد رنگ گلستاں ہونا .. ہر طرح سے تم باغ کی طرح

شاداب رہو۔

افسوس ہم تو دُنیا سے نامراد گئے اور درِغ آرزو اپنے دل میں لے گئے۔
اب خدا کرے تم ہمیشہ خوش و خرم رہو اور بارِغ کی طرح پھولو پھلو۔ حسرت و
سُقید لکھتے ہیں کہ یہ مشوقِ طرب ہے۔ طبا طبائی کہتے ہیں بارِغ ہوتا
مجاورہ ہے۔ گلستاں ہونا غالب کا نصف ہے۔

۷۔ عشرت .. عیش، راحت + پارہٴ دل .. دل کا ٹکڑا یعنی دل +
زخمِ تنہا کھانا .. آرزو پوری نہ ہونا۔ زخمِ معنی رنج + ریشِ جگر .. زخمِ جگر +
غرقِ نمکدان .. زخمِ پرِ نمک پھڑکنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ غرقِ نمکدان ہونے
سے انتہائی تکلیف مراد ہے۔

ناکامی اور محرومی کا زخمِ کھانا دل کے لیے عینِ راحت ہے اور زخمِ جگر کا
نمکدان میں غرق ہو جانا اس کے لیے انتہائی لذت کا باعث، مطلب یہ ہے کہ
عشاقِ ابداد و ست ہوتے ہیں۔

سہاوی بخود: پارہٴ دل سے دل کا ہر ٹکڑا مراد لیتے ہیں۔

۸۔ زودِ پشیمان .. جلدِ پشیمان ہو جانے والا۔

اُس نے مجھے قتل کرنے کے بعد ظلم سے توبہ کر لی۔ ہاٹے وہ جلدِ پشیمان
ہو جانے والا کس قدر جلدِ پشیمان ہوا ہے۔ کاش اس نے قتل کرنے سے پہلے
ظلم سے توبہ کی ہوتی، اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ؟ زودِ پشیمان کے طرزِ یہ
استعمال سے خوب لطف پیدا ہو گیا ہے۔

طبا طبائی، لہو دیکھتے ہی رحم اُگیا کہ میں نے یہ کیا کیا، نہ ٹھنڈے آتے دیر لگی اؤ
نہ پشیمان ہوتے۔ ممکن ہے زودِ پشیمان طرز سے کہا ہو۔ یعنی جب کامِ اختیار سے
باہر ہو چکا اس وقت رحم اُگیا۔ کیا جلدِ پشیمان ہوا (بخود)

آہستی : پہلا مفہوم وہی ہے جو میں نے لکھا ہے دوسرا غموم یہ پیدا کیا ہے۔ میں تو قتل ہو چکی تھاب رقیبوں کی باری آئی تو اس نے بہت جلد پشیمان ہو کر قتل کرنے سے توبہ کر لی ۔

۹۔ اس چار گزہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ہے جو بد قسمت سے عاشق کا گریبان بن گیا۔ کیونکہ وہ جنوں عشق کے ہاتھوں ہمیشہ تار تار رہے گا۔ وصل میں معشوق ازراہ شوخی چاک کر دیگا اور پھر میں عاشق خود اس کی دھجیاں اڑا دے گا۔ آبِ حیات میں لکھلکھ ہے کہ جب غالب قمار بازی کے جرم میں قید تھے تو کپڑے اس قدر میلے ہوئے کہ جوئیں پر انگلیں جس دن قید سے چھوئے۔ گرتے پھاڑ کر وہیں پھینک دیا اور اس موقع پر یہ شعر پڑھے۔
حسرت : شعر تو بہت خوب ہے لیکن دونوں مصرعوں میں تکرار نے بے لطفی پیدا کر دی ہے۔

۱۸

شبِ خمارِ شوقِ ساقی رنجیز۔ اندازہ تھا ۱ تا محیطِ بادہ صورتِ خانہٴ خمیازہ تھا
ایک قدمِ وحشتِ دریں دفترِ امکان کھلا ۲ چادہ اجڑے دو عالمِ وحشت کا شیرازہ تھا
مارغِ وحشتِ خراہیلے بلی کون ہے ۳ خانہٴ مجنونِ محرابگرد لبے دروازہ تھا
پوچھ مروتِ رسوائی اندازِ استغنائے سخن ۴ دستِ مہربنِ خاںِ رخسارِ مینِ غارِ تھا
نالہٴ دل نے دیئے اوراقِ بختِ دل بیلہ ۵ یاہ گارِ نالہٴ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا
۱۔ خمار .. نشہ کا اتار + شوقِ ساقی .. انتظارِ ساقی + رنجیز اندازہ ..
قیامت کی مانند + محیطِ بادہ .. خطِ سائز، جہاں تک شراب جو + خمیازہ .. اُگلائی۔
صورتِ خانہ .. جنگلہ ۔

رات کو ساقی کے شوقِ انتظار میں قیامت کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی ۔۔

کیفیت اس قدر بڑھی تھی کہ شراب بھی میری طرح خار کی وجہ سے شیشے میں انگڑائیاں لینے لگی تھی اور اس طرح سے ایک جنگلہ خمیازہ یعنی انگڑائیاں بننے لگی تھیں۔ یہ سب کا منظر پیدا ہو گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شے ساقی کی آمد کی منتظر تھی۔ انتظار کی کوفت سے انگڑائیاں لے رہی تھی۔ شراب کے جوش کو انگڑائی سے تشبیہ دینا اور خیال ہے۔ سب سے اس شعر کو محل قرار دیتے ہیں۔
 بخود نکلتے ہیں کہ انگڑائی لینے میں ہاتھ ملند ہو کر آپس میں مل جاتے ہیں۔ یہی شکل رستخیز کی ہے۔ ظاہر ہے یہ تشریح مزید وضاحت چاہتی ہے۔

طبا طبائی: رات کو میرے شوق نے قیامت برپا کر رکھی تھی اور شوق میں بے لطفی و بے مزگی جو تھی اس وجہ سے اسے خار سے تشبیہ دی اور یہاں سے لے کر دریائے بادہ تک میرے خمیازہ کا صورت خانہ بنا ہوا تھا۔ یعنی میں نے خمار میں ایسی ایسی لمبی انگڑائیاں لیں، جن کی درازی محیط بادہ تک پہنچی۔ غرض یہ ہے کہ انگڑائی لینے میں جو ہاتھ پاؤں پھیلتے تھے وہ گویا شراب کو ڈھونڈتے تھے (اُسی)

۲۔ ایک قدم وحشت .. تھوڑی سی وحشت + دفتر امکان .. دنیا + جاوہ .. راستہ + دو عالم وحشت .. وحشت دو عالم، کثرت ویرانی۔
 تھوڑی سی وحشت سے دفتر امکان کی کل حقیقت مجھے معلوم ہو گئی۔ گویا جاوہ وحشت وحشت دو عالم کے اجنا کا شیرازہ تھا کہ اس میں عالم بقا و فنا دونوں منسلک تھے۔ مدعا یہ ہے کہ بغیر وحشت عشق کے حقائق دو عالم معلوم نہیں ہوتے۔

طبا طبائی: ممکنات نے اپنے مبداء سے ایک ذرا سی وحشت مفارقت جو کہ دو عالم امکان موجود ہو گیا اور اس وحشت کا ایک قدم جس جاوہ پر پڑا۔ گویا وہ

اوراق و وسد وشت کا شیرازہ تھا، اس سبب سے کہ وحشت میں قدم جب اٹھے گا۔ دشت ہی کی طرف اُٹھے گا اور عارف کی نظر میں تمام عالم امکان پہلے ہی ہے، وہ عالم دشت کی ترکیب میں مصنف نے دشت کی مقدار کا پیمانہ عالم کو بنایا ہے۔

۳۔ مانع .. روکنے والا + وحشت خرامی .. دیوانہ وار پھرنا + صحراگرد .. جنگلوں میں پھرنے والا + خانہ بے دروازہ .. یعنی صحرا۔

مجنوں کا گھر تو بے دروازہ تھا یعنی وہ جنگل میں رہتا تھا کسی کو اس تک پہنچنے میں روک ٹوک نہ تھی۔ پھر معلوم نہیں کیوں ایسی متقاضائے وحشت مجنوں تک نہ پہنچ سکی اور کون سی چیز اس کی ملاقات میں مانع ہوئی۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ صحرا گرد مجنوں کی صفت ڈال کر اس کے گھر کا پتہ دیا ہے۔

یہ بخود: ایسی انہی مرتبہ محل میں سوار ہو کر مجنوں کے پاس گئی۔ لیکن ساریبان کی غمازی اور پاس عصمت کے خوف سے نہ ملی مرزا صاحب اسی قصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آسی: مجنوں ایسے گھر میں قید تھا جس میں کوئی دروازہ نہ تھا اور اس وجہ سے وہ کہیں آجا نہیں سکتا تھا۔ مگر ایسے جس کے گھر میں دروازہ تھا وہ وحشت خرامی کر سکتی تھی۔ اس کو کون مانع تھا۔ اس پر جذب جنوں کا اثر ہونا چاہیے تھا۔

۴۔ رسوائی .. بدنامی + استغنا .. بے احتیاج۔ بے نیاز + مرہون منوں + خنا .. ہندی + غارہ .. گلگونہ۔

حسن کی بے نیازی کی شان یہ ہونی چاہیے تھی کہ وہ غارہ اور خناسے بے نیاز ہوتا پس جو باتوں میں ہندی اور رخساروں پر غارہ ملا لیا ہے۔

اس سے استغنائے حسن ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان چیزوں کا استعمال حسن کے
انداز استغنائے رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے کیونکہ ہاتھ مندی کا اور
نصرا غارہ کا مرہون منت ہے اور زیربائی احسان استغنائے رسوائی کا باعث
۵۔ اوراقِ لختِ دل .. یعنی دل کے ٹکڑے اُن کو ورقوں سے تعبیر
کیا ہے ۔ ببادِ وادن .. پریشان و برباد کرنا ۔ بے شیرازہ .. ورق ورق پریشاں
میرے نالہ دل نے اوراقِ دل کو پریشان و برباد کر دیا ۔ افسوس کہ یہی
منتشر دیوان میرے نالے کی یادگار تھا ۔ گویا دل ایک دیوان تھا اور لختِ دل
اُس کے اوراقِ منتشر تھے ۔ جن کو آخر کار نالہ دل نے پریشان کر کے برباد کر دیا ۔
آہستی و طباطبائی پارہ ہائے دل کو اوراق سے پھر اوراق کو دیوان بے شیرازہ
سے تشبیہ دی اور نالہ کو شاعرِ فرض کیا ہے جس نے اپنی یادگار کو آپ
برباد کر دیا ۔

بیخود: مضامینِ عالی (دل کے ٹکڑے) جو نالہ دل کی صورت میں زبان سے
نکلے تھے ۔ ان کو میرے جوشِ طبع نے اوراقِ دل بنا کر دیوان میں اڑایا یعنی میرے
اچھوتے خیالات کو عالم میں پھیلادیا ۔ اب جو میں نے خیال کر کے دیکھا تو یادگار
نالہ ایک دیوان بے شیرازہ تھا یعنی موجودہ دیوان ۔

۱۹

دستِ غمخواری میں میری سچی فرمائینگے کیا ۱ زخم کے پھرنے تک ناخن نہ بڑھائینگے کیا؟
بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تک ۲ ہم نہیں گئے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا؟
حضرتِ ناصح گرائیں دیدہ دل فرشِ راہ ۳ کوئی مجھ کو یہ تو بھائیو کہ تمہا میں گے کیا؟
آج داں تیغ و کفن یا نہ تھے جاتا ہوں یا ۴ غم میرے قتل کرنے میں وہ اب لائینگے کیا؟
گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھایوں سہی ۵ یہ جنوںِ عشق کے انداز چھپ جائینگے کیا؟

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھائی گئے کیوں ؟ میں گرفتار و فادہ مند سے گھبراہٹیں گے کیا؟
 ہے اب اس معمورہ میں قحطِ نعمِ الفت اسد
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا؟
 ۱۔ غنچواری .. علاجِ معالجہ + سعی .. کوشش۔

میرے دکھ کے علاجِ معالجہ میں میرے احباب کی کوشش کامیاب نہیں
 ہو سکتی۔ فرض کیا انہوں نے یہ سوچتے ہوئے کہ میں زخم کو نوچ نہ سکوں، میرے
 ناخن کاٹ دیئے اور زخم دل پر مرہم لگا دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک یہ زخم
 بھرے گا کیا میرے ناخن نہ بڑھ آئیں گے اور کیا میں دوبارہ زخم کو نہیں نوچ سکتا
 مطلب یہ ہے کہ ناخن بڑھ آنے پر میں زخم کو پھر خراب کر دوں گا اور اس طرح ان کی
 کوششیں بیکار نتائج ہو جائیں گی۔ اپنی ایندھنی کا اظہار کیا ہے۔

۲۔ بے نیازی .. بے قرعی بے پرواہی + حد سے گزری .. حد سے زیادہ
 ہو گئی + کیا .. یعنی کیا کہا۔

بندہ پروہ راہ کی بے نیازی بہت ہی زیادہ ہو گئی۔ آخر یہ سلسلہ کتنا
 جاری رہے گا کہ ہم تو اپنا حال دل سناتے جائیں گے اور آپ بار بار کہے جائیں گے کہ
 کیا کیا۔ کیا کہا۔ یعنی آپ کب تک تجاہلِ عارفانہ فرمائیں گے۔

بہ خود: کیا سے دو معنی پیدا ہوتے ہیں (۱) استفسار یعنی تجاہلِ عارفانہ۔
 (۲) طرزی یعنی تو نے جو کچھ کہا جھوٹ کہا۔

۳۔ دیدہ و دل فرس راہ .. یعنی بسر و چشم۔ شوق سے، میری سر
 آنکھوں پر تشریف لائیں۔

حضرت ناہج اگر تشریف لاتے ہیں تو شوق سے تشریف لائیں۔ میں ان
 کے راستے میں دیدہ و دل بچھاؤں گا۔ گویا ان کا پر نپاک خیر مقدم کروں گا۔ لیکن

خدا را کوئی مجھے یہ بات بھادے کہ وہ مجھے کیا سمجھائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا جذبہ عشق پند و نصیحت سے فرو نہیں ہو سکتا۔ گویا محبت کے معاملہ میں بے اختیار ہچکا ہوں۔ اس لئے ان کی نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔
 بیخود: اذراہ شوخی پہلے مصرع میں حضرت ناصح کا پرتپاک خیر مقدم ہے اور دوسرے میں ان کی فہمائش کو اس حقارت سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مجھے کیا سمجھا سکتے ہیں۔ یعنی ان کی ہستی ہی کیا ہے؟

۴۔ کفن یا ندھنا .. شہادت کے لئے تیار ہو جانا + عذر .. بہانہ۔
 آج میں قاتل کے پاس سر پر کفن باندھ کر اور تلوار لے کر جاتا ہوں۔ جب میرے پاس کفن بھی ہو گا اور تلوار بھی ہو گی۔ تو پھر وہ قتل کرنے میں کوئی بہانہ نہیں کر سکیں گے کہ قتل کرنے کو تلوار نہیں ہے یا کفن نہیں ہے بقول بیخود: کفن باندھنے سے یہ لطف پیدا ہو گیا ہے کہ مجھ سے بڑھ کر اور کون سرفروش ہو سکتا ہے۔

۵۔ اگر ناصح نے ہمارا جنون عشق کم کرنے کے لئے ہم کو قید کر دیا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح قید کرنے سے جنون عشق جتنا رہے گا مطلب یہ ہے کہ قید و بند سے جنون عشق دور نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ قید و بند و ممت نوردی کو روک سکتا ہے۔ لیکن انداز جنون عشق کو نہیں روک سکتا۔ بیخود: ناصح کسی کو قید نہیں کرتا۔ اس کے بار بار سمجھانے اور مجبور کر کے پاس بٹھانے کو قید سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ناصح کے سامنے بھی اپنے خیال میں مستغرق رہتے ہیں۔

۶۔ خانہ نداد .. غلام + گرفتار و قاف۔ پابند و قاف۔
 ہم شروع ہی سے زلف کے خانہ نداد غلام ہیں۔ اس لئے ہم زنجیروں سے

ختم نہیں بھاگ سکتے اور ہم قید سے یوں نہیں گھبرا سکتے کہ پابند فادیں۔ یعنی جو شخص خانہ زاد زلف اور پابند وفا ہو اس کے لئے زنجیر و زنداں باعث فراق پریشانی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس قسم کے مصائب اٹھانے کا عاشق پہلے ہی سے عادی ہوتا ہے۔ نیز زنجیر و زنداں عاشق کے نزدیک الفت زلف اور وفادار کا انجام ہیں۔ پھر ان سے گھبرانا کیا؟

۷۔ معمورہ .. بستی۔ آبادی، یعنی دہلی، غم الفت .. غم عشق۔

دہلی میں اب غم الفت کا بھی کال پر ڈگلی ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ہماری فدا یہی غم الفت ہے۔ اگر اب ہم اس بستی میں رہے تو پھر کیا کھائیں گے یعنی بھوک مر جائیں گے اس لیے اب ایسی جگہ چلے جہاں غم الفت بہ افراط ملے یعنی عشق کرنے کے لئے محبوب بکثرت ہوں۔

اسی: قحط ایک دہا ہے یعنی اگر معشوق نہیں تو دیگر عزیز و اقارب کا غم بھی کھانے کو نہیں ملتا۔ گویا الفت سے محض عشق نہیں بلکہ باہمی تعلقات مراد ہیں۔ تنہا کا بھی تقریباً یہی خیال ہے۔

۲۰

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا ۱ اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پر جتنے ہم تو یہ جان چھوٹ ۲ کہ خوشی سے مرز جاتے اگر اعتبار ہوتا
تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عہد ہوا ۳ کبھی تو نہ توڑ سکتا، اگر استوار ہوتا
کوئی میرٹل سے بوجھے اتنے تیر نیم کش کو ۴ یہ غفلت کہاں سے ہوتی، جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دست بصر ۵ کوئی چار ساڑ ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا
رگ سنگ سے ٹپکتا، وہ لہو کہ پھر نہ تھکتا ۶ جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا
غم اگر چہ جان گسل ہے، پہ کہاں بچیں کڑاں ۷ غم عشق گرد ہوتا غم روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم ہی ملا ۸ مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
 ہوتے مگر کہ ہم جو سما ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا ۹ نہ کبھی جتان اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ لگانا ہے وہ یکتا ۱۰ جو دُور کی بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
 یہ مسابُلِ تصوف یہ ترا بیانِ غالب
 تجھے ہم دلی سمجھتے، اجرنہ بادہ خوار ہوتا ۱۱

۱۔ ہماری تقدیر ہی میں نہ تھا کہ ہم وصلِ یار سے لطف اندوز ہوتے۔ اگر ہم
 مرنے جاتے یعنی جینے رہتے تو ہم کو وصلِ یار کا مزید انتظار کرنا پڑتا۔ چونکہ انتظارِ موت
 سے زیادہ تکلیف دہ ہے اس لیے اچھا ہی ہوا کہ ہم مر گئے اور انتظارِ وصلِ یار کی تکلیف
 سے نجات پائے۔

۲۔ خیال یہ ہے کہ عاشق کے ملے وعدہ وصلِ انتہائی خوشی کا باعث ہے
 اور اس سے عاشقِ صادق کو شادی مرگ ہو جانا چاہیے۔ کہتے ہیں ہم تیرے وعدہ
 وصل پر بھی اگر زندہ رہے تو تجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم نے تیرے وعدہ وصل کو جھوٹ جانا
 اگر ہم اسے جھوٹ نہ جانتے تو یقیناً شادی مرگ ہو جاتے۔

آئیں: (۱) ہم تیرے وعدہ کرنے سے بٹے تو تو نے یہ سمجھ کر جھوٹ جانا کہ اگر
 ہمارے وعدہ کا اعتبار ہوتا تو تجھے شادی مرگ ہو جاتی (۲) متفق
 طباطبائی (۱) ہم نے جو یہ کہا کہ فقط وعدہ وصلِ شن کے ہم مرنے سے بچ گئے
 تو تم نے جھوٹ جانا (۲) ہم خیال۔

۳۔ ناز کی .. نزاکت + لودا .. کمزور + استوار .. مضبوط + جانا
 .. ہم نے جانا۔

ہم نے تمہاری نزاکت سے جان لیا کہ تم نے لودا عہد باندھا ہے اگر وہ
 مضبوط ہوتا تو تم جیسے نادک شخص سے ہرگز کوٹ نہ سکتا۔ کس خوبصورتی سے

معتوق کو عہد شکنی کے الزام سے بچا کر اپنے دل کو تسلی دی ہے۔

۴۔ تیر نیم کش .. وہ تیر جس کو آدھی کمان کھینچ کر یعنی آہستہ سے چھوڑ دیا جائے۔ مراد تیر منہ گان جسے کمان چشم سے پورے زور سے نہیں۔ نیم و چشم سے چھوڑا گیا ہے۔ جلس .. چھن۔

وہ تیر مرگلاں جو تیر نے کمال بنے پروائی کے ساتھ نیم کش کمان چشم سے میرے جگر پر مارا ہے۔ اس کی کیفیت میرے دل سے دریافت کر کے۔ یعنی مجھے اس سے بہت ہی لطف حاصل ہوا ہے۔ اگر تو اسے پورے زور سے چھوڑنا تو وہ جگر کے پار ہو جاتا اور اس طرح میں لذت غنش سے محروم رہ جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ کام تمام ہونے میں لطف نہیں۔ غلش میں زیادہ لطف ہے۔ اس لیے تیر نیم کش کی تعریف کی ہے۔

بخود: معتوق تیر نیم کش سے شرماتا ہے اور مرزا صاحب اس کی تعریف کر کے شرمندگی دور کرتے ہیں۔

طباطبائی: جو کا داؤ وزن سے ساقط ہے اور یہ درست بلکہ فصیح ہے لیکن اس کے ساقط ہو جانے سے دو جیم جمع ہو گئے اور متناظر پیدا ہو گیا یہ خوبی مضمون ہے کہ ایسی باتوں کا کوئی خیال نہیں کرتا۔

۵۔ قاعدہ ہے۔ عشق میں نصیحتیں بُری معلوم ہوتی ہیں کہتے ہیں کسی دوستی ہے کہ دوست نصیحتیں کرتے ہیں۔ اگر وہ حقیقتاً میرے سچے دوست تھے تو نصیحتوں سے انہیں میزاد مارغ پریشان کرنے کی بجائے میرے دکھ کا علاج کرنا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے، ہر عشق کا علاج وصل محبوب ہے۔

۶۔ رگ سنگ .. پتھر میں جو لکیریں ہوتی ہیں ان کو رگ سنگ کہتے ہیں۔ وہ لہو .. خون بکثرت۔

پتھر میں شرارے پوشیدہ ہیں کہتے ہیں کہ اگر شرارہ سنگ شرارہ غم کی طرح ہوتا تو رنگ سنگ سے اس قدر لمبو جلدی ہوتا کہ پتھر کسی طرح بند نہ ہوتا۔ یعنی غم ایسی چیز ہے کہ پتھر بھی اسے برداشت نہ کرتا۔ یہ ہمارا ہی جگر ہے کہ ہم غم کو چھپائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ پتھر میں ہوتا تو اس میں سے بھی لمبو جلدی ہو جاتا اور ایسا لمبو جلدی ہوتا کہ وہ کسی طرح نہ ٹھکتا۔

۷۔ جاں گسل .. جان کو گھلانے والا۔ شاعر کا خیال ہے کہ انسان کا دل رنج و غم کا مرکز ہے۔ اس لئے دل بھی اس سے خالی نہیں ہوتا۔

اگرچہ غم جان کو گھلانے والا ہے۔ لیکن دل کی ایذا دہستی کی وجہ سے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔ اس لئے اگر غم عشق ہمارے دل میں نہ ہوتا تو پھر اس کی جگہ غم روزگار ہوتا۔ بہر حال ہمیں غم عشق غنیمت ہے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم دنیا بھر کے بے شمار غموں میں مبتلا ہوتے۔ اب تو صرف ایک غم عشق ہے۔

۸۔ میں کس سے کہوں کہ شب غم کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شب غم بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔ اس میں انسان باریاں موت کی تکلیف اٹھاتا ہے۔ اور پھر بھی نہیں مرتا۔ اگر میں ایک مرتبہ مرجانا تو مجھے اس عذاب سے نجات مل جاتی۔ شب غم کے مصائب کو موت سے زیادہ بتایا ہے۔ جملہ شاعریں اس شعر کو جیتھیں سے باہر نکالتے ہیں۔

۹۔ ہم زندگی میں تو عشق کی بدولت بدنم ہی تھے مرنے کے بعد بھی ہم رسوا ہو گئے۔ کیونکہ نہ تو کوئی ہمارا جنازہ اٹھانے والا تھا اور نہ کسی کو مزار بنانے کا خیال تھا اور یہ ہماری رسوائی کی آخری حد تھی اس سے تو بہتر یہ تھا کہ ہم دنیا میں غرق ہو جاتے کہ جنازہ اٹھانے اور مزار بنانے کے تکلفات سے ہماری بھونٹی نہ ہوتی اور ہماری رسوائی اور نیکی کی کانوں کان خبر نہ ہوتی بمقتضائے عشق صادق

نشان مزار کو بھی باعث رسوائی قرار دیا ہے۔

۱۰۔ یگانہ و یکتا .. خدا سے واحد بے مثال + دوئی کی بو .. دوئی کا

شائبہ + دو چار ہوتا .. دکھائی دیتا۔

خدا سے بے مثال یگانہ دو واحد ہے۔ اس لیے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔
اگر اس میں ذرا سی دوئی ہوتی تو کہیں نہ کہیں وہ ضرور دکھائی دیتا۔

سہا: دیکھتے ہیں وہی چیزیں آسکتی ہیں جو ابعادِ ثلاثہ، زمان و مکان اور
اشارات میں مقید ہوں۔ لیس کشلہ شنی

آسی ا کوکان فیحصا الحصة الا اللہ لفسد تا۔ یعنی اگر آسمان
زمین سوائے خدا کے چند خدا ہوتے تو ضرور فساد ہوتا۔ چونکہ طبیعتیں
با اختیارات مجتمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر وہ صلح کرنے کی کوشش کریں تو صلح
نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صلح دو برابر والوں میں نہیں ہو سکتی۔ ایک غالب ہوگا
اور دوسرا مغلوب ہوگا جو مغلوب ہوگا وہ خدا نہیں۔

۱۱۔ اے غالب تصوف کے دقیق مسائل کو تو نے اس خوبی سے بیان کیا
ہے۔ یہ ایسے مسائل ہیں اگر تو بادہ خوار نہ ہوتا تو ہم تجھے ولی سمجھتے۔ کہتے ہیں
جب بادشاہ نے یہ مقطع سنا تو فرمایا کہ بھئی ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے مرنا
نے کہا۔ حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ اس لیے ارشاد ہوا ہے
کہ میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں۔

۲۱

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا ۱ نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا ۲ کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا
نواز شہائے بیجا دیکھتا ہوں ۳ شکایت ہلے رنگیں کا گھلا کیا

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں ۴ تغافلے تمگیں آدا کیا
 فروغ شعلہ رخس یک لعل ہے ۵ ہوس کو پاس ناموس وفا کیا
 نفس مریح محیطِ بیخودی ہے ۶ تجنا فلہائے ساقی کا لگا کیا
 دماغ عطیرہ بیراہن نہیں ہے ۷ غم آوارگی ہائے صبا کیا
 دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر ۸ ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
 محابا کیا ہے میں صامن، ادھر دیکھ ۹ شبید ان نگہ کا خوں بہا کیا
 سن اے غارت گر جنس وفا سن ۱۰ شکست قیمت دل کی صدا کیا
 کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ ۱۱ شکیب خاطر عاشق بھلا کیا
 یہ قاتل وعدہ صعبہ آزمایوں ۱۲ یہ کافر فتنہ طاقت رہا کیا

جلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات

عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

۱۔ نشاط .. اُننگ + نشاط کار .. کام کرنے کی اُننگ + کیا کیا

.. کس قدر زیادہ -

حالی: دنیا میں جو کچھ چل پل ہے، وہ صرف اس یقین کی بدولت
 ہے کہ یہاں رہنے کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔ یہ انسان کی ایک طبعی خصلت
 معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت قلیل ہوتی ہے۔ وہ اسی قدر زیادہ سرگرمی
 سے کام کو سرانجام کرتا ہے اور جس قدر زیادہ مہلت ملتی ہے اسی قدر کام
 میں تاخیر اور سہل انگاری زیادہ کرتا ہے پس اگر موت نہ آیا کرتی اور ابد الابد
 تک زندہ رہنا ہوتا تو جینے میں کوئی مزا نہ آتا۔ کیونکہ نہ تو یہ جوش و سرگرمی
 ہوتی اور نہ دنیا میں یہ چل پل نظر آتی (سجید، حسرت، بیخود)

طباطبائی: رقیب ابوالموس کی ہوس کو نشاط کا رد لطف وصل نگاہ

حاصل ہے، اب ہمارے جینے کا مراد کیا دیا۔ ہوس سے مراد محبت رقیب
 لیتے ہیں (۲) دنیا میں انسان کو ہوا و ہوس سے رہائی نہیں۔ اگر مرنا نہ ہوتا
 تو اس طرح کے جینے میں کچھ مرنا نہ تھا۔ یعنی حاصل زندگی مرنا ہے۔
 ۲۔ تجاہل پیشگی .. جان بوجھ کر انجان بننا کیا؟ کیا؟ .. بار بار
 کیا کیا کہنا جیسے کچھ سمجھے نہیں۔

تم جان بوجھ کر انجان بنے جاتے ہو اور بار بار کیا کیا کہتے ہو، آخر تمہارا
 اس سے مطلب کیا ہے۔ اے معشوق سراپا ناز، میری ہر بات پر کیا؟ کیا؟
 کب تک کہے جاؤ گے۔ یعنی کب تک تجاہل عارفانہ سے مجھے ٹالتے دو گے
 اور میری بات نہ سمجھو گے۔

۳۔ نواز شملے بچا .. بے محل مہربانیاں رقیب پر شکایتیں
 رنگین .. محبت بھری شکایتیں۔

آپ جو اغیار پر بے محل مہربانیاں کرتے ہیں تو ان کو دیکھ کر میں افسوس
 محبت آپ سے شکایتیں کرتا ہوں۔ آپ مجھ سے ان رنگین شکایتوں کا
 گلہ کیوں کرتے ہیں۔ ع کرم بے تو مارا کرد گستاخ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے
 کہ جب تم رقیب پر مہربانیاں صرف کرتے ہو تو میری شکایتوں کا کیوں بُرا
 مانتے اور ان کا گلہ کیوں کرتے ہو۔

آئیں: (۱) ہم خیال (۲) میں آپ کی نوازشیں جو غیروں پر ہوتی ہیں، دیکھتا
 ہوں، غور و فکر و غم سہتا ہوں۔ پھر اس حال میں اگر آپ میری شکایتیں رنگین
 الفاظ میں سُنتے ہیں تو آپ اُن کا گلہ کیا کرتے ہیں۔

سہما، آپ کے التفاتِ غیر متوقع کی خوشی میں بعد میں گزشتہ بے مہربانیوں
 کی کیا شکایت کروں۔

۴۔ نگاہ بے محابا .. بے تکلف و بے حجاب + تغافل تمکین آزما .. چشم پوشی جو عاشق کا صبر آزمائے کے لئے کی جائے ۔

میں چاہتا ہوں کہ تم میری طرف سے بے تکلفانہ اور بے حجابانہ دیکھو۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم میرے صبر کا امتحان لینے کے لئے تغافل اور چشم پوشی سے کام لیتے ہو۔ آخر یہ کیوں؟ یاد رہے اس طرح میرا جام صبر ہرگز نہیں چھلک سکتا۔ میری طرف دیکھو تاکہ میں بیتاب ہو کر نہ ٹپ اٹھوں۔

۵۔ فروغ .. روشنی + شعلہ خس .. وہ شعلہ جو تنکا جلنے سے اُٹھتا ہے۔ فلّا ہی بجھ جاتا ہے + یک نفس .. پل بھر، بہت تھوڑی دیر + ہوس .. اہل ہوس یعنی ہوس پرست رقیب۔

اہل ہوس کی محبت شعلہ خس کی طرح ہے کہ دم بھرتے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی۔ بھلا ایسے لوگوں کو ناموس و فاکا کیا پاس ہو سکتا ہے۔ یعنی رقیب کی محبت دو چار دن کی ہے۔ اس پر بھرور نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگ وفا کی لاج نہیں رکھ سکتے۔

۶۔ نفس .. سانس + محیطِ بیخودی .. بھری بخودی + تغافل ٹٹے ساتی .. ساتی کا مشرب نہ پلانا۔

جذبہ عشق کی وجہ سے ہمارا سانس دریا ٹے بیخودی کی موج ہے۔ یعنی ہر سانس کے ساتھ ہم بیخود و مست ہو جاتے۔ ساتی ہماری طرف سے تغافل کرتا ہے اور ہم مشرب نہیں پلاتا تو ہم کو اس کی تغافل شعاریوں کی کیا شکا ہو سکتی ہے۔ مشرب سے اصل مقصد بیخود ہو جانا ہے اور ہم پہلے سے مست ہیں۔ پھر ساتی کا گُل کیا؟

حسرت و طباطبائی: صورت ہی دیکھ کر مست ہو جاتے ہیں۔ وہ

شرابِ نرے تو کیا شکایت -

بیخود : (۱) ہم مست الست ہیں (۲) ہم اپنے حال میں مست ہیں -
ہمیں دُنيا کے ہست و بود کا کیا غم -
سجید میرے اور حسرت کے ہم خیال ہیں -

۷ - دماغ نہیں .. برداشت نہیں - پسند نہیں + عطر پیراہن ..
خوشبوئے لباسِ یار -

اگر صبا پیراہنِ یار کی خوشبو کو چاروں طرف پریشان کرتی پھرتی ہے - تو
ہمیں اس کا کیا غم ہے - غم تو اس وقت ہوتا جب ہم اس سے لطف اندوز
ہو سکتے یعنی ہم اسے سونگھ سکتے -

بیخود : ہم بوئے یار کو سونگھنے والے ہیں - ہمارا دماغ عطر پیراہنِ یار
کی خوشبو جس پر غیروں نے عطر ملا ہے پسند نہیں کرتا، صبا اگر کوچہ رقیب
سے عطر پیراہن کی خوشبو لے کر آئی ہے تو ہم اس کو کیا کریں - آوارگی کا لفظ بتا رہا ہے
کہ صبا کوچہ رقیب سے آئی ہے -

طباطبائی و آسسی : اگر مجھے پیراہن کے بسانے کا دماغ ہوتا تو صبا کی
آوارگی کا غم ہوتا کہ یہ بوئے گل کو پریشان کیوں کرتی پھرتی ہے - اگر یہ جمع ہوتی تو
میرے پیراہن بسانے کے کام آتی - جب مجھے پیراہن بسانے کا دماغ ہی
نہیں ہے تو صبا کی اس حرکت کا کیا غم کروں - گویا جسے ہوس دُنيا نہ ہوا
ہیوفانی دُنيا کا کیا غم -

۸ - دل ہر قطرہ .. ہر قطرہ کا دل + ساز .. باجہ + انا البحر ..

میں دیا ہوں -

ہر قطرہ کا دل ساز انا البحر ہے یعنی ہر قطرے کے ساز دل سے انا البحر

کا نغمہ نکل رہا ہے۔ اگرچہ قطرہ بہت چھوٹا ہے۔ لیکن جب دریا میں ملتا ہے تو دریا بن جاتا ہے۔ اس لیے ہر ایک قطرہ دیریا ہونے کا دعوتے دار ہے بالکل اسی طرح ہم بھی اگرچہ جزو ضعیف ہیں لیکن انا الحق (میں خدا ہوں) کے مدعی ہیں۔ ہماری شان ملاحظہ ہو کہ قطرہ کی طرح ہمیں بھی اپنے مبداء کے ساتھ عنایت کا دعوتے ہے۔ کیونکہ ہم بھی اسی بھر بیگراں (مستی خدا) کے جُڑ ہیں۔

۱۔ محابا .. خوف + صدامن .. ذمہ دار + خوں بہا .. ندیہٴ قیمتِ خون۔

تو بے خوف و خطر میری طرف دیکھ، میں ذمہ دار ہوں۔ اگر میں شہید نہ گھاؤں تو تجھ سے میرا خوں بہا کوئی طلب نہ کرے گا۔ کیونکہ شہید بننے کا کوئی خوں بہا نہیں ہوا کرتا۔ "ادھر دیکھ" نے شعر کو بلند کر دیا ہے یعنی قتل بھی کر اور سن بھی۔

۱۱۔ غارتِ گرجنسِ وفا .. با وفا عاشقوں کو برباد کرنے والا، مراد معشوق۔ شکستِ قیمتِ دل .. دل کی قیمت گھٹانا، دل کے توڑنے کی آواز ہو سکتی ہے۔ لیکن قیمتِ دل کے توڑنے میں کوئی صدا نہیں ہوتی۔ اے غارتِ گرجنسِ وفا ذرا سن اور خود سے سن کہ قیمتِ دل توڑنے میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔ اس لیے تو دل کو نہ توڑ۔ یعنی میرے دل کی بے قدری نہ کر۔ کیونکہ اس کے توڑنے سے کوئی آواز پیدا نہ ہوگی۔ جو تیری سامعہ نوا ہی کا باعث بنے (حسرت ہم خیال)

طبا طبائی : (۱) توجہ یہ کہتا ہے کہ ہمیں شکستِ دل کی خبر نہیں۔ تو کہیں شکستِ دل میں آواز ہوتی ہے جو تجھے سُنائی دیتی۔ شکست کو شکستِ قیمتِ دل

سے تعبیر کر کے جنس و غارت اس کے مناسبات ذکر کیے ہیں (۲) شکست دل کی صدا بچھے ابھی معلوم ہوتی ہے تو دل شکستی کے جاوے گئے جا، بھلا دل کی صدا اور صدائے شکست دل کی کیا حقیقت ہے، جو تامل کیے (مستحید)

بہ خود: جنس و قابو میرے دل میں تھی وہ گویا قیمت دل تھی یعنی میرا دل اسی وجہ سے قیمتی تھا کہ اس میں جنس و قابو تھی۔ تو نے دل توڑ کر اسے غارت کر دیا۔ تو اب میری سُن اور نکر کرتا ہوں کہ میری بات سُن۔ شکست دل کی صدا نالہ ہوا کرتا ہے جس سے تو ڈرتا ہے اور سُننا نہیں چاہتا تو خوف نہ کر کہ تو نے دل نہیں توڑا۔ بلکہ قیمت دل توڑی۔ قیمت دل کی شکستی میں کوئی صدا پیدا نہیں ہوتی یہ صورت میں بچھے ڈرنا نہیں چاہیے۔

آسی: اسے صدائے شکست قیمت دل کے شائق سُن مگر شکست قیمت دل میں صدا کہاں ہوتی ہے۔ سُن سے دو معنی پیدا ہوتے ہیں کہ امیر کا بات سُن یا شکست قیمت دل کی صدا سُن، جسے تو سُن نہیں سکتا۔ بعض شخصوں میں بجائے قیمت کے شیشہ دیکھا گیا ہے اور وہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں سُن بطور طنز ہو گا (۲) ہم خیال طباطبائی۔

۱۱۔ جگر داری .. استقلال۔ صبر + شکیب .. صبر + خاطر .. دل ۔

میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ تمہارے بغیر مجھے چین آجائے گا۔ بھلا عاشق کا یہ دعویٰ کرنا حقیقت ہی کیا رکھتا ہے۔ تم میرے صبر و استقلال کو ایک اشارے سے غارت کر سکتے ہو۔ جگر داری کا دعویٰ کرنے سے جو تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے اس کی بنا پر تم مجھے زیادہ بے چین نہ کرو۔

۱۲۔ یہ قاتل .. اسے قاتل .. فتنہ طاقت رہا .. طاقت کو زائل

کرنے والا فتنہ ۔

اسے قاتل مشفق تو یہ صبر آنا وعدہ کیوں کرتا ہے۔ تیرے نزدیک یہ معمولی سی بات ہے لیکن میرے لئے یہ صبر آنا وعدہ فتنہ طاقاں دیا ہے۔
 العاطل کی نشست سے شعر میں یہ خوبی پیدا ہو گئی ہے کہ قاتل کو صبر آنا کی صفت بھی قرار دے سکتے ہیں۔ یہ بخون نے یہی معنی لئے ہیں اور کافر کو بھی فتنہ طاقاں دیا ہے۔

۱۳۔ کیا عبارت (العاطا) کیا اشارہ، کیا کنایہ کیا ناز و انداز غرض محبوب کی ہر بات میرے لئے بلائے بلبلانِ رحمتِ صیحت ہے۔ جب جذبہ مشوق تیرا ہوتا ہے تو محبوب کی ہر بات دل میں پہچان و بے قراری پیدا کر دیتی ہے۔

۲۲

در غورِ قمر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہو، ۱ پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
 جنگ میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم ۲ لئے پھر آئے در کعبہ اگر وہ نہ ہوا
 سب کی مقبول ہے دھمکے ترسی یکتائی کا ۳ رو برو کوئی بخت آئینہ سیما نہ ہوا
 کم نہیں، نازش ہمنامی چشمِ خواہاں ۴ تیرا بیمار ہوا کیا ہے، اگر اچھا نہ ہوا
 سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا ۵ خاک کا مذاق ہے وہ قطرہ کہ دریائے نہ ہوا
 نام کا میرے ہے وہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا ۶ کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
 ہر بن ہوئے دم ذکر نہ ٹپکے غنِ ناب ۷ حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
 قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اندر حذر میں کل ۸ کیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا
 تخی خبر گرم کہ غالب کے اڑیٹے پمزد
 دیکھئے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا ۹

۱۔ در غور.. قابل + قمر و غضب.. عتاب + ممسا.. ہم جیسا۔
 جب محبوب صرف ہمیں کو قابلِ قمر و غضب سمجھتا ہے تو پھر اگر ہم

کہیں کہ ہم جیسا کوئی اود پیدا نہیں ہوا تو اس میں کوئی غلط بیانی ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ دعوے صحیح ہے کہ آفتِ زندگی میں ہم لاشانی ہیں۔

۲۔ برہنگی .. عبثوت + آزادہ .. مرد آزاد منش + خود بین .. وہ شخص جو اپنی بات کا پکا ہو اور دوسروں کی بات کو اپنی بات سے کم سمجھے۔
۱۔ کھلا۔

باوجود برہنگی و برہنگاری کے میری آزادہ روی اور خود بینی کا یہ عالم ہے کہ اگر خانہ کعبہ کے دروازہ کو بند پاتا ہوں تو واپس چلا آتا ہوں۔ یعنی میں کھڑی کھڑکشا کر دروازہ کھلواتا اپنی شانِ آزادی اور خود بینی کے خلاف سمجھتا ہوں۔ جب میری حالت یہ ہے تو بھلا پھر میں کسی اور کے سامنے کیوں جھکوں گا۔ ندرتِ بیان اسے کہتے ہیں کہ اپنی خود بینی اور آزادی کے پردے میں کبھی غفلت کا پہلو بھی نکل آیا کہ وہ ایسی بارگاہ ہے جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

۳۔ بُتِ آئینہ سیما .. وہ محبوب جس کی پیشانی آئینہ کی طرح روشن ہو + روبرو .. درمقابل۔

تیری یکتائی اور عظیم الشانی کا دعویٰ تمام محبوبانِ جہاں تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی نام نہاد آئینہ سیما محبوب تیرے سامنے نہیں آتا اور تیرا مقابلہ نہیں کرتا۔ چونکہ آئینہ میں آئینہ دیکھنے والے کا عکس نظر آتا ہے اس لیے آئینہ سیما کی صفت بُت کے ساتھ نہایت خوب ہے۔

سہا: دُنیا کا کوئی حسین تیرا درمقابل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سب کے حسن میں تیرا ہی جلال پر تو فکس ہے اور یہی انعکاس تیرے دعوے یکتائی کی مقبولیت عام ہے۔

آئینہ: تودہ بے نظیر کہ تیری بیکتائی کوئی نہ مٹا سکا اور کوئی آئینہ سیمسا
معتشق تیرا بڑا مقابل پیدا نہ کر سکا۔ جب آئینہ مقابل ہوتا ہے تو بڑا مقابل
پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ یہاں ٹوٹ گیا۔ آئینہ سیمسا جس میں عکس یعنی
بڑا مقابل پیدا ہو جانے کا پورا احتمال تھا۔ وہ بھی کوئی مقابل پیدا نہ کر سکا۔
وحدت وجود کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ نازش .. فخر + ہمنامی چشم خویاں .. چشم خویاں کو شعرا چشم بیا
کہتے ہیں اور عاشق بھی بیمار کہلاتا ہے۔ یہی ہمنامی ہے۔

عاشق بھی بیمار ہے اور تیری آنکھیں بھی بیمار ہیں۔ جب دونوں بیمار
کہلائے تو ہمنام ہوئے۔ پس اگر تیرا بیمار اچھٹا نہ ہوا تو کچھ مصائب نہ
کیونکہ اس کے لیے یہی فخر کافی ہے کہ وہ تیری چشم کا ہمنام ہے۔ بقول آئینہ
اس شعر میں انتہائی حسرت ہے۔ عاشق اپنی بدترین حالت کو معتشق
کی ایک چیز سے ہمنام پا کر اسی پر صبر بلکہ ناز کرتا ہے۔

۵۔ سینہ کا داغ ہے .. دھبہ ہے، انگ ہے + خاک کا لہق
ہے .. رائیگاں جاتا ہے۔

جو قطرہ دریا میں مل کر دریا نہیں بن جاتا وہ رائیگاں جاتا ہے اور جو قطرہ
زمین پر گر جاتا ہے وہ زمین میں جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ
نالہ جو دل ہی میں رہ جاتا ہے اور لب تک نہیں آتا، وہ سینے میں داغ
بن کر پوشیدہ ہو جاتا ہے (۲)، اگر داغ کے معنی تنگ و غار کے لیے جائیں
تو پھر مطلب یہ ہو گا کہ جو نالہ لب تک نہیں آتا اور ضبط کیا جاتا ہے وہ
جوش عشق پر بدنامی کا دھبہ لگاتا ہے اور وہ قطرہ جو زمین پر گر جاتا ہے۔ زمین
میں جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ گویا اسے دریا بننے کا موقع نہیں ملتا۔

طبا طبائی اور آتشی پہلے معنی لکھتے ہیں اور بخود حسرت معید
دوسرے معنی۔

۶۔ میرے نام کا .. میرے جتنے کا + کام .. کاروبار۔

میرے جتنے میں وہ دُکھ اور مصیبتیں آئی ہیں جو دنیا میں کسی پر نازل نہیں
ہوئیں اور میرے کاروبار میں اس قسم کے فتنے پیدا ہوئے ہیں جو دنیا میں
کبھی اُٹھے ہی نہیں۔ جو مصیبتیں اور فتنے عام طور پر پیش آتے ہیں ان کا
تدارک تو ہو سکتا ہے۔ لیکن نئی نئی تکلیفوں اور فتنوں کا کوئی علاج نہیں،
ظاہر ہے جب روزِ ایک نئی مصیبت نازل ہوگی تو اس کی روگ ختم
کیسے ہو سکتی ہے لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ ایک آفت سے دم لینے کی
نوبت نہیں آئی کہ دوسری آدھمکتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ جو کبھی دیکھی نہ سنی۔

۷۔ بُن مو .. بال کی جڑ + دیم ذکر .. بیان کرتے وقت + حمزہ کا قصہ
.. حضرت حمزہ کی کہانیاں خلاف واقعہ ہیں۔ دل پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔ لوگ
لچسپی کے لئے سنتے ہیں۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ قصہء عشق لوگ داستانِ امیر حمزہ کی طرح
لچسپی سے سنیں اسے سن کر روئیں روئیں سے خوشاب ٹپکنا چاہئے۔ اگر
ایسا نہ ہو تو پھر یہ سمجھ لو کہ وہ داستانِ امیر حمزہ ہے عشق کا فسانہ نہیں ہے۔

۸۔ دیدہٴ بیتا .. نگاہ عارف + دجلہ .. مراد دریا۔

نگاہ عارف کو قطرہ میں دریا اور جزو میں گل کا تماشا نظر آتا ہے۔ دیدہٴ بیندگوں
کا کہیں نہیں ہے کہ اسے قطرے میں دریا اور جزو میں گل نہ دکھائی دے۔
مطلب یہ ہے کہ دیدہٴ بینا کو لازمی طور پر جزو میں گل کا تماشا نظر آتا ہے۔

۹۔ تختی خبر گر مر .. زبانِ توحید خاص و عام تھا + اڑ بیٹھے پر ز سے ..

سخت سزا دی جائے گی۔ تماشہ نہ ہوا .. یعنی سزا نہ دی گئی۔

یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ آج غالب کو اتنی سزا دی جائے گی کہ اُس کے پردے اڑ جائیں گے۔ چنانچہ ہم بھی یہ تماشہ دیکھنے کے لئے گئے لیکن افسوس کہ یہ تماشہ نہ ہوا۔ یعنی غالب کو بادشاہ کو اس کے پردے نہ اڑائے گئے۔ اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ ہماری دسواٹی اور مصیبت کو لوگ تماشہ سمجھتے ہیں۔ معشوق کا استغنا بھی دکھایا ہے کہ پردے اڑانے اور قتل کر دینے کا وعدہ کر کے پھر گیا۔ بخود لکھتے ہیں کہ اس سزا سے امتحان عشق لینا منظور تھا اور ایسا کرنے سے عاشق امتحان عشق میں بغیر انتہبان دیئے کامیاب ہو گیا۔

۲۳

اسد ہم وہ جنوں جلال گئے بے سرو باں | کہ بے سر پنجہ مرزگان آہو پشت خار اپنا
۱۔ جنوں جلال .. وحشی آدارہ + پشت خار .. وہ آلہ خار دار جس سے فقر و پست کھایا کرتے ہیں اور ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔
اسد ہم ایسے وحشی اور بے سرو سامان فقیر ہیں کہ ہمارے پاس پشت خار بھی نہیں ہے جو فقیروں کے پاس عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اس لئے ہم پشت خار کا کام سر پنجہ مرزگان آہو سے لیتے ہیں (۲) عالم وحشت میں ہم آہو سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ آہو ہمارے پیچھے ہوتا ہے۔ اس لئے پنجہ مرزگان آہو میں پشت خار کا کام دیتا ہے۔

حسرت : پنجہ مرزگان کو پشت خار قرار دے کر اپنی نسبت وحشت کا اظہار کیا ہے اور بس۔

طباطبائی : اسد اور آہو کا تقابل تو ظاہر ہے۔ جنوں جلال ہونے سے

۱۔ اشارہ ہے کہ آہو بھی میرے پیچھے رہ جاتا ہے۔ پشت خار سے پیچھے کھلتے ہیں، لگتا بقیہ پشت خار کی مناسبت کے لئے ہے بے سرو پا کھٹے یہ مقصود ہے کہ پشت خار تک میرے پاس نہیں۔ اگر ہے تو مرزگان آہو ہے۔ پنجر میں اور مرزگان میں اور پشت خار میں وجہ شبہ ظاہر ہے۔ یعنی تینوں کی شکل ایک سی ہے۔ مرزگان کو پہلے پہلے سے تشبیہ دی۔ پھر پنجر کو پشت خار سے۔

۲۲

پے نذر کرم تحفہ شرم نارسائی کا ۱۔ بخون غلیظہ صدنگ دعوئے نارسائی کا نہ ہو جن تماشا دوست و سوا ہونائی کا ۲۔ بہ نر صد نظر ثابت ہے دعویٰ نارسائی کا زکوٰۃ حسن ہے اے جلوہ پیش کردہ تماشا ۳۔ چرخ خاندہ دیش ہو کا سہ گدائی کا دما جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر ۴۔ رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا متنائے زبان محو پاس میرا بانی ہے ۵۔ شا جہ سے تعاضا شکوہ میرٹ پائی کا ہم ہی اک بات ہے جو ان نفس امارت کی گت گت ہے ۶۔ چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا وہاں ہر منت پیغامہ تجز و تجسس سوائی ۷۔ عدم تک ہو فاجر چاہے تیری ہونائی کا نہ دے لئے کو اتنا طول غالب مختصر کئے

۸۔ کہ حسرت سخی ہوں عرض ستمائے جلدائی کا

۱۔ پے نذر کرم۔ بخشش الہی کو نذر کر دینے کے لئے + شرم نارسائی .. بارگاہ الہی سے دُور رہنے کی شرم + بخون غلیظہ .. خوں شہ + صد رنگ .. سو طرح سے۔

بخشش الہی کو نذر کرنے کے واسطے ہمارے پاس صرف شرم نارسائی کا تحفہ ہے۔ یعنی یہ تحفہ وہ دعویٰ نارسائی ہے جس کا سینکڑوں قسم کے گناہوں

کے ہاتھوں خون ہو چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری سوار کی ٹوٹی ہوئی توبہ کو میری مشرم پارسانی درگاہ الہی میں غفور معذرت کے لئے پیش کرتی ہے۔
 منہا: رنگ کے معنی شوق کے بھی آتے ہیں اس سے رندی وسیہ کاری بھی مراد ہو سکتی ہے۔

۲۔ حسن تماشا دوست .. نمائش پسند حسن + رسوا بیوفائی کا .. بیوفائی کی وجہ سے بدنام + ٹھہر صد نظر .. سو نظروں کی ٹھہر۔
 محبوب کے نمائش پسند ہونے کی وجہ سے اس پر آوارگی اور بے وفائی کا الزام لگا کر اس کو بدنام نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کی تماشہ دوستی سے اس کی پارسانی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سو نظروں جو اس پر پڑتی ہیں وہ حقیقتاً سو ٹھہروں کی ایک مہر ہے جو اس کے دھوئے پارسانی کی تصدیق کرتی ہے۔

طبا طبائی نے دوسرا پہلو وطن کا نکالا ہے۔ لیکن اچھا معلوم نہیں ہوتا۔
 کہتے ہیں۔ تماشہ دوست ہو کر اور اختیار سے تاک جھانک کر بکے پارسانی کی کڑی خیانت و بیوفائی کی بدنامی سے کہاں بچ سکتے ہو۔

بیخود: ہر جگہ اور ہر چیز میں دوست کے حسن کا جلوہ ہے، پھر بھی وہ کہیں موجود نہیں۔ کسی جگہ قیام نہیں کرتا۔ بایں ہمہ اس پر بے وفائی کا الزام بھی عائد نہیں ہو سکتا۔ دیکھنے والوں کی سینکڑوں نگاہیں اس مضمون پر مہر کرتی ہیں کہ ہم اس کے پردے تک بھی رسائی نہیں کر سکے اور یہ پارسانی کی حد ہے۔ پھر دعوئے پارسانی میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ .. مال کا چالیسواں حصہ جو ہر سال نیرات کیا جاتا ہے جلوفیض
 محبوب + ہر آسما .. مانند آفتاب ..

اسے محبوب تو اپنے حسن کی زکوٰۃ دے۔ تاکہ اس کی تابش سے فقیر (مشتق)

کا کاسہ گدائی ایسا چراغ بن جائے جو سورج کی طرح اس کے گھر کو روشن کر دے۔
 یہ بخود و طراپٹ بانی کا کاسہ گدائی دل سے استعارہ ہے یعنی اے جلوہ گاہ
 بینش میرے کشکول کو زکوٰۃ عوفیٰ سے کر روشن کر دے کہ اس فقیر کے لیے
 وہ چراغ ہو جائے اور آفتاب کی طرح شبِ تار کی جہالت کو دن
 کر دے (سہا)

آسی : (۱) ہم خیال (۲) جلوہ بینش سے خیال ہوتا ہے کہ کاسہ گدائی
 کا استعارہ آنکھوں سے ہے۔ یعنی اے جلوہ بینش تو اپنا جلوہ دکھا کر
 میری آنکھوں کو روشن کر دے۔ خانہ استعارہ ہے دل سے یعنی تو اگر تیرا جلوہ
 آنکھوں میں سما جائے تو میرا دل اس نور سے منور ہو جائے حسرت بھی جلوہ دیدار
 سے چشمِ مشتاق کو روشن کرنا مراد لیتے ہیں۔

۴۔ حالی : تو نے ایک مشتاقِ قتل کو بے جرم سمجھ کر اس لیے قتل نہیں
 کیا کہ خون بے گناہ ایسی گردن پر نہ لے۔ مگر اس صورت میں تیری گزین
 پر سجائے خون بے گناہ کے حقِ آشنائی رہ گیا۔ گویا حقِ آشنائی یہ تھا
 کہ تو مجھ کو قتل کر ڈالتا۔

۵۔ سپاس .. تشکر .. بے دست و پائی .. مجبوری یعنی بے زبانی۔
 زبان کی تمنا بے زبانی کے شکر یہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کی بدولت
 بے دست و پائی کے شکوہ کا تقاضا مٹ گیا۔ مطلب یہ ہے زبان کی تمنا
 تھی کہ بے دست و پائی کی شکایت کی جائے۔ لیکن بے زبانی کی وجہ سے یہ
 شکایت نہ کر سکی۔ اس لئے وہ اب بے زبانی کا شکر ادا کر رہی ہے کہ شکوہ
 بے دست و پائی سے اس کی جان بچ گئی۔

حسرت : زبان کی تمنا متقاضی تھی کہ بے دست و پائی کی شکایت کی جائے

لیکن چونکہ مجھ کو بے زبان دیکھ کر ان کو خود بخود رحم آگیا۔ اس لیے تنہائے زبان
بے زبانی کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ کیونکہ بے زبانی ہی کے سبب سے شکوہ
بیدست دیہائی کی ضرورت باقی نہ رہی اور ان کو عرض حال و شکایت کے بغیر
ہی رحم آگیا (سجید نے دوسرا مفہوم ہی لکھا ہے)

بموجودہ میری تمنا یہ تھی کہ میں تجھ سے ایسی زبان مانگوں۔ جس کی مدد سے
تیری درگاہ میں عرض حال کر سکوں۔ مگر اس درخواست سے پہلے میری زبان
محسپاس بے زبانی ہو گئی یعنی مجھ کو زبان نہ ملنے کا یہ فائدہ پہنچا کہ میں تیری
بارگاہ میں شکوہ بے دست دیہائی (بے سرو سامانی پیش نہ کر سکا اور اس
سے یہ فائدہ ہوا کہ مجھ کو بجائے زبان شکایت کے درجہ تسلیم عطا ہو گیا۔
۶۔ نفس .. سانس + نگہت گل .. خوشبو سے معطر ہوا + چمن کا
جلوہ .. فصل بہاری + رنگیں لوائی .. خوش الحانی۔

میرے نفس اور نگہت گل میں کوئی خاص فرق نہیں۔ کیونکہ ان دونوں
کی علت جلوہ گل (فصل بہاری) ہے۔ یعنی ادھر بہار آئی اور نگہت گل لوائی
شروع ہوئی اور ادھر میری رنگیں لوائی شروع ہوئی۔ مطلب یہ ہے۔ میرا
نفس نگہت گل سے کم نہیں ہے۔

۷۔ پیغاراۃ جو .. طعنہ زن + زنجیر رسوائی .. سلسلہ بدنامی بہت
زیادہ بدنامی۔ دہن کی شکل حلقہ زنجیر کی سی ہوتی ہے۔ اس لئے بہت سے
دہن مل کر ایک زنجیر بن گئی۔ معشوق کے دہن کو شعرا عدم کہتے ہیں۔ لہذا
دہن معشوق پر بے وفائی کا ذکر آنے سے بے وفائی کا چرچا عدم تک پہنچا۔

اے بیوفا تیری بیوفائی کا ذکر ہر طعنہ زن معشوق کے منہ پر ہے اور
اس طرح سے طعنہ زن معشوق کے دہنوں کے حلقوں سے ایک رسوائی

کی زنجیر بن گئی ہے اور چونکہ دہن معشوق عدم ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ روحانی عدم تک جا پہنچا ہے۔ یعنی تو اپنی بیوفائی کی وجہ سے نہ صرف معشوقوں میں بدنام ہے بلکہ تیری روحانی بہت دور تک پہنچی ہے۔

۸۔ اے غالب تو اپنے خط کو زیادہ طول نہ دے۔ فقط اتنا مختصر کر کے لکھ دے کہ میں تیرے سامنے ستم ہائے جلدائی بیان کرنے کی حسرت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ مختصر لکھنے سے خود بخود ظاہر ہو جائیگا کہ ستم تائے جلدائی اتنے زیادہ ہیں کہ میں انہیں اعطاءِ سحر میں نہیں لاسکتا۔

۲۵

گر نہ اندوہ شب فرقت بیان ہو جائیگا ۱ بے تکلف داغِ مہ مُردہاں ہو جائیگا
زہرہ گرا ایسا ہی شامِ بحر میں پڑتا ہے آب ۲ پر تو مہتاب سیلِ جانان ہو جائیگا
لے تولیں سونے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر ۳ ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا
دل کو ہم صرف وفا بچھے تھے کیا معلوم تھا ۴ یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امنغاں ہو جائیگا
سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راغنی ہو ۵ مجھ بچے کو یا اک نہانہ مہراں ہو جائیگا
گر نگاہِ کرم فرماتی رہی تسلیمِ ضبط ۶ شعلہِ حس میں جیسے خوں دگیں نہاں ہو جائیگا
بارغ میں مجھ کو نہ لیجا' وہ نہ میسے مال پر ۷ ہر گل تو ایک چشمِ غولِ نشان ہو جائیگا
دلے گریں ترا انصافِ محشر میں نہ ہو ۸ اب تک تو یہ توقع ہے کہ داں ہو جائیگا
فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد

۹ دوستی ناداں کی ہے! جی کا زیاں ہو جائیگا

۱۔ اندوہ .. رنج و غم + داغِ ماہ .. چاند کا داغ + مُردہاں .. مر غاموشی۔

داغ کی مشابہت مُردے کا ظاہر ہے۔

اگر شبِ ہجر کا غم جلدائی میں بیان نہ کر سکوں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ چاند کا

دارغ میرے دہن کے لئے مہر خوشی بن گیا۔

بیخود: خمر دہاں ہو جائیگا۔ یعنی جس طرح چاند کے دارغ کو سارا زمانہ دیکھتا ہے اسی طرح تمہاری جلدائی کی تکلیفوں کا حال لوگوں پر لھل جاوے گا۔
گو یا میری خوشی زبان بن کر افشا کے رازِ محبت کر دے گی اور تم بدنام ہو جاؤ گے
اس سے بہتر یہ ہے کہ تم میری نصیبت کا حال سن لو تا کہ غم دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے
اور راز چھپا رہے۔

۲۔ زمرہ آب ہوتا۔ پتہ پانی ہونا، بہت زیادہ دہشت و غم + پر تو
محتاج .. چاندنی + میل .. طوفانِ آب + خاندان .. گھر۔
اگر شبِ جرائی کی دہشت سے پتہ پانی ہوتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ
چاندنی کا پتہ بھی پانی ہو جائے اور وہ میرے گھر کے لیے سیلاب بن جائے
مطلب یہ ہے کہ چاندنی جس کا منظرِ لطیف پیدا کرتا ہے شبِ بحر میں میری بریلوی
کا موجب بن جائیگی۔

۳۔ محبوب بے خبر پڑا سو رہا ہے۔ اُس وقت میں اُس کے پاؤں کا بوسہ
بہت آسانی سے لے سکتا ہوں۔ لیکن یہ خیال ملنے ہے کہ کہیں جگ اٹھا تو وہ
بدگماں ہو جائیگا اور یہ سمجھنے لگے گا کہ میری محبت بے لوث نہیں ہے۔
حسرت نے ”موتے میں“ سے یہ مفہوم پیدا کیا ہے کہ اگر محبوب میرے
خواب میں آئے اور میں اس کے پاؤں کا بوسہ لے لوں تو وہ بدگماں ہو کر خواب
میں بھی آنا چھوڑ دے گا۔

۴۔ صرف وفا .. جو وفاداری کی تمام حملت کے لئے کافی ہو۔ نذرِ امتحان
ہو جائیگا .. یعنی امتحان ہی میں ختم ہو جائیگا۔
ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا دل تمام عمر کی عشق بازی اور وفاداری کے

لے کافی ہوگا۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ صرف پہلے امتحان کے دوران ہی میں اس کا خاتمہ ہو جائیگا۔

۵۔ دل میں جگہ ہونا.. محبت کرنا۔

چونکہ تجھ کو سبھی پیار کرتے ہیں اور ہر شخص کے دل میں تیری قدر ہے، اس لیے اگر تو مجھ سے خوش ہو جائیگا تو تیری محبت کی بدولت کل زمانہ مجھ پر مہربان ہو جائے گا۔ شاید معشوق کو خدا مان کر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا مہربان تو سب مہربان۔

۶۔ نگاہِ کرم.. نظرِ عتاب + خس.. تنکا۔

اگر تیری نظرِ عتاب اسی طرح مجھ کو ضبطِ محبت کی تعلیم دیتی ہے تو تیری نظرِ عتاب کے خوف سے خونِ رگوں کے انداز میں طرح پوشیدہ ہو جائیگا جیسے شعلہ خس میں پتیاں ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ضبط کی وجہ سے خوںِ فشان نہ ہو سکے گی تو آخر کار آتشِ عتاب کی گرمی سے رگوں میں خوں خشک ہو جائے گا یا جل جائے گا۔

۷۔ حال.. حالِ ناز + گلِ ترا اور چشمِ خوںِ فشاں میں بوجِ دُش تری حسینِ مشابہت ہے۔

میرا حال ایسا خراب ہے کہ ہر ایک کو میرے حالِ ناز پر رونا آتا ہے، اس لیے تو مجھے باغ میں نہ لے جا۔ اگر تو مجھے جہنم میں لے جائیگا تو میری حالتِ ناز دیکھ کر گلوں کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپکنے لگیں گے اور اس طرح سیرِ بلا سے تجھے بگاڑے فرحت کے حزن و ملال ہوگا۔

۸۔ میں اس امید پر جی رہا ہوں اور تیرے ظلم برداشت کر رہا ہوں کہ قیامت کے دن میرا اور تیرا انصاف ہو جائیگا اور مجھے میری مظلومی کی

۵۔ دل ہائے گی۔ اگر روزِ حشر بھی میرے ساتھ انصاف نہ ہو تو بہت افسوس ہے۔

۹۔ اے اسد تو عقلمند ہے۔ ذرا سوچ تو سہی۔ تجھے نادان کی دوستی سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ "نادان کی دوستی اور جی کا زبان" بقول یہ بخود اس طریقے سے دل کو فریب دے کر عشق سے باز رکھنا چاہتے ہیں اور یہ بات عشق کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ جان کے خوف سے عشق کو ترک کر دے۔

۲۶

دردِ منت کش دوا نہ ہوا ۱ میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو ۲ اک تماشہ ہوا، گلا نہ ہوا
ہم کہاں قسمت آزمائے جاؤں ۳ تو ہی جب مخمّر آدما نہ ہوا
کئے شیروں میں تیرے لب کہ رقیب ۴ گالیاں کھا کے بد مزہ نہ ہوا
ہے خبر گرم آن کے آنے کی ۵ آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا
کیا وہ غرور کی خدائی تھی ۶ بندگی میں مر بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ۷ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخمِ گر دہ گیا، لہو نہ تھا ۸ کام گر رُک گیا روا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے ۹ لے کے دل دستان روا نہ ہوا
کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبِ عزلِ سرا نہ ہوا

۱۔ منت کش .. احسان مند۔ ممنون .. پہچانتا ہوا۔ صحتیاب نہ ہو + بُرا نہ ہوا .. اچھا ہوا۔

اگر میں دوا سے صحت یاب نہ ہوا تو کوئی ہرج کنہات نہیں بلکہ یہ
 چٹا ہی ہوا کیونکہ میرا درد دوا کے احسان سے نچ گیا۔ مطلب یہ ہے
 کہ میرا درد بھی غیور ہے۔ اسے دوا کا احسان لینا منظور نہیں۔

۲۔ قاعدہ ہے کہ چار آدمیوں کو جمع کر کے جھگڑا چکا یا کرتے ہیں۔
 تاکہ وہ انصاف کریں۔ لیکن شاعر کو رشک اجازت نہیں دیتا کہ اور لوگ
 عاشق و معشوق کی گلہ مندیاں سنیں۔ اس لئے معشوق سے کہتا ہے تم
 گلہ کرنے کے لئے رقبوں کو کیوں جمع کرتے ہو۔ یہ گلہ ہے یا تماشہ۔ اُسی
 گلہ مند عاشق کو قرار دے کر کہتے ہیں کہ گلہ کرتا ہوں الخ

۳۔ جب تم ہی نے قتل کر کے ہماری آرزوئے قتل پوری نہ کی تو پھر
 ہم اپنے مقدر کو آزمائے کے لئے اور کہاں جاؤں۔ یعنی یہ آرزو کیوں
 پوری نہیں ہو سکتی۔

۴۔ تمہارے بول میں کتنی شیرینی ہے کہ رقیب کو تم نے گالیاں
 دیں۔ گالیاں تلخ ہوتی ہیں۔ چونکہ وہ تمہارے بھلے سے بھلیں اس لئے وہ
 بھی شیریں ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ رقیب باوجود اس کے کہ لذتِ عشق
 سے محروم تھا۔ پھر بھی وہ تمہاری گالیاں سن کر ناراض (بے مزہ) نہ تھا۔
 مزہ۔ شیریں مناسب الفاظ ہیں۔ جو بلا ارادہ صرف ہو گئے ہیں۔

۵۔ آج ان کے تشریف لانے کی خبر مشہور ہے۔ لیکن ہماری
 بے سوسامانی کا یہ عالم ہے کہ آج ہمارے گھر میں بویا بھی نہیں جو اس
 پران کو بٹھا سکتے۔ ایک طرف ان کے آنے کی خوشی ہے اور دوسری طرف
 بے سوسامانی کا ناتم ہے۔ طباطبائی مضمون کو سُست کہتے ہیں۔ اُسی
 دیکھ کر کہ جن بیان کی تعریف کرتے ہیں۔

۶۔ حالی: میری بندگی کیا نفرد کی خدائی تھی کہ اس سے مجھ کو سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ یہاں بندگی سے مراد عبادت نہیں بلکہ عبودیت ہے۔ بندگی پر نفرد کی خدائی کا اطلاق کرنا بالکل نئی بات ہے۔ طباطبائی کہتے ہیں کہ غرور حسن کی طرف اشارہ ہے۔
سہما و آکسی: خدا جس کی میں نے عبادت کی، کیا وہ نفرد تھا اور کیا اس کی خدائی نفرد کی خدائی تھی کہ میرا بھلا نہ ہوا۔

۷۔ حق .. را، سچ (۲) فرض۔

اگر ہم نے راہ حق میں جلن دی تو کون سا کمال کیا۔ جان اسی کی دی ہوئی تھی۔ ہمارے پاس تو فقط ایک امانت تھی۔ ہم نے واپس کر دی۔ امانت کے واپس کرنے میں کون سا احسان یا اشارہ ہے اس لئے سچ بات تو یہ ہے کہ ہم فرض حق ادا نہیں کر سکے۔ یعنی جان دینا کوئی بڑی بات نہیں بلکہ انسان پر اور بہت سے فرض ہیں۔ جن کا ادا کرنا واجب ہے۔

۸۔ ہمارا زخم جب باندھ دیا گیا تو پھر بھی بھر جا رہا۔ حالانکہ زخم کو دبا دیجئے سے لہو ختم جانا چاہئے تھا اس کے برخلاف اگر ہمارا کام رُک گیا تو پھر جل نہ سکا۔ حالانکہ قاعدے کے مطابق ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس طرح کام رُک جائے پر دوا نہیں ہوتا۔ اسی طرح زخم دُب جانے سے لہو بھی دواں نہ ہوتا۔ ظاہر یہ کرنا چاہتے ہیں کہ جو بات میرے حق میں مفید ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ الٹی پیش آتی ہے۔ اپنی بد نصیبی اور تقدیر کی دگر گونی کا اظہار نہایت عمدہ پیرائے میں کیا ہے۔

۹۔ رہزنی .. راستے میں لوٹنا عدلستانی .. دل لینا۔

انہوں نے راہ چھتے میرا دل چھین لیا۔ بتلائیے کہ یہ رہزنی ہے یا عدلستانی

یعنی قاعدہ یہ چاہتا تھا کہ دل لینے کے لئے وہ انداز و ناز دکھاتے لیکن وہ تو ہرزوں کی طرح ٹوٹ کر چلتے ہوئے لب ڈھونڈھتے پھرے کہ کون تھا اور کہاں گیا؟

اُسی و طباطبائی: قافیہ معمورہ کے غیب نے شعر کو بہتہ کر دیا ہے
بیخود کہتے ہیں کہ قافیہ نے اور لطف پیدا کر دیا ہے۔

۱۰۔ بیخود کا بیان ہے کہ قلعہ میں کسی شہزادہ کے مکان پر مشاعرہ ہوا تھا غالب نے طرح میں غزل نہ لکھی۔ جب اصرار بالفی حد تک پہنچ گیا تو بغیر طرح غزل پڑھ دی۔ مقطع پہلے اس مضمون کا کہ لیا تھا جیسا کہ مقطع کے مضمون سے ظاہر ہے واللہ اعلم۔

۲۷

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا ۱ گھر میں محو ہوا اضطراب دہیا کا
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پا صبح مکتوب ۲ مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا
خانے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے ہی ۳ دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا
نغم فراق میں تلکلفت سیر باغ نہ دو ۴ مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا
ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں ۵ کہ سے ہر بن ہو کام چشم بینا کا
دل اس کو پہلے ہی ناز واداسے دے بیٹھے ۶ ہمیں دماغ کہاں حسن کے تعاضل کا
نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے ۷ مری نگاہ میں ہے جمع خرچ دہیا کا
فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو باہل

جہاں میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

۱۔ اضطراب شوق اس قدر زیادہ ہے کہ وہ دل میں بھی نہیں سما سکتا۔
حالانکہ دل میں اس قدر وسعت ہے کہ اس میں دونوں جہاں بہت آسانی سے سما سکتے

ہیں۔ اس قدر غراخی اور وسعت کے باوجود شوق کو تنگدلی کی شکایت سے اور یہ شکایت بجا معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اضطراب شوق کو ضرورت کے مطابق جگہ دینے سے اس کا جوش اضطراب ٹھنڈا پڑ گیا۔ گویا دریا کا اضطراب موتی میں سمائیہ اصل میں موتی کی آب کو دیکھ کر شاعر کا دماغ اس بایک خیال کی طرف متوجہ ہوا اور اُس نے گوہر کو دل اور اضطراب شوق کو اضطراب دریا سے تشبیہ دے کر لطیف معنی پید کیے۔

۲۔ پاسخ مکتوب .. خط کا جواب + ستم زدہ .. مجبور + ذوق خامہ فرسا .. کہنے کا شوق ..

یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو میرے خط کا جواب ہرگز نہیں دینگا۔ لیکن میں کیا کروں کہ خامہ فرسائی کا شوق مجھے مجبور کرتا ہے اس لیے میں تجھے برابر خط لکھے جاتا ہوں۔ گویا میں ذوق خامہ فرسا کا ستم زدہ ہوں اور ستم زدہ قابلِ رحم ہوتا ہے اس لئے بے درپے خط پہنچنے پر نادانِ حق نہ ہو۔

۳۔ خنائے پائے خزاں .. خزاں کے پاؤں کی ہندی۔ بہار کو بوجہ رنگینی کہا ہے + دوام .. ہمیشہ + کلفتِ خاطر .. ملالِ دل۔

اگر بہار کچھ چیر ہے تو مجھ کیجئے کہ وہ خزاں کے پاؤں کی حنا ہے۔ بہار ابد کا مشاہدہ ہے کہ خنکی رنگینی اور دل فریبی چند روز میں نازل ہو جاتی ہے اور پھر خزاں ہی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اسی طرح سے دنیا کا عیش بھی عارضی اور ناپائدار ہے اور ہمیشہ اس کا انجام کلفتِ خاطر اور رنجِ دلی کا باعث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں عیش : نشاط کا زمانہ قلیل اور مصیبت کا عرصہ طویل ہوتا ہے۔

۴۔ دماغ نہیں .. پسند نہیں + خندہ ہائے بیجا .. خندہ گل کو خندہ بیجا کہنے کی یہ وجہ ہے کہ کچھ سمجھ کر یا ارادہ تعجب نہیں ہنستا۔ اس لئے اس کا

خندہ بے محل اور بیجا ہے۔

میں غمِ فراق میں مبتلا ہوں۔ اس لئے مجھ کو سیرِ پارغ کے لیے مجبور نہ کر دو
حالتِ رنج و غم میں مجھے پھولوں کی بیجا ہنسی پسند نہیں۔ گویا میں گلوں کے
خندہ ہائے بیجا کی تاب نہیں لاسکتا۔

۵۔ محرمی .. رازداری + بن مو .. بال جڑ۔

اگرچہ میرے ہر ایک روئے کی جڑ چشمِ بینا کا کام کر رہی ہے۔ پھر بھی میں
حُسنِ ازلی کے دیدار سے محروم ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود ہمہ تن چشمِ شوق
اور چشمِ بینا بن جانے کے میں حقیقت کے راز سے واقف نہیں ہو سکا۔

خبا طبا ئی : ہر بن کو کو چشمِ بینا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ہر شے
آئینہ ظہورِ قدرت و صنعت ہے تو اُس میں بن مو بھی داخل ہے۔ یعنی
ہر بن اس طرح حکمت و صنعت کو دکھا رہی ہے۔ جس طرح کوئی آنکھ سے
دیکھ لیتا ہے۔

۶۔ دماغ کہاں .. برداشت یا تاب نہیں + قابیہ کی مجبوری سے

”تقاضا کا“ باندھ دیا ہے ورنہ ”تقاضے کا“ فیض ابدست ہے۔

پیشتر اس کے کہ وہ نازداند انداز دکھاتے اور اس طریقے سے دل
مانگنے کا تقاضا کرتے۔ ہم نے اپنا دل پہلے ہی ان کو دیا اور تقاضے کی نوبت
نہ آنے دی کیونکہ ہمیں حُسن کے تقاضے کی تاب نہیں رہی خود، طباطبائی
اسی : مصنف کا مطلب یہ ہے کہ ادا و ناز حسن کو ہم دل نہ دیتے تو
حُسن ہم سے دل لینے کا تقاضا کرتا مگر ہم نے اسے گوارا نہ کیا اور تقاضے کی
نوبت نہ آنے دی (سجید)

۷۔ یہ نہ سمجھو کہ میرا دانا میری حسرتِ دل کے برابر ہے، بلکہ میری

حسرتِ دل میرے گریہ سے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کثرتِ اشکِ فشانِ
سے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میری آنکھوں سے دریاے اشکِ جلدی
ہے لیکن وہ بھی میری حسرتِ دل کے برابر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسرتِ
دل زیادہ ہے اور مقدارِ گریہ سے اس کا اندازہ ممکن نہیں۔ بخود نے معشوق کو
اور اُسی نے ہمد کو منادی قرار دیا ہے۔

اُسی (۱) ہم خیال (۲) میں اس قدر چکا ہوں کہ اننی مجھے حسرت بھی
نہ تھی (۳) میری حسرت اننی گرا نیا یہ نہ تھی جنتِ مجھے بدنا پڑا۔

۸۔ اس کو۔۔ معشوق کو، اس کی۔۔ فلک کی، کار فرما۔۔ معشوق، ستم شعار۔

جب میں مظلومی کی حالت میں آسمان کو دیکھتا ہوں تو مجھ کو اپنا معشوق یاد
آ جاتا ہے کیونکہ فلک کی جفاکاری میں مجھے اپنے معشوق کی کار فرمائی کی جھلک نظر
آتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ معشوق ہی باقی جو روحِ جفا ہے اور اسی نے فلک
کو جفاکاری کا حکم دیا ہے (اُسی)۔

بخود: فلک کو دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے۔ اس لئے آسمان جس قدر ستم
مجھ پر کرتا ہے وہ سب اسی کے حکم سے ہیں۔ بغیر حکمِ الہی کے آسمان کچھ
نہیں کر سکتا۔

سعیب: ظلمِ فلک کو دیکھ کر مجھ کو اپنا معشوق یاد آتا ہے۔ کیونکہ
وہ بھی ایسا ہی ظالم ہے۔

۲۸

قطرۂ بسکہ حیرت سے نفس پرورد ہوا ۱ خطِ جامِ مے سرا سر رشتہ گوہر ہوا
اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا ۲ غیرے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا
۱۔ غالب: خیال تو دقیقِ نظم کیا گیا ہے۔ لیکن لطف زیادہ نہیں۔

قطرہ چمکنے میں بے اختیار ہے افراط حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر بوندیں
تھم کر رہ گئیں تو پہلے کا خط اس جانگے کی صورت بن گیا جس میں موتی پڑے
گئے ہوں۔ (سقیہ بخود و سہا)

طبا طبائی لکھتے ہیں۔ حیرت کی شگرف کاری کا اظہار مقصود ہے لیکن
یہ حیرت حسن ساقی کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے مضمون مصنف کے ذہن میں رہ گیا۔
حسرت: جب ساغرے لب یار سے ملا تو قطرہ ہائے بے لفظ حیرت
منہ پر ہو کر گویا گوہر بن گئے اور خط جام رشتہ گوہر کے مانند ہو گیا۔
آئشی: قطرہ بے کام حیرانی کرنا ہے اور وہ حیرت نفس پرورد اور روح پرورد
ہے۔ خط جام بے کو اس کی روح پروردی نے گوشہ گوہر بنا دیا ہے۔ اس سے
نقطہ درج شراب مقصود ہے۔

۲۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ سوائے میرے کوئی اور
آہ و نالہ نہیں کرنا۔ گویا ان کو میرے عشق کا اعتبار ہو گیا ہے۔ لیکن یہی اعتبار
میری تباہی کا باعث ہے۔ وہ اس طرح سے کہ اگر کسی رقیب آہ و فراہ
کرنا ہے تو محبوب سمجھتا ہے کہ یہ میرا ہی کام ہے۔ اس لئے وہ مجھ پر خفا
ہوتا ہے (طبا طبائی۔ سہا۔ بخود)

سقیہ میرے ہم خیال ہیں۔ مگر غانہ خرابی کی مزید تشریح یہ لکھتے ہیں کہ
غانہ خرابی یا تو اس لئے ہے کہ کوئی کہے اور کوئی بھرے یا اس لئے
کہ رقیب سمجھا کہ معشوق مجھ سے ناراض ہے اور اس سے خوش۔

آئشی (۱) ہم خیال (۲) چونکہ اسے میرے عشق کا اعتبار ہو گیا ہے۔
اس وجہ سے وہ غیر کی ہر تکلیف کو میرے عشق کا نتیجہ سمجھتا ہے اور مجھ پر
خفا ہوتا ہے۔ میرے اعتبار عشق سے غیر کو تکلیف پہنچنے کی متعدد وجوہ

ہو سکتی ہیں۔ مثلاً غیر مجھ کو اپنا حریف سمجھ کر تکلیف اٹھاتا ہے یا میرا عشق صادق اپنا کوئی حریف دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس لئے غیر کو تکلیف پہنچاتا ہے اور ماسوائے معشوق سب کو فنا کرنا چاہتا ہے (ظاہر ہے یہ مضموم تاویلی ہے اور اصل مقصد سے بہت دور پہنچ گیا ہے)

۲۹

جب بتقریب سفر یار نے محل بلوڑھا ۱ تیش شوق نے ہرزہ پہ اک دل باندھا
اہل بینش نے جیت کدہ شوخی ناز ۲ جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا
یاس و امید نے یک غریبہ بیدل ناگ ۳ عجز و ہمت نے طلسم دل سابی باندھا
نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب
گرچہ دل کھول کے دیا کو بھی ساحل باندھا

۱۔ محل .. آؤنٹ کا کجادہ -

جب میری محبوبہ نے سفر کرنے کے لئے محل نیا رکی تو میری پیش شوق نے ریت کے ہرزے پر ایک دل باندھ دیا تاکہ محل یا میرے دل پر قدم رکھتی ہوئی جائے۔ ذرہ کی تابش سے فائدہ اٹھا کر اس کو دل مضطرب قرار دیا ہے اور یار کے وقت سفر اپنے دل کی بچھینی دکھائی ہے۔

بیخود میرے ہم خیال ہیں مزید تشریح غور طلب ہے لکھتے ہیں: ہمارا شوق ہمیں اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ اس بیقراری کی حالت میں سدا کے چلنے میں عجز و غبار کی صورت میں بلند ہو گئے ہتھے، ہم سمجھتے تھے کہ ہرزہ پر ایک دل باندھا ہوا ہے۔ ورنہ ذرہ میں یہ تڑپ کہاں۔

آکسی، جب یار نے سفر کے لیے محل باندھا تو میرا دل بیقرار ہوا اور محل کے ہرزہ یا عام ذرہ ذرہ پر شوق نے ایک دل باندھ دیا اور محل کے

ساتھ بھیج دیا۔ یعنی ذات محل میرے دل تپاں تھے۔ قہہ کی چمک اور دل کی
تپش کا عالم یکساں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے محل کے ساتھ دل تپاں
بھی رخصت ہوا۔

۲۔ اہل مینش .. اہل نظر، دیکھنے والے + حیرت کدہ .. مراد آئینہ۔
عکس یا ر کی وجہ سے آئینہ کو حیرت کدہ کہا ہے + جوہر آئینہ .. فولادی آئینہ
کے جوہر سبز ہوتے ہیں اور پہلو کی طرف سے دیکھنے میں جوہر سبز متحرک
معلوم ہوتے ہیں۔ شوخی ناز کی وجہ سے اسے طوطی بسمل سے مشابہہ کیا ہے۔
اہل نظر نے فولادی آئینہ کے سبز متحرک جوہر کو طوطی بسمل قرار دیا ہے
جو کہ معشوق کی شوخی ناز کو دیکھ کر تڑپ رہی ہے۔ گویا فولادی آئینہ ایک
حیرت کدہ ہے۔ جہاں یار کی شوخی ناز سے اس کے سبز جوہر طوطی بسمل
کی مانند تڑپ رہے ہیں۔ بقول حسرت اس میں نازک اشارہ یہ ہے کہ ناز یار
کی شوخی ارباب یار کی حیرت کدہ اضطراب سے بدل دیا کرتی ہے۔

۳۔ عربدہ .. جنگ + میدان مانگنا .. جنگ طلب کرنا۔ عجز ہمت
.. پست ہمتی۔ دل سائل کو ایک طلسم اور میدان عربدہ کو یاس و امید
قرار دیا ہے اور اس طلسم کو پست ہمتی کا بانی۔

میری پست ہمتی نے میرے دل کو ایک میدان طلسم بنا رکھا ہے۔
جس میں یاس و امید میں جنگ ہو رہی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے پر
غالب آنا چاہتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پست ہمتی امید و بیم کی جنگ میں مبتلا
کر دیتی ہے۔

صرف اسی یہ معنی لکھ کر کہتے ہیں کہ سوال کرنا بہت بُرا ہے اور یہ
پست ہمتوں کا کام ہے۔ جس سے دل طلسم امید و بیم بن جاتا ہے باقی

شادین متفق ہیں۔

۴- ذوق سے مراد ذوق سخن + ساحل .. ساحل کی تشنگی مشہور ہے۔
وہ دریا سے ہم آغوشی۔ کہ باوجود پیاسہ اور خشک رہتا ہے + دل کھول کر
.. مبالغہ سے + اچھی طرح۔

اے غالب ہم نے اتنا مبالغہ کیا کہ دریا کو بھی ساحل بنا دیا۔ لیکن
میرے ذوق سخن کی تشنگی ملاحظہ ہو کہ پھر بھی ذوق سخن کی تشنگی کا مفہون
ادانہ ہو سکا۔

۳۔

میں اور بزم سے ہے یوں تشنہ کلاموں ۱ گریں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا
ہے ایک تیر جس میں دونوں چھپے پڑے بس وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگہ جدا تھا
وراندگی میں غالب کچھ بن پڑے توخاؤں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

۱۔ تشنہ کام .. پیاسا + محروم +

بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ مجھ جیسا یہ خواہ بزم سے نوشی سے
بغیر بے چلا آئے فرعن کیا کہ میں نے بے نوشی سے توبہ کر لی تھی، اس لئے میں
نے شراب نہ پائی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ساقی کو کیا ہو گیا تھا کہ اس نے مجھے
زبردستی نہ ملائی۔ شراب خمیوں کا قاعدہ ہے کہ وہ بہر دستی دوسروں کو پلانے
کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن وہاں ایسا نہ ہوا۔ اس لئے اس واقعہ کو یا تو بد قسمتی
بجھے یا ساقی کی ناراضی اور بے توجہی کا نتیجہ۔

۲۔ تیر: تیر نظر۔

وہ نہانہ گیا جب دل اپنی جگہ پر آرام سے تھا اور جگہ اپنے مقام پر،

اب تو ان کے ایک تیر نظر نے دونوں کو چھید کر زخمی کر دیا ہے۔

۳۔ در ماندگی .. مصیبت۔ رشتہ .. تاکا + در ماندگی کو گرہ اور تدبیر کو ناخن گرہ کشا سے استعارہ کیا ہے۔

جب ہم مشکلات اور مصائب پھندوں میں پھنسے ہوئے تو اس وقت ہم میں ان پھندوں کے کھولنے اور مصائب کے کھل کر رکنے کی ہمت اور تدبیر سوچنے کی قوت موجود نہیں لیکن یہ وہاں نہیں رہی۔ اب ہم مصائب میں مبتلا ہیں۔ ایسی حالت میں بچہ بن پڑے اور مشکلات کا دغیہ ہو سکے تو بات ہے۔ قاعدہ ہے جب انسان مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے تو اس کی عقل اور ہمت کچھ کام نہیں کرتی۔

۳۱

گھر ہمارا جو نہ دوتے بھی تو دیراں ہوتا ا بھرا گر بھر نہ ہوتا تو بیا باں ہوتا
تنگی دل کا گڑھ کیا، یہ وہ کافر دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

بعد یک عمر و رخ، بار تو دیتا بارے

کاش رضواں ہی دیر بار کا دیاں ہوتا

۱۔ ہمارا گھر کثرت گریہ سے ویران ہو گیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ اگر ہم نہ روتے تو ہمارا گھر برباد نہ ہوتا۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ دیا دیا نہ ہوتا تو اس کی جگہ یقیناً بیا باں ہوتا۔ گویا اگر چار گھروں نے سے ویران نہ ہوتا تو پھر کوئی اور آفت آئی۔ غرض ویرانی کسی صورت نہ ملتی اور بد نصیبی کسی طرح ضرور ظاہر ہوتی۔

۲۔ میں اپنی تنگی دل کی کیا شکایت کروں۔ یہ کم سخت دل ایسا برا واقع ہوا ہے کہ ہر صورت میں اس کا مصیبتوں میں مبتلا رہنا لازمی ہے۔ اگر یہ تنگ رہتا ہے مصائب نہ ہوتا تو پھر پریشاں ہوتا یعنی

اس کی داشدگی پریشانی کے درجہ کو پہنچ جاتی۔ اس لئے اس کی تنگی اور پریشانی ہمارے لئے برابر ہے۔

۳۔ ورع .. پرہیزگاری + بار .. جگہ، اجازت داخلہ + رضوان .. بہشت کا دربان۔

ہم نے تمام عمر محبوب کی پرستش میں بسر کر دی۔ لیکن اس کا دربان اس سخت گیر ہے کہ وہ اب بھی ہمیں یار کے مکان میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ کاشکہ اس کا دربان رضوان ہوتا۔ جو ایک عمر عبادت میں گزارنے کے بعد بہشت میں توجہ اخل ہونے دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ رضوان حسبِ عادت ہماری پرستش کا خیال کر کے ہم کو ضرور اندر جانے دیتا۔

۳۲

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۱ ڈوبیا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہوا جب علم سے یوں ہیں تو غم کیا سر کھٹکنے کا ۲ نہ ہوتا اگر جذبات سے تو زانو پودھرا ہوتا
ہوئی ہزت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

۱۔ حالی: بالکل نئی طرح سے نیستی کو ہستی پر ترجیح دی ہے اور ایک عجیب توقع پر معدوم محض ہونے کی تمنا کی ہے۔ پہلے مصرعہ کے معنی تو ظاہر دوسرے مصرعہ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو دیکھنا چاہیے کہ میں کیا ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہوتا۔ کیونکہ پہلے مصرعہ میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا (سعید)

طباطبائی: صوفیہ کے مذاق میں کہہ ہے۔ میں کچھ نہ تھا تو خدا تھا اور کچھ ہو کر میں اپنے مبداء سے متاثر ہو گیا اور اس مبداء فیض سے

علیحدہ ہو جانا میرے حق میں بُرا ہوا (بہت متفق)

۲۔ زانو پر مدھرا ہونا۔۔ جب انسان نگین ہوتا ہے تو سر زانو پر رکھ کر خاموش بیٹھ جاتا ہے۔

میں کثرتِ آلام سے بالکل بچھ ہو گیا ہوں اور مجھے اپنے سر تک کا ہوش نہیں رہا۔ میرا سر کٹ گیا ہے۔ لیکن مجھے بخود ہی کی وجہ سے اس کا احساس تک نہیں ہوا۔ اگر میرا سر تن سے جدا نہ ہوتا تو بھی کثرتِ غم سے بچھ و حرکتِ نافہر مدھرا ہوتا، اس لئے سر کے کٹ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑا، پھر مجھے سر کے کٹ جانے کا غم کیوں ہو۔

۳۔ اگرچہ غالب کو مرے ہوئے ایک مُت ہو گئی ہے۔ مگر وہ اب تک یاد آتا ہے کہ وہ ہر بات پر کمال بے پروائی سے تھخیرا کہا کرتا تھا کہ یوں ہو جانا تو کیا ہوتا یعنی کچھ نہ ہوتا (آسی، طباطبائی۔ بخود)

سعید: اس کی بحث و تحقیق کی عادت بار بار یاد آتی ہے۔
سُہا: وہ ہر بات ارمان و تمنا کا اظہار کرتا تھا یعنی یوں ہوتا تو کیسا نطف ہوتا۔

۳۲

ایک فِرّہٗ زیں نہیں بیکار بلوغ کا ۱ یاں نادہ بھی فیتلہ ہے لالہ کے داغ کا
بے مے کے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی ۲ تھینچا ہے غجر حوصلے خطایاغ کا
بیس کے کاروبار پہ ہیں خندے ٹنگے ۳ کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے دماغ کا
تازہ نہیں ہے نشہٗ فکرِ سخن مجھے ۴ تریا کی قدیم ہوں دودِ چرخ کا
سوارِ بندِ عشق سے آلودِ ہم آئے ۵ پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ گدغیا ۶ یہ میگہ خواب ہے مے کے سُراغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاطِ دل ابر بہارِ نخلکہ کس کے دماغ کا

۱۔ جاوہ .. راستہ ، بٹیا ، فقیلہ .. بٹی + داغ .. چراغ سے
استعارہ ہے بہار سے باغ میں سبزہ و گل کی اتنی فراوانی ہے کہ زمین
کا ایک ذرہ بھی بے کار نہیں رہا۔ یعنی ہر جگہ گل و سبزہ نمودار ہے۔
یہاں تک کہ باغ کی روشیں جن پر بہار کا کوئی اثر نہیں ہوا کرتا اثر بہار سے
چراغِ لالہ کی بتیاں معلوم ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ روشِ باغ بھی باعثِ
فروغِ باغ ہے اور اس کو لالہ کے ساتھ وہی مناسبت ہے جو فقیلہ و
چراغ میں ہوتی ہے وحسرت، سہا، سعید)

آئنی و طباطبائی : (۱) ہم خیال (۲) داغ سے اگر زخم مراد لیں تو فقیلہ
وہ بٹی ہے جو زخم میں رکھتے ہیں۔ اس صورت میں کثرتِ نشوونما کا اظہار
ہے۔ کہ جاوہ ایسا باریک پڑ گیا ہے جیسے لالہ ہوتی ہے اور داغِ لالہ
کی تخصیص اس لئے ہے کہ کثرتِ گل ہائے رنگین سبزی پر دلالت
کرے (بیخود)

۲۔ آشوب .. مصیبت + آگہی .. ہوشیاری، افکارِ دنیاوی +
عجز، حوصلہ .. پست ہمتی + ایاغ .. جامِ شراب۔ جس پر شراب
ناچنے کے لئے خطوط کھینچے ہوئے ہوں۔

کہتے ہیں۔ جامِ جمشید پر بھی ایسے ہی خطوط تھے چونکہ مصائب و شدائدِ
دنیاوی کو برداشت کرنے سے حوصلہ عاجز ہے۔ اس لئے اُس نے آگہی و
ہوشیاری پر خطِ ایاغ کھینچ دیا ہے۔ یعنی شراب پی کر آگاہی کو صفحہٴ دل پر
کاٹ دیا ہے تاکہ مستی اور غفلت سے احساسِ ہوشیاری و آگہی جاتا رہے۔

(آسی۔ طباطبائی)

سعیہ: شراب نوشی کے بغیر افکار دنیوی سے نجات نہیں مل سکتی۔ لیکن یہاں ساقی نے ایسی پست بہتی سے کام لیا کہ جام پر بھی خط کھینچ دیا۔ یعنی پورا ایک پیالہ بھی شراب نہ دی۔ بلکہ خط مقررہ تک بھر دی۔ اگرچہ ضرورت زیادہ تھی۔
حسرت: آگاہی کو آشوب قرار دیا۔ جس کی برداشت کے لئے میگزین کا لازم ٹھہری اور ظاہر ہے اس غرض کے لئے ایک ساغر سے کیا کام چلتے۔
خصوصاً ایسی حالت میں کہ ساغر بھی لبریز نہ ہو بلکہ صرف خط ساغر تک ہو۔
بے خود: بحرِ حوصلہ کی وجہ سے ہم نے ساغر پر نشان بنا دیا بیٹے میں شراب ناپ کر پیتے ہیں اور مقدار دن بدن بڑھاتے جلتے ہیں اور آشوبِ اُلٹی کی طاقت برداشت بقدر افزائش مقلد شراب رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتی ہے یعنی ذکر و اشغال کی مشق و مہارت دن بدن زیادہ کھو جاتے ہیں۔

۳۔ بیل گلوں کے عشق میں دیوانی ہو رہی ہے اور پھول اس پر مہنس رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے جس چیز کو عشق کہتے ہیں وہ اصل میں خللِ دماغ ہے کیونکہ دیوانوں پر ہی لوگوں کو مہنسی آیا کرتی ہے۔ طباطبائی کہتے ہیں کہ حالِ نرا کی جگہ کاروبار اس لئے استعمال کیا ہے کہ کارِ معنی ذرا عت اور بارِ معنی ٹہرے۔ یہ گل سے مناسبت رکھتا ہے۔ طباطبائی کو ہمیشہ ایسی ہی سمجھتی ہے۔

۴۔ تریبا کی قدیم۔ پُرانا افیونی + دودِ چیراغ۔ چیراغ کا دھواں۔ چند باغِ چراغ کی نوک کے ذریعے سے افیون کا دھواں نال سے پیتے ہیں اور شعراء اکثر رات کو چیراغ کے سامنے بیٹھ کر مشقِ سخن کرتے ہیں۔

نشہ فکرِ سخن کی لت مجھے کچھ نمی نہیں پر لسی بلکہ مدتوں سے دودِ چیراغ کے سامنے بیٹھ کر فکرِ سخن کرتا ہوں۔ ظاہر ہے دودِ معنی فکرِ سخن اور چیراغ سے

کلام روشن کا استعارہ کیا ہے۔

۵۔ بند .. قید + عدد .. دشمن + فراغ .. آزادی۔

ہم عین کی کیفیتوں سے بہت دفعہ آزاد ہوئے مگر کیا کریں۔ ہمارا دل ہی فارغ البال رہنا نہیں چاہتا۔ گویا ہماری آزادی کا دشمن ہے۔ جب تک کہاد ہوتے ہیں وہ پھر بندِ عشق میں گرفتار کر دیتا ہے۔ یہ خود لکھتے ہیں۔ عشق سے دنیائی محبت اور بندِ عشق سے اس میں پھنسا ہوا ہونا مراد ہے یعنی دنیا میں بغیر شغل و فکر آدمی رہ ہی نہیں سکتا۔

۶۔ میکدہ .. مراد آنکھ + مے .. یعنی خونِ دل + خراب .. دیران + سراغ۔ تلاش + موج .. تارِ نظر، بینائی۔

اگر میری آنکھوں سے خونِ دل آنسو بن کر نہیں بہتا تو موجِ نگاہ (بینائی) کے بدلے میری آنکھوں میں غبار اُٹنے لگتا ہے۔ یعنی مجھے کم نظر آتا ہے اور یہ کیفیت میرے لئے سخت تکلیف کا باعث ہے۔ کتنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ میکدہ (چشمِ شراب (خونِ دل) کی جستجو میں (خاکِ بس) غبار آلود ہے۔ ظاہر ہے بغیر شراب کے میکدہ میں خاک ہی اُڑتی ہے یعنی دیران ہوتا ہے۔ میکدے کے لئے خواب کا لفظ پُر لطف ہے۔

۷۔ بارغِ شگفتہ .. سرسبز و شاداب + بساط .. فرش + نشاط .. سرور + خمکہ .. میخانہ۔

ابر بہار میری مستی و نشاط کا باعث نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی اور کے دماغ کا خمکہ ہوگا۔ یعنی وہ کوئی اور لوگ ہوں گے جو ابر بہار سے سرور و خوش ہوتے ہوں گے۔ میرے سرورِ دل کا باعث تو تیرے حسن کا شگفتہ بارغ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز میرے دل و دماغ کے لئے مستی کا باعث نہیں

ہو سکتی (حسرت، سنجیدہ، بخود)
 طباطبائی: جب شگفتگی بارغ سے تجھے نشاط پیدا ہوتا ہے تو خیال کرتا
 ہے کہ ابر بہار جس نے ساغر کو شراب رنگ و بو سے لبریز کر دیا۔ کس کے
 دماغ کا میکہہ ہوا۔ ابر بہار بھی تیرے ہی دماغ میں نشہ پیدا کرنے کے لئے
 ایک ٹھکدہ ہے۔ بساط و نشاط میں تجھیں خطی ہے۔ اسی تجھ و ذوں مضموم
 لکھتے ہیں۔

۳۴

وہ مری چین جیسے غم پہناں سمجھا ۱ راز مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا
 یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ منو ۲ چاک کرتا ہوں میں جبکہ کہ گریباں سمجھا
 شرح اسباب گرفتاری خاطر است پوچھ ۳ اس قدر رنگ ہما دل کہ میں زنداں سمجھا
 ہنگامی نے نہ کچا ہائے سرگرم خرام ۴ رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدہ جیراں سمجھا
 عمر سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا ۵ نبضِ خس سے پیش شعلہ سوزاں سمجھا
 سفر عشق میں کی صنعت نے راحت طلبی ۶ ہر قدم سائے کو میں اپنے شہستان سمجھا
 تھا گریزاں مرثیہ یار سے دل تا دم مرگ ۷ دفعہ بیکان قضا اس قدر آساں سمجھا
 دل دیا جان کے کیوں اس کو و ذدار
 غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

۱۔ چین نہیں۔ تیوری + غم پہناں .. رنجش دل + عنوان ..
 سُرخ، پنتہ + راز مکتوب .. خط کا مضمون + چین جیسے کی تشبیہ
 بے ربطی عنوان سے ہے اور غم پہناں کا استعارہ راز مکتوب سے ہے۔

میری تیوریوں سے اس نے میرے غم پہناں کو بھانپ لیا۔ گویا عنوان
 کی بے ربطی سے وہ خطا کے مضمون کو سمجھ لیا یا اس نے میری چین جیسے

سے میرے غم پہناں کا اس طرح پتہ لگا لیا جس طرح پتہ کی بے ربطگی سے
خط کا مضمون معلوم ہو جاتا ہے۔

۲۔ غالب: پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ آئینہ فولاد کے آئینہ سے ہے،
عدنہ جلوی آئینوں میں جوہر کہاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل
کرو گے بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی۔ اس کو الف صیقل کہتے ہیں جب
یہ مقدمہ معلوم ہوا تو اب اس کے مضمون کو سمجھئے ع
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابتدائے سن تیرہ سے مشق جنوں ہے۔ اب تک کمال فن حاصل
نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صفات نہیں ہو گیا۔ بس وہی ایک لکیر صیقل کی موجود
ہے۔ چاک کی صورت بھی الف کی سی ہوتی ہے اور چاک آثار جنوں میں
ہے (اردوئے معلّے)

آسی اور طباطبائی "بیش نہیں" پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ فارسی
کا ترجمہ ہے۔ لیکن غالب ان چیزوں سے بے نیاز ہیں۔

۳۔ شرح:۔ کھولنا، لفظ تنگ کی مناسبت سے لائے ہیں گرفتاری
خاطر۔ گرفتگی دل۔ گرفتاری زنداں کی رعایت ملحوظ رہے۔

میری گرفتگی دل کی تفصیل مجھ سے دریافت نہ کرو۔ یوں سمجھ لو کہ میرا
مصائب و آلام سے اس قدر تنگ ہوا کہ میں اس کو زنداں سمجھنے لگا ہوں بلکہ
یہ ہے کہ زنداں تنگ ہوتا ہے۔

۴۔ نہ چاہا۔ گوارا نہ کیا۔ قطرۂ عرق۔ (نکبِ اضافت) پسینہ
کی بوند + دیدہ جیروں یعنی چشمِ رقیب۔

میری بدگمانی نے گوارا نہ کیا کہ وہ مجھ خرام رہے۔ کیونکہ چلنے سے اس

کے ماتھے پر جو پسینہ آجاتا ہے وہ مجھے دیدہ حیران (چشم رقیب) معلوم ہوتا ہے
اور میرا دھنک یہ گوارا نہیں کرتا کہ رقیب کی چشم حیران اس کے ماتھے پر
جم جلے (طباطبائی۔ بخود حسرت)

سہا۔ آنکھی اور سجد: میرا معشوق مجھ سے اتنا بدگمان ہے کہ
گرم خرام ہونا بھی گوارا نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ اپنے ہر قطرہ عرق کو میرا
دیدہ حیران سمجھتا ہے۔

۵۔ اپنے عجز کو خشن۔ خس کو رگ نبض اور یار کی بدغوثی کو شعلہ سوزاں سے
دی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنا عجز دیکھ کر یہ اندازہ کر لیا کہ معشوق یقیناً
بدخو اور تند مزاج ہوگا۔ گویا میں نے تنکے کی نبض دیکھ کر پیش شعلہ معلوم
کر لی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ اس کی بدغوثی کے مقابلہ میں میرا عجز میری
ہلاکت اور تباہی کا باعث ہوگا۔ جب اپنے آپ کو تنکا سمجھے اور معشوق کو شعلہ
سوزاں تو نتیجہ یقیناً یہی نکلا کہ معشوق کی آتش غضب انہیں اسی طرح
جلا کر خاک کر دی گئی جس طرح شعلہ گھاس پھوس کو جلا دیتا ہے۔

۶۔ شبستان .. رات بسر کرنے کی جگہ، منزل۔

سفر عشق میں جب تھکان بڑھ گئی تو صنعت و کردی نے آرام کرنے پر
مجبور کیا۔ چونکہ سفر عشق میں آرام کرنے کے لئے کوئی منزل تو ہوتی نہیں، اس
لئے میں ہر قدم پر اپنے سایہ کو دیکھ کر یہی سمجھا کہ رات ہو گئی ہے اور منزل
آگئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انتہائی ناکامی اور بایوسی کے عالم میں انسان یا اس
اور ناامیدی ہی کو اپنا غمگساز اور مددگار سمجھتا ہے۔

۷۔ مزگان یار کو بہکان قضا قرار دیا ہے جس سے بچنا ناممکن ہے میرا
دل مرتے دم تک مزگان یار سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن آخر نہ بچ سکا۔

مردگان یار سے گریز کرنا میری نادانی تھی۔ کیونکہ وہ تیر قہنہ تھا اور اس سے بچنا ناممکن تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ دل نے اس ناممکن کام کو اس قدر آسان سمجھ رکھا تھا اور مرثکان یار کی زد سے بچنے کے لئے متواتر کوششیں کرتا تھا۔

۸۔ کافر میں ایسا م ہے کہتے ہیں۔ اے اسد تم نے اس بی وفا کو وفادار سمجھ کر کیوں اپنا دل دے دیا۔ یہ تمہاری غلطی تھی کہ تم نے ایک کافر کو مسلمان سمجھ لیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ وفاداری شرط اسلام ہے تم نے اپنا دل اس کے حوالے کر دیا۔ یا یہ کہ اس کو وفادار سمجھنا ایسی ہی غلطی ہے جیسے کسی کافر کو مسلمان سمجھ لینا۔

۳۵

- ۱ پھر مجھ دیدہ تر یاد آیا ۱ دل جگر تشنہ فریاد آیا
- ۲ دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوا ۲ پھر تر ا وقت سفر یاد آیا
- ۳ سادگی ہائے تمنا یعنی ۳ پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا
- ۴ غمزدہ اماندگی نے حسرت دل ۴ نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
- ۵ زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی ۵ کیوں تمارا گزر یاد آیا
- ۶ کیا ہی دنوں سے لڑائی ہوگی ۶ گھر ترا خلد میں گزر یاد آیا
- ۷ آہ وہ جبرائیل فریاد کہاں ۷ دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
- ۸ پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال ۸ دل گم گشتہ گزر یاد آیا
- ۹ کوئی دیرانی سی ویرانی ہے ۹ دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکھن میں اسد

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

۱۔ حیدرہ نر .. چشم اشک آلود + تشنہ فریاد آیا .. آرزو مند فریاد ہوا۔
 آیا خاموشی محاورے کا ترجمہ ہے۔ آرزو میں مروج نہیں۔
 آج مجھے پھر اپنی چشم اشک آلود یاد آگئی اور نتیجہ کے طور پر میرا دل دیگر
 فریاد کا آرزو مند ہو گیا کہ پھر وہی گریہ ذرا سی کی لذت حاصل کرے (سجید
 حضرت .. بیخود) بعض لوگ دہرہ تر سے معشوق کی چشم تر مراد لیتے ہیں۔ یعنی
 مجھے معشوق کی چشم تر یاد آئی اور اس کی وجہ سے میرا دل و جگر آرزو مند
 فریاد ہوا۔

طباطبائی، آتشی، دل جگر تشنہ فریاد ہوا تو مجھے دہرہ تر یاد آگیا کہ یہ
 تشنگی رونے ہی سے بجھے گی۔

۲۔ دم لینا .. ٹھہرنا۔ سکون ہونا + قیامت .. اضطراب، بیچینی۔
 حالی، دوست کو رخصت کرتے وقت جو دردناک کیفیت دہری تھی
 اور جو اس کے چلے جانے کے بعد رہ کر یاد آتی ہے اس میں جو کبھی کبھی ذہن
 ہو جاتا ہے اس کو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا ہے "مطلب یہ ہے
 کہ تیرے چلے جانے کے بعد ابھی میرا دل سکون پذیر نہ ہوا تھا کہ تیرا وقت سفر
 یاد آگیا اور پھر دل میں وہی تلاطم پیدا ہو گیا۔

۳۔ سادگی .. نادانی + تمنا .. آرزوئے وصل + نیرنگ نظر۔
 محبوب پُرفتن۔ پہلے مصرعہ میں دیکھو محذوف ہے۔

ذرا میری تمنا کی سادگی اور نادانی ملاحظہ ہو کہ مجھے پھر وہی محبوب
 پُرفتن یاد آ رہا ہے جس کی نیرنگ نظری نے میری زندگی تباہ کر دی۔ سادگی
 یہی ہے کہ معلوم ہے اس سے تمنا پوری نہیں ہو سکتی، پھر بھی اس کی
 طرف دُعا چلے جاتے ہیں۔

۴۔ داماندگی... بے بسی، مجبوری "داماندگی" کے بعد قبول کرنا محض قہر۔
دل کی حسرت ہے کہ نالہ کیا جائے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ اسے حسرتِ دل
میری بے بسی اور مجبوری کا عند قبول کر۔ میں آؤ و نالہ کرنے کے لئے آمادہ تھا مگر
مجھے اپنا جگر خستہ یاد آگیا۔ کیونکہ اگر میں نالہ کرتا تو میرا جگر شق ہو جاتا۔ اس لئے
میں نے نالہ نہ کیا۔

۵۔ ہماری زندگی کسی نہ کسی طرح گزر رہی جاتی ہے، ہمیں تیری گندہ بیکار یاد
آئی۔ کیونکہ تیری رہ گزیر میں بھی کامگاری اور مراد مندی ممکن نہیں۔ اس لئے
اس کا یاد آنا فضول ہے۔ (حسرت)

آسی و سعید، تیرا رہ گزر کیوں یاد آیا کہ اس کو یاد کر کے ہم مر گئے،
طباطبائی نے اس قدر اور کچھ ہے اور یہ بات ابھی ہوئی کہ میں زندگی سے
بیزار تھا لیکن اس کے یاد آنے سے ایسا اندوہ و قلق ہوا۔ کاشکہ نہ یاد
آ رہا ہوتا تو زندگی کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی ہے۔

۶۔ (ضنوان) ... دارِ غم و ہشت۔ کیا ہی لڑائی ہوگی... خوب لڑائی ہوگی۔
جب جنت میں مجھے تیرا گھر یاد آئے گا اور میں اس کی تعریف کروں گا تو ضنوان
کہے گا بہشت ابھی ہے۔ میں کہوں گا تیرا گھر بہت ہے۔ اس مدد کہیں ضنوان
سے خوب لڑائی ہوگی۔

طباطبائی نے دوسرے معنی یہ لکھے ہیں کہ میں خلد سے نکل کر یار
کے گھر کی طرف جانا چاہوں گا اور ضنوان مجھے روکے گا۔ اس طرح خوب
لڑائی ہوگی (بہ خود)

۷۔ پہلے جس قدر زیادتی جراثیم میرے دل میں تھی وہ اب نہیں رہی دل
کی بے جراثیمی اور کم طاقی سے تنگ آ کر میں اپنے جگر کو یاد کرتا ہوں جس میں

کبھی فریاد کرنے کی طاقت دل سے بہت زیادہ تھی۔ لیکن انیسویں صدی کے ادب
جنگ میں بھی وہ طاقت فریاد نہیں رہی مطلب یہ ہے کہ اگر جنگ سلامت تو میں
خوب نالے کرتا۔

۸۔ دل گم گشتہ .. کھو یا تھا دل .. مگر .. شاید۔

میرا خیال مجھے پھر تیری گلی کی طرف بھا رہا ہے۔ شاید وہ کھوئے ہوئے
دل کو اُدھر ڈھونڈنے چلا ہے کیونکہ تیرے کوپے ہی میں دل کے کھوئے
جانے کا احتمال ہے۔

۹۔ حالی : اس شعر سے جو معنی قوتِ متبادر ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ جس
دشت میں ہم ہیں وہ اس قدر ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر گھبرا داتا ہے یعنی
خوف معلوم ہوتا ہے مگر ذرا غور کرنے کے بعد اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ہم
تو اپنے گھر ہی کو سمجھتے تھے کہ ایسی ویرانی کہیں نہ ہوگی۔ مگر دشت بھی اس قدر
ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر گھر کی دیوانی یاد آتی ہے۔

۱۰۔ عام طور پر دیوانوں کو بچے پتھر مارا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں بچپن میں میں نے
مجنوں کو مارنے کے لئے پتھر اٹھایا تھا کہ دفعۃً مجھے اپنا سر یاد آ گیا۔ یعنی یہ
خیال آیا کہ ممکن ہے کبھی میں بھی دیوانہ ہو جاؤں اور لڑکے مجھے پتھر ماریں۔ اس
لئے میں نے پتھر نہ مارا۔ طباطبائی اور آتشی لکھتے ہیں۔ یہ سوچ کر پتھر اپنے ہی
سر پر مار لیا ظاہر ہے اس مفہوم میں لطف نہیں۔

۳۶

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا ۱۔ آپ آتے تھے مگر کوئی غماں گیر بھی تھا
تم سے یہ جلت مجھے اپنی تباہی کا گلہ ۲۔ اُس میں کچھ شائبہ خوبیِ تقدیر بھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں ۳۔ کبھی خزاں میں تم سے کرنی پٹجی بھی تھا

قید میں ہے جسے جی کو دہی زلف کی یاد ۴ ہاں کچھ اک منج گرا بند ی زنجیر بھی تھا
 بجلی اک کو ندگی آنکھوں کے آگے تو کیا ۵ بات کرنے کریں لب تشنہ تقریر بھی تھا
 پوسہ اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی ۶ گر بگڑ بیٹھے تو ہیں لائق قہر بھی تھا
 دیکھ کر غیر کو ہو سیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا ۷ نالہ کرتا تھا لوے طالب تاثیر بھی تھا
 پیشے میں عیب نہیں رکھنے نہ فرما دونا م ۸ ہم ہی آشفہ سروں میں وہ جو میر بھی تھا
 ہم تھے مرنے کو کٹھے پاس نہ آیا نہ سی ۹ آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر کی تھا
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھ بڑا حق ۱۰ آدمی کوئی ہمارا دم سخرہ بھی تھا
 ریختے کے تمہیں استا نہیں ہو غالب
 کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

۱۔ عنان گیر .. روکنے والا۔
 یار کو آنے میں دیر ہو گئی ہے، کہتے ہیں کہ شاید آپ کو کسی (رقیب)
 نے روک لیا تھا۔ ورد دیر سے آنے کا کیا سبب ہے؟
 ۲۔ خوبی تقدیر .. مراد تقدیر کی برائی، بطور طنز کہا ہے۔
 میری تباہی اور بربادی کے باعث تم نہیں ہو، میں تم سے یونہی رہتی
 تباہی کی شکایت کیا کرتا ہوں اصل میں یہ خرابیاں مجھے میری تقدیر ہی میں
 لکھی تھیں۔

۳۔ فزاک .. شکار بند + پتھر .. شکار۔
 اگر تم مجھے بھول گئے ہو تو آؤ میں تمہیں اپنا اتا پتہ بتلا دوں۔ بھلا یاد کرو۔
 کبھی تم نے شکار کر کے اپنے شکار گاہ میں مجھے باندھا تھا بس میں وہی شکار ہوں۔
 ۴۔ وحشی .. دیوانہ مجتھ۔

تیرے دیوانہ اُھنت کو قید کی حالت میں بھی تیری زلف کی یاد ہر دم رہتی

ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی یاد آ کر رہتا ہے کہ کچھ تھوڑی سی تکلیف زنجیر کی گرا نیاری کی بھی تھی۔ یا وہ زلف کے مقابلے میں قہر زنجیر کو حقیر ظاہر کیا ہے۔ تاکہ زلف کی گرا نیاری ظاہر ہو۔

۵۔ لب تشنہ .. آرزو مند۔

تم بھلی کی طرح میری آنکھوں کے سامنے آئے اور ایک دم چپ گئے گویا میں اچھی طرح دیکھ بھی نہ سکا۔ بھلا اس طرح سے میری کیا تسلی ہو سکتی ہے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ اطمینان سے آتے۔ جی بھر کے دُش دیتے اور بات چیت کرتے۔ ۶۔ یوسف .. یوسف اگرچہ حسن میں ہمیشہ تھے لیکن بازار میں غلام ہو کر بچے تھے + لائق تعزیر .. قابل سزا۔

میں نے انہیں یوسف کہہ دیا یعنی غلام سے تشبیہ دے دی۔ لیکن خیریت یہ ہوئی کہ انہوں نے کچھ نہ کہا۔ اگر وہ اس بات پر ناراض ہو جاتے تو بجاتا اور حقیقتاً میں اس غلطی پر میں سزا پانے کے قابل تھا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اُس کا حسن یوسف سے زیادہ ہے۔ یعنی میں نے اسے اس سے کمتر تشبیہ دی۔ اس لئے میں قابل سزا تھا۔

۷۔ غیر کو دیکھ کر میرا کلیجہ کیوں نہ ٹھنڈا ہو۔ کیونکہ ایک تو وہ نالرد زاری کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے نالوں میں اثر کا بھی طالب تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھی میری طرح نامراد تھا۔ اگر وہ طالب تاثیر نہ ہوتا تو اس کی مراد مندی ثابت تھی۔ جس سے مجھے تکلیف ہوتی۔

تینچوہ: غیر کو دیکھ کر میرا کلیجہ ٹھنڈا کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ میں نالے کرتا تھا اور اپنے نالوں سے تاثیر کا طالب تھا۔ یعنی مجھ پر میرے نالوں کا کچھ اثر ظاہر نہ ہوا تھا۔ اب غیر کو بُری حالت میں دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ یہ میری ہی

فریاد کا اثر ہے۔

۸۔ جواں میر .. جواں مرگ + آشفۃ سر .. عاشق پریشان حال +
نام رکھنا .. عجیب رکھنا۔

پیشہ میں کوئی عجیب نہیں ہے۔ انکاسب جیب اللہ اس لئے
یہ کہہ کر باد پر نام نہ رکھے کہ کوہ کنی اس کا پیشہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ کام اس
نے اپنے محبوب کی تنہا پوری کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ حقیقتاً وہ جواں مرگ
بھی ہم جیسا عاشق پیشہ تھا۔ اس لئے اس کو ہم اپنی جماعت سے خارج نہیں
کر سکتے (تمام متفق) بخود کہتے کہ ہم بھی عاشق پیشہ ہیں اور تیر بھی عشق پیشہ تھا۔
۹۔ ہم مرنے کے لئے تیار رکھ رہے تھے۔ اگر یا نے ہم کو پاس آکر قتل کرنا

گوارا نہ کیا تو کیا مصداقہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کے ترکش میں کوئی
تیر بھی نہ تھا کہ میں دُور سے مار دیا ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پاس آئے میں کسرت
تھی تو دُور سے تیر چلا کر قتل کرنے میں کیا پس و پیش تھی۔

۱۰۔ فرشتوں .. کراما کا تبیین جواں انسان کے اعمال قلب بند کرتے ہیں۔

قاعدہ ہے۔ جب تک فریقین حاضر نہ ہوں۔ اس وقت تک کسی مقدمہ کا
فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن غالب کہتے ہیں۔ خدا کی عدالت کا قانون بھی عجیب
ہے۔ جو کچھ کراما کا تبیین لکھ دیتے ہیں، وہی کافی سمجھا جاتا ہے اور فریق ثانی
کی طرف سے صفائی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ مطلب یہ ہے کہ میں سر آئیے
کے لئے محض فرشتوں کی تحریر کا فی نہیں ہے بلکہ ہمارا بھی کوئی دکیل یا گواہ
وغیرہ ہونا چاہئے اور میں صفائی پیش کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔

۱۱۔ ریختہ .. اردو کی شاعری + میر .. میر تقی میر۔ اردو شاعری کے

مسلم الثبوت استاد۔

غالب اُردو شاعری کے قلم ہی اُستاد نہیں ہو۔ کہتے ہوا گلے زمانے میں کوئی نیز بھی تھے جو اُردو شاعری کے اُستاد کہلاتے تھے اپنے آپ کو میر کا ہم پلہ بتانا چاہتے ہیں۔ طرزِ ادا خوب ہے۔

۳۷

لب خشک در نشنگی مُردگان کا ۱ زیارت کہہ ہوں 'دل آردگان کا
ہمہ نا امیدی ، ہمہ بدگمانی ۲ میں دل ہوں 'فریب و فاختہ' کا
۱۔ تشنگی .. شدتِ آرزو و شوق سے استعارہ ہے + در تشنگی مردگان
.. وہ لوگ جو آرزو و شوق میں مر گئے + مصرعہ ادلی " میں ہوں " مخدوف
ہے۔ لب خشک .. تشنہ ، آرد و مند + دل آردگان .. محروم قسمت ، عشاق۔
میں ان لوگوں کا لب خشک ہوں ، جو آرزوئے شوق کی تشنگی میں مر گئے
اور میں ان لوگوں کی زیارت گاہ ہوں جو دل آردہ اور محروم قسمت ہیں۔
مطلب یہ ہے میرا رتبہ ان سے بلند ہے۔ اس لئے ان لوگوں کی زیارت گاہ
اند مقام آرد ہوں۔

۲۔ ہمہ نا امیدی ، ہمہ بدگمانی .. سرتا سرتا امید اور بدگمانی کی آفتاب
فریب و فاختہ' کا .. وفا کا فریب کھائے ہوئے لوگ + میں دل ہوں ..
سراپا بدگمان بن گیا ہوں۔

۳۸

تو دوست کسی کا بھی سنگم نہ ہوا تھا ۱ اور دل پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا میرے تخت کی طرح دستِ فضل نے ۲ خوشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
توفیق با اندازہ اہمیت ہے دل سے ۳ آنکھیں میں ہے وہ قطرہ جو گہرنہ ہوا تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدرِ یار کا عالم ۴ میں معتقدِ فتنہ و محشر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل آردگی یا بے خوش ہو ۵ یعنی سبق شوق مکر نہ ہوا تھا
 دیا نے معاصی تنک اپنی سے ہوا ۶ میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
 جاری تھی اس قدر داغ جگر سے کہ حاصل
 آنشکدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

۱۔ اے ستمگر تو آج تک کسی کا دوست نہیں بنا۔ تیرا ظلم صرف مجھ
 تک محدود نہیں، تو نے اوروں پر اتنے زیادہ ظلم کئے ہیں جو مجھ پر نہیں کئے۔
 دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ میں سمجھتا تھا تو صرف مجھ پر ہی ظلم کرتا ہے اور
 رقیب ان سے محروم ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ تو نے رقیبوں پر نئی نئی قسم کے
 زیادہ ظلم کئے اور مجھے ان سے محروم رکھا۔ رشک کا بالکل نیا دھنگ ہے
 شرکتِ غیر ظلم میں بھی گوارا نہیں۔ یہ مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ مجھ پر
 ظلم نہ کرنا برا بنائے دوستی نہیں ہے بلکہ غیریت کا سبب ہے۔

۲۔ مہ خشب .. مصنوعی چاند جسے حکیم ابن عطار (مفتی) نے چند
 دواؤں سے تیار کیا تھا۔ وہ چاند چاہ خشب سے نکلتا تھا۔ اس کی روشنی
 چار فرسنگ سے زیادہ دور نہ جاتی تھی۔ وہ اصلی چاند سے کم روشن تھا۔ آخر کار
 دو مہینے بعد شق ہو گیا۔ برابر نہ ہوا .. ناقص رہا + اس کے معشوق کے۔
 ہنوز خورشید میرے محبوب کے حسن و جمال کے برابر نہ ہوا تھا یعنی
 ماہ خشب کی طرح اوجھلا اور ناقص تھا کہ دستِ قدرت نے اسے اس طرح
 چھوڑ دیا جس طرح حکیم ابن عطار نے ماہ خشب کو ناقص دیکھ کر ترک کر دیا
 تھا۔ طلب یہ ہے کہ سورجِ حُسنِ معشوق کے مقابلے میں ناقص ہے۔

۳۔ حالی: دعویٰ یہ ہے کہ جس قدر محنت عالی ہوتی ہے۔ اسی کے موافق
 اس کی تائیدِ غیب سے ہوتی ہے اور ثبوت یہ ہے کہ قطرہ اشک جس کو آنکھوں میں

جگہ ملی ہے۔ اگر اس کی ہمت جبکہ وہ دریا میں تھا۔ موتی بننے پر قائل ہو جاتی۔
تو اس کو جیسا کہ ظاہر ہے یہ درجہ یعنی آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل نہ ہوتا۔
(یادگار غالب) بلکہ وہ کاؤں یا گٹے ہی تک پہنچ کر رہ جاتا۔

۴۔ قیامت کو قیامت سے تشبیہ دی ہے۔ جب تک میں نے قریار
کو نہ دیکھا تھا میں قیامت کا معتقد نہ ہوا تھا۔ لیکن جب سے میں نے قریار
کو دیکھا ہے مجھے قیامت پر یقین ہو گیا ہے گویا یار کی عمر خرواہی سے مجھے
قنہ قیامت کا اندازہ ہو گیا ہے۔

۵۔ میری سادہ دلی ملاحظہ فرمائیے کہ میں یار کے تجیدہ ہو جانے سے
خوش ہوں کیونکہ اس حالت میں مجھے سبق شوق دہرانے کا مزید موقع ملتا ہے۔
مطلب یہ ہے اگر یار تجیدہ نہ ہوتا تو مجھے اظہار شوق کا مزید موقع نہ ملتا۔
محبت و عشق کے گٹے شکووں میں جو نطفہ ہے۔ اہل دل اس سے لپٹتی طرح
واقعہ ہیں۔ اسی لئے شاعر اس موقع پر بھی خوش ہے۔

۶۔ دریائے معاصی .. گناہوں کا دریا + تنک آبائی .. پانی کم ہونا۔
ترد امن .. گناہ گار +

حالی، ”گناہ کرنے میں ہمارا وصلہ اتنا فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریاٹے
معاصی خشک ہو گیا۔ گلہ می ہمارے دامن کا پتہ تک نہیں بھیگا۔“
مطلب یہ ہے کہ میں نے اتنے زیادہ گناہ کئے کہ گناہ ختم ہو گئے۔ لیکن پھر
بھی میرا دل سیر نہیں ہوا۔

۷۔ سمندر .. ایک کیرا ہے، اگر آگ بہت مدت تک روشن رہے
تو اس میں پیدا ہو جاتا ہے اور آگ سے باہر نکلتے ہی مرجاتا ہے۔ اپنا سمندر سے
اور داغ کا تشکد سے مقابلہ کر کے داغ کو ترجیح دی ہے۔

اے آئندہیں داغِ جگر سے اس وقت سے تحصیلِ راتش مزاجی کر رہا ہوں
جبکہ آتشکدہ میں جہاں ہر وقت آگ روشن رہتی ہے۔ سمندر پیدا بھی نہ ہوا تھا۔

۳۹

شب کہ وہ مجلسِ فرودِ خلوتِ ناموس تھا ۱ رشتہ مہرِ خیمِ خاکِ کسوتِ ناموس تھا
مشید عاشق سے کوسوں تک جُڑا جاتا ہے ۲ کس قدر یاربِ ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا
حاصلِ الفت نہ دیکھتا ہر شکستِ آرزو ۳ دل بدل پڑتا تو کیا ایک لبِ افسوس تھا
کیا کہوں پیادہ بی غم کی فراغت کا بیان ۴ جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کینوس تھا
۱۔ مجلسِ افروز .. روزِ محفل + ناموس .. شرم و حیا عصمت، رشتہ شمع
.. وہ تاکا جو شمع میں جوتا ہے۔ بٹی + کسوت .. لباس + خانوس .. خانوس کے ہاں بچہ پر
کپڑا چڑھا دیتے ہیں۔ خارِ دہرِ ہن .. فارسی محلوں ہے +

ات کو جس وقت محبوبِ محفلِ دلاز میں بزمِ افروز تھا تو اس کے سامنے شمعیں مل
بے چین تھیں کہ معلوم ہوتا تھا۔ ان کے تالکے رقبیاں (کسوتِ خانوس میں خارِ پیرا ہن
کی طرح چبھ رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ محفلِ ناموس میں شمع کی موجودگی بھی ناموس کے
منافی تھی۔ اس لئے خود بخود بجھیں ہوئی جاتی تھی۔

۲۔ مشید .. شہادت گاہ + ہلاکِ حسرتِ پابوس .. پابوسی کی حالت میں
مر گیا + کوسوں تک .. دُور دُور تک۔

جس جگہ عاشقِ مشید ہوا ہے۔ وہاں دُور دُور تک ہندی آگ آتی ہے۔
ہندی کے اُگنے سے ظاہر ہے کہ اس کی پابوسی کی کس قدر حسرت تھی۔ اس میں دودھ
ہے کہ اگر چھنے بھی پابوسی کی آندہ پوری نہ ہوئی تو شاید اس طرح پوری ہو جائے کہ یہ حنا
محبوب اپنے پاؤں میں لگائے۔

۳۔ حاصلِ الفت .. نتیجہِ محبت + شکستِ آرزو .. آرزو کا خون ہونا۔

دل بدل پڑتا ہے .. دل سے دل ملنا۔

تم نے محبت کا قہقہہ سوائے آرزوؤں کے خون ہونے کے کچھ اور نہ دیکھا۔ عاشق
معشوق دونوں کے دل بدل کر لبِ افسوس کی صورت پیدا کر دیتے ہیں۔ جن سے ہمیشہ
افسوس ہی کا اظہار ہوتا ہے۔

۴۴۔ بے منت .. بغیر احسان و کیموس .. غذا مضنم ہو لے اور خون بننے سے
پہلے طبعِ اول میں کیلوس کی شکل اختیار کرتی ہے اور آتش بن جاتی ہے اس کے بعد
طبعِ دوم میں کیموس کی صورت پا کر پانی کی مانند بن جاتی ہے اور خون کی شکل اختیار کرتی ہے
میں اپنی جاری غم کی فارغِ الہالی کا حال کیا بیان کروں میں جو کچھ کھانا ہوتا
وہ بچلے اس کے کہ پہلے کیلوس بنے اور پھر کیموس بن کر خون بنے فراخون بن
جاتی ہے۔ گویا میں غذا میں کھانا بلکہ خون دل چیتا ہوں۔

۴۵۔

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے ۱ صاحب کو دل نہ دینے میں کتنا غور تھا
قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن مارے ۲ اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا
۱۔ اپنا سامنے لے کے رہ جاتا .. مشغول ہونا بدل نہ دینا .. عاشق
نہ ہونا۔

معشوق سے کہتے ہیں۔ آپ بہت غریب سے کہا کرتے تھے کہ ہم کسی پر عاشق
نہیں ہو سکتے۔ لیکن اب وہ غریب کہاں گیا۔ آئینہ میں اپنی شکل دیکھ کر اپنے آپ
ہی پر عاشق ہو گئے۔ گویا وہ غریب کس آسانی سے ٹوٹ گیا۔
۳۔ گردن مارنا .. قتل کرنا۔

دشک کی یہ انتہا ہے کہ عاشق معشوق کے ہاتھوں کسی کو قتل ہوتے بھی
نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے انتہا ہے کہ آپ قاصد کو اپنے ہاتھ سے قتل نہ کریں۔

یہ میرا قصور تھا کہ میں نے اس کے ہاتھ تمہیں خطا بھیجا۔ اس لئے مجھے قتل کیجئے۔

۴۱

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا ۱ جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لئے ہوئے ۲ ہوں شمعِ کشتہ و خودِ محفل نہیں رہا
منگی اسے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں ۳ شایانِ دست و بانوئے قابل نہیں رہا
برندے شمشِ جہت و آئینہ باز ہے ۴ یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا
داگر دیشم میں شوق نے بنو نقابِ جن ۵ غیر از نگاہِ اب کوئی مائل نہیں رہا
گوئیں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار ۶ لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
دل سے ہولے کشت و خاک لگی کہ داں ۷ حاصلِ سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا
بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

۱۔ عرضِ نیازِ عشق .. عشق کی نیازِ مندی (راحتیاج و عاجزی) کا اظہار

ناز تھا .. میرا دعویٰ نیازِ مندی و نازِ برداری -

اجرو بیوفائی کے صدروں سے میرا دل اس قابل نہیں رہا کہ وہ عشق سے
نیازِ مندی کا دعویٰ کر سکے۔ حق یہ ہے کہ جس دل پر مجھ کو عاجزی اور نیازِ مندی
کی وجہ سے فخر حاصل تھا، وہ دل نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم عشق کے قابل نہیں
ہے کیونکہ اب ہم سے نازِ برداریاں نہیں ہو سکتیں۔

۲۔ داغ .. افسوس، آرزو + حسرت .. آرزو + شمعِ کشتہ .. بجھی ہوئی
شمع + درخوردِ محفل .. محفل کے لائق۔ محفل کا ہستی سے استعارہ ہے۔

میں دُنیائے جاتا ہوں اور حسرتِ ہستی کا داغ میرے دل پر ہے۔ یوں مجھ کی بجائے
کہ میں ایک ایسی بجھی ہوئی شمع ہوں جو بجھنے کے بعد محفل میں رکھنے کے قابل نہیں رہی

اور داغ محفل اپنے ساتھ ہی لے گئی۔ لطف یہ ہے کہ شمع جب بجھ جاتی ہے تو اس کی دھندلی دیر تک چمکتی رہتی ہے۔ اس کیفیت کو داغ حسرت سے تشبیہ دی ہے۔ نیز: خوبی بھی ہے کہ شمع کشتہ کو محفل سے اور مردے کو بزم ہستی سے اٹھاتے ہیں اور دونوں داغ حسرت و ہستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

۳۔ اور ہی .. کوئی دوسری + شایان .. قاتل + قاتل .. مراد محبوب ۔ میری حالت اب ایسی خواب ہو گئی ہے کہ مجھے صیدِ زمین خیال کرنا محال کسی صورت سے قتل کرنا پسند نہ کرے گا۔ اس لئے اسے دل اب مرنے کی کوئی دوسری تدبیر کرنی چاہئے۔ آہستی کھٹے ہیں کہ شاعر نے گرا بخانی کا انہار کیا ہے اور اس خیال کی تائید شایانِ ہمت و بازو کے قاتل سے ہوتی ہے نظری ۲۔
آن شکام من کہ پہا لائقِ گشتِ نیستم شرمی آید مرزوں کس بکھیاؤں است
۴۔ مردے شش بہشت .. سارے زمانے کے لئے شش بہشت یعنی زمین آسمان اور شمال و جنوب و مشرق و مغرب + یاں .. مراد خانہ آئینہ + ناقص و کامل .. عارف و عامی ۔

دنیا ایک آئینہ خانہ ہے اور عارف و عامی دونوں اس آئینہ خانہ میں حیران ہیں۔ یعنی اسرا قدرت کسی کی سمجھ میں نہیں آتے (آہستی و طباطبائی)
۲۔ جس طرح آئینہ قبولِ عکس میں ناقص و کامل کا کچھ امتیاز نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کا عکس قبول کر لیتا ہے۔ اسی طرح زمانہ بھی جو مثل آئینہ خانہ ہے ناقص و کامل کا عکس دکھانے میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ گویا سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتا ہے۔ (متبع طباطبائی اور بخود شش بہشت سے عارف کا دل روشن مراد لے کر کہتے ہیں کہ دل عارف پر اچھی بُری دونوں کیفیتیں پرتو ٹنکن ہوتی ہیں۔

۵۔ دا کر دیئے .. کھل دیئے۔ میرے جذبہ شوق نے حسن کو بالکل

بے نقاب کر دیا ہے۔ سب پردے اٹھ گئے ہیں۔ صرف ایک نگاہ کا پردہ رہ گیا ہے۔ یعنی حسن بے پردا ہے۔ لیکن ہماری نگاہ ہی نہیں دیکھ سکتی۔ گویا اس کے حسن کا جلوہ ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ہاں حشمت دل اگر دوا ہو جائے تو اُس کا نظارہ ممکن ہے۔

۶۔ رہیں ستم .. بتلاے مصائب۔ اگرچہ میں ہمیشہ مصائب و مہمات میں مبتلا رہا۔ لیکن پھر بھی میں تجھے کبھی نہیں مہبولا۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیاوی اخلاک سے ہمارے جذبہ عشق میں کمی نہیں ہوئی۔

۷۔ ہوائے کشتِ وفا .. وفا کی آرزو + وفا .. کشتِ وفائیں + حاصل .. پھل کے معنی نتیجہ اور دوسرے کے معنی پانی ہوئی چیز۔

میرے دل میں سے آرزوئے وفا ہی مٹ گئی۔ کیونکہ وفا کا نتیجہ سوائے حسرت کے کچھ اور حاصل نہ ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ حسرت ہی حاصلِ وفا ہے۔ اس لئے وفا کی آرزو بھی جاتی رہی۔

۸۔ میں ان تکلیفوں سے نہیں ڈرتا جو عشق میں اٹھانی پڑتی ہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ دل جو مظالم عشق برداشت کیا کرتا تھا نہیں رہا۔ لہذا جب مصائبِ عشق برداشت کرنے والا دل نہیں رہا۔ تو اب عشق کے ظلم و ستم کون اٹھائے۔

۲۲

رشتہ کہتا ہے کہ اس کا غیرے اخلاص حیف ۱ عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
 ذہنِ مہرِ بیخاںہ نیزنگ ہے ۲ گردشِ مجنوں بچشمِ کسائے لیلِ آشنا
 شوق ہے سلاطینِ طرازِ نازشِ اربابِ بجز ۳ ذہنِ صحرادستگاہ و قطرہ دریا آشنا
 شکوہِ رشتہ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے ۴ میرزا نو مونس اور آئینہ تیرا آشنا
 میں اور اک آفت کا کھنڈیہ دل خوشی کہ ہے ۵ عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

کو کہیں نقاش یک تشال شیوس تھا آمد
سنگ سے سر مار کر ہو دے نہ پیدا آئنا

۱۔ باب میں اس کو غیرت محبت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو رشک کی وجہ سے مجھے افسوس ہوتا ہے لیکن عقل کہتی ہے کہ یہ رشک و افسوس فضول ہے بھلا وہ بے ہر کسی کا دوست بھی ہو سکتا ہے۔ جس طرح تیرے ساتھ مجھ نے بے وفائی کی ہے اسی طرح غیر کے ساتھ بھی کرے گا۔ اس کی یہ محبت و اخلاص ظاہری ہے کیونکہ قدرت نے محبت کا مادہ اس کی طبیعت میں دو لپیٹ ہی نہیں رکھا۔

۲۔ میخانہ نیرنگ .. میخانہ ظلم مراد انقلاب و گردش ایام .. گردش .. آوارگی .. چشمک .. اشارہ چشم۔

جس طرح گردش و آوارگی جنوں چشم لیلیٰ کے اشادوں کی پابند تھی بالکل اسی طرح دنیا کا ہر ذرہ ساغر میخانہ نیرنگ ہے اور نیرنگی عالم کا پابند محض اسی کو اس سے اختلاف ہے سمجھتے ہیں :- دنیا کا ذرہ ذرہ بوقلمونی اور دگرگونی کے میخانے کا ایک ساغر ہے جو انسان کو بے خود و حیران بنا دیتا ہے جو گردش جنوں کے لئے گردش و تکلیف دہ ہے۔ وہی گردش لیلیٰ کی آنکھوں میں بجلی معلوم ہوتی ہے اور ان کو بیدار ہے۔

۳۔ خوق .. عشق + سامان طراز .. سامان مینا کرنے والا + نازش .. فخر و ناز + ارباب عجز .. عشاق + دستگاہ .. قابلیت، وسعت۔
عشاق جن کا پیشہ عجز و انکساری ہے اور جو اپنی انکساری کی وجہ سے ذلت اور قہر .. ہمیشہ ہیں۔ عشق ہی ان کے لئے سرمایہ نازش و فخر ہے یا ان کے لئے نازش کا سامان عشق ہی مینا کرتا ہے۔ کیونکہ عشق ہی کی بدولت ذرہ میں صحرائی وسعت اور قہر میں دریا کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴۔ شکوہ سنج .. شاکی ہر مدیگر .. ایک دوسرے کا۔

بدگمانی کی وجہ سے ہم دونوں کو ایک دوسرے کی شکایت نہیں کرنی چاہئے۔ اس میں بات ہی کوئی ہے۔ نانو میل ہدم و مونس ہے۔ یعنی ادھر میں تیرے خیال میں ہر وقت سر بزا نور ہوتا ہوں اور ادھر تیرا رفیق و آشنا آئینہ ہے۔ یعنی تو ہمیشہ نانو پر آئینہ رکھ کر اپنے تمیش دیکھنے میں مصروف رہتا ہے۔ لہذا دونوں کی حالت ایک جیسی ہے۔ پھر شکایت کیسی؟ شعرا آئینہ کو زانو سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔

۵۔ میں ہوں اور میرے پہلو میں ایک وحشی دل ہے جو آفت کا پرکار ہے۔ یہ سلامتی (عافیت) کا دشمن اور آوارگی کا دوست ہے۔ اس لئے مجھ پر جو بھی آفت آئے وہ کم ہے، آفت کا ٹکڑا محاذ ہے۔

۶۔ کوہکن .. فریاد + تمثالِ شیریں .. شیریں کی تصویر۔

اسے اسد فریاد تو محض شیریں کی تصویر بنانے والا سنگتراش تھا۔ گویا عاشق صادق نہ تھا اگر وہ عاشق صادق ہوتا تو یہ نامکن تھا کہ پتھر سے سراٹا اور محبوب پیدا نہ ہو جاتا۔

وہ خود و سغید کا خیال ہے کہ بھلا کہیں پتھر سے سر پھوٹنے سے معشوق پیدا ہوتے ہیں۔

۴۳

ذکر اس ہی دہش کا اور پھر بیاں اپنا ۱ بن گیا رقیب آخر جو راز داں اپنا سے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں باب ۲ آج ہی ہوا منظور ان کو امتحان دینا منظر اک بلند ہی پر اور ہم بنا سکتے ۳ عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکمل اپنا نے وہ جو قہر و کرم، منس میں مانیں گے ۴ باصہ، آتش افروز ان کا پاس ہوں اپنا درِ دل کھول کب تک کھولیں ان کو دکھلاؤں ۵ انگلیاں دکھا رہی خاصہ خوب کلاں دہشا

گھٹتے گھٹتے مٹ جاتا آپ نے بحث بلا ۶ ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستل اپنا
 تاکرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو ۷ دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زباں اپنا
 ہم کہاں کے دانستے کس ہنر میں کیلتے
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

۱۔ ایک تو اس حرم مجسم کا ذکر اور اس پر میری رنگیں بیانی، اس کا تیج یہ ہوا کہ
 ہمارا راز داں ہی ہمارا رقیب بن گیا (سب شارحین متفق)
 اسی: ہمارا راز داں ہمارا رقیب ہو گیا کہ ہمارے معشوق کا ذکر اپنی زبان سے
 کرتا ہے یعنی ہم کو اتنا رشک ہے کہ اس کا ذکر اور اس کا نام کسی اور کی زبان سے
 سننا نہیں چاہتے۔

۲۔ اس شعر میں افوس اور شکایت کا اظہار ہے کہتے ہیں کہ محبوب نے
 بزم غیر میں حد سے زیادہ شراب اس لئے پی ہے کہ اس کو یہ اندازہ لگانا مقصود
 تھا کہ وہ کتنی شراب پی سکتا ہے۔ پھر بطر زانوس کہتے ہیں کہ یہ ہماری بد قسمتی
 ہے کہ اس کو بزم غیر میں آج اپنی عالی ظرفی کا امتحان لینے کی سوجھی بطلب یہ ہے
 کہ یہ امتحان بے نوشی بجائے بزم غیر کے میری مجلس میں ہوتا تو کیا لطف ہوتا۔
 طباطبائی کہتے ہیں: پی گئے کے مقام پر مصنف نے پیتے باندھ ہے جس
 سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ بھلا بزم غیر میں وہ کیوں بہت سی شراب پیتے یہ میری
 بد قسمتی ہے کہ آج میرے گھر میں آئے تو بہت سی شراب پی گئے۔

۳۔ اس وقت ہمارا مکان عرش پر واقع ہے اور عرش سے زیادہ بلند کوئی او
 مقام نہیں، اسے کاش ہمارا مکان عرش سے نیچے ہوتا پھر ہم عرش کو اپنا منظر
 بنا لیتے اور اس کی اچھی طرح سیر کرتے، مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی حقیقتِ نامیت
 سے بے خبر ہیں، یا یوں سمجھئے کہ ہم اور آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن عرش

پر مکان ہونے سے یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عرش عالم ہاں کی آخری حد ہے۔

۴۔ حالکی: یعنی خوب ہی ہوا کہ معشوق کے در کا پاساں ہمارا جان پہچان نکلا۔ اب ہمارے لئے اس بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ہم کو ذلت دے۔ ہم اس کو ہنسی میں ٹالتے نہیں گئے اور یہ ظاہر کرتے رہیں گے کہ ہم ہمارا قدیم آشنا ہے اور ہمارا اس کا قدیم سے ہی برتاؤ ہے۔

۵۔ میں اپنے درد دل کا حال کب تک لکھے جاؤں، داستانِ درد دل لکھتے لکھتے میری انگلیاں زخمی ہو گئی ہیں اور قلم سے خون ٹپکنے لگا ہے۔ اس لئے اب لکھا نہیں جاتا۔ لہذا مناسب ہے کہ میں خود ان کے پاس جاؤں اور انہیں اپنی حالت دکھاؤں۔ اس طرح سے وہ میری حالت کو سمجھ جائیں گے۔ یاد رہے غامد غونچکا کی اور مضمون غونچکاں انگلیوں کے نگار ہونے کے سبب سے ہے۔

۶۔ عجبت .. فنول، ننگ، شرم۔
اس شرم کی وجہ سے کہ مجھ جیسے ننگ خلق نے آپ کو سنگِ آستان پر سجدے کئے ہیں۔ آپ نے اپنے سنگِ آستان کو فنول تبدیل کیا، کیونکہ وہ پتھر تو میرے سنگِ سجدہ سے گھٹے گھٹے خود بخود مٹ جاتا، مطلب یہ ہے کہ میں اس قدر سجدے کرتا کہ پتھر گھس جاتا۔ اس لئے اُسے تبدیل کرنے کی تکلیف آپ نے برداشت کی۔

۷۔ غمازی .. چغلی، سخن چینی۔

اس خیال کے ماتحت کہ رقیبِ بار کے سامنے جا کر میری یہ چغلی نکالنے کے بجائے وہ بھی آپ کی شکایت کر رہا تھا، میں نے یار کی شکایت

میں اسے اپنا ہنر بان کر لیا ہے۔ اس طریق کار سے مطلب یہ ہے کہ اب دو بار کے سامنے میری غمازی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس پر بھی برابر کا الزام عائد ہوتا ہے۔

۸۔ حالی: آسمان کی دشمنی کے کیا خوب اسباب بتاتے ہیں اور اپنی دانائی اور ہنرمندی کس خوبصورتی سے ثابت کی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آسمان اس شخص کا دشمن ہوتا ہے جو دانا اور ہنرمند ہو پس چونکہ غالب نے آسمان کو اپنا دشمن بتلایا ہے۔ اس لئے ایک طریقے سے اپنے آپ کو دانا اور ہنرمند جتلاتا ہے۔

۲۴۰

سرمد مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے ۱ کہ ربے چشم خریدار پہ احسان میرا
خصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم ۲ تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا
۱۔ میں وہ سرمد ہوں جس کی کوئی قیمت نہیں اور اگر اس کی کچھ قیمت ہے تو
محض یہ ہے کہ چشم خریدار پر میرا احسان رہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے کلام کی
کوئی قیمت نہیں اور باوجود اس بے قیمتی کے اس کا فیض عام ہے یعنی ہر شخص
اس سے بصیرت حاصل کر سکتا ہے۔

۲۔ اے دوست مجھے عشق میں رونے کی اجازت دیدے۔ مجھے ڈاہے کہ
کہیں میرے غم پنہاں کا اثر تیرے چہرے پر نمایاں نہ ہو جائے یعنی میری پریشانی
تیری ایشیائی کامو جب ہو۔ مطلب یہ ہے کہ رونے سے میرے دل کی بھر اس شکل
جائیں گی پھر میری بے چینی کا اثر تجھ پر نہیں پڑے گا۔

۲۵

غافل بوجہم ناز خود آتا ہے در نہیاں ۱ بے شائبہ صبا نہیں طرز گیاہ کا

بزم قمر سے عیشِ تنانہ رکھ کر رنگ ۲ صیدے ندامت جتہ ہے اس دامگاہ کا
رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے ۳ شرمندگی سے غدر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں کہ ہے ۴ رُنگل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا
جاں در ہوائے یک نگہ گرم ہے اسد
پردانہ سے وکیل تیرے دادخواہ کا

۱۔ غافل .. انسانِ غافل + خدا آرا .. نمازاں + شانہ .. تنگی طرہ گیا
.. گھاس + غافل انسان اپنی کاروائی پر نمازاں ہے اور یہ بھٹتا ہے کہ اس کا ہر
اچھا فعل اس کی عقل و تدبیر کا نتیجہ ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں ایک
طرہ گیاہ (گھاس کا تنکا) بھی ایسا نہیں ہے جس کو صاحبِ انانی سنوارتی نہ ہو مطلب
یہ ہے۔ بغیر حکمِ الہی کے پتہ بھی نہیں ہلتا اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے حکم سے
ہوتا ہے۔ لیکن انسان غفلت کا بدولت اس کو اپنی حُسنِ تدبیر کا نتیجہ خیال کرتا ہے
لطفِ الہی کو باوصفا سے تشبیہ دیتی ہے۔

۲۔ بزمِ قمر .. بزمِ شراب + رنگ .. عیشِ عشرت + صیدے ندامت
جتہ .. وہ شکار جو جال میں سے نکل بھاگا + دام گاہ .. شکار گاہ۔
بزمِ نوشی سے عیش و عشرت کی تنانہ رکھنی چاہئے کیونکہ عیش ایک
ایسا شکار ہے جو اس دام گاہ (محفلِ عیش) سے نکل کر بھاگا ہے اور بھاگنے کا
سبب یہ ہے کہ اس نے محفلِ شراب میں رہنا باعثِ تکلیف خیال کیا اور
بھاگنے کا سبب یہ ہے کہ عیش و عشرت کو ثبات نہیں۔ اس لئے اس کی تنانہ
نہیں رکھنی چاہئے۔

۳۔ کیا بعید ہے .. کیا تعجب ہے۔

میں اپنے گناہوں کی وجہ سے اس قدر شرمندہ ہوں کہ عذر گناہ کی

بھی جرات نہیں کر سکتا۔ کیا عجب ہے کہ رحمت کریم اس شرمندگی کو غنہ گناہ کے عوض قبول کر لے اور میرے گناہ عاف کر دے۔ یعنی اس کی رحمت سے میری شرمندگی ہی غنہ گناہ ہو جائے۔

۴۔ زخم کو گل سے تشبیہ دی ہے کہتے ہیں۔ میں شوق شہادت میں مقتل کی طرف کس طرح خوش خوش چلا ہوں۔ میری نگاہ کا دامن گل ہائے زخم سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی شوق شہادت میں میری نگاہوں کو زخم بھی پھول دکھائی دیتے ہیں۔

۵۔ ہوا .. خواہش .. نگہ کریم .. محبت آمیز نظر .. پیمانہ .. پتنگا + دادخواہ .. فریادی یعنی اسد -

اے محبوب اسد کی جان تیری ایک نگاہ کریم کی آرزو مند ہے اور تیرے اس فریادی (اسد) کا دکیل پیمانہ بنا ہے۔ یعنی جس طرح پیمانہ شمع کی ایک نگاہ کریم سے جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسد بھی تیری نگاہ کریم سے جل جانے کا آرزو مند ہے۔ پیمانے کو دکیل اس لئے بنایا ہے کہ شمع کا عاشق ہے اور جل کر اپنی جان دے دیتا ہے۔

۲۶

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا ۱ کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ۲ دوسرے کا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا لاگ ہو تو اس کو ہم تبھیں لگاؤ ۳ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا ہوئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ ۴ یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا موجِ غل سر سے گندھی کہوں جائے ۵ آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ ۶ مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

۱۔ خیال یہ ہے کہ اگر معشوق چاہے کہ ظلم سے باز آجائے تو وہ باز نہیں آسکتا۔ معشوق کہتا ہے کہ اُس نے ظلم کرنا ترک کر دیا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ ظلم سے ہرگز باز نہیں آیا۔ پہلے اور ظلم تھے۔ اب یہ ظلم ہے کہ وہ مجھے اس مشرمت سے نہ ہی نہیں دکھاتا کہ میں نے تجھ پر بہت ظلم کئے ہیں۔ ظاہر ہے عاشق کے لئے یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ معشوق اسے اپنی شکل نہ دکھائے۔ اس سلوک سے ثابت ہے کہ ظلم باوجود توبہ کے وہ ظلم سے باز نہیں آیا۔

۲۔ رات دن ساتوں آسمان گردش میں ہیں اور ان کی گردش سے ہمیشہ انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ جب خود بخود حالات بدلتے جلتے ہیں تو ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی گردش آسمانی میں ہمارے حالات بھی تبدیل ہو جائیں گے۔ ہمیں فکر نہ کر کے کوئی ضرورت نہیں امرضی مولیٰ اذہمہ اولیٰ۔ مطلب یہ ہے کہ شاکر رہو جو بہتر ہو گا وہی ہو گا۔

۳۔ حاکمی، لاگ، دشمنی اور لگاؤ محبت، یہ مضمون عجب نہیں کہ کسی اور نے بھی باندھا ہو، مگر ہم نے آج تک نہیں دیکھا، اگر باندھا بھی ہو گا تو اس خوبی اور لطافت سے ہرگز نہ باندھا ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کو نہ ہمارے ساتھ دشمنی ہے اور نہ دوستی۔ اگر دشمنی بھی ہوتی تو اس لئے کہ اس میں بھی ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے۔ ہم اس کو دوستی سمجھتے۔ لیکن جب نہ دوستی ہو اور نہ دشمنی تو پھر کس بات پر دھوکا کھائیں۔ قطع نظر خیال کی عمدگی اور مدت کے لاگ اور لگاؤ ایسے دو لفظ ہم پہنچائے ہیں جن کا اتمہ متحد اور معنی متضاد اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے جس نے خیال کی خوبی کو دو چند کر دیا۔

۴۔ ہم نے نامہ ہر کو خط دیا کہ یار کو پہنچا دے لیکن پتہ نہیں ہمیں کیا

ہو گیا کہ ہم بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اپنی اس محویت پر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنا ہی تو خط ہے۔ کیا ہم اسے خود ہی پہنچائیں گے۔ یہ تو محبوب کی بات ہے۔ لطف بیان تعریف سے بالا ہے۔ رشک و جنون و محویت کا اظہار کیا ہے۔

۵۔ چلے ہمارے سر سے خون کا دریا کیوں نہ بہ جائے یعنی ہمیں قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ ہم آستان یار پر سے ہرگز نہ اٹھیں گے۔ دوسرے مصرعہ میں کیا تحقیر کے لئے لائے ہیں۔ یعنی کیا ہم مرنے سے ڈر کر آستان یار سے اٹھ جائیں۔

۶۔ حالی: دکھلائیں کیا کا مرجع خدا کو ٹھہرایا ہے۔ کہتا ہے۔ عمر بھر تو موت کا انتظار کرتا رہا کہ مرجع مل جائے۔ اب تو مر گئے ہیں۔ دیکھئے خدا کیا دکھلاتے ہیں، خوشی ملے گی یا وہی رنج کا رنج۔ اسی لکھتے ہیں۔ تمام عمر ہم نے مرنے کی راہ دیکھی۔ اب دیکھئے مرنے کے بعد ہم کیا رنگ دکھلاتے ہیں۔

۷۔ ہم نے اپنی تمام عمر تو ان کے عشق میں گنوا دی، تعجب ہے کہ ان کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ غالب کون ہے اب کوئی نہیں یہ بتلائے کہ ان کے اس سوال کا ہم کیا جواب دیں۔ نعمت خان عالی ۵

زمر دم یار می پر صد کہ عالی کیست طالع بین
کہ عمر دم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

۴۷

لطفات بے کثافت جلوہ پیدا کرتی ہیں ۱۔ چمن رنگارنگ ہے آئینہ باد بہاری کا
حریف بخشش دیا نہیں غم دار ہی سال ۲۔ جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

۱۔ لطافت .. نزہت - مجردات + کثافت .. مادیت -

قاعدہ ہے کہ لطافت بغیر کثافت کے جلوہ گر نہیں ہوتی۔ یعنی مجردات بغیر مادہ کی آمیزش کے ظاہر نہیں ہوتے۔ مثلاً باد بہاری لطافت ہے اس لئے اس کا جلوہ بھی چمن ہی کے ذریعے نمودار ہوا۔ کہتا ہے چمن اپنی مہرزی کی وجہ سے آئینہ باد بہاری کا رنگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چمن کی کثافت (رنگار چمن) کے بغیر لطافت باد بہار جلوہ گر نہیں ہو سکی۔ مطلب یہ ہے لطافت و کثافت لازم و ملزوم ہیں۔

۲۔ حریف .. بمقابلہ + جوشش دریا .. طغیانی -

یعنی ساحل لاکھ اپنے تئیں بچائے مگر جب دریا طغیانی پر آتا ہے تو ساحل محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جہاں تو ساقی ہو، وہاں ہوشیاری کی دعویٰ نہیں۔ یہ شعر حقیقت و مجاز دونوں پر محمول ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو ساحل اور ساقی کو جوشش دریا سے تشبیہ دی ہے۔

۲۸

عشرتِ قطوہ دریا میں فنا ہو جاتا ۱ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جاتا
تجھ سے قسمت میں ہری صورتِ قبلِ ابجد ۲ تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جاتا
دل ہوا کششِ چارہ زحمت میں تمام ۳ مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا دوا ہو جاتا
اب جملے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ ۴ اس قدر دشمنِ دربابِ دستا ہو جاتا
ضعف سے گریہ میلِ دم سر ہو ۵ باد آیا، ہمیں پانی کا ہوا ہو جاتا
دل سے مٹا تری انگشتِ حنائی کا خیال ۶ ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جاتا
سے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا ۷ روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جاتا
گر نہیں نکست گلِ ذوقِ تماشہِ غالب ۸ کیوں ہے گردِ جو جولان صبا ہو جاتا

تاکہ تجھ پہ کھلے اعجاز ہوائے مصقل ۹ دیکھ ہر سات میں سبز آئینہ کا ہوجانا
 بجھتے ہے جلوہ نکل فوق تماشہ غالب ۱۰ چشم کو چاہئے ہر رنگ میں دا ہوجانا
 ۱۔ قطرہ جب دریا میں جا ملتا ہے بظاہر فنا ہوجاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً اس
 کی موت واقع نہیں ہوتی بلکہ وہ مبداء سے جا ملتا ہے اور یہی قطرہ کے لئے باعث
 مسرت ہے۔ اسی طرح جب درد حد سے گزر جاتا ہے تو مریض کا خاتمہ کر دیتا
 ہے۔ فنا ہو کر مریض کے سب دکھ دور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بھی اپنے مبداء ^{حق} سے جا ملتا ہے گویا درد کا حد سے گزرنا ہی اس کے لئے دوا ہو جاتا ہے طلب
 یہ ہے کہ فنا ہستی کا عین مقصود ہے۔

۲۔ قفل ابجد۔ ایک قسم کا قفل ہے جس پر بہت سے حروف کندہ
 ہوتے ہیں قفل بنانے والا ایک لفظ مقرر کر دیتا ہے۔ جب ان حروف کی
 ترتیب سے یہ لفظ ملتا ہے تو قفل فوراً کھل جاتا ہے۔
 غالب نے اپنی قسمت کو اسی قسم کے قفل سے تشبیہ دی ہے۔ کتا ہے
 کہ میری قسمت میں یہ لکھا تھا کہ جب قفل ابجد کی طرح بات بن جائے یعنی تجھ سے
 ملاقات کی تدبیریں بن پڑیں تو مجھ سے تو فوراً جدا ہو جائے۔
 ۳۔ چارہ زحمت .. تکلیف کو دور کرنے کی تدبیر۔ تمام ہوا .. فنا ہوا
 عقدہ .. گرہ۔ دل کو عقدہ سے تشبیہ دی ہے۔

میرا دل معاہدہ کی کشمکش اور علاج کو کششوں ہی میں تلم ہو گیا۔ گویا میرا دل
 ایک عقدہ (گرہ) تھا جو کھولنے کی کشش میں گھس گھس کر رہ گیا۔ اور اس کا
 کھولنا ناممکن ہو گیا۔ جب گرہ کھولنے کی زیادہ کشش کی جلے تو وہ اور بھی
 سخت ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات نہ گرہ باقی رہتی ہے نہ ڈھیرا، بس یہی کیفیت
 عاشق کے عقدہ دل کی کشائش کی کشمکش میں ہوتی ہے۔

۳۔ اربابِ وفا.. عشاق + اللہ اللہ.. کلمہ تعجب۔

اللہ اللہ آپ کو اپنے عاشقوں سے کس قدر نفرت ہوئی ہے کہ اب آپ ان پر جفا کرنی بھی گوارا نہیں کرتے۔ پہلے مصرعے سے دو مفہوم پیدا ہوتے ہیں (۱) پہلے جفا کرتا تھا لیکن اس نے جب دیکھا کہ اس کی جفائیں بھی ہمیں عزیز ہیں تو جفا بھی ترک کر دی (۲) ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم پر ختلیاں صرف کی جاتی تھیں اور اب یہ حال ہے کہ ہم جفا سے بھی محروم ہیں۔

۵۔ باور آیا.. یقین آیا + پانی کا ہوا ہو جانا.. اس عمل کو مسئلہ استحالہ عناصر کہتے ہیں۔

اب تک ہم مسئلہ استحالہ عناصر کے قائل نہ تھے گویا یہ نہ ملتے تھے کہ پانی بھی ہوا بن جاتا ہے۔ یعنی ایک عنصر دوسرے عنصر میں تبدیل ہو جاتا ہے گراں یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں آگیا۔ کیونکہ ہم نے اس کو عملی طور پر دیکھ لیا۔ وہ اس طرح سے کہ جب ہم میں طاقت تھی تو ہم گریہ کیا کرتے تھے۔ لیکن اب ضعف اس قدر بڑھ گیا ہے کہ گریہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے بدلے اب ہم سرد آہیں بھرتے ہیں یعنی پانی (گریہ) ہوا (آہ) کی صورت اختیار کر لی ہے۔

۶۔ میرے دل میں سے تیری انگشت خانی کا خیال مٹنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا دشوار ہے مثل مشہور ہے گوشت سے ناخن کبھی جدا نہیں ہوتا۔

۷۔ حالی: یعنی علمِ فرقت میں روتے روتے تمام ہو جانا میرے نزدیک ایک ایسی محوِ بات ہے جیسے ابرو بھاری کا برس کر کھلنا، یہ بالکل نرمی و تشبیہ ہے حسرت، افسوس اور طباطبائی روتے روتے فنا ہو جانے کو باعثِ انہماک کہتے ہیں اور سعید دو توں مطالب لکھتے ہیں۔

۸۔ نگہت گل .. پھولوں کی خوشبو + گردِ رہِ جولانِ صبا .. صبا کے راستے کی گرد ..

اگر نگہت گل کو تیرے کوپے میں جانے کی آرزو نہیں تو پھر وہ کیوں صبا کے راستے کی گرد بننا پسند کرتی ہے۔ یعنی کیا سبب ہے کہ وہ بادِ صبا میں مشاغل ہو جاتی ہے۔ نگہت گل کے صبا میں بس جانے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ ترے کوپے میں جانے کی آرزو رکھتی ہے۔

۹۔ اعجاز .. کرشمہ + ہوا .. آرزو + صیقل .. چلا۔ چمک + آئینہ .. مرادِ فلاوی آئینہ جو برسات میں رنگِ آلود یعنی سبز ہو جاتا ہے۔

سعیدہ آئینہ فلاوی کا سبز (رنگِ آلود) ہو جانا ایک کرشمہ ہے جس کی تاویل شاعریوں کرتا ہے۔ ”یہ اس لئے ہے کہ آئینہ کو عیقل پذیر ہونے کی آرزو ہوتی ہے۔“ شاعر کہتا ہے کہ اس کرشمہ آرزو کو دیکھنا کہ آئینہ فلاوی کی ہمیشہ بدل جاتی ہے۔

طباطبائی: برسات میں آئینہ فلاوی پر رنگ آ جاتا ہے۔ وہ گویا سبز ہے جسے ہوائے صیقل نے پیدا کیا ہے۔ ہوا یعنی خواہش و شوق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شوق وہ چیز ہے کہ فلاوی پر بھی اثر کرتا ہے۔

آسی: اگر تو چاہے کہ ہوا یعنی خواہش اور عشق کے اعجازِ آلودہ دیکھے تو برسات میں آئینہ فلاوی کو دیکھ اس پر رنگ لگ جاتا ہے۔ یہ رنگ محض جذبِ عشق صیقل کی وجہ سے ہے کہ رنگ لگے گا تو صیقل ضرور کی جائے گی۔ اس میں آئینہ کو مشوق و عاشق دونوں کہہ سکتے ہیں۔

حضرت: آج کل اعجازِ ہوا یاں تک بڑھا ہوا ہے کہ ہوا (یعنی خواہش) میں بھی دہی تاثیر اور اعجاز پیدا ہو گیا ہے جو اصلی ہوا میں ہوتا ہے [میرے

نزدیک یہ مفہوم سب سے بہتر ہے [بیخود: آئینہ فلادی پر برسات کی ہوس سے رنگ آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ صرف بارغ اور صحرا ہی میں ہوا کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ آئینہ فلاد تک اس سے متاثر ہوتا ہے۔

۱۰۔ جلوۂ گل .. سیرِ گل + ذوق تماشا .. اشتیاق دید + دیا ہونا .. کھل جانا۔

سیرِ گل (مطالعہ قدرت سے مذاق دید پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کی آنکھ کو ہر کیفیت سے لطف اندوز ہونا چاہئے تاکہ شوق مطالعہ کی تربیت ہو سکے۔ مطلب یہ ہے۔ انسان کو چاہئے کہ بارغ جہاں میں ہر رنگ کا لطف اٹھائے تاکہ صانعِ حقیقی کو پہچان سکے

ب

۲۹

پھر ہوا وقت کہ ہوا دلکشاموچ شراب ۱ سے بطعمے کو دل دستِ خناموچ شراب
پوچھت دستِ دہرہ سیستی اور بابِ چمن ۲ سایہ تاکہ میں ہوتی ہے ہواموچ شراب
جو ہوا غرقہ سے بختِ سیاہ رکھتا ہے ۳ سے گزرتے ہیں ہے بل ہاموچ شراب
ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجیب کیل ہے اگر ۴ مچ ہستی کو کرے فیض ہواموچ شراب
چار موچ اٹھتی ہیں طوفانِ غرب سے ہر سو ۵ مچ گل مچ شفق مچ صبا موچ شراب
جس قدر دوزخ بناتی ہے جگر تشنہ ناز ۶ سے ہے تسکینِ بدم آب بقا موچ شراب
بسکہ دوشے ہے رگہ تاکہ میں غم ہو ہو کر ۷ شہرِ رنگ سے ہے بل کشاموچ شراب

موج گل سے چرغل ہے گزرگاؤ خیال ۸ ہے تصویر میں زلیں جلوہ نما موج شراب
 فش کے پردے میں ہے عورتا شائے دماغ ۹ بسکہ رکھتی ہے سر نشوونما موج شراب
 ایک عالم یہ ہیں طوفانی کیفیت فصل ۱۰ موج بسره فوج سے تا موج شراب
 شرح ہنگامہ جستی ہے زبے موم گل ۱۱ رہ میر خطہ بدیل ہے خوشاوج شراب
 ہوش اڑتے ہیں سر جلوہ گل دیکھ آمد
 پھر ہوا دقت کہ ہو بال کشاوج شراب

۱۔ بال کشا ہو .. پر کھولے پرواز کرے + دقت .. موم ہمارے بطامے
 .. شراب کی صراحی - بٹل کی شکل کی صراحی - ایران کا قلعہ ہے کہ انکورنگ مرمر
 کے حوضوں میں بھر دیتے ہیں، جب آفتاب کی گرمی سے ان کا عرق ٹھکانا شروع ہوتا
 تو اس دقت انہیں پانی سے روندتے ہیں۔ اس کے بعد مٹی کی بند صراحیوں ان
 حوضوں میں ڈال دیئے ہیں۔ بڑا ہی صراحی کو کہتے ہیں۔ مسامات کے ذریعہ عرق
 چھن چھن کر صراحیوں میں بھر جاتا ہے + دل و دست بٹا .. تیرنے کی قوت
 اور حوصلہ -

پھر وہ دقت یعنی موم ہمارا آگیا کہ امواج شراب میں طلاطم پیدا ہو اور
 موج شراب بطامے (صریحی سے) کو شنآوری کی قوت اور حوصلہ سے - یعنی
 شراب کی صراحی گردش میں آئے، مطلب یہ ہے کہ برسات کا موسم آگیا ہے -
 اب ساغر و مینا گردش میں آتا اور شراب نوشی کا دور شروع ہونا چاہئے
 (متوید - حسرت - طباطبائی)

اسی : پھر دقت آیا کہ بطامے یعنی صراحی سے جو بٹل بطامتی ہے بردار
 کرے اور بطامے جو شنآوری سے وہ دست رکھتا ہے - تیرنے کے لئے شراب
 کا دریائے مہراج عنایت کرے -

۲۔ سیبہ مستی .. بدستی + ارباب چمن .. درخت اپودے وغیرہ + تاک .. انگور +

چمن کے درختوں اور پودوں کی بدستی کی وجہ نہ پوچھو۔ جب ہوا انگور کی ہلو کے سارے میں سے گزرتی ہے تو اس میں موج شراب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کے اثر سے ارباب چمن سیبہ مست ہو کر جھومے لگتے ہیں۔

۳۔ غرقہ مے .. شراب میں ڈوبا ہوا۔ مدہوش + بخت رسا .. خوش قسمت + بال ہما .. ہما کا پر مشور ہے۔ ہما جس کے سر پر سے گزر جائے بادشاہ ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں جو شخص شراب کے دریا میں ڈوب گیا۔ سمجھ لو کہ بہت ہی خوش نصیب ہے۔ کیونکہ اگر مینق شراب سر پر سے بھی گزر جائے اگر شراب بالکل ہی مدہوش کر دے تو پھر بھی وہ ہمارے مریہ کا اثر رکھتی ہے (آسی۔ طباطبائی)

حضرت لکھتے ہیں ”بھی اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شراب کا استعمال باعتدال ہو تو اس کا کیا کھنا۔ لیکن اس کا نشہ حد سے گزر جائے تب بھی وہ بال ہما سے مشابہ ہے۔ مجید و تجوہم خیال میں۔ طباطبائی نے دوسرے معنی یہ لکھے ہیں کہ اگر ہم مے کشی کے پیچھے تباہ ہو جائیں جب بھی موج شراب بال ہما سے کم نہیں ہے۔

۴۔ موج ہستی .. ہستی گزران + فیض ہوا .. تاثیر آب و ہوا۔
برسات کا موسم وہ موسم ہے کہ اس کی تاثیر سے ہر طرف زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ فیض ہوا سے موج ہستی موج شراب بن جائے۔ حقیقتاً موسم بہار میں قوتِ فہر میں ایک قسم کا جوش پیدا ہو جاتا ہے پس اس کی تاثیر سے ہر شے کا متکیف ہونا بالکل ممکن ہے۔ شاعر سی تاثیر سے موج ہستی کو موج شراب میں تبدیل کرنے کا آرزو مند ہے۔

۵۔ چار موج .. چار قسم کی موجیں جن کا ذکر مصرعہ ثانی میں ہے ، طوفانِ طرب .. جوشِ مسرت + موجِ گل .. یعنی بکثرت پھول + موجِ شفق .. یعنی آسمانی پر شفق کی سرخیاں اُٹنا + موجِ صبا .. ہوا کے جھونکے + موجِ شراب .. شراب کا دور یا شراب کی مہک اور لپٹیں ۔

جوشِ انبساط سے ہر طرف چاروں میں اُٹھی ہیں ۔ یعنی موجِ گل ، موجِ شفق ، اور موجِ دریا اور موجِ شراب ، مطلب یہ ہے جوشِ مسرت ہر طرف پھوٹا پڑتا ہے ۔ تختہ زمین پر رنگ برنگ کے پھول کھلے ہیں ۔ آسمان پر شفق کی سرخیاں اُڑ رہی ہیں ۔ فضا میں صبا اٹھکیلیاں کرتی پھرتی ہے اور باروں میں شراب کا دور چل رہا ہے ۔ جس کی مہک موجوں کی طرح اُٹھ رہی ہے ۔

چار موج .. یعنی گرداب .. دوسرے مصرعہ میں پانی کی موجوں کا ذکر بھی موجود ہے ۔ جو مغنم ادا کیا گیا ہے ۔ اس پر تمام شارحین متفق ۔

۶۔ روحِ نباتی .. قوتِ نامیہ + جگرِ تشنہ .. تشنہ جگر ، شائق + ناز .. لہلہانا ۔ اٹھکیلیاں کرنا + دم .. گھونٹ + آبِ بقا .. آبِ حیات + جس قدر قوتِ نامیہ ناز و انداز کی شائق ہے یعنی جس قدر سبز و لہلہانا اور اٹھکیلیاں کرنا پسند کرتا ہے ۔ اسی قدر موجِ شراب آبِ حیات کے دے مے کر اس کو تسکین اور قوت بخشتی ہے ۔ (آئسی ، سعید ، حسرت)

طیاطبائی :- بخود ؛ ہم میں شراب سے جو اُمنگ اور جوش پیدا ہوتا ہے وہ قوتِ نامیہ کی حرکت ہے ۔ یعنی شراب قوتِ نامیہ کے حق میں وہ کام کرتی ہے جو کام کہ بارشِ نباتات کے حق میں کرتی ہے اور ناز سے یہاں اینڈ نا مقصود ہے جو کہ لازمِ فخر و ناز سے اور نشو و نما کے خواہش سے ہے ۔

۷۔ رگِ تاک .. انگور کی پیل کی رگیں + شہپر .. وہ پر جس کی مدد سے

ہندے اڑتے ہیں + رنگ .. پتوں کی رنگینی + بال کشا .. پرکھولنا +
 موج شراب انگور کی پیل میں خون بن کر دوڑ رہی ہے۔ یعنی پتوں وغیرہ
 میں رنگ بن کر ظاہر ہوتی ہے گویا اس کا دوڑنا پیر واز ہے اور اس کی رنگینی پر
 پرواز کی رنگینی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ موج شراب ہی ہے جو ان صورتوں میں
 ظاہر ہوتی ہے۔

۸۔ موجہ گل .. موج گل، کثرت گل + زلیں .. بہت زیادہ۔

موج شراب کو موج گل اور ہجوم گل کو چراغاں سے مشابہ کیا ہے۔ چونکہ
 میرے قصودات میں موج شراب بہت ہی زیادہ جلوہ نما ہے اور شراب اپنی
 رنگینی کے لحاظ سے موج گل سے مشابہت رکھتی ہے اور موج گل چراغاں سے
 مشابہ ہے۔ اس لئے موج شراب کی بدولت میرے گزرگاہ خیال میں چراغاں
 کی سی بہار پیدا ہو گئی ہے۔

۹۔ نشو و نما .. یعنی نشو و نمائے دماغ + سر .. خیال۔ خواہش۔ سر
 دماغ کی رعایت سے لائے ہیں۔

موج شراب کو دماغ کی نشو و نما کا بہت ہی زیادہ خیال ہے۔ اس لئے
 وہ نشہ کے پردے (صورت) میں دماغ کی نشو و نما کا معائنہ کر رہی ہے (سعیہ
 حسرت، طباطبائی)

بیخود: جس طرح خیال ترقی کرتے کرتے بہت بڑھ جاتا ہے اسی طرح
 شراب کا نشہ دماغ میں پہنچ کر بڑھتا رہتا ہے۔

۱۔ طوفانی .. جوش و خروش کا اظہار کرنے والے یعنی موجہ سبز، نوخیز
 سے لے کر موج شراب تک + فصل .. موسم بہار۔ موج سبز، نوخیز سے
 لے کر موج شراب تک سب نے تمام عالم میں ایک طوفان اٹھا رکھا ہے۔ یعنی

فصل بہار نے بچہ سبزہ و گل پیدا کئے ہیں، شراب کے دور چل رہے ہیں گویا سبستی کے عالم میں ہیں۔

۱۱۔ شرح: مفصل بیان۔

موسم گل بھی کیا عجیب چیز ہے۔ لطف یہ ہے موسم گل ہنگامہ ہستی کی شرح ہے۔ یعنی بہار کے لطف بھی چند روزہ ہیں۔ اور ہستی بھی چند روزہ ہے۔ پھر کہتے ہیں موج شراب بھی کیا چیز ہے کہ قطرہ کو دریا سے ملا دیتی ہے۔ یعنی انسان کو یہوش کر کے اس کی روح کو مبداء حقیقی سے متعلق کر دیتی ہے۔ بخود: موسم گل کا جوش بتا رہا ہے کہ ہنگامہ ہستی کی گرم بازاری خاص میرے ہی دم سے دنیا میں قائم ہے گویا میں ہنگامہ ہستی کی شرح ہوں اور اسی طرح موج شراب دعوے کر رہی ہے کہ میں قطرہ کو دریا تک پہنچانے میں خضر راہ کا حکم رکھتی ہوں۔ یعنی جس طرح قطرہ فنا ہو کر دریا میں جا ملتا ہے اسی طرح نشہ شراب روح کو بے خودی کے عالم میں اس کے مرجع تک پہنچا دیتا ہے۔

۱۲۔ اے اسد جلوہ گل کو دیکھ کر میرے ہوش اڑے جلتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پھر وہ وقت آگیا کہ موج شراب حرکت میں آئے یعنی شراب نشی کا دور چلے ممکن ہے ”دیکھ“ امر کا صیغہ ہو، بال اور اڑنے میں مناسبت لفظی ہے

ت

۵۰

افسوس کہ دیدار کا کیا رزق خاک نے ارجن لوگوں کی تھی درخور عقد گہرا انگشت

کافی ہے نشانی ترے چھلے کا نہ دینا ۲۔ خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت
 لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم ۳۔ تاکہ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت
 ۱۔ ویداں ۱۰ جمع الجمع دود کی یعنی کیرٹے + عقد گہر ۱۰ موتیوں کی لڑی +
 درخور ۱۰ قابل لائق۔

افسوس کا مقدم ہے۔ جن لوگوں کی انگلیاں سلک گوہر کے قابل تھیں۔
 آسمان نے آج انہیں کپڑوں کا رزق بنا دیا۔ یعنی آج مرنے کے بعد انہیں
 کیرٹے کھا رہے ہیں و طباطبائی، آستی، ستم

حسرت، سعید: دیدان کی جگہ ”دندان“ متن قرار دیتے ہیں اور
 فرماتے ہیں: جن لوگوں کی انگلیاں سلک گوہر کے قابل تھیں افسوس کہ فداک
 نے انہیں دندان کا رزق بنا دیا۔ یعنی وہ لوگ حسرت سے انگلیاں کاٹ رہے
 ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ صاحب کمال مغلی اور حسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں
 اور نا اہل چین اور آرام کی۔

۲۔ نشانی کا چھلہ دینا مشہور بات ہے، کہتے ہیں تو جب مجھ سے جدا
 ہو کر سفر میں جا رہا تھا تو تو نے مجھے نشانی کا چھلہ دیا بلکہ بوقت سفر خالی
 انگلی دکھا دی کہ دیکھ نئے میرے پاس چھلہ نہیں ہے۔ ورنہ میں تجھے چھلہ
 ضرور دیتا۔ اسے میرے دوست میرے لئے تیری یہی نشانی کافی ہے کہ
 کہ تو نے مجھے خالی انگلی دکھا دی۔ خالی انگلی دکھانے سے دو باتیں پیدا ہوتی
 ہیں بقول یہ کہ اُس نے مجھے شوخی سے انگوٹھا دکھا دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے
 کہ چھلہ کوئی نہیں بلتا، مرے کرو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ میں یہی بات یاد
 رکھوں گا کہ تو نے مجھے نشانی نہ دی۔

۳۔ سخن گرم ۱۰ کلام پر تاثیر، عمدہ کلام + انگشت رکھنا ۱۰ حرف رکھنا،

عیب نکالنا۔

مطلب یہ ہے، میں ایسے عمدہ اشعار لکھتا ہوں کہ کوئی شخص میرے کلام میں عیب نہیں نکال سکتا۔ رعایت لفظی سے شعر بلند ہو گیا ہے۔ لفظی مفہوم یہ ہے کہ میرا کلام سوزش دل کے اثر سے اس قدر گرم ہوتا ہے کہ کوئی اس پر انگلی تک نہیں رکھ سکتا۔

۵۱

رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت ۱ پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے عشقِ خونِ بنا نہ مشرب ۲ لکھ ہے خداوندِ نعمت سلامت
علی الزلعم دشمنِ شہید و فاقہوں ۳ مبارک مبارک سلامت سلامت
نہیں گر سروِ برگِ ادراک مینے
تماشا ئے نیرنگِ صورت سلامت

۱۔ اگر کوئی روزِ قیامت تک زندہ رہے تو پھر کیا۔ آخر ایک دن تو مرنا ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت سے بچنا ناممکن ہے۔ اگر کوئی قیامت تک بھی جئے تو پھر بھی اُسے مرنا پڑے گا۔ مشہور ہے کہ قیامت کے دن پہلے سب مر جائیں گے اور پھر زندہ ہونگے۔ بخود دیکھتے ہیں کہ قیامت کے دن مرنے میں یہ لطف پیدا ہو گیا ہے کہ روزِ قیامت دوبارہ زندہ ہونے کا دن ہے۔ اس دن کسی شخص کا مرنا لطف سے خالی نہیں۔

۲۔ خونِ بنا بہ مشرب .. خاص خون پینے کا عادی۔
عشق کا مشربِ خونِ پینا ہے۔ اُس نے میرے خونِ جگر سے پرورش پائی ہے۔ اس احسان کی وجہ سے عشقِ میرے جگر کو "خداوندِ نعمت سلامت" لکھتا ہے۔ ظاہر ہے یہ القاب ولی نعمت کو ہی لکھا جاتا ہے۔

۳۔ علی الرحمہ .. بر خلاف مقابلے میں + مبارک سلامت ..
کلمات مبارک باد -

رقیب (دشمن) شہید و فانی نہیں۔ بلکہ اس کے مقابلے میں میں شہید و فانی ہوں اور محبت میں شہید و فانی ہونا بہت بڑا امتیاز ہے۔ اس امتیاز پر اپنے تئیں مبارک مبارک سلامت سلامت کہہ کر مبارک باد دیتے ہیں۔ اس تبریک اور امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ شہید ہونا باعثِ زندگی جاوید ہے۔

۴۔ سرو برگ .. سلمان، قوت + ادراکِ معنی .. دریافتِ معنی۔
معنی سمجھنا، معنی .. حقیقت + صورت .. معنی کی ضد، اجسام ظاہری۔
اگر ہم میں رازِ حقیقت دریافت کرنے کی قوت نہیں تو نہ سہی اجسام ظاہری کا مطالعہ ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ کیونکہ مجازِ حقیقت کا زہن ہے۔

۵۲

مُند گشیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب

یار لائے مرے بالیں پر اُسے پر کس وقت

۱۔ مُند گشیں، بند ہو گئیں، موت آگئی، پر .. مگر + بالیں پر ..

سربانے -

میرے دوست میرے محبوب کو میری بالیں پر کس وقت لائے میں کہیں
اُسے پوری طرح دیکھ بھی نہ سکا۔ میں نے انہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں
کھولنے کی کوشش کی، لیکن اسی کوشش میں میری آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند
ہو گئیں۔ مطلب یہ ہے کہ یاروں نے احسان کیا لیکن بے وقت -

۵۳

خطے ہوئے سرد جوازاں دوست ۱ در درِ کشتہ تھا شاید خطِ زخاں دوست

۱۔ دلِ ناعاقبت اندیش صہبِ شوق کو ۲۔ کون لا سکتا ہے تابِ جلوہ دیدارِ دوست
خانہ ویراں سازی حیرت تماشا کیجئے ۳۔ صورتِ نقشِ قدم ہوں رقتہ رقتہ رقتا دوست
عشق میں بیدارِ شکابِ غیر نے مارا مجھے ۴۔ کشتہ دشمن ہوں آخر گر چہ تھا بیمارِ دوست
چشمِ مارِ دشمن کہ اُس بیدار کا دلشاد ہے ۵۔ دیدہ پُر خوں ہمارا سانپ سرشارِ دوست
غیر یوں کرتا ہے میری پریش اُس کے بچو ۶۔ بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست
تا کہ میں جانوں کہ ہے اس کی سائیِ دالِ کلب ۷۔ مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست
جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہِ ضعیف و ملغ ۸۔ سر کیسے ہے وہ حدیثِ زلفِ جبرِ دوست
چپکے چپکے مجھ کو روٹے دیکھ پاتا ہے اگر ۹۔ منس کے کرتا ہے بیانِ شوخی گفتارِ دوست
ہمراہی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے ۱۰۔ یا بیاں کیجے پاس لذتِ آزادِ دوست
یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ

ہے ردیفِ شعر میں غالب زبں تکرارِ دوست

۱۔ اخط .. سبزہ آغاز .. بازارِ سرود ہوا .. خریدار کم ہو گئے + دودھ شکر کشتہ
.. بھیجی ہوئی شمع کا دھواں ، علامتِ تاریکی ، خطِ یار کی پرائی ہے ۔

خط کے آنے سے محبوب کے حسن کا بازارِ سرود ہو گیا۔ گویا خطِ رخسارِ دوست
.. بھیجی ہوئی شمع کا دھواں تھا جس کے اُٹھتے ہی اجتماعِ عشاق منتشر ہو گیا ۔

۲۔ اے دلِ ناعاقبت اندیش تو اپنے شوقِ دیدار کو صہبِ کز بھلا جلوہ دیدارِ
دوست کی کوئی تاب لا سکتا ہے ، ممکن ہے مصرعِ ثانی میں واقعہ طور کی طرف
اشارہ ہو کہ موسیٰ بھی دیدارِ بار کی تاب نہ لا سکتے تھے ۔

۳۔ خانہ ویراں سازی .. گھر کا دیران کرنا اور اجاڑنا + تماشا کیجئے ..
دیکھئے + رقتہ .. وارقتہ + الہ و شیدا ۔

ذرا ملاحظہ فرمائیے حیرت نے میرا گھر کس طرح اُجاڑا ہے کہ میں نقشِ قدم

کی رفتار دوست پر پیدا ہوا۔ نقش قدم کی خصوصیت یہ ہے کہ قدم کا نشان زمین پر پڑ جاتا ہے اور وہ چشمِ حیرت کی طرح کھلا رہتا ہے۔ یہ نشان بہت قلیل مدت میں مٹ جاتا ہے۔ غالب انہیں خصوصیات سے استفادہ کیا ہے اور اپنے تئیں بہ اعتبار حیرانی، پامالی، خانہ بربادی اور ناپائنداری نقش قدم سے تشبیہ دی ہے۔

۴۔ میں اگرچہ دوست کا بیمار (عاشق) تھا اور اسی کے عشق کی بیماری میں مجھ کو مرنا چاہئے تھا۔ لیکن افسوس کہ میری موت اس طرح سے واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ میں رشک و دشمن کی بیداد سے مرا۔ افسوس بھی اس بات کا ہے کہ میں کشتہ بیداد دوست نہ ہو سکا۔ کشتہ بیداد رشک و دشمن ہوا۔ سقید نے بیداد رشک کی مزید تشریح کی ہے کہ مجھ کو ازراہ رشک یہ گوارا نہ ہو سکا کہ تو دشمن پر ظلم کرے اور مجھ کو اس لطف سے محروم رکھے۔ اس لئے اس رشک سے میں مر گیا۔

۵۔ مصرعہ ثانی میں ”ہے“ محذوف ہے اور یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ دیدہ پُر خون کی رعایت سے ”چشم مار و دشمن“ اور ”چشم مار و دشمن“ کے لحاظ سے ”دلشاد“ لائے ہیں۔ ”چشم مار و دشمن“ دلِ ماشاد“ خوشی کے موقع پر بولتے ہیں۔ ساغر سرشار.. ساغر لبریز۔

اگر اس بیداد کا دل ہماری خوفناکی سے خوش ہے تو ہم بھی خوش ہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ ہمارا دیدہ پُر خون دوست کے لئے ساغر لبریز ہے۔
۶۔ یہ قطعہ ہے۔ اس میں دشمن کے برتاؤ کی تصویر کھینچی ہے۔ پریش.. بیمار پُرسی۔ عیادت۔

اس کے ہجریں رقیب میری اس طرح عیادت کرتا ہے جیسے کوئی بہت بے تکلف دوست کسی دلی دوست کی۔ بیمار پُرسی کیا کرتا ہے۔

۷۔ اور اس پرسش کا اصل مطلب یہ ہے کہ وہ مجھ پر ظاہر کرے کہ اس کی رسانی یا رتک ہے۔ اس لئے مجھے وہ دوست کے وعدہ دہرا اور کا پیغام دیتا ہے۔ گویا وہ دوست بن کر میرے دل کو جلاتا اور آتشِ رشک کو بھڑکاتا ہے۔

۸۔ سر کرے ہے .. شروع کرتا ہے + حدیث .. بات ۔
اس کی اس قسم کی گفتگو سن کر میں کہتا ہوں۔ صغف دماغ سے مجھ کو باتیں کرنے کا یارا نہیں۔ لہذا اپنا سلسلہ کلام مختصر کرو۔ یہ سن کر وہ دوست کی زلفِ عنبریں کی گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ اگرچہ صغف دماغ میں خوشبو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن زلفِ یار کی خوشبو بھلا کیسے بُری معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں اس کو روک بھی نہیں سکتا، اس کی گفتگو جاری رہتی ہے مطلب یہ ہے رقیب کے سامنے دماغ کا عذر بھی نہیں چلتا اور وہ کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

۹۔ جب رقیب مجھے چُکے چُکے روتا ہوا دیکھتا ہے تو وہ مجھے خوش کرنے کے لئے یار کی شوخی گفتار کا ذکر ہنس ہنس کر شروع کر دیتا ہے (لیکن میرا حال یہ ہے کہ میں رشک سے سرا جاتا ہوں اور دل ہی دل میں کہتا ہوں)

۱۰۔ ایسی حالت میں میں رقیب کی ان مہربانیوں کی شکایت کروں جو وہ میرا دل جلاتے کی غرض سے میرے حال پر صرف کرتا ہے یا آزاد دوست کی لذت کا شکریہ ادا کروں کہ وہ ان کا اس قدر محرم راز ہو گیا ہے۔ مہربانی طرز استعمال کیا ہے اور شکریہ اس لئے کہ عاشقوں کی آزار رسانی بھی مرغوب ہوتی ہے۔

۱۱۔ مجھے اپنی یہ غول جی سے پسند ہے کیونکہ اس کے ہر شعر کی ردیف میں بار بار ”دوست“ کا لفظ آیا ہے اور دوست مجھے بہت ہی پیارا ہے۔

ج

۵۲

گلشن میں بندوبست برنگ دگر ہے آج ۱۔ قمری کا طوق حلقہ بیرون در ہے آج
آتا ہے ایک بار وہ دل ہر فغاں کے ساتھ ۲۔ تارِ نفس کند شکار اثر ہے آج
اسے عافیت کنارہ کر لے انتظام حل ۳۔ سیلاب گریہ در پئے دیوار و در ہے آج
۱۔ برنگ دگر .. بطریق دیگر + حلقہ بیرون در .. یعنی بیرون در کی
زنجیر کا حلقہ مراد وہ شخص جس کو اندر آنے کی اجازت نہ ہو۔

آج باغ میں نئی طرز کا انتظام ہے۔ قمری باغ کا پرندہ ہے۔ لیکن آج اس
اس کو بھی باغ کے اندر آنے کی اجازت نہیں گویا نئے انتظام کے ماتحت قمری
کے گلے کا طوق حلقہ بیرون در بن گیا ہے (آسمی، سعید، طباطبائی)
دیکھو : حلقہ بیرون در سے دوازہ کی محراب مراد ہے۔ گلشن میں بہار
آگئی ہے اس لئے دوسرا انتظام کیا گیا ہے۔ حلقہ بیرون یعنی محراب در قمری
کا طوق بن گئی ہے۔ آج جو شخص جہن کی سیر کو آئے گا، قمری کی طرح
گرفتار جہن ہو جائے گا۔

حسرت : ہمارا محبوب سیر جہن کو آنے والا ہے۔ اس لئے کسی کو باغ میں
داخل ہونے کی اجازت نہیں، گلوٹے قمری کا طوق حلقہ بیرون در بنا ہوا ہے۔

۲۔ آج میری آہ کے ساتھ ایک دل کا ٹکڑا باہر آ جاتا ہے۔ شاید آج ہمارے تارِ نفس (آہ) نے اثر کو شکار کر لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج ہماری آہ میں تاثیر پیدا ہوئی ہے (سوائے حسرت تمام متفق)۔
حسرت: تارِ نفس کی کند نے اثر کو شکار کر لیا ہے۔ یعنی آج ہماری آہ میں اثر پیدا ہوا ہے۔ لیکن اس اثر کا نتیجہ الٹا ہے کہ ہر فقاں کے ساتھ ایک پارہٴ دل باہر آتا ہے، یعنی اثر آہ سے دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ اثر آہ کے اس اُلٹے نتیجے کے ذکر سے اپنی بد بختی کا اظہار منظور ہے۔

۳۔ کنارہ کر۔۔ علیحدہ ہو جا + چل۔۔ رخصت ہو + عاقبت۔۔ آرام و راحت + سیلابِ گریہ۔۔ طوفانِ اشک۔

اے آرام و راحت اور اے انتظام اب میرے مکان سے رخصت ہو جاؤ کیونکہ آج میرے گریہ کا طوفان در و دیوار گرنے کے درپے ہے، مبادا تمہیں بھی نقصان پہنچے۔

۵۵

لو ہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں ۱ اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج
۱۔ مسیحا.. معشوق کا کیا علاج.. محاورہ ہے یعنی سزا۔

دعویٰ یہ ہے کہ مریضِ عشق کسی طرح اچھا نہ ہو گا کہتے ہیں چلو ہم مریضِ عشق کی تیمارداری کرتے ہیں۔ لیکن پہلے یہ بتا دو کہ اگر ہماری اس تیمارداری اور دیکھ بھال کے باوجود مریضِ عشق اچھا نہ ہوا تو پھر مسیحا کی کیا سزا ہے۔ الفاظ سے ظاہر ہے کہ مسیحا کو یہ شکایت ہے کہ بیمار کی تیمارداری صحیح طریقہ سے نہیں ہوتی۔ اس لئے علاج کامیاب نہیں ہوتا اور تیمار دار ادھر یہ سمجھے ہوئے ہے کہ مریضِ عشق کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ تیمارداری کا حصہ لیتا ہے اور

ساتھ ہی یہ شرط بھی لگاتا ہے کہ اگر باوجود تیمارداری کے مریض چھانہ ہوا
تو میسج کا کیا علاج ۔

ج

۵۵

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ ۱ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
کیا گرمی سعی تلاش دید نہ پوچھ ۲ بزم خوار مرے آئینہ سے جو ہر کھینچ
تجھ بہانہ راحت ہے انتظار کے دل ۳ کیا ہے کس نے اشارہ کہ تار ستر کھینچ
تری طرف ہے بہ حسرت نظارہ منہ گس ۴ بکوری دل چشم رقب ساغر کھینچ
بہ نیم غمزہ ادا کر حق و دیست ناز ۵ نیام پردہ زخم جگر سے نھجر کھینچ
مرے قدح میں ہے صبل آتش پینا

ہمدے سفر کباب دل سمندر کھینچ

۱۔ مصرعہ اول .. ترک آرزو نہ کر .. انتظار کھینچنا .. انتظار کرنا ۔

اگر شراب نہیں ہے تو ساغر ہی کا انتظار کر ۔ کیونکہ بزم آرزو سے کسی
حالت میں بھی سانس باہر نہ لینا چاہئے ۔ مطلب یہ ہے کہ ترک آرزو کسی حالت
میں بھی درست نہیں ۔ دنیا بہ امید قائم ۔

۲۔ گرمی سعی تلاش دید .. دیدار یار کی جستجو کی دھڑ دھوپ .. بزم
.. مانند آئینہ .. حسرت دیدار ۔

دیدار یار کی جستجو میں میں نے بہت زیادہ دھڑ دھوپ کی ۔ اس دھڑ دھوپ
میں میں نے حد سے زیادہ کوششیں صرف کیں اور تکلیفیں اٹھائیں ۔ کہتا ہے

ان سرگرمیوں کی کیفیت مجھ سے نہ پوچھو۔ میرے آئینہ حسرت دیدار میں سے جوہر آئینہ کو خوار کی طرح نکال کر دیکھ لو۔ تم کو خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ یہ گرمی سعی تلاش دید میں لگے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ حسرت دیدار نے حیران بنایا۔ آئینہ حیران ہوتا ہے اور اس میں جوہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آئینہ میں بجائے جوہر کے کانٹے لگے ہیں۔

یہ خود میرے آئینہ کمال کی گرمی و سعی کا حال مجھ سے نہ پوچھو۔ اہل نظر کی تلاش و جستجو میں اتنی تکلیفیں اٹھانی ہیں کہ اب میرے آئینہ کمال کا جوہر میری آنکھوں میں کانٹے کی طرح ٹٹک رہا ہے۔ قدردان کمال کے نشٹنے سے بایوس ہو کر یہ چاہتا ہوں کہ کوئی شخص ایسا مجھ کو مل جائے جو جوہر کمال کو میرے آئینہ کمال سے کانٹے کی طرح کھینچ لے (سجید)

۲۔ اے دل بستر پر پڑے پڑے انتظار یا کرنا آرام کرنے کا بہانہ ہے۔ یہ انتظار نہیں ہے۔ ذرا یہ تو بتائیے۔ کس نے اشارتاً کہا ہے کہ تو بستر کے ناز اٹھا بستر کے ناز اٹھانا تو راحت طلبی کی علامت ہے۔ اس لئے اٹھا راحت کو ترک کر۔ ناز بستر سے مختلف مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً صحرانوردی کر، جستجوئے معشوق کر، یا اس انتظار کی ابتدا اٹھانے سے مرجانا بہتر ہے۔ (طباطبائی۔ اتسی۔ سجید)

حسرت: اے دل تیری راحت کے لئے میں خواب اور ناز کشی کی بجائے انتظار یا کر کافی ہے۔

۴۔ اے محبوب تیری طرف نرگس بڑی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے کہ تو کیوں شراب نہیں پیتا۔ تو اس شرم سے شراب نہیں پیتا کہ وہ تجھے دیکھ رہی ہے۔ لے میں تجھے بتاتا ہوں کہ چشم رقیب اور دل رقیب یعنی

چشم و دل نرگس اندھے ہیں۔ اس لئے تو بے تکلف شراب پی اوکلاس سے نہ شرابا۔ نرگس کو رقیب اس لئے کہا ہے کہ وہ یار کی طرف حسرت دیکھ رہی ہے چونکہ چشم نرگس دیکھ نہیں سکتی اس لئے اسے کوہ چشم اور کوہ دل لکھا، نیز نرگس کو ساغر سے بھی مشابہت ہے (آسی طبا طبائی - بخود)

حسرت : اگر نرگس تیری طرف بڑی حسرت سے دیکھ رہی ہے تو تجھ کو چاہئے کہ باغ میں اس طرح بے تکلف شراب نوشی میں مشغول نہ ہو۔

سعیہ : نرگس جو تیری طرف بڑی حسرت سے دیکھ رہی ہے اس لئے تو میرے اس رقیب کی کوری دل و چشم کی خواہش میں جام شراب پی تاکہ وہ اندھی ہو جائے اور تجھے نظر نہ لگے۔

۵۔ ودیعت .. امانت + نیام .. میان - لفظی صنعت یہ ہے کہ اگر "نیام" کا الف نکال دیا جائے تو "نیم" باقی رہ جاتا ہے۔

میں نے تیرے ناز کے خجر کو پردہ زخم جگر کی نیام میں امانت رکھا۔ اب تو میری اس امانتداری کا حق نیم غمزہ سے ادا کر۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے مدتوں تیرے خجر ناز کو اپنے جگر میں بطور امانت رکھا تو اس خجر کو میرے جگر سے نکال لے اور مجھے حق امانتداری ادا کر دے۔ حق امانت میں نیم کا مطلب کرتے ہیں (حسرت - آسی)

طبا طبائی : ناز و ادا تجھ میں خدا کی ودیعت ہے۔ اس کا حق ادا کرنے کے لئے ادا کر اور اس طرح خجر ادا کو بھیج کہ معلوم ہو پردہ جگر عاشق سے بھیج لیا رہا ہے یعنی ادا کرنا ہے۔ اگر اس کے لئے کوئی نیام ہے تو زخم جگر عاشق ہے۔ طبا طبائی کا خیال ہے کہ معنی کا خون ہو گیا ہے۔

سعیہ : (شرح ہاشمی از رسالہ اردو) تو نے جو خجر جگر میں بھونک دیا ہے۔

اب ناز کا حق ادا کر اور اُسے باہر اس طرح کھینچ لے کہ زخم زیادہ کشادہ اور زخمی کا خاتمہ آسانی سے ہو جائے۔ خنجر جو نکلا۔ غمزہ کمال کی نشان دہی اور اب اس طرح کھینچنا یا پردہ زخم سے نکال لینا نیم غمزہ ہے کہ ناز کا حق ادا کرنے میں جو کسر تھی وہ پوری ہو جائے۔

بیخود: ادا و ناز جو تجھ کو اللہ تعالیٰ نے بخشے ہیں۔ وہ گویا اس کی امانت ہے اس امانت کا حق نیم غمزہ سے ادا کر، اگر غمزہ چھوڑ دیا ہو جائیگا تو فوراً عاشق کی جان نکل جائیگی۔ اس لئے تجھ کو لازم ہے کہ نیم غمزہ سے کام لے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر زخم جگر میں دار کرنے کے بعد خنجر چھوڑ دیا جائیگا تو بس فوراً جان بحق ہو جائے گا اور اگر دار کرنے کے بعد خنجر زخم میں سے کھینچ لیا جائے گا۔ تو مجروح کے مرنے میں ضرور دیر لگے گی اور شاید جانبر بھی ہو جائے۔ اس لئے نیم غمزے سے کام لینا بہتر ہے۔

۶۔ قدرح .. پیار مراد دل + صہبا .. شراب + آتش پنہاں .. آتش عشق + سفرہ .. دسترخوان + سمندر .. ایک جادو جو آگ میں پیدا ہوتا ہے + کھینچ .. یعنی چن دے۔

میرے پیلے میں آتش پنہاں ہے۔ اس لئے میرے دسترخوان پر سمندر کے دل کے کباب ہونے چاہئیں۔ مطلب یہ ہے جب شراب آتش پنہاں کی ہے تو اس کے ساتھ کباب بھی سمندر کے دل کے چاہئیں جو آتش کیڑا ہے۔ نیز دل بھی باطنی شے ہے اور آتش پنہاں بھی۔

۵۷

حسن غمزے کی کشائش سے چٹا حیر کہ ۱ بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

منصب شیفنگی کے کوئی بھی قابل نہ رہا ۲ ہوئی معزولی انداز دادا میرے بعد
 شرح سمجھتی ہے تو اس میں سے دحوال منصف ۳ شعور عشق سے پوش ہوا میرے بعد
 خوں ہے دل خاک میں احوال بتاں پر لینے ۴ اُن کے ناخن ہوئے محتاج خمیرے بعد
 درخور عرض نہیں جو سر بیداد کو جسا ۵ نگہ ناز ہے شہرے سے خمیرے بعد
 ہے جنوں اہل جنوں کے لئے آغوش دداع ۶ چاک ہوتا ہے گریباں سے جد میرے بعد
 کون ہوتا ہے حریف میرے مرد افکن عشق ۷ ہے مکر لب ساقی پہ صلا میرے بعد
 آئے ہے بیکیسی عشق پہ رونا خالب

رکس کے گھر جاے گا سیلاب بلا میرے بعد

۱- غمزہ .. چشم دلاؤ سے اشارہ کرنا + اہل جفا .. معشوق -
 جب تک میں زندہ رہا - حسن غمزے کی کشش میں مبتلا رہا - کیونکہ غمزہ ہر وقت
 حُسن کو اکسااتا تھا کہ عاشق پر دوار کرے میرے مرنے کے بعد یہ کشش ختم ہوگئی اور
 معشوق آرام سے ہو گئے - مطلب یہ ہے حسن و غمزہ کی جفاکاریاں میری زندگی تک
 تھیں کیونکہ میں ہی اُن کے ناز و انداز اُٹھاتا تھا - اب نہ کوئی مجھ جیسا عاشق صادق
 ہوگا اور نہ ان کے ظلم و ستم اُٹھائیگا -

۲- منصب شیفنگی .. عمدہ عاشقی + معزولی .. تعطل -

میرے مرنے کے بعد ایسا کوئی شخص موجود نہیں جو عمدہ عاشقی کے قابل
 ہو - اس لئے معشوق کے انداز و ناز بھی تعطل ہو گئے - منصب اور معزولی مناسب
 الفاظ ہیں - مطلب یہ ہے کہ جب منصب عاشق نہیں رہا تو انداز دادا جو اس کے
 لوازمات میں سے ہیں - خود بخود معزول ہو گئے - آتش مرحوم کا شعر اس سے
 ہمت بلند ہے -

ہو گیا سلسلہ مرد محبت برہم نازین بھول گئے ناز دادا میرے بعد

۳۔ قاعدہ ہے جب شمع کو بجھاتے ہیں تو اس میں سے دھواں اُٹھتا ہے۔ حقیقتاً وہ دھواں نہیں ہوتا بلکہ وہ شمع کے سوگ میں شعلہ شمع سبب پوٹ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب میرے مرنے سے شعلہ عشق بجھا تو وہ بھی میرے سوگ میں سبب پوٹ ہو گیا۔ خلاصہ شعر یہ ہے کہ میرے مرنے سے عشق کا خاتمہ ہو گیا اور یہی وجہ اس کے سبب پوٹ ہونے کی ہوئی۔ سبب لباس سے سوگ کا اظہار ہوتا ہے۔

۴۔ خاک .. قبر .. خون ہے دل .. دل غمگین ہے۔
میرا دل قبر میں بھی معشوق کے حال پر غمگین ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے مرنے سے اُن کے ناخن ہندی کے محتاج ہو گئے ہیں۔ کیونکہ صبرک میں زندہ تھا تو وہ میرے خون سے اپنے ہاتھ رنگیں کر لیا کرتے تھے لیکن اب ان کو آرائش کے لئے ہندی لگانا پڑتی ہے (اسی۔ بخود۔ سبقت)
حضرت، طباطبائی: مجھے احوال بتاں پر افسوس آتا ہے کہ میرے بعد میرے سوگ میں انہوں نے ہندی لگانا چھوڑ دی۔
۵۔ در خود عرض .. اظہار کے قابل + جوہر .. عرض کی رعایت سے لائے ہیں + جا .. جگہ۔

میرے مرنے کے بعد جو ہر بیدار کو اب کوئی مناسب جگہ اپنے تئیں ظاہر کرنے کے لئے نہیں ملتی یعنی کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس پر بیدار کی جگہ۔ اسی لئے انہوں نے آنکھوں میں سرمہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں ہی اُن کی سرگیں آنکھوں کے ظلم اُٹھانے والا تھا۔ ممکن ہے اس لئے انہوں نے میرے سوگ میں سرمہ لگانا چھوڑ دیا ہو۔

۶۔ آغوش و ذراع .. رخصت ہوتے وقت بغلیں کرنا، پاکہ ہوتا ہے گریبان۔

گریباں پھٹتا ہے۔

میرے مرنے کے بعد جنون ہمیشہ کے لئے فصاحت ہونے کو اہل جنوں کے ساتھ آخری مرتبہ ہم آغوش ہو رہا ہے گویا چاک گریباں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رہیم جنوں میرے بعد باقی نہ رہیگی اور اب کوئی شخص اپنا گریبان چاک نہ کرے گا۔ چاک کا گریبان سے جدا ہونا خوب ہے۔

۷۔ حالی: اس شعر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جب سے میں مر گیا ہوں مئے مرد انگن عشق کا ساقی یعنی معشوق بار بار صلا دیتا ہے یعنی لوگوں کو شراب عشق کی طرف بلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بعد شراب عشق کا کوئی خریدار نہیں رہے گا۔ اس لئے اس کو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر زیادہ غور کیے کے بعد جیسا کہ مرزا خود بیان کرتے تھے، اس میں ایک نہایت لطیف معنی پیدا ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ پہلا مصرعہ بھی ساقی کے صلا کے الفاظ ہیں اور اس مصرعہ کو وہ مکرر پڑھ رہا ہے۔ ایک دفعہ بلانے کے لہجے میں پڑھتا ہے کون ہوتا ہے حریف مئے مرد انگن عشق؟ یعنی کوئی ہے جو مئے مرد انگن عشق کا حریف ہو۔ پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا تو اس مصرعہ کو بابوسی کے لہجے میں مکرر پڑھتا ہے کون ہوتا ہے حریف مئے مرد انگن عشق! یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ اس میں لہجہ اور طرز آواز کو بہت دخل ہے کسی کو بلانے کا لہجہ اور سے اور بانوسا سے چپکے چپکے کہنے کا اور انداز ہے جب اس طرح مصرعہ مذکور کی تکرار کرتے گئے تو فوہا بھی معنی ذہن نشین ہو جائیں گے۔

۸۔ تعزیت .. ماتم پرمسی۔

میں اس غم سے مراجتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد دنیا میں کوئی ایسا شخص

بھی نظر نہیں آتا جو ہر دوفا کی تعزیت کرنے کا اہل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہر دوفا کا خاتمہ میرے ساتھ ہو جائیگا اور کوئی ان کا رونے والا نہ ہوگا۔ قاعدہ ہے مردے پر رونے کے لئے بہت لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ کوئی تعزیت کا بھی اہل نظر نہیں آتا۔ اس لئے ہر دوفا کا مجسمہ اسی غم میں مرا جاتا ہے (بہخود۔ سقید۔ طباطبائی)
 طباطبائی، آسٹی: میں اس غم سے مرا جاتا ہوں کہ میرے بعد ہر دوفا کو میرا پر سا بھی دینے والا کوئی نہیں ہے۔

۹۔ سیلاب بلا۔ یعنی عشق۔

غالب مجھ کو عشق کی بے کسی اور تنہائی پر رونا آتا ہے۔ جب میں مراؤں گا تو یہ عشق کس کے گھر جائیگا۔ یعنی کوئی ایسا عاشق نہیں جو میرے بعد عشق کی میرز بانی کرے اور اس کی مصیبتیں برداشت کرے۔



۵۸

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درد دیوار ۱ نگاہ شوق کو ہیں بال و پر درد دیوار
 و فداش کفن کا شلنے کا کیا یہ رنگ ۲ کہ ہو گئے مرے دیوار و در، درد دیوار
 نہیں ہے سدید کہ سن کر فوید مقدم یار ۳ گئے ہیں چند قدم پیشتر، درد دیوار
 ہوئی ہے اس قداد رنائی سے جلوہ ۴ کہ مست ہے ترے کوچ میں ہر درد دیوار
 جو ہے تجھے سر سودائے انتظار تو آ ۵ کہ ہیں دکان متابع نظر درد دیوار
 هجوم گرہ کا سامان کب کیا میں نے ۶ کہ اگر پرٹے نہ مرے پاؤں پہ درد دیوار

دہ آرہا مرے ہمسائے میں تو سائے سے ۷ ہوئے قدار و دیوار ہے ۱ اور و دیوار
نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی ۸ ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر درد دیوار
نر پوچھیں بخدی عیش مقدم سیلاب ۹ کہ ناچتے ہیں پرٹے سر بسزاد و دیوار
نکہہ کسی سے کہ غالب نہیں ننانے میں

حریفِ رازِ محبت مگر درد دیوار

۱- یہ درد دیوار جو ہماری نگاہ شوق کو تجھ تک پہنچنے سے روکتے ہیں
ہمیں ان کی کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ روکنا تو درکنار یہ تو الٹا ہماری نگاہ شوق
کو بال و پر کا کام دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ روکاؤٹ اور روک تھام سے
جذبہ عشق میں اور بھی زیادہ ترقی ہوتی ہے، اس لئے درد دیوار نگاہ شوق
کے لئے بال و پر ہیں۔

۲- وفور .. کثرت + کاشانہ .. جھونپڑی + رنگ .. حالت -
کثرت گریہ نے میرے مکان کا یہ حال کر دیا ہے کہ دیوار کو توڑ کر اس
میں در بنادیا اور دروازہ کے آگے دیوار گر کر ملے گا ڈھیر لگ گیا۔ گویا وہ
دیوار بن گیا۔ مطلب یہ ہے کہ سیلاب گریہ سے مکان تر و بالا ہو گیا۔ جہاں
دیوار تھی وہاں دروازہ بن گیا اور جہاں دروازہ تھا وہاں دیوار بن گئی۔

۳- زید مقام .. تشریف آوری کی خوشخبری -
فرماتے ہیں یہ درد دیوار کا سایہ نہیں ہے بلکہ یار کے آنے کی خوشخبری
سُن کر درد دیوار ہمان کے استقبال کے لئے چند قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔
۴- ارزانی .. سستا پن + مے جلوہ .. شراب دیدار -

تو نے شراب دیدار کو کس قدر ارزاں کر دیا ہے کہ تیرے کو سچے کے
درد دیوار تک اس شراب سے مست ہو رہے ہیں، شاید یار کی بے جانی

کا ماتم کیا ہے۔

۵۔ سبز: خیال + سودائے انتظار .. متاع و جنس انتظار

کی خریداری۔

اگر تجھے جنس انتظار کی خریداری منظور ہے تو آ اور دیکھ کہ عشاق نے اپنی نگاہیں درو دیوار پر اس طرح جمائی ہیں کہ درو دیوار متاع نظر کی دکان بن گئی ہیں۔

۶۔ جب کبھی میں نے، مجھ پر گریہ کا سامان کیا، یعنی دل کھول کر رونے کا بندوبست کیا تو فوراً درو دیوار میرے قدموں پر گر پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے رونے کے ارادے میں اس قدر اثر ہے کہ رونے سے پہلے درو دیوار میرے پر پڑتے ہیں۔ ظاہری مفہوم یہ ہے کہ درو دیوار نے میری منت و سماجیت کی اوڑھنوں پر سر رکھ دیا کہ رونا نہیں۔ در نہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ بہر کیف تہجد و نوا کا ایک ہے۔

۷۔ جب وہ میرے ہمسائے میں آکر رہا تو میرے درو دیوار کا سایہ اس کے درو دیوار کے سایہ پر فدا ہو گیا۔ چونکہ ایک دیوار کا سایہ دوسری دیوار کے سایہ سے اتر نہیں جاتا ہے، اس لئے یہ لطیف خیال پیدا ہو گیا۔

۸۔ جب کوئی چیز آنکھوں میں کھٹکتی ہے تو آنکھوں میں پانی بہنے لگتا ہے۔ کہتے ہیں تیرے بغیر میرے گھر کی آبادی میری آنکھوں میں کھٹکتی ہے (بُری معلوم ہوتی ہے) اس لئے ہم ہمیشہ اپنے گھر کے درو دیوار کو دیکھ کر روتے ہیں۔

۹۔ سیلاب کے آنے کی خوشی میں میرے درو دیوار جس قدر بے خود و وارفتہ

ہیں وہ مجھ سے نہ پوچھ۔ بلکہ یوں سمجھ لے کہ درو دیوار کو حال آ جاتا ہے اور

وہ سرسبز پختے پھرتے ہیں (استی)

یہ بخود، سعید، طباطبائی، سیلاب آنے کی خوشی میں میں ایسا بخود ہو جاتا ہوں کہ درودِ دیوار کے گہنے کو نقص سمجھتا ہوں۔

۱۰۔ غالب تو اپنا رازِ محبت کسی سے نہ کہہ کیونکہ دنیا میں رازِ محبت کوئی نہیں چھپا سکتا اور اگر تو رازِ محبت اپنے تک محدود نہیں رکھ سکتا تو صرف درودِ دیوار سے کہہ کیونکہ وہ سن سکتے ہیں۔ لیکن کسی سے کہہ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے درودِ دیوار سے باتیں کرنا پاگل پن کی علامت ہے۔ اس لئے حاصل یہ نکلا کہ رازِ محبت مُتہ سے نہ نکالا جائے۔

۵۹

گھر جب بنا لیا تو رے درپر کے بغیر ۱ جلنے کا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر کہتے ہیں جب رہی نہ بجے طاقتِ سخن ۲ جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کے بغیر کام اُس سے آپٹا ہے کہ جس کا جہان میں ۳ لیوے نہ کوئی نام ستم گر کے بغیر جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے دیگر ہم ۴ سر جھائے یا رہے نہ رہیں پر کچھ بغیر چھوڑ دنگا میں نہ اُس بُت کا فر کا بوجنا ۵ چھوٹے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر مقصد ہے ناز و غرور فے گفتگو میں کام ۶ چلتا نہیں ہے دشمن و خنجر کے بغیر ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو ۷ بنتی نہیں ہے باد و ساغر کے بغیر ہزاروں میں تو چاہئے دونا ہوا التفات ۸ سنتا نہیں ہوں بات کمر کے بغیر غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض

ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کچھ بغیر

۱۔ جب کبھی میں آپ سے اپنے حُمر آنے کے لئے کہا کرتا تھا تو آپ کہہ دیتے

تھے۔ ہم تیرا گھر نہیں جانتے کیونکہ آئیں۔ لیجئے میں نے آپ سے بغیر اجازت

حاصل کئے آپ کے دروازہ پہنچی اپنا گھر بنا لیا ہے۔ فرمائیے اب بھی آپ میرے گھر کو بغیر بتائے نہ جائینگے۔

۲۔ جب تک مجھ میں حامل دل بیان کرنے کی فطرت تھی، اُس وقت تو کبھی میرا حال پوچھا نہیں، لیکن اب جبکہ مجھ میں بات کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی، تو کہتے ہیں کہ میں کسی کے دل کی بات بغیر کے کیسے جان سکتا ہوں۔ تم بات کرو تو ہنسا کر دل کی بات میں پوری کروں۔ ستم ظریفی دکھائی ہے۔

۳۔ تقدیر کی بات ہے، میرا معاملہ اس شخص سے پر ملا ہے جس کا نام کوئی شخص بغیر شکر کے نہیں لیتا، یعنی تادم دنیا اُسے شکر کرتی ہے۔ ظاہر ہے ایسے ظالم سے کیسے امیدیں بھری ہوں گی۔

۴۔ ہم جو خاموش ہیں اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ہم کسی سے ڈرتے ہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل ہی میں کوئی بات نہیں۔ اگر ہمارے دل میں کوئی بات ہوتی تو ہم کبھی خاموش نہ رہتے۔ سر جاتا یا رہتا۔ ہم ایسے صاف باطن ہیں کہ اپنے دل کی بات کبھی بغیر بھی باز نہ آئے۔

ممکن ہے یہ کہنا چاہتے ہوں کہ میں تو صرف معشوق سے محبت ہے اور کوئی آئندہ نہیں۔ ورنہ ہم اپنا مدعا کہتے اور ضرور کہتے۔

۵۔ میں اُس بہت کافر کی پرستش اور عشق ہرگز ترک نہ کروں گا، چاہے خلق خدا مجھے کافر ہی کہیں نہ کہے، جو شخص خدا کے سوا کسی اور کو پوجتا ہے اسی کو کافر کہاجاتا ہے۔ الفاظ نہایت مناسب ہیں۔

۶۔ ہمارا مقصد اصل غمرہ و ناز ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ گفتگوئے شاعرانہ میں غمرہ و ناز کو دشمن و خنجر کے بغیر کام نہیں چلتا۔ مطلب یہ ہے کہ شاعری میں تشبیہ اور استعارہ سے کام لینے بغیر لطف سخن پیدا نہیں ہوتا۔ گویا ہم ضرورتِ شعری

سے مجبور ہیں۔

۷۔ ہر چند مشاہدہ حق کی گفتگو ہو۔ مگر شاعری میں بادہ و ساعر کے الفاظ ضرور لالنے پڑتے ہیں۔

۸۔ دونا .. دگنا + التفات .. توجہ۔ نظر عنایت۔

میں بہا ہوں اس لئے آپ کو مجھ پر دو گنی مہربانی اور توجہ کرنی چاہئے کیونکہ جب تک کوئی بات با آواز بلند اور کمرہ کی نہ جائے میں سن ہی نہیں سکتا۔ آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ پر دو گنی مہربانی ہونی چاہئے۔

۹۔ غالب تو اپنا حال بادیا عرض نہ کر، تیرے کے بغیر ہی ان کو تیری پوری کیفیت معلوم ہے۔ اپنا حال کس خوبی اور صفائی سے بیان کرتے ہیں۔ مگر سب کچھ عرض کرنے کے بعد بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ کچھ نہیں کہا۔ یہ معنوی خوبی ہے۔

۶۰

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر ۱
آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے ۲
کیا آہوئے عشق جہاں عام ہو جفا ۳
آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک ۴
ثابت ہو ہے گردن جیسا پہ خون خلق ۵
داحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ۶
بک جائے میں ہم آپ متاخر سخن کے سوا ۷
زناں باندہ سحر مصدر دانہ توڑ ڈال ۸

جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
سرگرم نالہائے مشو بار دیکھ کر
رکتا ہوں ہم کو بے سبب آزار دیکھ کر
مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
لرزے ہے موج سے تری رفتار دیکھ کر
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر
دہر چلے رہا کو ہموار دیکھ کر

ان ابلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا ۹ جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر
کیا بدگیاں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں سر ۱۰ طوطی کا عکس سمجھے ہے رنگار دیکھ کر
گر فی تھی ہم پر برق تجلی نہ طور پر ۱۱ دیتے ہیں بادہ ظرف قلعہ خار دیکھ کر
سر پھوڑنا وہ غالب شہیدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

۱۔ جلتا ہوں .. رشک سے نہ تاب رُخ .. جمال عالم سوز۔
میں رُخ یار کا جلوہ دیکھ کہوں نہ جل گیا۔ مجھے ضرور جل جانا چاہئے
تھا۔ یہ نہ جلنے کا ہی نتیجہ ہے کہ میں اپنی طاقت دیدار کے رشک سے
جلا جاتا ہوں ۵

دیکھنا قسمت کہ اپنے آپ پر شک آجائے ہے میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھے شے کو جانے ہے
۲۔ نارائے شرور بار کی وجہ سے اپنے آپ کو آتش پرست سے مشابہ کیا ہے
فراتے میں چونکہ میں شب و روز آتش بارنا لے کرتا ہوں۔ اس لئے معوام مجھے آتش پرست
کہنے لگے ہیں۔ آتش پرست دن رات اپنی آگ ہی کے خیال میں رہتے ہیں اور
میری بھی یہی کیفیت ہے۔

۳۔ بے سبب آزار .. بے وجہ ستانے والا۔
جفا عاشق صادق کا حق ہے لیکن تم ہوس پرستوں پر بھی جفا کرتے ہو اور
یہ خیال نہیں کرتے جفا عاشق صادق ہی کے لئے مخصوص ہونی چاہئے اس لئے
میں تم سے محبت کرتے ہوئے رنگتا ہوں۔ کیونکہ اس طرح میرے عشق کی آبرو کو نہ
گلتا ہے مطلب یہ ہے کہ عشق کا لطف اس وقت ہے جب تم اس کی قد بھی کرو
اور قد یہی ہے کہ جفا کرو۔

۴۔ وہ مجھے قتل کرنے آتا ہے۔ اس لئے مجھے بہت خوش ہونا چاہئے تھا

لیکن نہیں، میں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر جوش رشک سے مرا جاتا ہوں کہ تلوار اتنی خوش قسمت کہاں سے آئی جو اُس کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ گویا وہ خوشی بھی خاک میں مل گئی جو اُس کے ہاتھ سے قتل ہو کر حاصل ہوئی۔ کیونکہ قتل کرنے سے پہلے میں جوش رشک سے مر گیا۔۔۔ بخود اور اُنہی نے پُر جوش تن قرار دیا ہے۔

۵۔ خوف کے مارے موج مے تیری رفتار کو دیکھ کر کانپ رہی ہے موج مے کے لرزے اور کانپنے کی وجہ یہ ہے کہ خون خلق تیری مستند رفتار سے ہوا اور تیری مستی کا باعث تیری مے نوشی ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خون خلق گردن مینا پر ثابت ہوا کیونکہ اسی میں وہ شراب نغمی جو خون خلق کا باعث ہوئی پس اسی بنا پر اب شراب صراحی میں لڑ رہی ہے۔

۶۔ واخسرتنا .. افسوس + ہاتھ کھینچنا .. دست بردار ہونا + حریص .. بے حد خواہشمند +

جب یار نے مجھے لذتِ آزار کا بے حد خواہشمند پایا تو افسوس صد افسوس کہ اس نے بھکاری ترک کر دی۔ یعنی اب ہم جھلسے بھی محروم رہ گئے۔
اب جھلسے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا
۷۔ عیار .. کسوٹی + متاع .. جنس + پاک جاتے ہیں .. غلام یا قدر دان ہو جاتے ہیں۔

ہم اپنے متاعِ سخن کے خریدار کے ہاتھ پاک جاتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خریدار شعر کو پرکھنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے کلام کی قدر جانتا ہے۔ میں بھی اس کی قدر کرتا ہوں۔

۸۔ سمجھ محمد دانہ .. سوداؤں کی تسبیح۔

دانوں کی وجہ سے تبیح میں نشیب و فراز پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن زنا نہ ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں دل نے نہیں ہوتے۔ تبیح و زنا دونوں ایک منزل پر پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ زنا کا راستہ ہمارے اہل تبیح کی راہ میں سونشیب و فراز ہیں۔ اس لئے ہر مقام پر ٹھوکر لگتی ہے۔ کہتے ہیں۔ زنا باندھ لے اور سوداؤں والی تبیح توڑ ڈال۔ کیونکہ مسافر ہمیشہ سید سے اور صاف راستے ہی پر چلا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کفر کا راستہ آسان اور صاف ہے۔

۹۔ آبلوں کی طرف اشارہ کیے کہتے ہیں کہ میں ان پاؤں کے آبلوں سے گھبرا گیا تھا۔ لیکن راستوں کو بُرا دیکھ کر جی خوش ہو گیا ہے کہ کانٹے لگے یہ آبلے پھوٹیں گے اور زیادہ تکلیف ہوگی۔ عشق میں انسان اذیت کو پسند کرنے لگتا ہے۔

۱۰۔ میرا دوست مجھ سے کس قدر بدگمان ہو گیا ہے کہ میرے آئینہ دل میں جو زنگ لگا ہے اور جو نتیجہ ہے افسردگی کا وہ اس کو زنگِ خُشک خیال نہیں کرتا، بلکہ ازراہ بدگمانی یہ خیال کرتا ہے کہ یہ کسی طوطی کا عکس ہے جس سے مجھے اس کی بجائے محبت ہو گئی ہے۔ زنگار اور طوطی میں سبزہ کی وجہ سے مشابہت ہے۔ نیز طوطی و آئینہ میں بھی نسبت ہے جو گل و بلبل میں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو اب یہ بدگمانی ہو گئی ہے کہ میرا عاشق طوطی سے اپنا دل بھلانے لگا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کے دل سے میرا عشق جاتا رہیگا۔ اس لئے وہ زنگار آئینہ پر رشک کھاتا ہے۔

۱۱۔ حالی۔ اس شعر میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے

سامنے پیش کیا مگر وہ اس کے متحمل نہ ہوئے اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ ”میرزا فرید نے ہیں۔“ برقی تجلی کے گرنے کے ہم مستحق تھے مذکورہ طور، اس لئے کہ شراب غور کا ظرف دیکھ کر اس کے موافق اس کو شراب دی جاتی ہے۔ پس کوہ طور جو مجملہ جمادات کے ہے وہ کیونکر تجلی الہی کا تحمل ہو سکتا ہے۔ یہ خیال مع اس کمیل کے جو بیان ہوئی ہے بالکل اچھوتا خیال ہے۔

۱۲۔ تیری دیوار دیکھ کر مجھے غالب شوریدہ حال کا سر پھوڑنایا دیا گیا۔ ”شوریدہ حال“ سے سر پھوڑنے کا سبب ظاہر ہے اور لفظ ”وہ“ سے تمام سابقہ واقعات کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔

۶۱

لڑنا ہے مراد زحمتِ ہر درخشاں پر ۱ میں ہوں وہ قطرہِ شبنم جو ہو خارِ بیابان
 زچھوڑی حضرت یوسف نے باں بھی خانہ کائناتی ۲ سفیدی دیدہ یعقوب کی کہ پرتی ہے ندان
 فنا ظہم دین بخودی ہیں اس زمانے سے ۳ کہ جنوں لام الف کھتا تھا دیوارِ دبستان پر
 فراغتِ کمال قدرستی تھے تشویشِ مرہم سے ۴ ہم صریح کہتے پارہ ہاے دل نکلاں پر
 نہیں اعلیمِ الفت ہیں کوئی طومارِ ناز ایسا ۵ کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ ہونے مہرِ عنوان پر
 مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلود یاد آیا ۶ کہ فرقت میں تری آتشِ برستی تھی گلستان پر
 بجز پندِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہو گا ۷ قیامت اکہ ہوئے تشہے خاکِ شیدان پر
 نہ لڑنا صح سے غالب کیا ہوا اگر اس شدت کی

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

۱۔ ہر درخشاں .. چمکتا ہوا سورج .. زحمت .. تکلیف۔

شبنم کے چمکنے کو لڑنے سے تعبیر کیا ہے۔ میں ایک ایسا قطرہِ شبنم ہوں جو خارِ بیابان کی نوک پر آویزاں ہے۔ آفتاب مجھے جذب کر لینے کے لئے کیسی

کیسی سرگرمیاں دکھا رہا ہے۔ کہاں میں اور کہاں آفتاب، ٹوک خار پر رونے کی وجہ سے میری فنا تو ویسے ہی بہت قریب ہے، اس لئے آفتاب کی تکلیف فرمائی پر میرا دل لرزتا ہے کہ وہ اتنی سی بات کے لئے کس قدر کوشش کر رہا ہے۔

۲۔ سفیدی میں ایسا ہے۔ ایک تو آنکھ کی سفیدی یعنی نور۔ دوسرے قلعی جو دیوانوں پر آرائش کے لئے پھیرتے ہیں۔

قید میں تو حضرت یوسف کو خانہ آرائی چھوڑ دینی چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے آرائش کو وہاں بھی ترک نہ کیا۔ یہ حسن کسی حال میں بھی ترک آرائش نہیں کرتا۔ دیکھ لو چشم یعقوب کی سفیدی (آنکھوں کا نور) قید خانے کی دیوانوں پر آرائش کے لئے پھرتی تھی۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی آنکھوں کا نور قید خانے میں حضرت یوسف کو تلاش کرتا تھا۔ کیونکہ وہ حضرت یوسف کے فراق میں روتے روتے اندھے ہو گئے تھے۔ گویا ان کی آنکھوں کا نور آنکھوں سے نکل کر دیوار زنداں پر آگیا تھا۔

۳۔ لام الف یعنی لا بمعنی فنا، شاعر نے الف بے کے بدلے یہ حرف انتخاب کئے ہیں۔ جن سے شعر کا مرتبہ بلند ہو گیا ہے۔ میں اس زمانہ سے سبق بخجندی میں فنا ہوں، جبکہ مجنوں عام بچوں کی طرح مدرسے کی دیوانوں پر لام الف لکھتا پھرتا تھا۔ گویا اس کو ان حروف کے معنی بھی معلوم نہ تھے۔ لیکن میں اس وقت درس بخجندی میں فنا ہو چکا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مجنوں کے آگے کا بچہ ہے۔

۴۔ اگر میرے پارہ ہائے دل نمک لگانے پر راضی ہو جاتے تو مجھے مرہم تلاش کرنے میں مطلق تشویش نہ ہوتی۔ مطلب یہ ہے۔ نمک سے زخموں کو

مکلیف ہوتی ہے لہذا وہ عشاق کو مرغوب ہے اس کے علاوہ عاشق تصادق کے لئے مریم تلاش کرنا باعث عار ہے (جہود - معیہ - آسمی)

طباطبائی: (۱) پارہ ہائے دل کو نمک چھڑکنے سے وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ باہم نزاع کرتے ہیں۔ اس سبب سے میں چاہتا ہوں کہ بلا سے میں مریم لگا لوں اور ان سب کو اس لذت سے محروم کر دوں (۲) ہم خیال -

۵ - طومار .. دفتر + پشت چشم .. کنایہ از غمرہ و انماض چشم پوشی + اقلیم .. دیار -

دیار الفت میں کوئی دفتر ناز ایسا نہیں ملے گا۔ جس کے عنوان پر معشوق کے غمرہ و انماض کی مہر ثبت نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ادھر دل لیتے ہیں ادھر آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ لفظ عنوان سے ظاہر ہے کہ ابتدا ہی میں ایسی فریب کاری روا رکھی جاتی ہے -

۶ - مجھے آسمان پر ابرو شفق آلودہ دیکھ کر ایک بات یاد آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں محبوب سے جدا تھا تو یہی ابرو شفق آلودہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تیری فرقت میں آسمان سے گلستان پر آگ برستی تھی -

۷ - خیال یہ ہے کہ قیامت کے دن مردے اٹھیں گے۔ فرماتے ہیں روز قیامت تیرے شہیدوں میں سوائے ہر وہ شوق ناز کے اور باقی ہی کیا رہا ہوگا۔ جو قیامت انہیں دوبارہ زندہ کر دے گی۔ ان کے لئے تو قیامت ایک تیز و تند ہوا ہے جو خاک شہیداں کو اور زیادہ پریشان کر دے گی۔ خاک شہیداں کو زیادہ پریشان کرنے کا مضمون صاف ہے۔ کیونکہ ان کی خاک پھلے ہی سے شوق ناز میں اڑتی پھرتی ہے۔

۸ - اپنے دل سے کہتے ہیں اگرناصح نے زیادتی کی ہے تو اس سے نہ لڑے۔

”ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبان پر۔“ اس کو پھاڑ ڈالیں گے۔ کیا گریبان پھاڑنے سے تسکین نہ ہوگی؟ ناصح کی شدت کا بدلہ کس طور پر اؤ کس انداز سے لینا چاہتے ہیں اور اس میں مجبوری اور بے بسی کا کیا عہد پہلو نکالے۔ خوب شعر ہے۔

۶۲ ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشانی اور ۱ کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے کہاں اور
یار بدم نہ گنجے ہیں نہ بچیں گے مری بات ۲ سے اور دل ان کو جند سے مجھ کو زبان اور
امرو سے ہے کیا اس نگر ناز کو پیوند ۳ ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور
تم شہیں ہو تو میں کیا غم جب اٹھیں گے ۴ لے آئیں گے بازار سے جا کر دل جاں اور
ہر چند بسکہ دست ہوئے بہت شکنی میں ۵ ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور
ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا ۶ ہوتے جو کئی دیدہ خوبا بہ فشاں اور
مرا تا ہوں اس آواز پہ ہر چند سراٹھ جائے ۷ جلد سے لیکن دھکے جائیں کہ ہاں اور
لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا ۸ ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور
لیتا نہ اگر دل تم میں دیتا کوئی دم میں ۹ کرتا جو نہ مرنے کوئی دن آہ و فغاں اور
پالتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے ۱۰ رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے بھلاں اور
ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

۱۔ چونکہ ہر اشارے میں ایک نئی بات پائی جاتی ہے اس لئے اگر وہ حقیقتاً
محبت بھی کہتے ہیں تو ہم کو یقین نہیں آتا۔ ہم سہی سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ فریب ہے۔
حسرت: یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اظہار محبت اس لئے کرتے ہیں کہ ہماری فریفتگی
اور عشق کا حال دریافت کر لیں۔ جب ان کو ہمارے عشق کا یقین ہو جائیگا تو محبت کی بجائے

ناز مشوقانہ شروع کر دیں گے۔

۲۔ وہ میری بات نہ اب تک سمجھ میں اور نہ آئندہ امید ہے کہ سمجھیں گے۔
اے خدا اگر تو میری زبان کو ایسی قوت بیان نہیں دیتا جو انہیں اپنا مدعا سمجھا سکوں تو انہیں کو ایسا دل عنایت کر دے کہ میرا مطلب سمجھ جائیں۔
(سعید۔ آہی)

طبا طبائی۔ سرخود: سوال و حل میں کھل کر نہیں کر سکتا اور وہ سادہ
ولی سے بغیر صاف صاف کے سمجھ نہیں سکتے (اس لئے دعا مانگتے ہیں۔
حالی: میرزا صاحب نے درودہ ان لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو
ان کے کلام کو بے معنی یا بعید العلم کہا کرتے تھے۔

۳۔ پوند۔ علاقہ۔ تعلق۔ جوڑ۔ مقرر۔ یقیناً + مقرر۔ قرار دیا گیا۔
نگہ ناز کو تیر قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کمان ابرو کو نگاہ ناز سے کوئی علاقہ
نہیں ہے۔ نگاہ ناز تیر کو ضرور ہے۔ مگر اس کی کمان ابرو نہیں۔ بلکہ اس کی کمان
کچھ اور ہی ہے۔

طبا طبائی۔ سعید اور آہی کہتے ہیں کہ یہ حسن کی کمان ہے۔ سرخود لکھتے
ہیں۔ یہ نگاہ ناز کا تیر ولی ارادہ کی کمان سے نشانے پر لگا کرتا ہے۔ اسی لئے
اس کے زخم مختلف صورتوں کے ہوا کرتے ہیں۔ کہیں وہ خوشی کا پہلو اختیار
کر کے عاشق کو تڑپاتا ہے کہیں غصہ کے پیکان سے قتل کرتا ہے۔ حسرت کا
خیال ہے کہ یہ کمال دلربائی ہے کہ مثل کمان قضا اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔
۴۔ جب تک تم شہر میں موجود ہو۔ ہمیں دل و جان کا کچھ غم نہیں۔ اگر تم ہمارا
دل چھین لو گے اور جان لے لو گے تو ہم باز اسے دل و جان اور خرید لیں گے۔
تمہارے عہد میں دلفروشی اور جاں فروشی کا بازار گرم ہے، کیونکہ ہر شخص

دل و جان سے تنگ ہے۔ اس لئے وہ بہت کستے دامن ہمارے ہاتھ دل و جان بچ ڈالے گا۔

۵۔ سبکدست .. مشاق + ہم .. ہماری ذات یا ہستی۔
 عالی: اس شعر میں سارا زور ”ہم“ کے لفظ پر ہے۔ یعنی جب تک کہ ہماری ہستی باقی ہے۔ اس وقت تک راہ معرفت الہی میں ایک اور سنگ گراں سدراہ ہے پس اگر ہم نے بُت توڑنے میں سبکدستی حاصل کی ہے تو کیا فائدہ۔ یہ برہما بھاری بُت یعنی ہماری ہستی تو ابھی موجود ہے۔

۶۔ اس وقت میرا خون جوش مار رہا ہے۔ اے کاش میری ہسٹ سی آنکھیں ہر عین تو میں خوب دل کھول کر رو لیتا اور حسبِ حسرتِ خونابہ فشانی کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ خونابہ فشانی اور خونِ جگر کا جوش کھنڈا کرنے کے لئے دوا آنکھیں کافی نہیں ہے

نہ کہہ کہ گریہ بہ اندازِ حسرتِ دل ہے مری نظریں ہے سب جمع خراجِ دیر کا
 ۷۔ ہر چند کہ میرا دل ہی کیوں نہ اڑ جائے لیکن مجھے مطلق پروا نہیں، میں تو اس آواز پر مرتا ہوں کہ وہ جلا دے بار بار کہتا ہے، ”ہاں اور دار کر“ ہاں ایک اور ہاتھ مار۔

۸۔ میرے سینے میں بہت سے داغ ہیں۔ میں ان داغوں میں سے ایک داغِ نعل کو ہر روز لوگوں کو دکھا دیتا ہوں اور وہ دھوکے سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آفتابِ عالیا ہے، جو ہر روز اُفقِ مشرق سے طلوع ہوتا ہے

مرا سینہ ہے مشرقِ آفتابِ شام کا طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا
 ۹۔ غالب: یہ بہت لطیف تقریر ہے۔ لیتا اور بٹ ہے چین سے، کراہو

سے آہ و فغاں سے، عربی میں تعقید لفظی اور معنوی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی میں

تعمید معنوی غیب اور تعمید لفظی جائز ہے۔ بلکہ صصح و یلیغ ہے۔ ریختہ تقلید سے فارسی کی۔ حاصل معنی مصرعین یہ ہے کہ اگر دل تمہیں نہ دیتا تو کوئی دم نہیں لیتا اور اگر نہ مرنے تو کوئی دن اور آہ و فغاں کرتا۔

۱۰۔ حالی : نالے یعنی ندی نالے، نہ آہ و نالہ، مثال کس قدر مثل لڑکے مطابق ہے اور مضمون کتنا مطابق واقع ہے۔ فی الحقیقت مصیبت اور رنج و تکلیف کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت رکتی ہے۔ اسی قدر راہ و بچا ہے۔ خصوصاً جو مضمون اس وقت وہ اپنے حسبِ حال لکھتا ہے وہ نہایت مؤثر اور درد انگیز ہوتا ہے۔

۱۱۔ ویسے تو دنیا میں اور بھی شاعر بہت اچھے اچھے ہیں، لیکن یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ غالب کا انداز میان سب سے الگ ہے۔

۶۳

صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگ آخر ۱ تعمیر آبِ برجاماندہ کا پائے رنگ آخر
نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر و حشت کی ۲ ہوا جامِ زمر و بھی مجھے دیرِ پلنگ آخر
۱۔ آبِ برجاماندہ ۰۰ پانی جو ایک جگہ پر ٹھہر جاتا ہے، آئینہ کو پانی سے اور پانی کی کائی کو رنگ، آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔

پانی جو ایک جگہ ٹھہرا ہے، اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے اور اس پر کائی جم جاتی ہے۔ اسی طرح آئینے کی صفائے حیرت ہی سے آئینے میں رنگ پسند ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ لوگ بھی تنہا حال ہوتے ہیں، جن کا آئینہ دل صاف ہوتا ہے اور ان کی روانی رنگ جاتی ہے۔

۲۔ سامانِ عیش و جاہ سے میری وحشت مزاجی کا علاج نہ ہو سکا۔ بلکہ جامِ زمر میں بھی میرے لئے دیرِ پلنگ بن گیا۔ جس سے میری وحشت

میں مزید اضافہ ہوا۔ جامِ زمردین سامانِ عیش ہے اور درخِ پشتِ پلنگ سببِ وحشت و پریشانی۔

۶۴

جنوں کی دستگیری کس سے ہو، گرہِ نہِ عربانی ۱
گریبان چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
برنگ کا غذا آتشِ ندہ نیرنگِ بیتابی ۲
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یکِ تمیدی
فلک سے ہم کو عیشِ رفت کا کیا کیا اضافہ ہے ۳
منازعِ ہمد کو مجھے ہوئے ہیں قرضِ ہمد
ہم اور وہ بے سببِ پنجِ اشادِ شکر کھٹے ۴
شعلہِ ہمد سے تھمتِ نگر کی چشمِ ہمد
خدا کو سوئے گر مشتاق ہے اپنی حقیقت پر ۵
خروغِ طالعِ فاشاک ہے موقوفِ گلشن پر
اسدِ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کتا ہے

تو مشقِ نازِ کر خونِ دو عالم میری گردن پر

۱۔ گریبان چاک .. اضافہٴ مقلوب، یعنی چاکِ گریبان۔ پھٹا ہوا
گریبان + حق .. احسان +

عربانی جنوں کی علامت اور اس کی مددگار ہے۔ اس لئے پھٹے ہوئے
گریبان کا میری گردن پر احسان ہو گیا ہے کیونکہ اسی نے مجھے عربان کیا ہے اور
عربان کر کے میرے جنوں کی دستگیری کی ہے۔ دینہ جنوں کیسے ظاہر ہوتا۔ (آئینہ)
سجید۔ بیخود

حسرت و طباہی گریبان کو منادی سمجھے ہیں۔ یعنی اسے گریبان
چونکہ تو نے عربان کر کے میرے جنوں کی دستگیری کی ہے۔ اس لئے چاک
کا میری گردن پر حق ہو گیا ہے۔

۲۔ برنگ .. مثل + نیرنگ .. شعبہ + بال .. تمیدی .. تہ پناہ
میرا شعبہٴ بیتابی کا غذا آتشِ ندہ کی طرح یک بالِ تمیدی پر ہزار آئینہ

باندھتا ہے۔ یعنی جس طرح جلتے ہوئے کاغذ میں سید نکڑوں، نقاط روشن نمودار ہو جلتے ہیں۔ اسی طرح شعبہ بیتابی نے ہزاروں آئینے میرے دل پر باندھ دیئے ہیں، جو ایک چمک کے ساتھ چمکنے لگتے ہیں۔ گویا بال یک تمیذ کو کاغذ آتش زدہ سے اور اس کے روشن نقطہ کو ہزاروں سے تعبیر کیا ہے (صورت بیخود۔ آنسی)

طیبا طبائی: نیزنگ بیتابی مثل کاغذ آتش زدہ ہے کہ دل نے ایک بال تمیذ پر ہزار ہزار آئینے باندھے ہیں۔ اس شعر میں آئینہ متحرک کی تڑپ کو اس شعبہ تشبیہ دی ہے جو کاغذ آتش زدہ سے بلند ہو۔

سعید نے سیداشمی کی یہ شرح رسالہ اردو سے نقل کی ہے۔ یہاں باندھنے سے مراد طحار میں باندھنا یا امید دلانا ہے۔ کاغذ آتش زدہ میں سکرٹنے اور سٹھنے کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے بیتابی کو تشبیہ دی ہے اور ایسے کاغذ میں جو روشن نقطے نمودار ہو جلتے ہیں ان کی مناسبت سے ہزار آئینہ کا لفظ کہا ہے۔ مگر ان تکلفات کے پردوں میں مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف و بے قراری میں اگر کوئی شے موجب تسکین ہو سکتی ہے تو وہ تڑپنا اور لوٹنا ہے۔

۳۔ عیش رفتہ .. زمانہ مراضی کا عیش + متاع بردہ .. لوٹنا ہموال۔ حالی: یہ مضمون بالکل توقعیات میں سے ہے۔ جو لوگ آسودگی کے بعد مغلس ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے تئیں مظلوم و ستم رسیدہ و فلک زدہ سمجھا کرتے ہیں اور آخر دم تک اس بات کے متوقع رہتے ہیں کہ ضرور کسی نہ کسی ہمارا انصاف ہو گا اور ہمارا اقبال بھر عود کرے ایسا (یا دو کار غائب) حاصل یہ ہے کہ انقلاب آسمانی سے جو زمانہ عیش جانا رہے پھر اس کے

واپس آنے کی امید فغصول ہے۔ اس لئے آسمان سے اس کی بار بار درخواست کرنا ایسا ہی ہے جیسے لٹے ہوئے مال و متاع کو رہزون بر قرص خیال کر لینا اور اس کی واپسی کی امید رکھنا۔ بھلا رہزون کہیں مال واپس کیا کرتا ہے۔
 ہم بے سبب رنج .. بلا وجہ رنجیدہ ہونے والا + آشنا دشمن .. دوستوں کا دشمن۔

ہمارا ایسے محبوب سے پالا پڑا ہے جو بلا وجہ رنجیدہ ہونے والا ہے اور انہی کا دشمن ہے جو اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ نیز وہ ایسا بدگمان ہے کہ سو سوچ کی کرن جو وزن دیواریں سے آتی ہے اسے تباہ نظر سمجھ کر حسرتِ زندن پر جھانکنے کی تمت لگاتا ہے (حسرت، سعید)

طباطباتی - آسی - بخود: وزن میں جو شعلہ آتی ہے، اُسے دیکھ کر مجھ سے لڑتا ہے کہ یہ تیری لگاؤ تھی۔ تو جھانکا ہوگا۔

۵۔ فردرغ طالع .. خوش قسمتی + خاشاک .. گھاس۔ پھوس + گلخن .. بھاڑ بھٹی۔

اگر تو اپنی حقیقت کو دیکھنے کا مشتاق ہے تو فنا ہو جا کیونکہ گھاس پھوس کا نصیبہ اسی وقت چمکتا ہے جب اُسے بھاڑ میں ڈالا جاتا ہے (جب گھاس پھوس جلتی ہے تو شعلہ اُٹھتا ہے اور وہی اس کا فردرغ طالع ہے) مطلب یہ ہے کہ فنا فی اللہ ہو کر انوارِ معرفت حاصل کر۔ بغیر فنا ہوئے یہ مرتبہ نہیں مل سکتا۔

۶۔ اسد بھی عجیب قسم کا بسل ہے۔ وہ قاتل سے کتا ہے کہ تو مشقِ ناز جاری رکھ اور غرنِ نافع کے خوف سے مشقِ ناز ترک مت کر۔ اگر تجھے یہ خوف ہے تو غرنِ دو عالم ہم اپنی گردن پر لیتے ہیں۔ اب تو کوئی خوف کی بات نہیں رہی روزِ قیامت تجھ سے باز پرس ہوگی، نہ یہاں کوئی تیرے خلاف غرن کا دعویٰ کرے گا۔

کیونکہ دونوں جہان کی ذمہ داری ہم نے اپنے سر لے لی ہے۔

۴۵

شکر مصلحت سے ہوں کہ خویاں تجھے پہ عشق ہیں ۱ خلعت بر طرف مل جائیگا تجھ سارقیب آخر
خویاں .. حسین + تجھ سارقیب .. وہ حسین جو تجھ پر عاشق ہو۔
میں جو تیرے ظلم اٹھاتا ہوں تو اُس میں بھی ایک مصلحت ہے اور وہ
یہ ہے کہ تجھ پر بہت سے حسین عاشق ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے مجھے کوئی
تجھ جیسا خوبصورت رقیب مل جائے اور میں اس سے دل لگا لوں۔

۴۶

لازم تھا کہ دیکھو مرا دتا کوئی دن اور ۱ تنہا لگے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور
مٹ جائیگا سر گر تیرا پتھر نہ گھسے گا ۲ ہوں وہ تیرے ناصیب فرسا کوئی دن اور
آئے ہوکل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں ۳ مانا کہ ہمیشہ نہیں، اچھا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو پہنچے ۴ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ہاں اے فلک پیر جہاں تھا بھی عارف ۵ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
نہ ماہ شب چار دہم تھے مرے گھر کے ۶ پھر گہوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور
تم کون سے ایسے تھے تھے داد و ستد کے ۷ کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مجھ سے تمہیں نفرت سہی تیرے لڑائی ۸ بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش ۹ کرنا تھا جو امر گ گزرا کوئی دن اور
ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تماشا کوئی دن اور

۱۔ یہ غزل بطور مرثیہ لکھی ہے۔ زمین العابدین خاں عارف مرزا صاحب
کے سالے تھے اور انہیں بہت عزیز تھے۔ جب انہوں نے عین شباب میں انتقال

کیا تو مرزا صاحب کو سخت صدمہ ہوا۔ اسی غم کا ان اشعار دو خیز میں اظہار کیا۔
 عارف! تم کو چاہئے تھا کہ میرے ساتھ جلتے اور میری روانگی (موت) کا
 انتظار کرتے۔ تم نے جلنے میں اس قدر جلدی کی۔ لہذا اب تم دوسری دنیا میں تنہا
 رہو۔ نہ تم تنہا جلتے نہ وہاں تمہیں تنہا ہٹا ڈالتا۔ اپنے سے پہلے مرجانے پر
 تادیب اور تاسف کا ایک نیا ڈھنگ نکال ہے۔

۲۔ ناصیہ فرسا.. ماتھا گزرنے والا۔ سرنگرانا بہتھرا اور درد سے
 مراد سنگ مزار اور قبر ہے۔

میری ناصیہ فرسانی اور سرنگرانا تیرے مزار پر چند دن اوجھٹا ہوا تھا
 دلوں میں یا تو تیرا سنگ مزار کھس جائیگا یا ناصیہ فرسانی سے میرا سر ہی باقی نہ رہیگا۔
 ۳۔ ابھی کل کی بات ہے کہ تم اس دنیا میں آئے ہو اور آج کہتے ہو کہ تم
 جانا ہوں۔ یہ بات ہم منتقریں کہ جانا ضرور ہے اور تم یہاں ہمیشہ نہیں رہ سکتے،
 لیکن کچھ دن تو اور ٹھہرتے، حاصل یہ کہ مرنے کی ایسی کیا جلدی ہے۔

۴۔ تم (ذیل سے) رخصت ہوتے ہوئے کہتے ہو کہ اب ہم قیامت کے
 دن میں گئے، بہت خوب، کیا قیامت کا کوئی اور دن ہوگا۔ ہمارے لئے
 تمہاری دوا می جلدی سے آج ہی قیامت کا دن ہے۔

۵۔ آسمان سے شکایت کرتے ہیں، اے ملک پیر عارف! یہی جوان
 اور اس نے بارخ جہاں میں آکر کچھ بھی نہ دیکھا۔ اگر وہ کوئی دن اور نہ مرتا تو تیرا
 کیا بگڑ جاتا۔ الفاظ بہت مناسب اور درد انگیز ہیں۔

۶۔ ماہ شب چار دم.. چودھویں رات کا چاند ماہ کامل۔

اے عارف! تم میرے گھر کے چودھویں کے چاند تھے اور چودھویں کے چاند کا
 قاعدہ یہ ہے کہ وہ تھوڑا تھوڑا ٹھٹ ٹھٹ کر غائب ہوتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے

کہ تم ماہ چار دم ہوتے ہوئے ایک دم چھپ گئے اور میرے گھر کا وہ نقشہ
(روحی) کوئی دن اور کیوں نہ قائم رہا۔

۷۔ داد و مستد .. لیکن دین ۔

تم لیکن دین کے ایسے کہاں کے کھرے تھے کہ تم نے ملک الموت
کے ایک ہی تقاضے میں جان دے دی۔ کچھ دن اسے اور تقاضا کرنے
دیتے۔ یعنی کچھ دنوں اور جیتے۔

۸۔ نیر .. نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر غالب کے عزیز شاگرد تھے۔
میں مانتا ہوں کہ مجھ سے تمہیں نفرت تھی اور نیر سے تمہاری لڑائی تھی۔
بھلا بچوں نے کیا قصور کیا تھا۔ ان کی بہا میں تو کچھ دنوں اور دیکھی ہوتیں۔
آسمی اور سجدہ لکھتے ہیں کہ مرزا کو نیر سے بہت محبت تھی اور وہ عارف
کو گوارا نہیں تھی۔ ممکن ہے اس معاملہ پر نیر و عارف میں کچھ باہم جھٹک ہو
اور یہاں اس کی طرف اشارہ ہو۔

۹۔ اتنی عمر آخر تم نے رنج و راحت سے گزار ہی دی۔ اے جوانمرد اسی
صورت سے کچھ دن اور گزار لیتے۔

۱۰۔ تم لوگ نادان ہو جو یہ کہتے ہو کہ عارف کی جوان موت کے بعد اے غالب تم
کیوں زندہ ہو۔ یعنی مر کیوں نہ گئے۔ میرا جواب یہ ہے: ”میں اس لئے نہیں مرنے کی میری
فصاحت میں ابھی چند دن مرنے کی تباہی اور لکھی ہے۔ پھر مردوں کی زندگی“

]

۶۷

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح ہر ۱ ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

ہے نازِ مفلسانِ زرا از دستِ رفتہ پر ۲ ہوں گلفروزشِ شوخیِ درخ کن ہنوز
 میخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں ۳ خمیازہ کھینچے ہے بُتِ بیدارِ فن ہنوز
 ۱۔ جیبِ کفن کو صبح اور دارِ عشق کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے یہ نہ کہ
 کہ مرنے کے بعد میں غمِ عشق سے فارغ ہو گیا ہوں۔ مجھے مرنے کے بعد بھی غمِ عشق
 سے فراغت نہیں بلکہ کسبِ مر کے مانند دارِ عشق میری جیبِ کفن کی زینت کا
 باعث میں۔ مطلب یہ ہے کہ دارِ عشق میری جیبِ کفن پر اسی صورت سے چلتا ہے
 جیسے چاکِ گریبانِ صبح میں آفتاب روشن ہوتا ہے۔

طبا طبائی کی تشریح قابلِ خود ہے :- صبح استعارہ ہے شب کے گزر جانے
 سے اور جیبِ کفن کو بھی گریبانِ صبح سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ مطلب یہی ہے
 کہ مرنے پر بھی میں عشق سے خالی نہیں ہوں۔

۲۔ زرا از دستِ رفتہ .. وہ شخص جو اپنی دولت کھو بیٹھا ہو۔
 جیسے ایک مفلس اپنی کھوئی ہوئی دولت پر ناز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ
 کبھی میں اس قدر دارِ الہال اور امیر تھا۔ اسی طرح میں بھی اپنے داغوائے کس
 کو یاد کو کے ناز کیا کرتا ہوں (حسرت۔ یخود۔ سجد)

سجد : جس طریقے سے ایک مفلس اپنی گئی ہوئی دولت پر اور گلفروزشِ اپنے
 چمکے ہوئے پھولوں پر ناز کرتا ہے۔ اسی طرح میں اپنے دارِ کس پر ناز کرتا ہوں۔
 طبا طبائی : درخِ عشق اب نہیں ہے تو میں اس کا تذکرہ ہی کیا کرتا ہوں
 دارِ کواشرفی سے اور زوالِ عشق کو دولتِ از دستِ رفتہ سے تشبیہ
 دی ہے۔

۳۔ خاک بھی نہیں .. خون کا ایک قطرہ بھی نہیں + خمیازہ کھینچے
 ہے .. انگڑائیاں لیتا ہے۔ یعنی اور شراب طلب کرتا ہے۔

میرے مے خانہ جگر میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا۔ خاک اڑ رہی ہے۔ لیکن وہ بُت بیدار اگر اب تک انگڑائیاں لے رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اسے اور خون پینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا نشہ پورا نہیں ہوا۔ بُت بیدار دفن اس لئے کہا ہے کہ بجائے شراب کے خون پیتا ہے۔

۶۸

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز ۱ دعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دواز نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نور و ہم وجود ۲ ہنوز تیرے تصور میں نشیب و فراز وصالِ جلوہ تماشائے پردارِ کہاں ۳ کہ دیبچے آئینہ انتظار کو پرواز ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتابِ ستر ۴ گئی نہ خاک ہوئے پر ہوئے جلوہ نماز نہ پوچھ دوستِ میخانہ جنوں غالب جہاں یہ کاسہ گر دوں ہے ایک خاک انداز

۱۔ حریف .. دوست + فسونِ نیاز .. عجز و نیاز کا جادو، منتر + عالی: ایک نئی شوخی ہے جو شاید کسی کو نہ سوجھی ہوگی۔ کتا ہے کہ کسی مشکل مقصد کے حل ہونے میں تو عجز و نیاز کا منتر کچھ کام نہیں دیتا۔ لاجاً اب یہی دعا مانگیں گے کہ الٹی خضریٰ عمر دراز ہو۔ یعنی ایسی چیز طلب کریں گے جو پہلے ہی دی جا چکی ہو۔

۲۔ ہرزہ .. بیہودگی + وجود .. مسئلہ وحدت الوجود + ہم .. خیال + نشیب و فراز .. بلند و پست۔ مراد ناقص۔

وہم وجود کے بیاباں میں تو بیکار ٹھو کریں نہ کھا، ابھی تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں۔ یعنی ہنوز تیرا تصور ناقص ہے اس لئے وہ تیرے خیال میں نہیں آسکتا (سجید)

حسرت : بہرہ یعنی بیکار تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں۔ یعنی تیرا تصور نامٹام اور ناقص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت الوجود کا عقیدہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ وجودِ اشیا کے متعلق تمام ادوام سے نجات حاصل ہو۔

طباطبائی : وجود سے وجود ماسوی اللہ مراد ہے اور نشیب و فراز کا یہی سبب ہے کہ تو وجود کے لئے مراتب سمجھے ہوئے ہے جس کا مرتبہ اعلیٰ و خوب ہے اور مرتبہ ادنیٰ امکان ہے اور امکان میں بھی قیام بذات و قیام بغیر وجود عرض کے لئے وجود میں پستی و بلندی رکھتا ہے۔ یعنی جاؤ مستقیم یہ ہے کہ ہر شے کا موجود ہو جو سمجھ اور وجود کے لئے اقسام نہ نکال کہ یہ راستہ بھیڑ کا ہے۔

بیخود : وجود ماسوی اللہ میں تو بیکار ٹھو کریں کیوں کھانا پھرتا ہے۔ معلوم ہوا ابھی تک تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ابھی تک تیرا تصور نامٹام اور ناقص ہے۔

آنتی : صوفیہ وغیرہ پر طنز ہے۔ مطلب یہ کہ تو اپنے دہم میں وحدت وجود یعنی توحید و عرفان کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے اور اس میں تو نے مراتب مقہور کئے ہیں کہ پہلے فنا فی الشیخ ہو۔ پھر فنا فی الرسول، پھر فنا فی اللہ و دیگر مقالات کا خیال اگر تیرے دل میں ہے اور تو ان خیالات میں محو ہے تو اس راستے کا طے کرنا ایک فضول اور بیہودہ کام ہے۔ اس صورت سے تو ہرگز منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا دہم تو نے ماسوی اللہ کا کچھ وجود سمجھ رکھا ہے۔ اسی دہم کے جھل کو تیرا خیال ظاہر کر رہا ہے اور باوجود اس کے سینکڑوں انقلاب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ مگر پھر بھی تیری نظر میں نشیب و فراز کی وقعت ہے حالانکہ وجود ماسوی اللہ اور نشیب و فراز کچھ چیز نہیں ہیں۔

اور یہ محض تیرا وہم ہی وہم ہے۔

مولوی صدیقی صاحب الرسالہ اردو: تو وجود ما سوائے اللہ کے وہم میں مت پڑ۔ جب تک تو یہ سمجھتا رہے گا کہ وجود کی فہمیں اور مراتب میں مثلاً وجود اور امکان وغیرہ تو اس وقت تک تیرا خیال ناقص اور نامکمل رہے گا۔ حاصل یہ ہے کہ ایک ہستی واجب کے سوا دوسری ہستی نہ سمجھ (مسجد)

۳۔ جلوہ تماشا .. جلوہ حسن کا تماشا دکھانے والا ہے + دماغ .. طاقت۔ برداشت + پرواز .. آرائش۔ جلال۔ صیقل۔

یہ بات ہم مانتے ہیں کہ وصال یا جلوہ حسن کا تماشا دکھا دیتا ہے یعنی انتظار کے بعد جلوہ وصل ممکن ہے۔ لیکن یہ طاقت کس میں ہے کہ بیشا آئندہ انتظار کو صیقل کیا کرے۔ بالفاظ دیگر انتظار یا کیا کرے۔

۴۔ خاک ہوئے پر .. یعنی مرکز + ہوئے جلوہ .. آرزوئے جلوہ۔ مرنے کے بعد بھی عاشق کی آرزوئے جلوہ ناز فنا نہیں ہوئی۔ دیکھ لو اس کی خاک کا ہر ذرہ آفتاب پرست ہے۔ ذرات آفتاب کی روشنی میں چمکتے ہیں۔ ان کی جگہ ہی سے یہ لطیف مضمون سوچا ہے۔

۵۔ خاک انداز .. وہ برتن جس میں کوڑا کرکٹ ڈالتے ہیں میخانہ جنوں۔ یعنی صحرائے جنوں۔

صحرائے جنوں کی وسعت دریافت نہ کرو۔ یہ سمجھ لو کہ وہاں کاسے گردوں کوڑا کرکٹ پھینکنے کا ایک برتن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحرائے جنوں آسمان سے بے اندازہ بڑا ہے گویا آسمان اس کے مقابلہ میں ایک خاک انداز ہے۔

وسعت معنی کرم دیکھ کہ ستراسر خاک ۱ گزرے ہے آبلہ پا ابرگر بار ہنوز

ایک قلم کاغذ آتش زدہ ہے صفحہ دشت ۲ نقش پائیں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز
۱۔ گرم .. سخاوت + سرتا سر خاک .. تمام روئے زمین پر۔

ذرا ابر کرم کی کوشش کرم کی وسعت دیکھ کر وہ باوجود آبلہ پائی کے
تمام روئے زمین پر گہر باری کرتا ہوا گزرتا ہے۔ قطرات باران کی وجہ سے
ابر کو آبلہ پاکہ ہے بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ سخی کرم میں ابر کے پاؤں میں چلے
پڑ گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ سخاوت میں کمی نہیں کرتا۔ حاصل شعریہ ہے کہ
کرم سخاوت کرنے میں تکلیف کا احساس نہیں کرتا۔

۲۔ ایک قلم .. یکسر۔ سر بسر + قلم، کاغذ، صفحہ الفاظ وغیرہ
مناسب الفاظ ہیں۔

میری گرمی رفتار کی تپش میرے نقش پائیں ابھی تک اتنی زیادہ باقی
ہے کہ اس کے اثر سے تمام صفحہ دشت کاغذ آتش زدہ کی طرح جل رہا
ہے اور بیچ و تاب کھا رہا ہے۔

۷۰

کیونکہ اس بُت سے رکھوں جان عزیز ۱ کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
دل سے نکلا پر نہ لکلا دل سے ۲ ہے تیرے تیر کا پیکان عزیز
تاب لائے ہی بنے گی غالب ۳ واقعہ سخت ہے اور جان عزیز
۱۔ حالی : اس کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ اگر اس سے جان عزیز رکھوں

تو وہ ایمان لے لیگا۔ اس لئے جان کو عزیز نہیں رکھتا (ایمان کو عزیز رکھتا
ہوں) اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اُس بُت پر جان قربان کرنا عین ایمان
ہے تو پھر اس سے جان کیونکہ عزیز رکھی جاسکتی ہے :

۲۔ اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ تیرے تیر کا پیکان میرے دل سے بھل گیا،

لیکن وہ درحقیقت وہ میرے دل سے نہیں نکلا۔ یعنی اس کی محبت ابھی تک دل میں باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تیرے تیر کا پیکان مجھے بہت ہی عزیز ہے۔

۳۔ تاب لائے ہی بنے گی۔ صبر کرنا ہی پڑے گا۔

غالب اب تو صبر کرنا ہی پڑیگا۔ کیونکہ واقعہ بہت سخت ہے اور اس کی سختی کا تقاضا یہ ہے کہ جان دے دی جائے۔ مگر کیا کیا جائے کہ جان بھی پیار ہے۔ اس لئے اس حادثہ کو برداشت ہی کرنا پڑیگا۔

۷۱

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز ۱ میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تو اور آراشِ شبنم کا گل ۲ میں اور اندیشہِ بے دور و ساز
لافِ تمکین، فریبِ سادہ دلی ۳ ہم ہیں اور رازِ بے سینہ گداز
ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد ۴ در نہ باقی ہے طاقتِ پرواز
وہ بھی دن ہو کہ اس منہ نگہ سے ۵ نازِ کھینچوں بجائے حسرتِ ناز
نہیں دل میں مرے وہ قطرہٴ نو ۶ جس سے مڑگاں ہوئی نہ ہو گلیا
اے ترا غمِ یک قلمِ انگیز ۷ اے ترا ظلمِ سرِ بسرا انداز
تو ہوا جلوہ گرِ مبارک ہو ۸ ریزشِ سجدہٴ جبینِ نیاز
مجھ کو پہچا تو کچھ غضب نہ ہوا ۹ میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا

اے دریغادہ زند شاہد نیاز

۱۔ گلِ نغمہ .. گلہانگ۔

نہ تو میں گلہانگ ہوں اور نہ پردہ ساز ہوں بلکہ میں اپنی شکست کی آواز ہوں۔ جو سراپا درد ہے۔ گویا خوشی کے نغموں سے مجھے کوئی واسطہ

نہیں۔ میری آواز میرے دل کے ٹوٹنے کی آواز ہے۔

۲۔ خیم کا کل .. زلف کا بیج + آرائش .. سنگار + اندیشہ . خیال +
تو تو اپنی زلفیں بنانے سنوارنے میں مصروف ہے اور ادھر میں
دور دراز کے دہموں میں محو ہوں۔ سوال یہ ہے کہ یہ اندیشہ ہائے دور دراز
کیا ہیں۔ حسرت لگھتے ہیں۔ مثلاً یہ اندیشہ ہے کہ تیری آرائش میرے کمالِ محبت
سے بدگمانی کا باعث ہے۔ یعنی تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے گرفتارِ وفارکھنے کے لئے
ہمنواز آرائش ظاہری کی ضرورت باقی ہے۔ حالانکہ میری محبت اس سے مستغنی
طبا طبائی : دیکھئے اب کون کون عاشق ہوتا ہے یا کس کس عاشق کو یہ
بناؤ دکھایا جاتا ہے۔

بیخود : دیکھئے کتنے نئے عاشق پیدا ہوتے ہیں اور کس قدر رقیبوں کا
ہجوم بھج پر ہوتا ہے۔

آسی : یہ آرائش مجھ پر کیا کیا ستم کرے گی۔ یہ آرائش کر کے تو کہاں
جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ لاف .. شیخی + تمکین .. وقار، ضبط + سادہ دلی۔ سادہ لوح
عشق میں تمکین، وقار کی شیخیاں زیب نہیں دیتیں۔ یقیناً یہ ہماری
سادہ لوحی کے فریب ہیں۔ ورنہ عشق میں کب ممکن ہے کہ کوئی صبر و تمکین کے
دعے نبھاسکے۔ ہمارے سینے میں ایسے سینہ گداز باز بھرے ہوئے ہیں۔
جن کا چھبانا ناممکن ہے۔ جب یہ باز ظاہر ہو جائیں گے تو لاف تمکین کہاں
باقی رہے گی (حسرت۔ بیخود۔ سعید)

طبا طبائی : اسے لاف سادہ دلی تیرا وصف تو یہ مشہور ہے کہ تو تمکین
فریب ہے۔ تو کچھ خبر لے کہ میرے دل میں ایسے باز ہیں جو سینہ گداز ہیں۔

یعنی انہیں فاش کروے کہ ان کا بوجھ میرے دل پر سے ہٹ جائے۔
 حاصل یہ ہے کہ سادہ لوحی سے اپنے ضبط و تمکین کی شکایت ہے اور ظاہر
 ہے کہ سادہ لوحی کا مقتضی افشائے راز اور تمکین و وقار کی شان اٹھائے ما
 ہے۔

آئیں: (۱) میرے ہم خیال (۲) ہم خیال طباطبائی (۳) اے لاف تمکین تو نے
 میری سادہ دلی کا فریب کھایا ہے اور اس پر مطمئن ہے کہ ہمارا حال کسی پر کھل
 نہیں سکتا۔ حالانکہ ہمارے سینے کے اندر جو راز ہیں وہ ہرگز چھپ نہیں سکتے۔
 اور وہ سینہ گداز ہیں (۴) ہم کبھی تمکین کی ضخیاں مارتے ہیں اور کبھی اپنی
 سادہ لوحی کا لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ان راز ہائے سینہ گداز
 کا اثر ہے جو ہمارے سینے میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی لوگ
 ہمارے تمکین کی لاف اور ہماری سادہ دلی کے فریب کے وجوہات سے خوب
 واقف ہو گئے ہیں (۵) ہماری تمکین کا دعویٰ لاف اور ہماری سادہ لوحی کا
 ادعا فریب سمجھا گیا ہے اور اس کا سبب راز ہائے سینہ گداز ہیں۔

حکیم احتیاز الدین از رسالہ اردو: کسی جگہ اصفاقت نہیں۔ سادہ دل سے
 یہاں مراد ہے۔ دل کا اثر سے خالی ہونا اور شاعر کہتا ہے کہ ایسے راز ہائے
 سینہ گداز کے ہوتے ہوئے تمکین کا دعویٰ کیا جائے تو وہ بیہودہ ادعا ہے۔
 اور اگر دل کو غیر متاثر سمجھا جائے تو یہ بھی غلطی یاد دھوکا ہے (مسید)

۴۔ میں صیفاً کی محبت میں گرفتار ہوں۔ اس لئے نہیں اڑتا۔ درد مجھ
 میں ابھی طاقت پر واز موجود ہے۔ طباطبائی دیکھو اس سے یہ نتیجہ نکالتے
 ہیں کہ تعلقات و بیانیے اپنا اسیر کر لیا ہے۔ ورنہ چاہیں تو آزاد ہو سکتے ہیں۔
 ۵۔ اب تک میں اس کے ناز اٹھانے کی حسرت اپنے دل میں رکھتا ہوں

خدا وہ دن بھی کرے کہ میں بجائے حسرتِ ناز کے حقیقتاً اس کے ناز اٹھاؤں بھی خدا کرے میری حسرت پوری ہو جائے۔

۶۔ گلبازی .. پھولوں سے کھیلنا۔ گلباز سے مراد مسرور۔ میرے دل میں اب ایسا کوئی خون کا قطرہ باقی نہیں رہا، جس سے میری پلکوں نے گلبازی نہ کی ہو۔ گویا میرے دل کے تمام قطرات خون سے پلکوں نے گلبازی کی ہے یعنی خوشی خوشی ان کو بہا رہا ہے۔

۷۔ انگیز .. انگیزتق سے امر + انداز .. انداختن سے امر۔

اسے کا منادی نازین ہے، یک قلم .. سرا سر۔

اسے نازین تیرا غمزہ سرا سرا انگیز ہے یعنی ایک دم زندہ کر دیتا ہے اور تیرا ظلم سرا سرا انداز ہے یعنی دفعۃً مار ڈالتا ہے گویا تجھ میں زندہ کر دینے اور مار ڈالنے کی تضاد صفتیں موجود ہیں۔

۸۔ ربڑ میں سجدہ .. سجدہ کرنا۔

تو جلوہ افروز ہوا۔ میری جبینِ نیاز کے پے در پے سجدے مبارک ہوں۔ طیباً لبائی۔ سچیدہ بخود)

اسی : تو آگیا۔ اب مجھے تیرے لئے بہت سے سجدے کرنا مبارک ہو۔ ۹۔ ”کچھ غضب نہ ہوا“ کثیر المعنی ہے، مثلاً کوئی بے جا بات نہیں مانی شکایت کا اظہار ہے یا طنز ہے بطور تشکر نہیں کہا۔ اگر تو نے مجھ کو بد چھا تو کچھ

غضب نہ ہوا۔ کیونکہ میں تیری اس مہربانی کا مستحق تھا۔ دُنیا کا قاعدہ۔ سی ہے کہ غریب نواز غریبوں کی خبر گیری کیا کرتے ہیں۔ پس میں غریب ہوں اور تو غریب نواز ہے۔ اس لئے اگر تو نے غریب نوازی کی تو اس میں کوئی ناکامی ہو گیا۔

۱۔ مقام ہوا .. مرگیا + دریغا .. ہائے افسوس + شاہداد ..
 معشوق پرست -
 اسد اللہ خاں مرگیا - ہائے افسوس وہ نہ حسن پرست کیا
 خوب آدمی تھا -

س

۷۲

۱۔ مزہ اسے شوق اسیری کو نظر آتا ہے ۱۔ دام خلیا تھیں مرغ گرفتار کے پاس
 جگر تشنہ آزار تسلی نہ ہو ۲۔ جوئے غلیم نے بہائی بن ہر خار کے پاس
 ۳۔ منہ نہیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ۳۔ خوب قت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس
 ۴۔ میں بھی ملک کے نہ مر تا جو زباں کے بدلے ۴۔ دشت اک تیر سا ہوتا مرے غماز کے پاس
 ۵۔ وہی شیر ہیں جا بیٹھے لیکن اسے دل ۵۔ نہ کھائے جو بچے خوابان دل آزار کے پاس
 ۶۔ دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ موکرتا ہے ۶۔ خود کو پہنچے گل گوشہ دستا کے پاس
 مرگیا پھوڑ کے سر غالب و خشی ہے
 بیٹھنا اس کا وہ آکر ہی دیوار کے پاس

۱۔ پرندے پکٹنے کے لئے جال لگا کر اس کے قریب اس جانور کو بھروسے
 میں بند کر کے رکھ دیتے ہیں، جس کے ہم جنس پرندوں کو جال میں پھنسا کر مقصود
 ہوتا ہے۔ جب بھروسے والا پرندہ بولتا ہے: جنگل میں سے اس کے ہم جنس پرندے
 اس کے قریب آ جاتے ہیں اور آتے ہی جال میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں
 اسے ذوق اسیری تجھ کو مرزدہ ہو کہ تیری آرزو پوری ہوئی، کیونکہ مرغ گرفتار کے

پاس جو قفس میں بند ہے۔ ایک خالی جال بھی نظر آ رہا ہے۔ اب چلو اور اس میں گرفتار ہو جاؤ۔

۲۔ تشنہ آزار .. آزار کا خواہشمند + تسلی نہ ہوا .. اس کی تسلی نہ ہوئی ہے

نہ تسلی ہوا دل بے تاب نہ تھا چشم تر سے خون ناب
میں .. جڑ۔

بارود اس کے کہ ہم نے ہر کانٹے کی جڑ کے پاس ایک خون کی نہریاں نکالی۔
لیکن پھر بھی ہمارے زیادہ دست جگر کی تسلی نہ ہوئی۔
سب متفق ہیں کہ یہ خون کی ندیاں صحرا نوردی میں تلووں میں کانٹے چھنے
سے رواں ہوئیں۔

۳۔ تم اچھے وقت میرے پاس آئے کہ حسرت و دیر بھی پوری نہ ہو سکی تیں
نے تمہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن آنکھیں کھولتے ہی
کھولتے ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں۔ اسی غم کو اس طرح بھی ادا کیا ہے۔
مزدگیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالباً یار لائے مری بالیں پر اُسے پر کس وقت ؟
۴۔ دشنہ .. خنجر۔

غنوار جگے ہر وقت ملامت کرتا ہے۔ طعنہ دیتا ہے اس لئے ہر وقت میری
جان پر ہتی رہتی ہے۔ اگر اس کے پاس زبان طعن کے بدلے ایک تیز خنجر ہوتا تو میں
اس طرح سدک سدک نہ کرتا۔ بلکہ وہ مجھے ایک دم ہلاک کر دیتا ہے۔
آہی : غنوار کو بوجہ غنوار ہونے کے جان دینا پسند کیا ہے۔ مگر نصیحت اور
لامت سننا پسند نہیں اور یہ شان کمال عشق ہے۔

۵۔ دل کو مخی طلب کر کے کہتے ہیں کہ دہن شیر میں جا بیٹھئے یعنی اپنی جانی

سخت ترین خطرے میں ڈال دیجئے اور لقمہ اجل بن جائیے۔ لیکن معشوقِ دل آزار کے پاس جا کر بھی کھڑے نہ ہو جائے یعنی دل لگانے سے مرنا بہتر ہے۔ بیٹھنے اور کھڑے ہونے کا مقابلہ لطف خیر ہے۔
۶۔ نوکرنا.. بڑھنا۔ بالیدگی۔

مجھ کو دیکھ کر چین میں اس قدر بالیدگی ہوتی ہے کہ گل تیرے گوشہ دستا کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کے دیدار سے ہر شے میں دلوں شوق پیدا ہوتا ہے۔

۷۔ ہائے افسوس کہ غائب وحشی سر بھوڑ کر مر گیا۔ اب ہمیں اس کا تیری دیوار کے پاس شوق دیدار میں یا سر بھوڑنے کے لئے آکر بیٹھنا یاد آتا ہے۔ ایک اور جگہ کہا ہے۔

سر بھوڑ نا وہ غالبِ شہریدہِ حال کا یاد آ گیا ہے تری دیوار دیکھ کر



۷۳

مذہب کے گرجن جوہر طراوتِ سبزہٴ خلد سے ۱ لگا دے خانہٴ آئینہ میں شے نگار آتش فروغِ حق سے ہوتی ہے جلِ شعلِ عاشق ۲ نہ نیکے شمع کے پاس سے نکالے گردِ خارا آتش
۱۔ جس جوہر جس جوہر آئینہ یعنی جوہر آئینہ + طراوت.. نمی + نگار محبوب
گردِ خارا آئینہ سبزہٴ خلد سے طراوت حاصل نہ کرے تو یقیناً خانہٴ آئینہ میں یار کے آتشین رخ کے عکس سے آگ لگ جائے مطلب یہ ہے شعلہٴ حق کا اثر سبزہٴ خلد کی نمی کی وجہ سے آئینہ کے جس جوہر کو نہیں جلاتا۔ اگر سبزہٴ خلد کی نمی

نہ ہو تو جس جو ہر جل کر خاک ہو جائے۔

۲۔ شمع کی بٹی کو خار کہا ہے۔ آتش کو فروغ حسن، شمع کو خلد شمع سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس خار کو نکالنے والا شعلہ شمع قرار دیا ہے۔ جب شمع روشن ہوتی ہے تو رشتہ شمع جل جاتا ہے۔ رشتہ شمع پائے شمع میں خار ہے۔ اس کے جلنے سے گویا شمع کے پاؤں میں سے خار نکل جاتا ہے۔ ظاہر ہے خار یا بہت تکلیف ہوتا ہے اس کے نکل جانے سے شمع (عاشق) کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح معشوق کے فروغ حسن سے عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے جو شمع کی طرح جلتا ہے۔

ع

۷۲

جادو رہ نور کو وقت شام ہے تارِ شعاع
چرخ واکر تا ہے ماہ نو سے آغوشِ وداع

جادو رہ .. بیٹیا۔ جس سرزمین پر سے لوگ گزرتے ہیں۔ وہاں قدموں کے اثر سے ایک لکیر پڑ جاتی ہے۔ اسے لکیر بھی کہتے ہیں، خور .. خورشید + تارِ شعاع .. وہ سفید خط جو غروب آفتاب کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے آسمان پر چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اُس کو قرنی الشمس کہا جاتا ہے۔

شام کے وقت جب آفتاب رخصت ہوتا ہے۔ تو تارِ شعاع اس کے لئے جادو رہ (یعنی جانے کا راستہ) بن جاتا ہے اور آسمان ماہ نو کے ذریعے اپنی آغوشِ وداع کو اسے رخصت کے لئے واکر دیتا ہے۔ ماہ نو کی صورت، بھنبہ ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی بنگلیگر ہونے کو اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دے۔ مطلب

یہ ہے کہ وقتِ شام آفتاب آمادہٴ سفر ہے اور آسمان اسے رخصت کرنے کو تیار۔

آئسی : وقتِ شام آفتاب جو آسمان سے رخصت ہوتا ہے اور اُس پر ہلال نمودار ہوتا ہے تو وہی شعلہٴ شمس اس کے واسطے جاوہِ راہ ہے اور راہِ نوادہٴ آغوشِ کشاہ ہے جو آسمان نے سورج کو رخصت کرنے کے لئے کھولی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شام کے وقت آسمان آفتاب کو رخصت کر دیتا ہے۔ آئسی شعاع کے معنی وہ نہیں لیتے جو باقی شارحین نے لئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شعاع کے یہ معنی خلافِ قیاس ہیں۔

۷۵

زُبحِ نگار سے ہے سوزِ جاودانی شمع ۱ ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی ۲ یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
کیسے صرف بایمانے شعلہٴ قصہٴ تمام ۳ بطورِ اہلِ قناتے فسادِ خوانی شمع
غمِ اُس کو حسرتِ پروانہ کلبے لئے شعلہ ۴ تیرے لڑنے سے ظاہر ہے ناقوانی شمع
توے خیال سے روحِ استراذ کرتی ہے ۵ بجلوہِ ریزئی بادوبہ پر فشانِ شمع
نشاطِ دیرِ غمِ عشق کی ہمارے پوچھ ۶ شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانِ شمع
جلی ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو ۷ زکیوں ہودل پر مے دارِ بدگمانی شمع
۱۔ سوزِ جاودانی .. سوزِ دائمی + آتشِ گل .. رشکِ آتشِ گل + آبِ زندگانی .. آبِ حیات + آتشِ گل .. سرخیِ گل یعنی سرخیِ رخسار۔

معشوق کے زرخِ انوار کو دیکھ کر شمعِ رشک کی وجہ سے سوزِ دائمی میں مبتلا ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ مجھو ہم سے رخساروں کی سرخی جو آتشِ گل سے مشابہ ہے۔ شمع کے لئے آبِ حیات بن گئی ہے۔ گویا وہ رشکِ رخسار سے ہمیشہ جلتی

ہے اور جلتی ریگی۔ شعر اہل بھی ہوئی شمع کو شمع کشتہ کہتے ہیں۔ شاعر نے اسی خیال کے ماتحت روشن شمع کو زندہ فرض کر لیا اور یہ مضمون پیدا کیا۔

۲۔ یہ بات ... یعنی اہل زبان مرگ کو خاموشی کہتے ہیں + روشن ہوئی ... ظاہر ہوئی۔ اہل زبان کے محاورے میں خاموشی مرگ کے مترادف ہے اور یہی بات شمع کی زبانی بزم میں بھی ظاہر ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب شمع بجھ جاتی ہے تو اُس کو شمع کشتہ یا مردہ کہتے ہیں یا شمع کی نو کو زبان شمع کہا جاتا ہے۔ شمع کا خاموش ہو جانا اس کا فنا ہو جانا ہے۔ اس لئے وہ زبان حال سے اس نکتہ کو ظاہر کرتی ہے کہ اہل زبان کا خاموش رہنا ان کی موت ہے۔

۳۔ ایسا ... اشارہ + قصہ تمام کرنا ... زندگی ختم کرنا۔ یعنی جل بجھنا۔ شمع صرف شعلہ کے اشارے سے اپنی زندگی کا قصہ تمام کر لیتی ہے۔ یعنی شعلہ کی محبت میں جل بجھتی ہے۔ گویا شمع کی فسانہ خوانی اہل فنا کی طرح ہے جو شعلہ عشق الہی سے لو لگا کر فنا ہو جاتے ہیں۔ (طباطبائی۔ سعید۔ بخود)

آسی: شمع کی فسانہ خوانی اور اپنا قصہ سنانا اس طرح ہے جیسے کہ عمار اپنا حال اشاروں میں ظاہر کرتے ہیں۔ شمع کے شعلہ کی جنبش کو اشارہ اور جل بجھنے کو قصہ کا تمام کرنا فرض کیا ہے۔ اہل فنا کے جل بجھنے کو فسانہ خوانی نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ جل بجھنے سے قصہ تمام ضرور ہو جاتا ہے گویا دوسرے معنوں میں فسانہ خوانی بیکار ہو جاتا ہے۔

مولوی محمد صدیقی اور سائہ اردو: شمع کی فسانہ خوانی ان لوگوں کی طرح ہے۔ جو اپنی ذات میں فنا ہو کر خودی کو ترک کر دیتے ہیں۔ فسانہ خوانی سے فنا ہونا مراد ہے۔ اور جس کے ایمان سے شمع اپنا قصہ تمام کرتی ہے یعنی فنا ہوتی

ہے۔ وہ شعلہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے لو لگا کر اپنی ہستی کو مٹا دیتی ہے (سعید)

۴۔ اے شعلے تیرے لرزنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمع حسرت پرانے کے غم میں ناتواں ہو گئی ہے۔ گویا شمع کی لو کا لرزنا شمع کی ناتوانی کی نشانی ہے اور یہ لرزنا اس وجہ سے ہے کہ وہ حسرت و ناکامی پر روانہ کے غم میں گھلے جاتی ہے۔

۵۔ استزاز .. خوش ہو کر جھومنا + بجلوہ میں بائے قسیمہ ہے + جلوہ ریزی باد .. ہوا کا چلنا + پر فشانے شمع .. شمع کا جھلکانا۔
قسم ہے مجھ کو شمع کے جھلکانے اور ہوا کی جلوہ ریزی کی کہ تیرے خیال سے میری روح میں فرط انبساط سے جنبش ہوتی ہے (اُسی۔ سعید۔ طباطبائی)

حسرت، بخود تیرے خیال سے روح عاشق کو ایک جنبش سرور حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح ہوا چلنے سے شعلہ شمع کو حرکت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح تیرے خیال سے مستی سرور پیدا ہو جاتی ہے۔
ظاہر ہے ”ب“ کو بائے قسیمہ قرار دینے میں جس قدر لطف ہے وہ بائے تشبیہ مقرر کرنے میں نہیں۔

۶۔ شہید + کشتہ + خزانہ .. خزاں زودہ + شہید .. عاشق، مٹی ہوئی + گل میں ایہا م ہے۔ غم عشق کی داغ کی خوشی کی بہار کا حال مجھ سے نہ پوچھ بلکہ یوں سمجھ لے کہ شگفتگی اور بہار۔ شمع کے گل خزاں زدہ پر ہزار جا سے مٹی پڑی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غم عشق کے کھلائے ہوئے داغ میں وہ بہار ہے جس پر شگفتگی نثار ہے۔

۷۔ شمع بالین یا پر مجھ کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر جلتی ہے۔ اس جلتے سے
نظا ہر ہے کہ وہ میری رقیب ہے۔ جب وہ رقیب ٹھہری تو پھر وہ اس
برگانی کا داغ میرے دل پر کیوں نہ ہو۔ یعنی پھر میں کیوں نہ اس سے
برگمان ہو جاؤں۔ رقیب سے برگمان ہو جانا عاشق کا عمومی دستور ہے۔

ف

۷۶

بیم رقیب سے نہیں کرتے دداع ہوش مجبوریاں تلک ہوئے لے اختیار حیف
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے اے ناتامی نفس شعلہ بار حیف
۱۔ دداع ہوش کرنا... بیخود ہونا + بیم .. خوف -

رقیب کے خوف کے مارے ہم بیخود ہونا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ
ہماری بیخودی سے فائدہ اٹھا لیگا۔ یا ہمارے راز عشق سے واقف ہو جائیگا
اے اختیار تجھ پر خوس ہے۔ اب ہم اس حد تک مجبور اور بے اختیار
ہو گئے ہیں کہ دداع ہوش بھی نہیں کر سکتے۔

۲۔ اے آہ شعلہ بار تیری ناتامی پر خوس ہے کہ کیوں تو نے
ہمیں ایک دم جلا کر خاک نہ کر دیا۔ تو ہمیں آہستہ آہستہ جلا رہی ہے او
اس بات سے میرا دل کڑھتا ہے۔ اس شعر میں ایک طب کا مسئلہ ہے جو میرزا
صاحب نے پہلے ہی بیان کیا ہے یعنی ہر سانس کے ساتھ جو ہوا جسم میں داخل
ہوتی ہے۔ وہ تدریج قلب بھی کرتی ہے اور حرارتِ غریزی کو براہِ کثرت بھلا دے
یہی حرارت فسادِ بقا کا باعث ہے۔

ک

۷۷

زخم پر چھڑکیں کہاں طغیان بے پردہ نک ۱ کیا مرہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نک
گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل ۲ ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پید نک
مجھ کو ازانی رہے تجھ کو سہارک ہو جو ۳ نالہ بیل کا درد اور خندہ گل کا نک
شود جلاں تھا کنایہ بھرے کس کا کہ آج ہم گردِ مائل سے زخمِ موجہ دریا نک
داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی داہ دا ۵ یاد کرتا ہے مجھے ٹکے ہے وہ جس جات نک
چھوڑ کر عاناتنِ محروم عاشق حیف ہے ۶ دل طلب کرتا ہے زخم اور انگلیں ہر غصہ نک
غیر کی منت نہ کھینچوں گاپے تو قیر درد ۷ زخمِ مثل خندہ قائل ہے سرتاپا نک
یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجہِ ذوق میں

زخم سے گرتا تو میں پلوں سے چننا تھا نک

۱- دلو نے کو بچے پتھر مار کر ستایا کرتے ہیں۔ غالب اپنے آپ کو دیوانہ
تصور کرتے ہیں اور ان بچوں کی شکایت کرتے ہیں کہ یہ بے پردہ بچے میرے
زخموں پر نک کہاں چھڑکتے ہیں (یعنی نہیں چھڑکتے) اگر ان پتھروں میں جو وہ
مارتے ہیں نک ہوتا تو کیا لطف آتا۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے دو گنی لذت حاصل
ہوتی۔ یعنی پتھر بھی لگتے اور زخموں پر نک بھی۔

۲- یوں تو دنیا میں نک بہت پیدا ہوتا ہے اور جس قدر ہم چاہیں
اپنے زخموں پر چھڑکنے کے لئے ہم پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن میرے زخمِ دل کے لئے
تو راہ یار کی گردِ سامانِ خرد ناز ہے۔ اس خیال میں نزاکت یہ ہے کہ نک ابتدا
میں واقعی بہت تکلیف دیتا ہے، مگر آخر کار زخم کو بھر دیتا ہے۔ برخلاف اس

کے گرد سے زخم اور زیادہ خراب ہوتا ہے۔ اسی لئے گرد کو نمک پر تزیین دی ہے۔
طبا طبائی نے ایک یہ معنی بھی پیدا کئے ہیں کہ دُنیا میں نمک اتنا کہاں ممکن
ہے جس پر میرا زخم جگنا کرے۔

۳۔ ارزانی رہے۔۔ مبارک ہو + اس شعر میں لف و نشر مرتب ہے۔
مجھے نالہ بیل کا درد ارزانی رہے اور تجھے خندہ گل کا نمک مبارک ہو۔
آسمی: تجھے حسن نے گل کی طرح خندہ نمکین عطا کیا ہے اور اس خندہ
نمکین نے مجھے نالہ پُر درد بیل دیا ہے۔ اس لئے دونوں قابلِ مبارک باد ہیں
وہ نمک تیرے لئے باعثِ فخر اور یہ درد میرے لئے باعثِ ناز ہے۔
طبا طبائی ہو جو کو مکسودہ قرار دیتے ہیں اور آسمی لکھتے ہیں کہ اس عہد
میں یہ متروک نہ تھا۔

۴۔ جلاں۔۔ گھوڑے کا دوڑانا، شور۔۔ دریا کی صفت۔۔ ویسے شور
کے متعے نمک کے بھی ہیں۔

آج دریا کے کنارے کس نے اپنے تو سن ناز کو جولانی دی ہے کہ اس کے
شور جولان سے گردِ ساحل نمک بن کر موجِ دریا کے زخموں پہ چھوڑ گئی ہے گویا
گردِ ساحل رشک سے نمک بن گئی ہے۔ وجہ رشک یہ ہے کہ اس کے
مقابلے میں دریا کے نورِ شور کی کچھ حقیقت نہ رہی۔

اصلی خیال یہ ہے کہ میرے محبوب کا تو سن موجِ دریا سے بھی زیادہ تیز
خرام تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی اڑائی ہوئی گرد نے موجِ دریا کے زخموں پر نمک
چھڑکا۔ یعنی اس کو رشک پیدا ہو گیا۔ کیونکہ دریا کی رفتار میں یہ نورِ شور اور
روانی نہیں۔

۵۔ داد دینا۔۔ تعریف کرنا۔

میرا محبوب میرے زخموں کا ایسا زبردست قدردان ہے کہ وہ جہاں کہیں نمک دیکھتا ہے، مجھے یاد کرتا ہے۔ یعنی بے اختیار اسے میرے زخم یاد آجاتے ہیں۔ طباطبائی یاد کرنے کے معنی بلائے کے لیتے ہیں۔ یعنی پھر وہ مجھے بلا کر میرے زخموں پر نمک چھڑا کرتا ہے۔

۶۔ اسے محبوب عاشق کو زخمی چھوڑ کر چلے جانا افسوس کی بات ہے۔ ایسے وقت میں تیرا ٹھہرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا دل اس بات کا آرزو مند ہے کہ تو اس کے زخموں پر نمک چھڑا کر لذتِ درد میں اضافہ کرے۔

۷۔ منت کیلینچنا .. احسان اٹھانا + توفیرِ درد .. درد زیادہ کرنا۔ خندہ قاتل کو بوجہ حسنِ ملیح نمک کہا ہے۔ خندہ زخم ایک عام استعارہ ہے۔ درد کو زیادہ کرنے کے لئے میں معشوق کے علاوہ کسی غیر کا احسان ہرگز نہ اٹھاؤں گا۔ یعنی میں کسی اور سے درخواست نہ کروں گا کہ وہ میرے زخموں پر نمک چھڑکے۔ اگر معشوق نہیں چھڑا کرنا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ جس طرح خندہ معشوق نکلیں ہے۔ اسی طرح میرا زخم بھی خندہ ہے اور اس کے خندہ نکلیں کے اثر سے میرا زخم سرتا سرتا نمک بنا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے مجھے نمک کے لئے منت خیر اٹھانے کی کیا ضرورت، میرا زخم اس کے خندہ نکلیں سے نمک کی کان بنا ہوا ہے۔

۸۔ یہ عورتوں کا عقیدہ ہے کہ اگر نمک زمین پر گر جائے تو اسے پلکوں سے اٹھانا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ نمک کا گرنا گناہ ہے اور یہ بھی زبان زدِ خاص و عام ہے کہ اگر کسی سے نمک گر جائے تو قیامت کے دن وہ نمک اُسے پلکوں سے چمٹنا پڑتا ہے۔ اس لئے عموماً بہت احتیاط کی جاتی ہے کہ نمک گرنے نہ پائے۔

کہتے ہیں غالب! تمہیں وہ دن یاد نہیں رہے۔ جب زخم سے نیک
 گر جانا تھا تو تم فرط شوق سے اسے اپنی پلوں سے چھننے لگے۔ یعنی تم وہ اپنی
 ایندہ دستی کا لانا نہ بھول گئے؟
 ممکن ہے کہ محض مذکورہ بالا قدیم الاعتقاد کی طرف اشارہ کیا ہو اور وہ
 کا پہلو خود بہ خود نمایاں ہو گیا ہو۔

۷۸

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک ۱ کون جیتلے تری زلف کے سر ہونے تک
 ۲ ہم ہر بوج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ ۲ دیکھیں کیا گزرتے ہے قطرے پہ گرنے تک
 عاشقی صبر طلب اور متا بہت تاب ۳ دل کا کیا رنگ کروں خون مجر ہونے تک
 ہم نے مانا کہ تغافل نہ کر دے لیکن ۴ خاک ہو جائیئے ہم تم کو خبر ہونے تک
 پتو خور سے ہے بدنام کو فنا کی تعلیم ۵ میں بھی ہوں ایسا بیت کی نظر ہونے تک
 یک نظر پیش نہیں فرست ہستی غافل ۶ گرمی بزم سے اک رقص شر ہونے تک
 غم ہستی کا آئینہ کس سے ہو خرم غلام
 صبح ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

۱۔ ایک عمر .. مدت دراز + سر ہونا .. (۱) سمجھنا۔ باخبر ہونا (۲)

مہم سر ہونا۔

آہ کو اثر پیدا کرنے کے لئے ایک مدت دراز درکار ہے۔ جب تک آپ ہیں
 اثر پیدا ہوگا اور تیری زلف ہمارے حال تار سے باخبر ہوگی۔ اس وقت تک
 ہمارا خاتمہ ہو جائیگا (سقیہ)

۲۔ کام .. دہن + نہنگ .. مگر مجھ۔

ہر بوج ایک جال ہے اور اس کے جال کا ایک ایک حلقہ صد کام نہنگ

کا بنا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ایک موج میں سینکڑوں مگر مجھ مزہ چاڑھے ہوئے ہیں۔ ایسی خطرناک حالت میں دیکھئے قطرہ کے موتی بننے تک کی مدت میں اس پر کیا کیا آفتیں آتی ہیں۔ بقول عالی مطلب صرف اس قدر ہے کہ انسان درجہ کمال تک پہنچنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ رنگ .. حال، علاج، تدبیر + عاشقی صبر طلب .. عشق میں صبر سے کام چلتا ہے۔ بے صبری معاملات کو بگاڑ دیتی ہے۔

کہتے ہیں عاشقی میں کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ بغیر صبر کے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ لیکن تشریح بیتاب کر رہی ہے کہ حصول مطلب میں جلدی کر۔ اس طرح سے میں عجیب کشمکش میں پھنس گیا ہوں۔ ایسی حالت میں جب تک جگر خون ہو کر عشق میں پختگی اور اثر پیدا ہوئیں دل کی کیا تدبیر کروں۔ گویا میں اسے کیونکر سنبھالوں۔

۴۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم ہماری طرف سے توافل نہ کرو گے اور ہماری جلدی خیر لو گے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ جتنی دیر میں تمہیں ہماری خراب حالت کی خبر پہنچے گی اتنی دیر میں ہمارا کام تمام ہو جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ سوتو دل کو برداشت کر سکیں۔

۵۔ پر تو غور .. تمازت آفتاب، دھوپ۔

حکماء کا قول ہے کہ شبنم تمازت آفتاب ہی سے پیدا ہوتی ہے اور تمازت آفتاب ہی اسے جذب کر لیتی ہے۔ کہتے ہیں جس طرح دھوپ شبنم کو فنا کی تعلیم دیتی اور اسے فنا کر دیتی ہے۔ بھنہ یہی میری حالت ہے گویا آپ آفتاب ہیں اور میں شبنم کا قطرہ ہوں۔ اس لئے میری زندگی محض آپ کی ایک محبت بھری نظر تک ہے۔ جب آپ آفتاب کی طرح مجھ پر اپنا پر نور ڈالیں گے

تو میں قطرہ شبِ نعم کی طرح فنا ہو جاؤں گا اور اس طرح سے تعلیمِ فنا حاصل کروں گا۔
 ۶۔ اے غافل انسان! زندگی کی فرصت اتنی قلیل ہے کہ تو مشکل دنیا کو ایک نظر دیکھ سکتا ہے۔ یوں مجھ لے کہ ہزم دنیا کی رونق اتنی دیر تک قائم رہتی ہے۔ جتنی دیر میں ایک چنگاری رقص کر کے بجھ جاتی ہے۔
 ذوق لکھتے ہیں ۵

کیا اعتبارِ مہستی مہیا پائدار کا چمک ہے برق کی کہ تبسمِ شرار کا
 ۷۔ اے اسدِ غمِ زندگی کا علاج موت کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔
 دیکھ لو، چاہے محفلِ غم ہو یا ہزیمِ نشاط۔ شمع کو ہر صورت میں صبح تک جلتا ہی پڑتا ہے۔ قاعدہ ہے۔ جب تک صبح نہیں ہوتی یا شمع ختم نہیں ہوتی اسے جلایا جاتا ہے اور اس کو جلنا پڑتا ہے۔ بجنسہ یہی حالت انسان کی ہے جب تک اسے موت نہیں آتی۔ اس کی مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوتا اور اسے خوش و ناخوش زندگی کے اوقات پورے کرنے پڑتے ہیں۔

گ

۷۹

گر تجھ کو ہے یقین اجابتِ دعا مانگ ۱ یعنی بغیر یک دل بے دعا نہ مانگ
 آتا ہے درِ غصہ دل کا شمار یاد ۲ مجھ سے مرے گناہ کا حساب خدا نہ مانگ
 ۱۔ اجابت .. قبول + بغیر .. سوائے۔

اگر تجھ کو اپنی دعا کے قبول ہونے کا یقین ہے تو کوئی اور دعا نہ مانگ۔
 یعنی صرف دعا مانگ کہ تجھ کو دل بے دعا مل جائے۔ جب تک دل بے دعا مل

جلے گا تو کسی اور چیز کے لئے دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

آئیں : اگر تجھ کو اپنی دعا کے قبول ہو جانے کی بھی اُمید ہے کہ تب بھی دعا نہ کر۔ اپنے دل کو بے مدعا رکھ اور ہمیشہ اسی خواہش میں رہ کہ دل میں کوئی مدعا پیدا نہ ہو۔ نہ دل میں کوئی خواہش پیدا ہوگی۔ نہ دعا مانگنے کی ضرورت پڑے گی۔

۲۔ حالی : اس شعر میں ایک نئی طرح کی شوخی ہے جو بالکل اچھوتی ہے۔

بظاہر شاعر درخواست کرتا ہے کہ اسے خدا مجھ سے میرے گناہوں کا حساب نہ مانگ اور درپردہ الزام دیتا ہے۔ گویا یہ کہتا ہے کہ گناہوں کا حساب کیونکر دوں۔ وہ شمار میں اس قدر ہیں کہ جب ان کو شمار کرتا ہوں تو وہ داغ ہو گئے دُنیا میں دیئے ہیں اور جو شمار میں اس کثرت سے ہیں جس کثرت سے میرے گناہ ہیں۔ ان کی کتنی یاد نہیں آتی۔ گناہ اور داغوں کے شمار میں برابر ہونے سے یہ مراد رکھی ہے کہ جب کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو بسبب عدم استطاعت کے اس کو خاطر خواہ نہ کر سکا۔ کوئی نہ کوئی حسرت ضرور باقی رہ گئی۔ مثلاً شراب پی تو وصل نصیب نہ ہوا اور وصل میسر آیا تو شراب نہ ملی۔ پس جتنے گناہ کئے ہیں اتنے ہی داغ دل پر کھائے ہیں۔

ل

۸۰

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل ۱ بیل کے کاروبار پہ ہیں خندے گل
آزادِجی نسیم مبارک کہ ہر طرف ۲ ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دامِ ہوائے گل
جو تھا سو بوجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا ۳ اسے فائے نالہ لبِ غنوں نوائے گل

خوشحال اس حریفِ سیمست کا کہ جو ۴ رکھتا ہو مثل سایہ گل سر پہائے گل
 ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لئے بہا ۵ میرا قیسم ہے نفسِ عطر سائے گل
 خرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے ۶ مینائے بے شرب دل بے ہوائے گل
 سطوت سے تیرے جلوہ حسنِ غیور کی ۷ خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ اوائے گل
 تیرے ہی جلوہ کا ہے پردہ ہوا کہ آج تک ۸ بے اختیار دوڑے ہے گلِ درختائے گل
 غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آندو

جن کا خیال ہے گلِ حبیبِ بقاءتے گل

۱۔ مبیل فریب و فائے گل پر کس قدر مٹی ہوئی ہے کہ گل بھی اسکی حماقت
 پر ہنستے ہیں۔ یعنی مبیل اس دھوکے میں مری جاتی ہے کہ رنگ گل میں وفا و
 ثبات ہے اور پھول اس بنا پر ہنستے ہیں کہ اُس نے خوب دھوکا کھایا
 مبیل کے کاروبار پر ہے خندہ ہائے گل کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے ذراع کا
 ۲۔ ہوائے گل .. مراد بوئے گل۔

گل شگفتہ کو ٹوٹا ہوا حلقہ مدام کہلے اوروں اس لئے کہ اس میں بوئے گل
 مفید تھی۔ غیجوں کے کھل جانے سے بوئے گل کے دما کے حلقے ٹوٹ گئے ہیں
 اور حلقہ ہائے دما ٹوٹ جانے سے بوئے گل آزاد ہو گئی ہے۔ لہذا بوئے گل
 (نسیم) کو آزادی مبارک ہو۔

۳۔ تمام لوگ موجِ رنگ کے دھوکے میں آگئے انداس پر مستحق ہو گئے،
 حقیقت وہ ۴ رنگ نہ تھی بلکہ وہ گل کی نوائے خوں اور نالہٗ خوشکال تھا۔
 اسی نے اس سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ پھول کا گریہٗ خوں کس قدر
 بے اثر تھا۔

سجید: جن میں جو کوئی پھول تھا۔ وہ موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا۔

یعنی اس دھوکے میں کہ اس نے اس رنگ کو مستقل اور پائیدار سمجھا۔
 اگرچہ وہ بالکل بے ثبات تھا۔ افسوس ہے کہ اب وہ پھول دھوکے میں
 گرنے پر بڑی غناک اور دل سوز آواز میں نالہ کر رہے ہیں۔ اور ان کی حالت
 قابل افسوس ہے۔

۴۔ حریت .. مراد عاشق + گل .. مراد معشوق۔

وہ بدست عاشق کس قدر خوش نصیب ہے جس کا سراپہ گل کی طرح
 محبوب کے پاؤں پر رکھا ہو۔ یہ مست عاشق کو سائے گل سے اور معشوق کو
 گل سے تشبیہ دی ہے اور ہماری شاعری میں یہ تشبیہ ناطات سے ہے۔
 ۵۔ ایجاد کرنا .. وجود میں لانا۔ پیدا کرنا + نفس عطر سائے گل۔

نگہست معطر۔

بہار پھولوں کو تیرے لئے پیدا کرتی ہے تاکہ تو انہیں کام میں لائے۔
 یعنی تو ان کے بارہا کر گلے میں ڈالے۔ اپنے بستر کو ان سے زینت دے۔
 ان کے ساتھ گلیاڑی گئے وغیرہ وغیرہ یہ باتیں ایسی ہیں جو موجب رشک ہیں
 اس لئے نفس عطر سائے گل (نگہست معطر) میری رقیب ٹھہری۔

۶۔ مینا .. شیشہ مشرب + ہوا سائے گل .. آرزو سائے گل۔

موسم بہار میں شیشے میں شراب اور دل میں آرزو سائے میر گل منور ہونی
 چاہئے۔ چونکہ میرا شیشہ مشرب سے اور دل ہوا سائے میر گل سے خالی ہے۔
 اس لئے میں ہمیشہ موسم بہار سے شرمندہ رہتا ہوں (آشی۔ بخود)

طبا طباطبائی، مستفید: یہ شعر ایک سوال مقدر کا جواب ہے یعنی میر شراب
 مینا اور باغور کی میر کرنا لوگ بڑا سمجھتے ہیں مگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے باغور ساری
 سے شرمندگی ہوتی ہے۔

۷۔ سطوت .. رعب دبذب + خوں ہے .. ناپسند ہے۔

تیرا حسنِ غیرت والا ہے اور اسے اس بات کی تاب نہیں کہ اس کا عاشق اس کے سوا کسی اور چیز کو محبت کی نظر سے دیکھے۔ چنانچہ تیرے رعبِ حسن کی وجہ سے میری نظروں میں رنگِ اداسے گلِ خون بن گیا ہے۔ یعنی میں گل کی دلفریبی اور اداؤں کو پسند نہیں کرتا۔

۸۔ قفا .. پیچھے + گل در قفلے گل .. پھول کے بعد پھول۔

ابتداءً آفرینش سے لے کر آج تک اس دھوکے میں کہ جلوہ گر ہوا ہے۔ پھول ایک دوسرے کے پیچھے بے اختیار دوڑے چلے آتے ہیں کہ تیرا جلوہ دیکھیں مطلب یہ ہے کہ پھول اس دھوکے میں کہ صحنِ چین میں تو جلوہ گر ہے۔ ایک دوسرے کے بعد کھلتے چلے جاتے ہیں۔

وینمود: جب کوئی پھول کھلتا ہے تو گلیاں یہ سمجھ کر کہ تو پھول کے پرفے میں جلوہ گر ہوا ہے۔ پھول بن کر سلسلہ دار کھلتی شروع ہو جاتی ہیں اور اس سلسلہ کو دیکھ کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک پھول کے پیچھے دوسرا پھول بھاگتا آ رہا ہے۔

۹۔ ہم آغوشی آرزو .. یعنی آرزوئے ہم آغوشی، وصل + جیبِ قبا .. گریبان۔

غالب مجھے اس شاہدِ حقیقی سے ہم آغوشی کی آرزو ہے کہ جس کے خیال سے گل نے اپنے گریبان کو زینت دی ہے۔

م

۸۱

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش ازیک نفس ۱ برق سے کہتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
مخملیں برہم کرے ہے گنجۂ باز خیال ۲ میں ورق گردانی نیز نگ بست خانہ ہم
باد و یک جاں ہنگامہ پیدائی نہیں ۳ ویراغان شہستان دل بردانہ ہم
ضعف سے ہے قناعت سے یہ ترک جو ۴ میں وبال تکیہ گماہ ہست مردانہ ہم
دائم الجس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد

جانتے ہیں سینہ پُر خوں کو زنداں خانہ ہم

۱- بیش ازیک نفس .. دم بھر سے زیادہ -

ہم آزاد ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ آزادوں کو دنیا میں ایک دم بھر سے
زیادہ غم نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے عمائد کی شمع کو برق سے
روشن کرتے ہیں جیسے برق کی چٹنگ دم بھر سے زیادہ نہیں رہتی۔ اسی طرح ہم
آزاد لوگوں کے علم دائم بھی بیش ازیک نفس نہیں رہتے۔ مطلب یہ ہے کہ جب
ہمارے ماتم خانہ میں غم دم بھر سے زیادہ نہیں رہتا تو روشنی بھی دم بھر سے زیادہ
ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم چٹنگ برق کو کام میں لاتے ہیں۔

۲- گنجۂ کھیلنے والے پتوں کو بار بار انگلیوں میں پھیلا پھیلا کر دیکھتے ہیں
اور تمام بازیوں کے ورق شمار کرتے ہیں۔ ورق گردانی .. گردانی میں جی ناشر ہے
ورق گردان یعنی ورق گردانندہ۔ گنجۂ اور ورق میں رعایت لفظی ہے۔

ہمارا خیال ہر وقت ان محفلوں کی یاد کو تازہ کرتا ہے جو برہم ہو چکی ہیں۔ گویا
ہم ان گزری ہوئی صحبتوں کے ورق گرداں میں جن کو ہم نیز نگ بست خانہ سمجھتے ہیں

گنجد کی درق گردانی سے محفل نشاط کی ہرچی کو تشبیہ دی ہے۔

۳۔ یک جہاں ہنگامہ .. بہت زیادہ ہنگامہ اور جوش و خروش،
پیدائی .. ظہور +

یادِ جود اس کے کہ ہماری ہستی بہت ہی ہنگامہ خیز ہے۔ لیکن بایں ہمہ
شورِ آشوری ہم اس چراغاں سے مشابہ ہیں جو پروانوں کے دل میں ہوتا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ ہنگامہ ہستی بہت ہے، لیکن حقیقت میں اس کا وجود نہیں
۴۔ ہمتِ مردانہ قناعت پر تکیہ کرتی ہے، لیکن ہم نے جو ترکِ جستجو

یعنی قناعت کی ہے وہ قناعت کی وجہ سے نہیں بلکہ ضعف و کمزوری کی بنا پر
ہے۔ اس لئے ہم ہمتِ مردانہ کی تکیہ گاہ کے لئے وبالِ جان ہیں۔ مطلب یہ ہے
کہ مردِ ہمت کو اپنا تکیہ گاہ بناتے ہیں۔ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔
اس لئے تکیہ گاہ ہمتِ مردانہ کو وبالِ خیال کرتی ہے۔

۵۔ دائمِ الجھیس .. ہمیشہ کے لئے قید۔

میرے دل میں لاکھوں آرزوئیں ہمیشہ کے لئے قید ہیں۔ اس لئے میں
اپنے دل پر غم کو زندانِ خانہ خیال کرتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری آرزوئیں
لاکھوں ایسی ہیں جو کبھی پوری نہ ہوں گی۔

۸۲

بنالہ حاصلِ دبستگی فراہم کر متاعِ خانہٴ زنجیرِ جزا معلوم
دلِ بستگی .. تعلقِ خاطر۔ اس کو زنجیر سے تشبیہ دی ہے + متاع ..
دولت۔ سرمایہ + صدا .. آواز زنجیر یعنی نالہٴ زنجیر۔

جو طرح خانہٴ زنجیر کا اثاثہ البیتِ سوائے صدائے زنجیر کے اور کچھ
نہیں ہوتا۔ اسی طرح دلِ بستگی کا مال و متاع بھی نالہ کے سوا اور کچھ نہیں اس لئے

اگر تجھے دل بستگی درکار ہے تو حاصلِ دل بستگی یعنی نالہ و بکا کو فراہم کر، مطلب یہ ہے۔
 دل بستگی کے لئے نالہ کشی اختیار کرنی چاہئے، کیونکہ حاصلِ دل بستگی نالہ ہے۔
 طباطبائی لکھتے ہیں کہ اس بیان سے تعلقاتِ دنیائی مذمت مقصود ہے۔

۸۳

مجھ کو دیا وغیر میں مارا وطن سے بُدور ۱ رکھ لی مرے خدا نے مری بیکی کی شرم
 وہ حلقہ ہائے زلف کیں میں میں اے خدا ۲ رکھ لی میرے دعوئی دارستگی کی شرم
 ۱۔ حالی: پردیس میں مرنا جو ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے اس پر خدا کا شکر
 اس لئے کرتا ہے کہ اگر وہاں لے گور و کفن پڑے رہے تو کچھ مضائقہ نہیں اس
 واسطے کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ یہ کون ہے اور کس رتبے کا آدمی تھا لیکن وطن
 میں جہاں ایک زمانہ واقع حال ہو مگر خریدار و غنچوار ایک بھی نہ ہو۔ وہاں مرنے
 کی اس طرح مٹی خراب ہونی سخت رسوائی اور ذلت کی بات تھی۔ پس خدا کا شکر
 ہے کہ اُس نے پردیس میں مار کر میری بیکی کی شرم رکھ لی۔ اس میں گو بظاہر خدا کا
 شکر ہے۔ لیکن فی الحقیقت سراسر اہل وطن کی شکایت ہے جس کو ایک عجیب
 پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔

۲۔ کیں... گھات + دارستگی۔ آزادی۔

اے خدا دامِ زلف کے حلقے بہت بُری طرح میری گھات
 میں ہیں اور ادھر میں آزادی کا دعویٰ رہوں۔ اگر میں اس دام کے حلقوں
 میں گرفتار ہو گیا تو میری آزادی کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔ اس لئے میرے
 دعوئی آزادی کی شرم رکھ لینا۔

ن

۸۴

لوں دام بختِ خفتہ سے یک خوابِ غمش دے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

وام .. اُدھار، قرض + خوابِ خوش .. خوابِ شیریں

میں اپنے بختِ خفتہ سے ایک خوابِ شیریں قرض تو لے لوں۔ لیکن مجھے
خوف یہ ہے کہ میں اس قرض کو ادا کیسے کروں گا۔ اس کی ادائیگی تو اس صورت
میں ممکن تھی کہ مجھے نقد آتی۔ جب نیند نہیں آتی تو پھر خوابِ شیریں کہاں سے
آئیگا کہ میں اسے ادا کر سکوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ نقد پر سولہ سی ہے اور یہیں
لے خواب ہوں خوب شعر ہے۔

۸۵

۱ وہ فراق اور وہ وصال کہاں ۱ وہ شبِ روزِ ماہ و سال کہاں
۲ فرصتِ کار و بارِ شوق کسے ۲ ذوقِ نظارہٴ جمال کہاں
۳ دل تو دل وہ دماغ بھی نہ تھا ۳ شورِ سودا سے تھا وصال کہاں
۴ تھی وہ اک شخص کے تصور سے ۴ اب وہ رحمتا فی خیال کہاں
۵ ایسا آساں نہیں لہو رونا ۵ دل میں طاقتِ جاگیریں حال کہاں
۶ ہم سے چھوٹا تمہارا غزلِ عشق ۶ ہاں جو جائیں گہ میں ہاں کہاں
۷ تکریدِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں ۷ میں کہاں ادبِ وہاں کہاں
مضمحل ہو گئے تو ہی غالب
۸ وہ عناصر ہیں اعتدال کہاں

۱۔ یہ ساری غزل زمانہ ماضی کی یادیں ہے۔ کہتے ہیں۔ وہ فراق وصال کے لطف خواب و خیال ہو گئے۔ نہ وہ راتیں رہیں نہ دن رہے۔ غرض وہ دن وہ راتیں۔ وہ جینے اور سال سب زحمت ہو گئے۔ اب زمانہ ماضی کی باتیں خواب اور خیال معلوم ہوتی ہیں۔

۲۔ شوق بمعنی عشق۔ اب عشق و عاشقی کے کاروبار کی کسے فرصت ہے۔ وہ زمانہ ہی گزر گیا۔ یہاں تک کہ نظارہ جمال کا ذوق بھی دل میں باقی نہیں رہا۔

۳۔ دل کا تو ذکر ہی کیا ہے، اب وہ پہلے جیسا و ماخ بھی نہیں رہا۔ جب یہ صورت ہے تو پھر جنون عشق کیونکر باقی رہ سکتا ہے۔

۴۔ شخص سے مراد معشوق ہے معشوق کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا کہ عشق و عاشقی کے خیالات محو ہو چکے ہیں، رعنائی خیال، شوقی و رنگینی خیال۔ ہمارے خیال میں جس قدر رعنائیاں اور رنگینیاں تھیں وہ سب ایک شخص کے تصور اور محبت کی وجہ سے تھیں۔ چونکہ اب وہ تصور دل سے مٹ گیا۔ اس وہ شوخیاں بھی جاتی رہیں۔ تصور کا لفظ عشق کی جگہ لائے ہیں اور یہ بھی شخص کی طرف مقتضائے مقام ہے۔

۵۔ لبوروتا.. اشک خونی بہانا + حال.. قوت۔

لبو کے آنسو بہانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے دل و جگر میں بڑی طاقت چاہئے۔ چونکہ ہماری تمام طاقت سلب ہو چکی ہے۔ یعنی ہم بہت زیادہ خون کے آنسو بہا چکے ہیں۔ اس لئے اب ہمارے دل و جگر میں خون کے آنسو رونے کی طاقت باقی نہیں رہی۔

۶۔ تمہارا خانہ.. جوئے خانہ۔

ہم سے قمار خانہ، عشق، ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔ اب ہم وہاں کس برتے پر جائیں۔ کیونکہ گروہ میں مال نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نقد دل تو پہلے ہی ہار چکے ہیں۔ اب وہاں جا کر کس چیز پر واڈ لگائیں گے۔

طباطبائی اور آسمی: مال سے نقد دل اور امشر فی دارغ مراد لیتے ہیں اور مستعد و بخود نقد دل اور دولت صبر وغیرہ۔

۷۔ دیال۔ مصیبت یعنی فکر دنیا۔

میں تو ایک آزاد اور مفکر انسان تھا۔ لیکن اب ہر وقت تفکرات دنیا سے پریشان رہتا ہوں۔ ظاہر ہے میرا اس دیال سے کوئی تعلق نہ تھا۔

۸۔ غالب میرے اعضاء و قوے کمزور ہو گئے اور وہ اعتدال عناصر

زمانہ شباب میں تھا اب باقی نہیں رہا۔ حکماء کا خیال ہے۔ جب تک عناصر زندگی میں اعتدال رہے۔ تندرستی قائم رہتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی ایک عنصر کم یا زیادہ ہو جائے تو انسان مضمحل ہوتے ہوئے لقمہ اجل ہو جاتا ہے۔

طباطبائی لکھتے ہیں کہ اعتدال عناصر سے شباب مراد ہے۔ مطلب وہی ہے کیونکہ زمانہ شباب میں اعتدال عناصر کی وجہ سے اعضاء و قوے تندرست و توانا رہتے ہیں۔

۸۶

کی وفام سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں ۱ ہوتی آئی ہے کہ اچھٹوں کو برا کہتے ہیں آج ہم اپنی پریشانی، خاطر ان سے ۲ کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتم میں اگلے وقتوں کہم میں یہ لوگ نہیں کچھ ۳ جو سے و نعمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں دل میں آجائے ہے ہوتی ہے جو فرحت ۴ اور پھر کون سے نالے کو دسا کہتے ہیں ہے پرے سرحد اولاک سے اپنا مسخو ۵ قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

پائے افکار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے ۶ خارِ وہ کو تیرے ہم مر گیا کتنے ہیں
ایک شرِ دل میں ہے اس سے کوئی جھلک گیا کیا، آگِ طلب ہے ہم کو جو ہو سکتے ہیں
دیکھتے لاتی ہے اُس شوخ کی نگوشت کیا رنگ ۸ اُس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا لکھتے ہیں
وحشت و شیفقت اب مرثیہ کمبویں شاید
مر گیا غالبِ آشفقتِ نوا کتنے ہیں

۱۔ اگر محبوب ہم سے وفا کرتا ہے تو اغیار کتنے میں کریم و فانی ہیں جہاں ہے۔
اس نکتہ حینی پر عاشق کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے کہ تمہیں سچے محبوبِ جفا پیشہ
نہ بن جائے۔ اس لئے اس سے کہتا ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ دُنیا کا دستور یہی ہے
اہلِ دُنیا اچھوں کو بُرا ہی کہا کرتے ہیں۔ اس لئے تم ان کی باتوں کی پروا نہ کرو اور
ہمارے ساتھ یہی سلوک جاری رکھو۔

۲۔ آج ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ان کے پاس جا کر اپنی پریشانی مُدل کا اظہار
کرینگے۔ ہم نے یہ ارادہ تو کیا ہے۔ لیکن اس پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل ہے۔
کیونکہ انہیں دیکھ کر ہم سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ایسی محویت کا عالم طاری ہو جاتا
ہے کہ ہم کُنا کچھ چاہتے ہیں اور مُتہ سے کچھ نکلتا ہے۔ اس لئے دیکھنا چاہئے کہ
ہمارا یہ ارادہ پورا بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ پُر دیکھتے کیا کتنے ہیں اسے ایک پہلو
پر بھی نکلتا ہے کہ دیکھتے وہ ہماری پریشانی دِل کا حال سُن کر کیا فرماتے ہیں۔ طباطبائی
لکھتے ہیں کہ پہلی صورت کثیر المعنی ہے اور بہتر ہے۔

۳۔ اندوہِ رُیا:۔ غم کو دُور کرنے والا۔

اگلے زلزلے کے سہمے سادے اور بھولے بھالے بزرگوں کا خیال ہے
کہ شراب و نغمہ سے غم غلط ہو جاتا ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ شراب
نغمہ سے گزشتہ زمانے کے عیش و نشاط کے مناظر سامنے آ جاتے ہیں۔ اور ان کے

یاد آنے سے دل کو اور تکلیف ہوتی ہے اس لئے حقیقتاً شراب و نغمہ اندوہ رہا نہیں بلکہ اندوہ فراہمیں۔ کہتا ہے جو لوگ اگلے زمانے کے سادہ دل بندگان کی طرح اب تک شراب و نغمہ کی حقیقت سے واقف نہیں ان پر حرف گیری نہ کرو۔ بہتر ہے کہ شراب و نغمہ کے متعلق ان کا یہی حسن ظن قائم رہے (سحبہ۔ بخود)

طباطبائی: اندوہ ربا ہونے کے انکار سے یا تو اندوہ فراہمونا مقصود ہے یا مراد ہے کہ اندوہ ایسی چیز ہے کہ کسی طرح بھلائے نہیں بھولنا۔

اسی: میں نے نغمہ کو پانے کو بھی کہتے ہیں کہ اندوہ ربا اور غم غلط ہے اور کمال کے زمانے میں اس میں یہ صفت باقی نہیں رہی ہے کہ اندوہ و غم اس سے کم ہو جائے صوان لوگوں سے اس رسا پر جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ شراب و نغمہ میں پہلے یہ خاصیت ہوگی۔ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ اگرچہ آج نہیں ہے۔

۴۔ عاشق فراق یار میں لگا تا زمانے کو رہا ہے گو با اس کو شمش میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح نالہ یاد تک جا پہنچے چنانچہ جب نالہ یاد تک جا پہنچا ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ یہ خاموشی بے ہوشی ہے جو لگتا تو شمش اور محنت کا نتیجہ ہے اور اس کا میابی کی علامت ہے کہ نالہ رسا ہو گیا۔ چنانچہ جب ہوش ٹھکڑے آتے ہیں تو دل میں خیال آتا ہے کہ اگر نالہ کی رسائی اس کو نہیں ملے تو پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں۔

بخود: جب مجھے عشق سے اناقت حاصل ہوتی ہے تو میرا معشوق میرے دل میں آ جاتا ہے اور یہ میرے نالے کے اثر سے ہوتا ہے مجھے معلوم نہیں اور کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ رسائی نالہ کو کیا ہوگی کہ فوراً ہی معشوق کو کھینچ کر دل میں لے آتا ہے (سحبہ)

طباطبائی: نالہ رسا وہ ہے کہ اثر تک جس کی رسائی ہو لیکن شاعر نے یہاں

استفہام کر کے یہ بات ظاہر کی ہے کہ اس کے نالے کو کبھی اثر تک رسائی نہیں ہوئی۔ یہ جانتا ہی نہیں کہ نالہ ربا اسے کہتے ہیں۔ جس کی پہنچ اثر تک ہو۔ کیونکہ یہ رسائی نالہ اس کو سمجھتا ہے کہ غش سے چونکا اور نالہ دل میں آموجد ہوا۔ (مستحیدہ کسی)

۵۔ ادراک .. عقل + مسجود .. جس کو سجدہ کیا جائے۔ مسجودہ اہل نظر .. حقیقت میں + قبلہ .. وہ سمت جس طرف منہ کر کے عبادت کی جاتی ہے + جو لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم قبلہ کو پوجتے ہو۔ یعنی خانہ کعبہ کی اینٹ پتھر تمہارے مسجود ہیں۔ ان کو معلوم ہو کہ ہمارا مسجود خانہ کعبہ نہیں ہے بلکہ ہمارا مسجود وہ ہے جو حیثیات سے منزہ اور مبرا ہے اور اس کا دریافت کرنا عقل کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ سرحد ادراک سے بالاتر ہے۔ ہم نے اپنے مسجود کو سجدہ کرنے کے لئے ایک سمت مقرر کر لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل نظر جہت قبلہ کو خدا نہیں کہتے۔ بلکہ خدا نما کہتے ہیں اور جو جاہل ہیں وہ خانہ کعبہ ہی کو مسجود سمجھتے ہیں۔

۶۔ ہر گیا .. ایک بوٹی ہے۔ کہتے ہیں جو شخص اسے اپنے پاس رکھے اس پر سب مہربان ہو جاتے ہیں۔

ہمارے زخمی پاؤں پر جب سے تجھے رحم آیا ہے۔ ہم خار راہ کو جن سے ہمارے پاؤں زخمی ہوئے ہیں کا نشانیں سمجھتے بلکہ ہم انہیں ہر گیا کہتے ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے تو ہم پر مہربان ہوا ہے۔

۷۔ مشر سے لوج حیوانی اور ہوا سے مراد سانس۔ ہمارے دل میں روح حیوانی کا ایک شر ہے۔ اس سے ہم کیا گھبراہٹیں۔ کیونکہ یہ تو اصول فطرت ہے کہ سانس لینے سے حرارت غریزی میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور اسی اشتعال

کی بدولت ہماری زندگی قائم رہتی ہے۔ گویا ہمارا سانس لینا محض حرارت غریبی کو اشتعال دینے کی غرض سے ہے۔

ہمارے دل میں آتش عشق کا ایک مشوارہ ہے۔ بھلا ہم اس مشوارہ سے کیا گھبرا سکیں گے۔ حقیقتاً ہمیں مشوارہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہمیں آگ مطلوب ہے اور اسی لئے ہم بے چین ہیں لیکن عوام کا یہ خیال ہے کہ ہم اس مشوارہ سے گھبرا ہو اطلب کرتے ہیں۔ یعنی آگ میں بھرتے ہیں۔

معیند: ہمارے دل میں آتش عشق کا صرف ایک مشوارہ ہے۔ جس سے ہم کو کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں۔ اس لئے ہم اس کو ہوا یعنی میچ کھینچ کر دیکھ کر ہمارے حوصلے کے مطابق نہیں۔ ہم کو تو آگ مطلوب ہے مشوارہ سے لئے کم ہے۔

آگ کبھی: لوگ ہم کو طعنہ دیتے ہیں کہ دل کی آتش غم سے گھبرا کر ہم کو ہوا کھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم گھبرا کر گرمی کے مٹانے کے لئے ہوا نہیں کھاتے۔ بلکہ آگ کے بھر دکانے کے لئے ہوا کھاتے ہیں۔ یعنی سانس لیتے ہیں۔

حسرت: ہم لوگ کہہ سارے آگ مراد لیتے ہیں۔ بھلا ہم دل کے ایک مشوارہ سے کیا گھبرا سکیں گے۔

۸۔ نامِ خدا کتنا... ماشاء اللہ۔ تعریف کرنا، نخوت... غرور و تکبر۔

محبوب کی ہر بات پر ہم ماشاء اللہ بہت خوب، چشم بد دور وغیرہ کہتے ہیں۔ ہماری اس تعریف سے اس کا غرور اور تکبر بہت بڑھ گیا ہے۔ دیکھئے آخر ان کا غرور کیا رنگ لاتا ہے۔

۹۔ وحشت غلام علی خاں۔ شیفتہ نواب مصطفیٰ خاں۔ لوگ کہتے ہیں کہ

غالب آشفته قرار گیا ہے۔ اب شاید اس کے مرنے پر وحشت اور شیفہ مرثیہ لکھیں۔ یہ دونوں حضرات غالب کے عزیز دوست تھے۔ اس لئے ان سے توقع ظاہر کی ہے کہ وہ اپنے رنج دلی کا اظہار مرثیہ لکھ کر کیسے۔

۸۷

آبرو کیا خاک اُس گل کی گلشن میں نہیں ۱ ہے گریباں ننگ پیرا ہن جو دامن میں نہیں
صفت کے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں ۲ رنگ کلاڑ لگیا جو نگوں کہ دامن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع ہونے لگاؤ آفتاب ۳ فتنے اُس کے گلہر کی دیوانوں کے روزن میں نہیں
کیا کہوں تاریخ کی زندانِ غم اندھیر ہے ۴ بنہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
رونی ہستی ہے عشقِ خانہ وہاں سا رہے ۵ انجمن بے شمع ہے گر برقِ خرمین میں نہیں
زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جئی کا ہے طعن ۶ غیر مجھ سے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں
بسکہ ہم میں اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے ۷ جلوہ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں
قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے شے ناسود کا ۸ غول بھی ذوق درد سے فالنگئے تن میں نہیں
لے گئی ساقی کی تھوت قلزمِ آشامی مری ۹ مچھ کے کی آج رنگِ مینا کی گردن میں نہیں
ہو خشار صنعت میں کیا ناتوانی کی نمود ۱۰ قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تیر میں نہیں
تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو عزت میں قد

بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلشن میں نہیں

کہتے ہیں جس طرح اس پھول کی کچھ بھی آبرو نہیں ہوتی جو گلشن میں نہ ہو۔ اسی طرح فدا گریبان بھی پیرا ہن کے لئے باعثِ ننگ و عار ہے جو دامن میں نہیں ہوتا اور گریبان اس وقت دامن میں پہنچتا ہے جب وہ چاک ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل عشق کے نزدیک چاک و دمانی باعثِ فخر و عورت ہے۔

جنود و طباطبائی دگریبان چاک ہو کر گل سے مشابہت پیدا کرتا ہے اور

دہن کو صحنِ گلشن بنا دیتا ہے۔

۲۔ اسے گریہ صنعت و نقاہت سے اب میرے جسم سے کچھ باقی نہیں رہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس قدر خون کے آئسوا چکا ہوں کہ میرا سارا خون دہن پر آچکا ہے۔ وہ قطراتِ خون جو سودِ اتفاق نے میرے جسم میں رہ گئے تھے اور قطراتِ اشک بن کر نہ نکل سکے، وہ میرا رنگ بن کر اڑ گئے ہیں ظاہر ہے کہ صنعت میں رنگ اڑ جاتا ہے۔ گویا خون کی کمی سے رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔

۳۔ اگر کسی روزن میں سے دھوپ آئے تو دھوپ کے ساتھ لافخدادِ ذرات آئے ہونے دکھائی دیتے ہیں۔ اس واقعہ کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ اس کے گھر کی دیواروں کے روزنوں میں سے جو ذرات اس کے مکان کے اندر آئے ہیں یہ ذرات نہیں ہیں بلکہ نگاہِ آفتاب کے اجزاء ہیں جو محبوب کے دیکھنے کے لئے هجوم کر کے آ رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آفتاب تک کو سمجھے دیکھنے کا شوق ہے اسی لئے وہ روزنِ دیوار میں سے جھانکتا ہے۔

۴۔ اس زندانِ غم کی تار بکی کا حال کیا بیان کروں۔ اس میں اس قدر تاریکی ہے کہ اگر اس کے روزن میں روشنی کا پنبہ رکھ دیا جائے تو بجائے اس کے کہ روزن بند ہو کر وہاں تاریکی میں اٹناؤ ہو وہ سفیدِ سحر کی طرح چمکتا ہے۔ قاعدہ جہاں بہت زیادہ اندھیرا ہو وہاں ذرا سی سفیدی بہت پھیل جاتی ہے۔ یہی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ زندانِ غم اس قدر زیادہ تاریک ہے کہ اس میں روشنی کی سفیدی سے روشنی ہو جاتی ہے۔

۵۔ حالی : یعنی تمام دُنیا میں جو رونق اور چل پھل ہے، وہ عشقِ محبت کی بدولت ہے۔ خواہ زن و فرزند کی محبت ہو۔ خواہ مال و دولت کی۔ خواہ ملک و

کی۔ خواہ کسی اور چیز کی۔ پس اگر خوشی میں یہ برق نہیں دیکھنی دلوں میں محبت نہیں تو اس کی مثال اس انجمن کی ہے جس میں شمع کی روشنی نہیں۔

مولینا سعید نامی رسالہ اردو: حقیقت میں مرانے اس میں فلسفہ رواق کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ خود ہستی کا مقتضی اور لازماً فنا یا نیستی ہے (سعید)۔
۶۔ زخم سلوانا .. زخموں میں ٹانگے لگوانا + چارہ جوئی .. علاج ساجھ + سوزن .. سوئی۔

میں نے زخموں میں ٹانگے لگوائے ہیں۔ اس پر غیر مجھے یہ طعنہ دیتا ہے کہ میں عاشق صادق نہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے زخموں کو مندل کرنے کی کوشش کی ہے اور واقعی یہ بات طریق عشق کے خلاف ہے۔ لیکن اس کم بخت کو یہ خبر نہیں کہ میں نے زخموں میں ٹانگے انہیں درست کرنے کے لئے نہیں لگوائے۔ بلکہ میرا مقصد اس مجال سے یہ تھا کہ میں زخم سوزن کی لذت حاصل کروں۔ لذت سے مراد تکلیف ہے جو عاشق کو مرغوب ہے۔ اسی لئے اسے لذت کہا ہے۔ غالب ہے

رفوئے زخم سے طلب لذت زخم سوزن کی سمجھناست کہ پاس دیو سے دیوانہ خافل ہے
۷۔ بہار ناز .. مراد معشوق + بسکہ .. بہت زیادہ۔

چونکہ ہم کو ایک بہار ناز (معشوق) نے قتل کیا ہے۔ اس لئے ہماری قبر میں خاک بالکل نہیں بلکہ ہر طرف جلوہ گل ہے اور یہ اس بہار ناز کا اثر ہے۔

طباطبائی لکھتے ہیں۔ جلوۂ گل اس کے تصور سے ہے۔ آنسی نے دوسرا پہلو یہ نکالا ہے۔ چونکہ ہم شہید ہوئے تھے۔ اس لئے اس کے ثواب میں ہماری قبر میں جنت موجود ہے۔

۸۔ ہیو کی .. مادہ + تھے ناسود .. مراد زخم۔

میرے خون کا ہر قطرہ مادہ ناسور رکھتا ہے۔ گویا جہاں کوئی قطرہ گرتا ہے۔ وہیں ناسور بن جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے جسم کے خون میں لذتِ دردِ ہرج ام موج ہے۔

۹۔ نخوت .. غرور و تکبر + قلزمِ آشامی .. سمند کے سمندِ شراب کے پی جانا + رگِ گردن .. غرور کی نشانی ہے۔

ساتی کو اس بات پر بہت غرور تھا کہ وہ شراب پلانے میں بڑا فیاض ہے۔ لیکن میں اس قدر قلزمِ آشام نکلا کہ میری بلا نوشی سے اُس کا غرور ٹوٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی صراحتی سے میں موجِ شراب کی رگِ گردن بھی کہ غرور و تکبر کی نشانی تھی۔ آج نظر نہیں آتی۔ گویا ساتی کے غرور کے ساتھ شیشے کا غرور بھی ٹوٹ گیا۔

۱۰۔ فشار .. چاروں طرف سے دبانے کا۔

ضعف نے مجھے ہر طرف سے دبا رکھا ہے۔ ایسی حالت میں میں ناتوانی کو بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔ قد کا جھکنا ضعف کی علامت ہے۔ لیکن میں اس سے بھی معذور ہوں۔ کیونکہ فشارِ ضعف میں مبتلا ہوں۔ اس لئے میرے جسم میں قد کے جھکنے کی بھی گنجائش نہیں پھر اظہارِ ناتوانی ہو تو کیونکر ہو۔

۱۱۔ غربت .. مسافری + بے تکلف .. بلا مبالغہ + گلخن .. بھاڑ۔ بھٹی + مشتِ خس .. گھاس پھوس مٹی بھر۔

حالی، اپنے تئیں مشتِ خس اور وطن کو گلخن سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پھونس گلخن میں ہوتا ہے تو جلتا ہے اور گلخن میں نہیں ہوتا تو کچھ قدر نہیں ہوتی۔ یہی حال میرا تھا کہ وطن میں تھا تو جلتا تھا اور اب یورپ میں ہوں تو بیقدر ہوں۔

سید ہاشمی رسالہ اردو: راقم الحروف کو ان معنی میں کلام ہے۔ شاعر کا اصلی مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیں پردیسیں میں کہیں بھی میرے مخفی جو ہر ظاہر نہ ہوسکے اور دونوں جگہ میں ایسا ہی ناکارہ سمجھا گیا۔ جیسا کہ گھانس بھونس کا ایک ڈھیر جو بھٹی میں نہ ڈالا جائے۔ تو محض کوڑا ہے اور بادی النظر میں بالکل بیکار اور بے حقیقت شے ہے۔ حالانکہ اگر وہ اپنے موزوں مقام یعنی گلخن میں ہوتا تو اس کے کمالات ظاہر ہوتے اور وہ روشن اور منور ہو جاتا۔ خس اور گلخن کے اس نا در مضمون کو مرزا صاحب نے ایک اور شعر میں بھی تحریر کیا

خدا کو سو نہ گشتاق ہے اپنی حقیقت کا فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر
طبا طبائی (۱) ظاہر ہے مشتِ خس اگر اپنے وطن میں ہے تو غار دار میں ہے
اور اگر وطن سے باہر نکل کر کہیں قدم رکھا تو جاوب کشوں نے نکال باہر کیا۔
وطن میں اذیت اور غربت میں ذلت کا سامنا ہے۔ اس کے لئے اگر فروغ ادا
شان ہے تو گلخن میں ہے۔ (۲) (اُسی) اس شعر میں مذاقِ تصوف ہے۔ یعنی
جس طرح ہر شے آگ میں گر کر رگ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عارف کو شاہدِ حقیقی
کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے اور نہیں تو ایک مشتِ خس ہے جس کا وطن عدم اور
غربت امکان ہے اور امکان پر جس طرح عدم ساقی ہے اسی طرح عدم لاحق بھی
ہے کہ امکان وجود ہیں العبدین کا نام ہے جو ممکن عدم سے آیا ہے وہ عدم میں
چلا بھی جائیگا۔ پس جیلستِ ابدی اس میں ہے کہ واجب الوجود سے ملحق ہو جائے اور
فتاء فی الفات ہو کر تساندہ انالاغیری کو بلند کرے۔

عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا ۱ گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

حلقے میں چھٹلے کشادہ بسوئے دل ۲ ہر تار زلف کو نگہ سرا سا کھوں
میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش ۳ تو اور ایک وہ نشیدن کہ کیا کھوں
ظالم مرے گماں سے مجھے فغزل نہ چلا ۴ ہے ہے خدا نہ کہہ تجھے ہو فاکھوں
۱۔ ادا اور قضا میں رعایت نقلی ہے۔ اس کے ناز کی معنی تعریف کرنی چاہیے
تھی اتنی تعریف میں نہیں کر سکا اور اس کو تاہی کا سبب یہ ہے کہ اس کی ایک
ادا نہیں بلکہ ہزاروں ادائیں ہیں جو قابل تعریف ہیں۔ اگر ایک ادا ہوتی تو معنا
سے میں یہ کہہ کر عمدہ برآ ہو جاتا کہ وہ میری قضا ہے۔ یعنی اس ادا پر میری جان
جاتی ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ یہاں تو ہزاروں ادائیں ہیں۔ شاعر ادا کو اپنی
قضا کہتا بہترین تعریف سمجھتا ہے۔ چونکہ یہ تعریف ہر ادا پر صادق آتی ہے اس
لئے پریشان ہے۔ تعریف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خاص کو عام سے میر کہے
لیکن یہاں مشکل یہ آپڑی ہے کہ یہ تعریف ہر ادا میں موجود ہے۔ اس لئے اپنی
نا قابلیت کو تسلیم کرتا ہے۔

۲۔ حلقے یعنی حلقائے زلف، گھونگر + ہیں چشم کشادہ .. تاکہ میں ہیں
تیری زلفوں کے حلقے میرے دل کی طرف تاک لگاتے ہوئے ہیں یعنی تیری
زلفوں کے گھونگر آنکھوں کے حلقے ہیں جو میرا دل اڑانے کے لئے تاک ہیں جیسے
ہیں۔ اس لئے اگر میں ہر تار زلف کو ان زلفوں کی آنکھوں کی نگاہ سر میں کھوں
تو بے جا نہیں۔ ظاہر ہے حلقے ملتے زلف کو چشم اور تار زلف کو نگاہ سر سا
قرار دیا ہے اور آنکھ کے لئے نگاہ لازم ہے۔

۳۔ تو .. نا۔

نیں تو لاکھوں جگر خراش نالے کرتا ہوں۔ مگر تو ہے کہ سنتا ہی نہیں۔

عجب اندھیر ہے۔

آسی لکھتے ہیں۔ کیا کموں سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ تو سنتا نہیں۔
اس لئے مجھے خاموش ہونا پڑتا ہے اور یوں ”کیا کموں“ ایک تلم محاورہ ہے۔
۴۔ منفعل .. مشر مندہ + خدا نہ کر دہ .. خدا نخواستہ۔ خدا نہ
کرے۔ توبہ توبہ۔

ظاہر ہے کہ عاشق اور اس کے دل میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے دل
کنتا ہے کہ محبوب بی وفا ہے۔ عاشق کنتا ہے کہ وہ با وفا ہے۔ اس کشمکش
میں عاشق محبوب سے کنتا ہے کہ اسے ظالم مجھے میرے گمان سے مشر مندہ
نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے ظلم و ستم مجھے مجبور کر دیں اور خدا نخواستہ میں
بی وفا کہنے لگوں (تام متفق)
حسرت لکھتے ہیں۔ مجھ کو میرے گمان سے مشر مندہ نہ کر۔ بھلا میں اور
تجھ کو بے وفا خیال کروں۔

۸۹

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہ جس وقت ۱ میں گیا وقت نہیں کہ پھر ابھی نہ سکوں
ضعف میں طعنہ اختیار کا شکوہ کیلئے ۲ بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
زہر پلتا ہی نہیں مجھ کو مستسگر ورنہ ۳ کیا قسم ہے تیرے پٹنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں
۱۔ اگر میری اور تمہاری رنجش ہو گئی تو اس سے یہ نہ بھننا چاہئے کہ میں نے
تمہارا عشق ترک کر دیا ہے۔ بلکہ جب بھی تجھے محبت سے بلاؤ گے میں حاضر ہوں
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ واپس نہ آ سکوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرا آنا اور
نہ آنا تمہارے رحم و کرم پر منحصر ہے۔ باہمی رنجیدگی سے جذبہ عشق
محو نہیں ہو سکتا۔

۲۔ خیال یہ ہے کہ طعنہ اختیار برداشت کرنا بہت مشکل ہے لیکن

نا چاری یہ آپڑی ہے کہ عاشق کو ضعف نے بیجا کر دیا ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ حالتِ ضعف میں طعنہ و اغیار کا بھی کوئی شکوہ نہیں رہا۔ کیونکہ طعنہ و اغیار سر نہیں ہے کہ میں حالتِ ضعف میں اسے اٹھا نہیں سکتا۔ اس لئے سب کچھ گوارا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حالتِ ضعف میں یہ بات اٹھانا اس قدر شہوار نہیں۔ جس قدر سر کا اٹھانا مشکل ہے۔ انتہائی ضعف کا اظہار ہے۔

۳۔ حالی : جب کہتے ہیں کہ اس کو فلاں کام کرنے کی قسم ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس کو اس کام کے کرنے سے انکار ہے پس عاشق معشوق کے ملنے کی قسم کیونکر کھا سکتا ہے۔ کہتا ہے کہ زہر کچھیرے ملنے کی قسم نہیں ہے۔ کہ اس کو کھانا سکوں۔ مگر چونکہ وہ ملتا نہیں۔ اس لئے نہیں کھا سکتا۔

آستی اور طباطبائی لکھتے ہیں۔ آخری مصرعہ میں تین کاف جمع ہونے سے تناظر پیدا ہو گیا ہے۔

۹۰

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ پستی ایک دن ۱ درنہ ہم چھپرے گے رکھ کر عذرتی ایساں
غریب اوج بنائے عالم اسکاں نہ ہو ۲ اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایساں
قرض کی پیتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ ماں ۳ رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن
نہلے تم کو بھی لے دل غنیمت جانئے ۴ بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایک دن
دھول دھیا اس سراپا ناز کا شیوا نہ تھا

ہم ہی کڑیٹے تھے غالب پشیدہ سنی ایک

۱۔ کھل جاؤ۔ بے تکلف ہو جاؤ۔ سے پستی۔ شراب نوشی + عذر

.. بہانہ -

کسی دن ہم سے شراب نوشی کے دوران میں بے تکلف ہو جاؤ۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہم نشہ کا بہانہ کر کے تم سے بے تکلفی پیدا کر لیں گے۔ چونکہ ایسا نشہ کی حالت میں ہو گا۔ اس لئے تم ہم سے اس بے تکلفی کی شکایت بھی نہ کر سکو گے۔ بجائے اس کے کہ ہم یہ صورت اختیار کریں تم خود ہی ہم سے کھل جاؤ اور یہاں تک ذہن نہ آنے دو۔

۲- غرۃ .. مغرور + اوج .. بلندی + بنا .. بنیاد مراد عمارت + عالم امکان .. فانی دنیا۔

دوبلے فانی کی بلندی پر مغرور نہ ہو۔ کیونکہ اس بلندی کے نصیبوں میں ایک دن بستی یعنی فنا ہونا لکھا ہے۔ عقلمند آدمی کو ایسی بات پر مغرور تب نہیں دیتا جو فانی ہو۔ اس لئے دنیاوی عروج پر مغرور ہونا حماقت ہے۔

۳- ایک دفعہ مرزا بہت مغربی ہو گئے۔ قرض خواہوں نے نانش کر دی مرزا صاحب جواب دہی میں طلب ہوئے۔ انہوں نے یہ رقم شراب نوشی اور اس کے لوازمات میں صرف کی تھی۔ مفتی صدر الدین احمد خاں مفتی تھے۔ مرزا صاحب نے جواب دہوں کے طور پر یہ شعر فی البدیہہ کہہ کر پڑھا۔ مفتی صاحب سمجھ گئے اور انہوں نے ازراہ قدح دانی اور سخن شناسی تمام رقم اپنے پاس سے ادا کر کے مرزا صاحب کو رخصت کیا۔

ہم قرض شراب لیتے تھے اور پی جاتے تھے۔ لیکن اس بات سے غافل نہ تھے کہ ایک دن شراب فروش سے جھگڑا ہو گا۔ دوسرا یہی ہے کہ ہم پیسے قرض لے کر شراب پینے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ شراب نوشی ایک دن ضرور رنگ لائے گی۔

۴۔ نغمہ ہائے غم .. نالہ ہائے درد -

اسے دل اگر نغمہ ہائے شادی تھیں تو نغمہ غم ہی کو غنیمت جان۔ کیونکہ
عنقریب ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ سارا ہستی بے صدا ہو جائیگا۔ اس لئے
وقت کی قدر کر۔ ع نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی

۵۔ اس سراپا ناز کا سیوہ دھول دھپانہ تھا ہمیں نے ایک دی سیل
کی تھی اس دن سے اس کو دست دمازی کی علوت پر لگئی ہے۔ اب برداشت
کیجئے شکایت کیسی ؟

۹۱

ہم پر جھاسے ترک و فاکا گداں نہیں ۱ اک پھیرا ہے وگرنہ مرا امتحان نہیں
کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا ۲ پرشش ہے اور پائے سخن دریاں نہیں
ہم کو ستم عزیز، شکر کو ہم عزیز ۳ ناصر ہاں نہیں ہے اگر مہر ہاں نہیں
بوسہ نہیں، نہ دیکھئے دشنام ہی سہی ۴ آخر زباں تو نہ کھتے ہو تم، گرد ہاں نہیں
ہر چند جا نگدازی قہر و عتاب ہے ۵ ہر چند گشت گرمی تاب و توان نہیں
جان مطرب ترانہ، ہل من مزید ہے ۶ لب پر وہ سنج زمزمہ الاماں نہیں
خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دویم ۷ دل میں پھری چھوڑو نہ گرو خچکاں نہیں
ہے ننگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو ۸ سے عار دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب ۹ سو گز زیں کے بدلے سیاہاں گل نہیں
کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں ۱۰ گویا جیس پہ سجدہ بُت کا نشان نہیں
پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی ۱۱ روح القدس اگر چہ مرا ہمزباں نہیں

ہاں ہے بہائے بوسہ و لے کیوں کے بھی

غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم ہاں نہیں

۱۔ ہمارا محبوب ہماری وقاداری اور ہمارے عشق کی پائیداری پر امتداد
بھروسہ رکھتا ہے کہ اس کو ٹوڑا ٹوڑا نہیں ہے کہ ہم اس کی جفاؤں سے ڈر کر ہرگز
نرک و فناء نہ کریں گے۔ گویا اس کی جفا میں صرف ہمیں چھیرنے کی غرض سے ہیں۔
ورنہ ان جفاؤں سے انہیں ہمارا امتحان و قابلیت مقصود نہیں ہے۔

۲۔ لطف خاص .. مراد اشارہ و کنایہ + پائے سخن .. سلسلہ گفتگو۔
محبوب کے اس لطف خاص کا کس منہ سے شکریہ ادا کرے کہ وہ اشاروں
کنائوں سے میرا حال دریافت کرتا ہے اور پائے سخن درمیان نہیں لاتا۔ ظاہر
ہے معشوق کے کنائے عاشق کے لئے خاص لطف رکھتے ہیں بلکہ لطف خاص
کی نشانی ہیں۔

اگرے شعر محمد میں ہے تو میرا اس کی شرح یہ ہوگی کہ میں خدا کی حمد کس
زبان سے ادا کروں کہ وہ بغیر سلسلہ گفتگو اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے۔

۳۔ ہم کو نرم عزیز ہے اور وہ ہم پر ستم کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ
ستمگر ہم کو عزیز رکھتا ہے۔ اگر ہم کو عزیز نہ رکھتا تو ہم پر ستم ہرگز نہ کرتا۔ کیونکہ
ستم ہمیں عزیز ہے۔ وہ ہم کو وہی چیز دیتا ہے جو ہم کو عزیز ہے۔ اس لئے
ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس ستمگر کو عزیز ہیں۔ اس سلوک
خاص سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ستمگر اگر ہم پر مہربان نہیں ہے تو نا مہربان
بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ نا مہربان ہوتا تو ہماری آرزوئے ستم بھری
نہ کرتا (سجید حسرت)۔

یہ بخود: ہم کو ستمگر اس لئے عزیز ہے کہ اس کا ستم ہماری قوت برداشت
کے موافق ہوتا ہے۔ ایسا ظلم وہ نہیں کرتا جس سے ہم جاں بلب ہو جائیں
اس واسطے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی اس ستمگر کو عزیز ہیں۔ اگر عزیز نہ ہوتے تو

سم سے وہ ہماری جان لے لیتا ہے۔ اس بیان سے دوسرے مصرعہ کا ثبوت ہم پہنچتا ہے۔

آکسی: (۱) ہم کو اس کا تم عزیز ہے اور حقہ مشق حفا بنانے کے لئے وہ ہم کو عزیز رکھتا ہے۔ ہر حال نامہرانی سے اس کی ہرانی کا ایک پہلو نکلتا ہے (۲) وہ ہم کو پیارا ہے کہ ہم پر ظلم کرتا ہے اور ہم اس کو پیارے ہیں کہ ہم تم سے ہیں۔ اس کا ہم سے کام نکلتا ہے اور ہمارا اس سے۔ تو اگر وہ ہرانی نہیں ہے تو نامہرانی بھی نہیں (۳) ہم خیال مرفق۔

۴۔ بوسہ نہ دینے کا عذر تو تمہیں یہ ہاتھ آیا ہے کہ تمہارا دہن نہیں ہے۔ خیر آپ بوسہ نہ دیجئے۔ لیکن گالی دینے میں کیا مضائقہ ہے آخر آپ زبان تو نکلتے ہیں۔ کس خوبصورتی سے ظاہر کیا ہے کہ معشوق کا دہن نہیں ہوتا۔

۵۔ قمر و عتاب .. غصہ + جانگداز .. جان کو گھلا دینے والا + پشت گرمی .. سہارا - قوت -

قطعہ بند ہے، کہتے ہیں۔ ہر چند اس کا قمر و عتاب جان کو گھلانے والا ہے اور ہماری قوت برداشت نے جواب دے دیا ہے لیکن پھر بھی۔

۶۔ مطرب .. گانے والا + ہل من مزید .. کچھ اور زیادہ + پیرہہ سنج .. نغمہ سنج + زمزمہ ترانہ .. گیت + اللہان .. پناہ - الحمد -

ہم اس کے قمرے پناہ نہیں مانگتے اور زبان پر اللہان کا لفظ نہیں لاتے۔ بلکہ میری جان ترانہ ہل من مزید گاتی ہے۔ یعنی عتاب مزید کی خواہاں ہے۔

۷۔ دو نیم .. دو ٹکڑے - دو پارہ -

اگر تیرا دل دو پارہ نہ ہو تو پھر تو اپنا سینہ فخر سے چیر ڈال، تاکہ تیرا

دل زخمی ہو جائے اور اگر تیری مڑگاں خوشچکانی سے محروم ہوں تو اپنے دل میں
چھری گھونپ کر مڑگاں میں خوشچکانی کی صفت پیدا کر، کیونکہ :-

۸۔ آذر فشاں .. آتش فشاں -

وہ دل بسنے کے لئے باعثِ ننگ و عار ہے جو آتشِ عشق سے آتشکد
نہ بن گیا ہو اور اسی طرح وہ سانسِ دل کے لئے باعثِ شرم ہے جو شراب
نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سینہ ہی کیا جس میں آتش نہ ہو اور وہ دل ہی کیا
جس میں سے نفسِ آتش فشاں نہ نکلے۔

۹۔ اگر جنوں سے میرا گھر برباد ہوتا ہے تو مجھے کچھ نقصان نہیں کیونکہ
میرے گھر میں بہت ہوگی تو سو گز زمین ہوگی۔ جنوں کی بدولت مجھے سو گز زمین
کے بدلے ایک پورا بیابان ملتا ہے۔ ظاہر ہے یہ کچھ جنگا سودا نہیں۔
۱۰۔ سر نوشت .. تقدیر .. جیس .. ماتھا۔

وہ فرماتے ہیں کہ تیری تقدیر میں کیا لکھا ہے؟ ذرا ستم ظریفی اور سادگی
ملاحظہ ہو۔ میرے ماتھے پر موتوں کو سجدے کرنے کرتے گٹا پڑ گیا ہے اور میری
میرا نوشتہ تقدیر ہے۔ پھر چترا چترا کر نوشتہ تقدیر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے
میری سر نوشت میری پیشانی سے ظاہر ہے۔

۱۱۔ روح القدس .. حضرت جبرائیل -

حالی : ”یہاں ہم زبان“ کے لفظ میں ایہام ہے۔ ظاہری معنی تو یہ
ہیں کہ انسان اور فرشتے کی زبان ایک نہیں ہو سکتی اور درپردہ اس میں یہ
اشارہ ہے کہ جیسی فصیح میری زبان ہے ویسی روح القدس کی نہیں۔ لیکن
پھر بھی اپنے کلام کی داد مجھے اس سے مل رہی ہے یہ بھی مطلب ممکن ہے کہ
میرا کلام سراسر الہام ہے۔

۱۲۔ بہا۔۔ قیمت ۔

اس کے ایک بوسے کی قیمت جان ہے۔ لیکن ابھی وہ کیوں کیسے گا کہ جان دے کر بوسے لے لو۔ کیونکہ ابھی تو مجھ میں جان باقی ہے۔ جب مجھ میں پوری جان نہ رہے گی اور میں نیم جان ہو جاؤں گا۔ تو اس وقت کہے گا کہ جان دواد بوسے لے لو۔ ظاہر ہے۔ نیم جان پوری جان کہاں سے لائے گا۔ جو بوسے کا طالب ہوگا۔

۹۲

ماخِ دشتِ نوردی کوئی تدبیر نہیں ۱ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
شوق اس دشت میں ڈٹا ہے مجھ کو کہ جہاں ۲ جادہ غیر از نگہ دیدہ تصویر نہیں
حسرت لذتِ آزار رہی جاتی ہے ۳ جادہ راء وفا جز دمِ شمشیر نہیں
رنجِ نویدِ جاوید، گوارا رہیو ۴ خوش ہوں گر نالہ زبونی کس تاثیر نہیں
سر کھاتا ہے جہاں زخمِ سراپا ہو جلے ۵ لذتِ سنگ یا اندازہ تقریر نہیں
جب گرمِ رخصتِ یما کی وگستاخی ہے ۶ کوئی تقصیر مجھو نخلتِ تقصیر نہیں
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ

”آپ بے برہ ہے جو مستقیم نہیں

۱۔ حالی، چکر۔ پھرنے کی دھت۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاؤں میں چکر ہے
یعنی اس کو پھرنے کی دھت ہے۔ کہتا ہے کہ کوئی تدبیر مجھے دشتِ نوردی سے
روک نہیں سکتی۔ پس زنجیر جو اس غرض سے میرے پاؤں میں ڈالی گئی ہے اسے
زنجیر نہ سمجھو بلکہ چکر سمجھو۔

۲۔ میرا شوق جنوں مجھے اس دشت میں دوڑاتا ہے جہاں راستہ اس طرح
معدوم ہے جیسے دیدہ تصویر میں نگہ معدوم ہوتی ہے۔ تمام متفق ۔

آہنی دوسرے معنی یہ کہتے ہیں :- جیسے کہ دیدہ تصویر حیرت میں ہے۔ اسی طرح دہاں اگر کوئی جاوہ ہے تو جاوہ حیرت ہے اور کچھ نہیں (سعید)

حسرت کے دوسرے معنی ملاحظہ ہوں۔ شوق مجھ کو اس دشت میں لئے جاتا ہے جہاں ہر شخص مثل تصویر محو حیرت ہو جاتا ہے۔

۳۔ جاوہ یعنی بیٹا کو دم شمشیر سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ عشق کے آزار اور تکلیف میں جو لذت ہے، جی تو یہی چاہتا ہے کہ اس لذت سے خوب دل کھول کر مستی ہوں۔ مگر چونکہ دنیا کی راہ سراسر تلوار کی دھار پر ہے اس لئے پہلے ہی قدم پر موت نظر آتی ہے۔ پس افسوس ہے کہ لذت آزار کی حسرت دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہے۔

۴۔ نو میدی جاوید .. دائمی مایوسی + زلونی کش .. ذلیل مراد احسان خدا کرے مجھے ہمیشہ دائمی مایوسی اور ناامیدی گوارا رہے ہیں یہی حالت ہے بہت خوش ہوں کیونکہ اس حالت سے میرے نالے تائید کے احسان کی ذلت اٹھانے سے محفوظ رہتے ہیں۔

۵۔ سر کھجاتا .. سر میں کھجلی ہونا، محاورہ میں شامت آنا۔ پٹنے کی خواہش پیدا ہونا، جہاں .. جس وقت + باندازہ تقریر نہیں .. بیان نہیں ہو سکتا۔ جس وقت میرا زخم سراپا ہو جاتا ہے تو میرا سر کھجاتا ہے۔ گویا جی چاہتا ہے کہ لڑکے بالے مجھے اور پتھر ماریں اور زخم لگائیں اور پتھر کھانے میں کچھ ایسا لطف ہے جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ مرزا نے سر کھجانے کا محاورہ خوب صرف کیا ہے۔ بقول بخود اندمال زخم کے بعد زخم میں جو کھجلی ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو مرزا نے دوبارہ زخم کھانے کے شوق سے تعبیر کیا ہے۔

۶۔ رخصت .. اجازت، تقصیر .. تصور + خجالت، تقصیر .. ارتکاب۔
 تصور سے جھجکتا۔

جب یار کی ہرمانیاں گستاخی کرنے کی اجازت دیں تو اس وقت جھجکتا
 اور شرم کرنا سب سے بڑا تصور ہے۔

۷۔ بے بہرہ .. بد نصیب۔

غالب بقول ناسخ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص میر کو پیغمبر مسمیٰ نہیں
 مانتا اور شاعری میں ان کی پیروی نہیں کرتا وہ بے بہرہ اور بد نصیب ہے۔

۹۲

برہنگال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہئے ۱ کھل گئی مانند گل سو جل سے دیوار چمن
 اُلفت گل سے غلط ہے دعویٰ دارنگی ۲ سرو ہے باد صفا آزادی گرفتار چمن
 ۱۔ برہنگال .. برسات + کھل گئی .. شق ہو گئی۔

یہ گریہ عاشق کی برسات ہے دیکھا چاہئے کہ کیا رنگ لاتی ہے اس
 برسات سے دیوار چمن گل کی طرح سو جگہ سے کھل گئی ہے ظاہر ہے جب
 دیوار چمن کا یہ عالم ہے تو دیکھا چاہئے چمن میں کس قدر پھول کھلتے ہیں۔

۲۔ دعویٰ دارنگی .. دعویٰ آزادی۔

اُلفت گل سے کوئی دارستہ اور آزاد نہیں ہے یہاں دعویٰ
 دارنگی و آزادی بالکل غلط ہے۔ سرو کو دیکھ لو کہ آزاد کہلاتا ہے مگر
 درحقیقت اُلفت گل میں گرفتار ہے۔ کیا مجال کہ چمن سے باہر جاسکے
 بس یہ ہے اس کو آزادی کا دعویٰ؟ حاصل شعریہ ہے۔ کوئی کیا
 ہی آزاد منہش کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ دنیا میں عشق و محبت کے پھندے
 سے نہیں چھوٹ سکتا۔

عشق تاثر سے ناامید نہیں ۱۔ جالسیاری شجر بید نہیں
 سلطنت دست بدست آئی ہے ۲۔ جامے خاتم جمشید نہیں
 ہے سخی تری سا بان وجود ۳۔ ذرہ بے پر تو خود شہید نہیں
 راز معشوق نہ دسا ہو جلتے ۴۔ در نہ مر جلے میں کچھ بید نہیں
 گردش زنگ طرب سے ڈر ہے ۵۔ غم محرومی جاوید نہیں
 کہتے ہیں جینے میں امید پر لوگ ۶۔ ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
 ۱۔ جالسیاری .. جان دینا۔ جالسیاری + شجر بید .. بید کے درخت
 میں کوئی پھل نہیں لگتا۔

عشق تاثر سے ناامید نہیں ہے۔ یعنی اس میں تاثر ضرور ہوتا ہے۔ جان
 دینے کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور ملتا ہے۔ جالسیاری شجر بید نہیں ہے کس
 میں کوئی پھل ہی نہ آئے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق میں جالسیاری ضرور کچھ
 نتیجہ یا اثر دکھائی ہے۔

۲۔ خاتم .. خلیفہ۔ انگوٹھی۔ عام طور پر گیند پر نام کھدا ہوا ہوتا ہے۔
 جامے کی سلطنت جمشید سے آندوں کو دست بدست ملی ہے یہ
 جامے خاتم جمشید نہیں ہے کہ صرف جمشید ہی کے ہاتھ کے لئے مخصوص
 ہو اور دوسرے اس سے محروم رہیں۔

صرف سقید کو جزوی اختلاف ہے۔ لکھتے ہیں سلطنت اور جام کو
 مرادف قرار نہیں دیتا چاہئے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سلطنت واسطہ بواسطہ
 منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جامے خاتم جم یا سلطنت جم نہیں کہ صرف ایک شخص
 کے لئے مخصوص ہو اور اسی کی ذات پر ختم ہو جائے۔

۳۔ تیری جھٹی دجود عالم کا سبب ہے جس طرح ذرہ بغیر پر تو خود شید کے نمایاں نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تمام موجودات عالم تیری ذات کے پر تو کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ غالب ۵

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے پر تو سے آفتاب کے فٹے میں جان ہے

۴۔ حالی: ”بھید کے معنی پوشیدہ بات کے ہیں خواہ پوشیدہ مصلحت ہو، خواہ پوشیدہ قباحت ہو۔ یہاں پوشیدہ قباحت مراد ہے۔ اگر مر جائے کی جگہ نہ مرنے کا لفظ ہوتا تو بھید کے معنی پوشیدہ مصلحت ہو جاتے۔“ مطلب یہ ہے کہ میرے مر جانے میں کوئی پوشیدہ قباحت نہیں ہے۔ صوف خوف ہے تو اتنا ہے کہ کہیں میرے مر جانے سے راز عشق فاش نہ ہو جائے گویا عاشق کا جاننا طمع شوق کی رسوائی کا باعث نہ ہو۔ راز اور بھید میں رعایت نظر ہے۔

۵۔ مجھے محرومی جاوید کا غم نہیں ہے، کیونکہ محرومی جاوید کی حالت میں ہمیشہ ایک سی حالت رہے گی۔ برخلاف اس کے عیش و نشاط کی کیفیت ہمیشہ نہیں رہتی۔ اس حالت میں ہمیشہ گردش ایام کا خوف لگا رہتا ہے اور فطرت انسان یہ ہے کہ راحت کے بعد رنج آئے بہت تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کیفیتوں کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ رنگ طرب سے نوید می جاوید بہتر ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کے انقلاب کا خوف نہیں۔

حسرت کے دوسرے معنی: گردش رنگ طرب سے اس لئے ڈر ہے کہ محرومی کی حالت میں طرب کی جھدک سے رنج محرومی کا احساس اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔

معبد کے دوسرے معنی: رنگ طرب کی تبدیلیاں دیکھ کر مجھ کو یہ ڈر

ہے کہ محرومی بھی ہمیشہ نہ رہ سکے گی۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ محرومی جاوید کا جو غم میں ماحصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہ ہو۔

آئسی (۱) میرے ہم خیال (۲)، اسے دو شخص کہ تجھ کو زمانہ عیش کے زوال کا دھڑکا لگا ہوا ہے اور یہ کھٹکا تجھے کھائے جاتا ہے۔ تو اس سے نہیں ڈرتا اور ان لوگوں کا تجھے خیال نہیں جو محروم جاوید ہیں۔ (طباطبائی)

(۳) یہ غم نہیں کہ ایک وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب تو ہمیشہ کے لئے عیش و عشرت سے محروم کر دیا جائیگا اور اس خیالِ نوالِ عیش تک سے محروم ہو جائیگا۔ مراد ہے زمانہ اجل سے۔

۶۔ (۱) مثل مشہور ہے کہ دنیا بامید قائم۔ لیکن ہم ایسے شخص ہیں کہ ہم کو جیسے کی بھی امید نہیں (۲)، امید ہی سے زندگی ہے۔ جب کوئی امید نہیں تو زندگی سے ناامید ہونا لازمی ہے (۳) جب ہم کو جینے کی بھی امید نہیں تو پھر ہم کس امید پر جیتے ہیں۔ بقول قالی یہ شعر متنع ہے۔ اس زمین میں اس سے بہتر شعر نکالنا مشکل ہے۔

۹۶

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں ۱ جیاہاں جیاہاں ادم دیکھتے ہیں
دل آشفٹگاں خال کج دہن کے ۲ سویدا میں سیرِ علم دیکھتے ہیں
ترے سروِ قامت سے اکلِ قدم ۳ قیامت کے نقشے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کرے مجھ کو آئینہ داری ۴ تجھے کس تناسل سے ہم دیکھتے ہیں
سُراخِ ثقبِ نالہ درِ غل سے ۵ کہ خبِ نو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

۱۔ خیاباں .. پھولوں کی کیدری + ارم .. باغ ارم، باغ جنت + خیاباں

خیاباں .. بمعنی بکثرت خیاباں -

یار کے نقش قدم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں - جہاں کہیں ہم تیرا
نقش قدم دیکھتے ہیں، تو ہم کو تیرا ہر نقش قدم ایک خیاباں ارم دکھلائی دیتا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تو قدم رکھتا ہے وہاں باغ ارم کے سرسبز و
شاداب سچے نظر آتے ہیں۔

۲۔ وہ لوگ جو تیرے خالِ دہن پر عاشق ہیں، اپنے سویدائے دل
میں عدم کی سیر کر رہے ہیں۔ اس میں رمز یہ ہے کہ سویدائے دل -

خالِ دہن معشوق سے مشابہ ہے اور دہن معشوق عدم یعنی معدوم ہے -
۳۔ حالی: اس کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ سرو قیامت سے قنۃ قیامت

گزر رہے اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ تیرا قد اسی سے بنایا گیا ہے - اس
لئے وہ ایک قد آدم کم ہو گیا ہے۔ اور تیرا قد قنۃ قیامت سے ایک
قد بھر اور بڑھ گیا ہے۔

۴۔ تماشا کر .. دیکھ تماشا کروں کا ترجمہ ہے۔ آئینہ میں اپنے
جمال کو دیکھ کر کیا غم ہو رہے ہو۔ ذرا ادھر تو دیکھو کہ ہم تمہیں کس حسرت
سے دیکھ رہے ہیں (تمام متفق)

آئینہ نے ایک پہلو یہ نکالا ہے کہ اسے محو آئینہ داری آئینہ کو چھوڑ
ہم کو دیکھ کہ تیری اس حالت آئینہ داری کے دیکھنے سے ہم آئینہ سے بھی
کچھ زیادہ حسرت زدہ بن گئے ہیں۔ چونکہ تجھ کو آئینہ اور آئینہ داری کا شوق ہے
لہذا تو ہم کو دیکھو -

۵۔ سُراغ .. کھوج - پتہ + تھنِ نالہ .. نالہ کی حدت و گرمی +

شب رو.. رات کو چلنے والا مسافر شب -

نالہ دل کو شب رو کہا ہے۔ کیونکہ نالہ اکثر رات کو بلند کیا جاتا ہے اور
دارغ دل کو اس کا نقشب قدم قرار دیا ہے۔ جس طرح رات کو چلنے والے کا گرج مہج
کو اس کے نقشب قدم سے نکالتے ہیں کہ وہ کس طرف سے آیا اور کس طرف گیا۔
اسی طرح تو بھی میرے دارغ والے (جو شب رو کے نقشب قدم سے مشابہ
ہے) میرے نالہ شب کی گرمی کا سراغ لگا۔

۶۔ ہم فقیر نہیں ہیں۔ لیکن اہل کرم کا اندازہ کرم دیکھنے کے۔ لیکن ہم نے
فقیروں کا بھیس بدل لیا ہے۔

۹۷

ملتی ہے غم نے یارست نارا التباب میں ۱ کافروں گرنے لگتی ہو راحت عذاب میں
کبے بھول کیا بن ڈس جلی خراب میں ۲ شہلے سجھو بھی رکھوں گے حساب میں
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر ۳ آنے کا عجب کر گئے آئے ہو خواب میں
قاسد کے آئے آتے تھوڑا اور لکھ رکھوں ۴ میں جانتا ہوں جو وہ نکھیں گے جواب میر
خواب کا کب ان کی بزم میں آتا تھا دیو جام ۵ ساقی نے کچھ ملا دیا ہو شراب میں
جو سنکر وفا ہو قریب اس یہ کیا چلے ۶ کیوں بدگیاں ہیں دوست کے دشمن کجا میں
میں منظر، ہوں دل میں غم قریب سے ۷ ڈالا ہے تم کو وہمے کس بیچ و تاب میں
یہ اور بظ و صل خدا ساز بنا ہے ۸ ہاں نند دینی کھول گیا اضطراب میں
یتیمی پر رحم ہوئی ہے جو اند تھا بہت ۹ ہے اکٹھن پڑی ہوئی طرف نقاب میں
لاسن سفار یک جہر انا گاہ ۱۰ لاکھوں بنا ڈا ایک بگڑنا عتاب میں
وہ نالہ دل میں جس کے برابر جگہ نہ پائے ۱۱ جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں
وہ سحر دعا طلبی میں نہ کام آئے ۲ جس سحر سے سفینہ بھاں ہو سرب میں

عذابِ جہنمی شرابِ یراب بھی لکھی کبھی

پیتا ہوں جزا پر و شرب، نامتاب میں

۱۔ نار۔ آگ۔ التاب۔ گرمی، طیش۔

شعلہ زنی، آگ بکولا ہونا۔ بجے جانا۔ بارت بارت ہر افوختہ ہونا جتنے بار ہے اور آگ میں یہی صفات موجود ہیں۔ اس مشابہت کی وجہ سے مجھ کو عذابِ نار میں بھی راحت ملتی ہے اور اس حقیقت سے میں انکار نہیں کر سکتا اگر انکار کروں تو کافر ہوں۔

۲۔ میں نہیں بتا سکتا کہ اس جہانِ خراب میں کب سے زندہ گی بسر کر رہا ہوں معمولی سا اندازہ یہ ہے کہ جدائی کی ایک ایک رات ہزار ہزار سال کے برابر تھی۔ خدا جلنے لکھنی جدائی کی راتیں گزر گئیں اور کتنے ہزار سال مجھے اس جہانِ خراب میں آٹے ہوئے ہو گئے۔ اگر میں شب بامشہ ہجر کو حساب میں لگاؤں تو نہیں معلوم میری عمر کس قدر طویل ثابت ہو۔

۳۔ میں اس کا انتظار کرتے کرتے سو گیا۔ لیکن اس شوخ کو یہ بھی گواہا نہیں کہ میں انتظار کرتے کرتے سو جاؤں اور خواب ہی میں ان کو دیکھ لوں۔ اس دو گونہ نطف سے مجھے محروم کرنے کے لئے وہ میرے خواب میں آئے اور آنے کا وعدہ کر گئے تاکہ پھر انتظار میں مجھ کو عمر بھر نیند نہ آئے۔ گویا اب انتظار میں نہ مجھے نیند آئیگی اور نہ وہ خواب میں آئیں گے، خوب شعریہ۔

۴۔ جب۔ قاصد واپس آئے اس وقت تک میں ایک اور خط لکھ لوں۔ کیونکہ جو کچھ وہ جواب میں لکھیں گے، وہ مجھے معلوم ہی ہے۔ اس لئے انتظار قاصدِ فنون ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مجھے کچھ نہیں لکھیں گے۔ انکار لکھیں گے یا خط لکھنے سے روکیں گے۔

۵۔ حالی : اس شعر میں پہلے مصرعہ کے بعد اتنا جملہ محذوف ہے (پھر آج جو خلافِ عادت جام کی نوبت مجھ تک پہنچی ہے) اس حذف نے شعر کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔ ایسا حذف جس پر قرینہ دلالت کرتا ہو اور جو الفاظ حذف کئے گئے ہیں وہ بغیر ذکر کے دونوں مصرعوں میں بول رہے ہیں محضات شعر میں شمار کیا جاتا ہے۔

ان کی بزم میں دورِ جام مجھ تک کب آتا تھا۔ پھر آج جو خلافِ عادت جام کی نوبت مجھ تک پہنچی ہے تو کیا تعجب ہے کہ ساقی نے شراب میں نہر ملا دیا ہو۔ کیونکہ ان کی بزم کا ساقی بھی میرا رقیب ہے۔

۶۔ منکر و فا۔ جو شخص وفا سے انکار کرتا ہو یا کسی کی وفاداری کا اعتناء نہ کرتا ہو + دشمن .. رقیب + دوست .. محبوب۔

جو شخص کہ سرے ہی سے منکر و فا ہو اس پر کسی کا فریب محبت کا راگر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں خواہ مخواہ دوست سے برگمناں کیوں ہوں اور یہ خیال کروں کہ وہ رقیب کے فریب و فامیں آگیا ہے۔ بھلا منکر و فا کا اس فریب میں آنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے ؟

۷۔ رشک کہتا ہے کہ اس عورتِ اخلاص غفل کتنی ہے کہ وہ بے ہر کس کا آشنا + معشوق سے کہتے ہیں۔ میں تو وصل میں خوفِ رقیب کی وجہ سے پریشان ہوں کہ وہ کم بخت عین موقع پر ہی نہ آن دھکے اور رنگ میں بھنگ نہ ڈال دے لیکن یہ بتلائیے کہ آپ کو وہم نے کس بیچ و تاب میں ڈالا ہے۔

وہم کی تشریح غور طلب ہے۔ حیثیتِ حسرت و طہا طہائی لکھتے ہیں تم کو یہ وہم ہے کہ میں کسی دوسرے معشوق سے چھپ کر آیا ہوں۔ اس لئے مضطرب ہوں۔

سعیہ : تمہارا یہ خیال ہے کہ میں کسی دوسرے معشوق کے خیال سے بے چین ہوں۔

آنسی : اگر معشوق کہے کہ جیسے تجھے رقیب کا خوف ہے۔ ویسے ہی مجھے بھی ہے۔ تو اس سے کہا جائے کہ آپ تو کہتے تھے مجھے کسی کا خوف نہیں۔ کیونکہ میں کسی سے ملتا ہی نہیں پھر کس بات کا وہم ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ کی وہ سب باتیں غلط تھیں۔ مصنف نے خوف کا لفظ اپنے لئے وہم کا لفظ محبوب کے لئے استعمال کیا ہے۔ خوف اس لئے کہ رقیب عاشق کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور معشوق کا وہم اس لئے کہ اس کا نقصان کا اندیشہ ایک وہم سے زیادہ وقت نہیں رکھتا۔

۸۔ مجھے اور حظ و نطف و صل حاصل ہو۔ یہ ایک خدا سا ذات ہے۔
دوسرے میں اس قابل کب تھا مجھے اس موقع پر اپنی جان قربان کر دینی چاہئے تھی۔
باقی شارحین حظ و صل کا مفہوم بہتر خیال کرتے ہیں۔

۹۔ عاشق پر محبوب کی برہمی مزاج کا ایسا اثر ہوا کہ جب وہ نقاب میں شکن پڑی ہوئی دیکھتا ہے تو فوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ محبوب کا مزاج برہم ہے۔ برہمی کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر پڑے ہیں اور اس کا اثر نقاب پر ظاہر ہے۔ یعنی تیوری کے مقام پر شکن پیدا ہو گئی ہے۔

۱۰۔ حالی : یہاں لگاؤ سے مراد لگاؤٹ ہے۔ یعنی معشوق کا عاشق کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اس کا التفات اور میلان طبع پایا جائے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ دوست کی لاکھوں لگاؤٹیں ایک طرف اور ایک نگاہ کا چرانا ایک طرف اور اس کے لاکھوں بناؤ سنگار ایک طرف اور ایک عتاب میں گزرنا ایک طرف۔ یہ شعر بھی سہل مستح ہے۔ اگر الفاظ کی طرف دیکھئے تو تعجب ہوتا ہے کہ

کیونکہ ایسے دو ہم پلہ مصرعے ہم پہنچ گئے۔ جن میں حسن ترصیح کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے اور اگر معنی پر نظر کیجئے تو ہر ایک مصرعہ میں ایک ایسا معاملہ پانڈھا گیا ہے جو فی الواقع عاشق و معشوق کے درمیان ہمیشہ گزرتا رہتا ہے معشوق کی لگاؤ عاشق کے لئے بہت بڑی چیز ہے مگر اس کا آنکھ چرانا جو لگاؤ کی قید ہے۔ وہ عاشق کی نظر میں لگاؤ سے بہت زیادہ دلفریب و دل آہینہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بناؤ سنگار سے معشوق کا حسن بیشک دوبالا ہو جاتا ہے مگر اس کا غصہ میں بگڑنا اس کے بناؤ سے بہت زیادہ خوشنما اور دل ربا معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر کے متعلق یہ سب ظاہری اور اوپری باتیں ہیں جو ہم لکھ رہے ہیں۔ اس کی اصل خوبی و بددانی ہے جس کو صاحب ذوق کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک روز مولانا آزاد مرحوم کے دو برو کسی نے یہ شعر برلحاہ چونکہ مولانا نہایت صاحب اور سمر علی الفہم اشعار کو پسند کرتے تھے۔ اس لئے مرزا کے کلام کو سن کر اکثر ابھٹتے تھے اور ان کی طرز کو ہمیشہ نام رکھتے تھے مگر اس روز اس شعر کو سن کر وہ جھک کر گئے اور متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ کس کا شعر ہے۔ کہا گیا میرزا غالب کا چونکہ وہ میرزا کے شعر کی بھی تعریف نہ کرتے تھے اور اس روز لا علمی میں بیباختہ ان کے منہ سے تعریف نکل گئی تھی۔ غالب کا نام سن کر بطور مزاح کے جیسی کہ ان کی عادت تھی فرمایا۔ اس میں میرزا کی کیا تعریف ہے یہ تو خاص ہماری طرز کا شعر ہے۔ مگر فی الحقیقت یہ شعر بھی معنًا و لفظًا ویسا ہی اچھوتا اور نرالا ہے جیسا کہ میرزا کا تمام کلام کسی کے کلام سے میل نہیں کھاتا۔ جہاں تک کہ ہم کو معلوم ہے یہ اسلوب بیان آج تک اس عمدگی کے ساتھ کسی کے کلام میں نہیں دیکھا گیا۔

تعجب ہے میرا وہ نالہ جس سے آفتاب شق ہو جاتا ہے۔ معشوق کے دل پر کچھ بھی اثر نہیں کرتا۔

۱۲۔ مدعا طلبی .. مطلب براری + سحر .. جادو + سراب .. چمکنے والی ریت جس کو دور سے دیکھ کر پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔

تعجب ہے کہ اس جادو سے بھی میری طلب براری نہ ہو۔ جس کے زور سے دریا بے سراب میں کشتی رواں ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ میں نے شراب بینی چھوڑ دی ہے۔ لیکن کیا کروں چاندنی راقول اور ابر کے دونوں میں نہیں رہا جاتا۔

۹۸

کل کے لٹ کر آج نہخت شرب میں ۱ یہ سوئے نفل ہے ساقی کو شریک باب میں
ہیں کج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند ۲ گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
جاں کیوں نکلے لگتی ہے تن سے دم سماع ۳ گر وہ صدا سنائی ہے تنگ و رباب میں
رو میں ہے رخس عمر کہاں دیکھے تھے ۴ نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے ۵ جتنا کہ وہیم غیر سے ہوں تنگ و تاب میں
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۶ جہاں ہوں کچھ مشاہد ہے کس حساب میں
ہے مشتمل نمود و صورت پر وجود بھر ۷ یاں کیا دھڑا ہے قطرہ و موج و حباب میں
شرم راک اداسے ناز ہے اپنے ہی سے ۸ میں کتنے بے حجاب کہیں یوں حجاب میں
آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنور ۹ پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں
ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود ۱۰ میں خواب میں ہنوز جو چمکے میں خواب میں

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بے دست

مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

۱۔ کل .. مراد۔ خزانے قیامت + خست .. کنجوسی بچل پوٹے ظن .. بدگمانی + ساقی کوثر .. کوثر حوض بہشت ہے اور حضرت علی علیہ السلام ساقی کوثر ہیں۔

ساقی کل کے لئے شراب بچانی چاہتا ہے۔ اس لئے دل کھول کر شراب نہیں پلاتا۔ کہتے ہیں۔ اسے ساقی تو کل کا خیال کو کے آج شراب پلانے میں کنجوسی نہ کر۔ جس قدر پلا سکتا ہے آج ہی پلا دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ساقی کوثر کی شان میں بدگمانی اور گستاخی ہوتی ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کل یعنی روز قیامت ساقی کوثر دل بھر کر نہ چھکائیں۔ پھر تجھے خست کرنے سے کیا حاصل ہے۔ (آئسی)

بیخود: کل یعنی خزانے قیامت کے لئے آج شراب دینے میں خست نہ کر۔ (مشور ہے کہ دنیا میں جو شراب پئے گا۔ وہ آخرت میں شراب طہوری سے محروم رہیگا) یہ سمجھنا کہ ساقی کوثر شراب طہوری نہ دیئے گئے۔ ساقی کوثر کی فیاضی پر سونہ ظن ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، وہاں بھی ضرور ملے گی۔

آئسی: (۱) روز قیامت کے خوف سے شراب دینے میں خست نہ کر۔ کیونکہ اس سے ساقی کوثر کی شان میں سونہ ظن پیدا ہوتا ہے۔ اگر شراب بُری ہوتی تو ساقی کوثر کو یہ کام کیوں پسند ہوتا (۲) میرے ہم خیال۔

سعیقہ: اسے ساقی تو کل قیامت کے خیال سے شراب پلانے میں آج خست نہ کر۔ کیونکہ ایسا کرنا ساقی کوثر کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ بھلا یہ ان کے کب شایانِ شان ہے کہ اگر تو آج شراب زیادہ پلا دے گا تو وہ کل اس کو منہا کر لیں گے۔

۲۔ حالی: اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ معشوق کو یا تو ہماری خاطر ایسی

عزیز تھی کہ اگر بالفرض فرشتہ بھی ہماری نسبت کوئی گستاخی کرتا تو اس کو گوارا نہ ہوتی اور یا اب ہم کو بالکل نظر سے گرا دیا گیا ہے۔ دوسرے عمر معنی یہ ہیں کہ اس شعر میں حضرت آدم اور فرشتوں کے اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے کہا۔ کیا تو دنیا میں اُس شخص یعنی اس نوع کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو اس میں فساد اور خونریزی کرے۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ تم نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں اور پھر آدم سے ان کو رنگ دلوائی اور حکم ہوا کہ آدم کو مجھہ کریں۔ کہتا ہے کہ آج ہم دنیا میں کیوں اس قدر ذلیل ہیں۔ کل تک تو ہماری ایسی عزت تھی۔

(دینچود، سعید) آستی اور طباطبائی نے دوسرا مضمون لکھا ہے۔

۳۔ دم سماع .. سماع کے وقت، سماع یعنی سُنا، صوفیائے کرام ان اشعار کو سُنے کو جو حمد و ثنائیں گائے جلتے ہیں۔ سماع کہتے ہیں۔ جنگ ورباب .. آلات موسیقی۔

اگر خدا کی آواز جنگ ورباب میں سمائی ہوئی ہے تو پھر ان کے نعروں کو سن کر روح میں بالیدگی پیدا ہونی چاہئے۔ لیکن یہ اس کا الٹا اثر کیسا ہے کہ سماع کے وقت ہمارے جسم سے جان نکلنے لگتی ہے۔

۴۔ رخس .. گھوڑا۔

حالی: سوار کی بے اختیاری اور گھوڑے کا اس کے اختیار سے باہر ہونا چاہک سواروں کی زبان میں اس سے بہتر بیان نہیں ہو سکتا اور عمر کو ایسے بے قابو گھوڑے سے تشبیہ دینی حسنِ شبہ کا حق ادا کر دینا ہے۔ میرا تو سن عمر بکٹ اڑا چلا جاتا ہے۔ میری حالت یہ ہے کہ نہ تو ہاتھ

میں باگ ہے اور نہ پاؤں رکاب میں ہے۔ بالکل بے اختیار اس پر سوار ہوں۔ دیکھئے، وہ کہاں جا کر ٹھمتا ہے یا کتنی دُور جا کر مجھے اپنی پشت پر سے گراتا ہے۔ آزاد ہے

جہازِ عمرِ رواں پر سوار بیٹھے ہیں سوارِ خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں
۵۔ حالی: غیر سے یہاں ماسوائے اللہ مراد ہے، جو صوفیہ کے نزدیک بالکل معدوم ہے۔ اس لئے کہ وہ وجودِ واحد کے سوا سب کو معدوم سمجھتے ہیں۔ کہتا ہے جس قدر وجودِ ماسوائے دہم سے رات دن بیچ و تاب میں رہتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجودِ واجب سے بعد ہے (تجود، معبود) اُسی: (۱) جس قدر کہ مجھ کو غیر کا دہم ہے اور غیر کو غیر سمجھتا ہوں۔ اپنی حقیقت سے دُور ہوں۔ اپنی ذات سے بھی دُور ہوں۔ یعنی ماسوائے اللہ ہر ایک سے علیحدہ ہوں۔ وہ اپنی ذات ہو یا کوئی اور ہو۔ (۲) بھجیاں عالی۔

طبا طبائی: جس قدر غیر کو سمجھتا ہوں۔ اتنا ہی اپنے سے بیگانہ ہوں پس عارفِ ذہنی وہ ہے جسے غیر کے آئینہٴ رخسار میں اپنا منہ نظر آئے۔
۶۔ شہود جمع شاید کی، حاضر ہونا، جب سالک کو تمام موجوداتِ عالم میں حق ہی حق نظر آتا ہے تو اس کیفیت کو شہود کہتے ہیں + شاید: محبوب۔ لفظی معنی دیکھنے والا + مشہود: جس کو دیکھا جائے۔

شہود، شاید اور مشہود کی اصل ایک ہے۔ اس لئے مجھے حیرت ہے کہ جب یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں تو پھر مشاہدہ کیا چیز ہے۔ کیونکہ مشاہدہ شاید اور مشہود کے وجود کو علیحدہ علیحدہ چاہتا ہے۔

۷۔ حالی: وحدت و وجود اور کثرتِ مہموم کی تمثیل ہے۔ قطرہ و موج و خباب کے میچ و ناچیز ہونے کو ایک عام محاورہ میں اس طرح ادا کرنا کہ یہاں

کیا دھرا ہے۔ منہائے بلاغت ہے (سجیدہ - بخود)

آہستی : قطروہ موج و حجاب کی ہستی کوئی ہستی نہیں ہے بلکہ یہ سب صورتیں دریا کی بدولت نظر آ رہی ہیں اور ان صورتوں کے ظاہر ہونے سے بحر کا پتہ چلتا ہے یعنی ہستی موجودات و جود و حجب کے ضمن میں ہے باقی کچھ نہیں ہے (طباطبائی)

۸۔ حسرت : ان کا حجاب میں رہنا اسی ان کی بے حجابی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پردے میں رہ کر وہ اپنے سے نہیں شرماتے۔ حالانکہ شرم جو ایک ادا ہے ناز ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ خود اپنی ذات سے بھی حیا آئے۔ یا یہ مطلب ہو گا کہ ان کا حجاب کرنا بھی ایک طرح کی بے حجابی ہے (تمام متفق)۔ ۹۔ ہر محبوب بناؤ سنگار اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں اور اس پر عاشق ہو جائیں۔ چنانچہ ہمارے محبوب نے بھی خوب بناؤ سنگار کئے اور اپنے اس مطلب میں کامیاب ہوا۔ جب سارا جہان اس پر عاشق ہو گیا تو اس نے آتش اشتیاق وید کو مشتعل کرنے کے لئے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا نقاب ڈالنے کا اصلی مدعا یہ ہے کہ کوئی شخص اسے نہ دیکھے جب کوئی اسے دیکھتا نہیں تو پھر آرائش جمال کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن ہمارے محبوب کو جمال آرائشی کا اس قدر شوق ہے کہ اوجہ نقاب ڈالنے کے اسے آرائش جمال سے فراغت حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس شوق کو پورا کرنے کے لئے وہ پردے میں بھی آرائش جمال کے لئے ہر وقت آئینہ پیش نظر رکھتا ہے۔ (سجیدہ - آہستی)

طباطبائی : نقاب استعارہ ہے حجاب قدس کا اور آئینہ اس میں

”علم یا یوں دیکھنا“ کا حکم رکھتا ہے اور اگر ایش جہاں سے فارغ ہونا تفسیر ہے ”کل یوم ہونی شان“ کی (یعنی خود)

۱۔ سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آئے۔ قیاس کو شہود کہتے ہیں اور غیب الغیب سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے جو عقل و فہم و بصیرت سے جدا اور اسے کتاب ہے جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ حقیقت غیب ہے اور ہم اس کو غلطی سے شہود سمجھتے ہیں۔ ہماری ایسی مثال ہے۔ جیسے کوئی خواب میں دیکھنے کریں جاگتا ہوں۔ پس گو وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے۔ مگر فی الحقیقت وہ ابھی خواب ہی میں ہے۔ یہ مثال بالکل نئی ہے اور اس سے بہتر اس مضمون کے لئے مثال نہیں ہو سکتی (یعنی خود۔ حسرت۔ سقید)

آسمی : جن کو ہم شہود یعنی ظاہر باتیں سمجھے ہیں۔ یہ سب غیب الغیب ہیں اور اس غیب الغیب کو شہود سمجھنے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ کوئی حالت خواب میں سمجھے کہ ہم جاگتے ہیں مگر دراصل وہ خواب میں ہے۔

طباطبائی : یعنی خواب میں خواب دیکھ رہے ہیں تو یہ غیب میں غیب ہے۔

۱۱۔ ندیم .. مقرب، ہم نشین۔ خدا کو دوست اور حضرت علی علیہ السلام

کو ندیم دوست قرار دیا ہے۔ بونز اب .. حضرت علی کی کنیت ہے۔

چونکہ دوست کے ہم نشین (یعنی حضرت علی) کے جسم سے مجھ جیسے دوست

(یعنی بڑے خدا) آتی ہے۔ اس لئے میں بندگی ہم نشین (عبادت علی) کو عبادت خدا

خیال کرتا ہوں اور انہی کی عبادت میں مشغول ہوں۔

جیسا کہ دل کو دھڑلے کیپٹوں جگہ کریں ۱۔ مقدمہ ہو تو ساتھ رکھیں تو مگر کہیں
چھوڑا نہ رشاک سے کہ ترے گھر کا نام لوں ۲۔ ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں گا کروں

جانا پڑا رقیب کے دہر ہزار بار ۳ لے کاش جانتا نہ تری رہگذر کوئیں
 ہے کیا جو کس کے باندھے ہوئے ہری بلاشے ۴ کیا جانتا نہیں ہوں تہا دی گھر کوئیں
 نوہ بھی کہنے میں کہ یہ بے تنگ تیار ہے ۵ یہ جانتا اگر تو کشتا نہ گھر کوئیں
 چننا ہوں تھوڑی دُور سا گھر تیرے پاس ۶ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کوئیں
 خواہش کو محفوں نے پرشش دیا قرار ۷ کیا پوچھتا ہوں اُس بت پیدا گھر کوئیں
 پھر بخود ہی میں بھول گیا راہ کو شے بار ۸ جاتا اگر نہ ایک دن اپنی خیمہ کوئیں
 اپنے چکر رہا ہوں قیاس ہل دہر کا ۹ سمجھا ہوں دلپذیر متارخ ہنر کوئیں
 خالی خدا کرے کہ سوار سمندر ناہ

دیکھوں علی ہمدرد عالی گھر کوئیں

۱- نوحہ گھر ۰۰ بین کرنے والا، عوا کرنے والا۔

میرے دل و جگر دونوں خا ہو گئے ہیں۔ اب میں حیران ہوں۔ دل کو
 روٹوں کہ جگر کو پیٹوں۔ ایک وقت دونوں کا ماتم کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر مجھے
 مقدمہ ہوتا تو میں کسی نوحہ گر کی خدمات حاصل کر لیتا۔ پھر یہ حیرانی اور پریشانی
 نہ ہوتی۔ وہ جگر کا ماتم کرتا۔ میں دل کو رو لیتا۔ اس طرح سے دونوں کا ماتم
 ہو جاتا۔

بیمو لکھتے ہیں۔ دو عزیز مرنے والوں کا ماتم دار ایک شخص ہو تو مرنے
 والوں کی کسر شان ہے۔ اس لئے نوحہ گر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

۲- رشک کے مارے میری یہ حالت ہے کہ تیرے گھر کا پتہ بھی کسی
 سے دریافت نہیں کر سکتا۔ مقام رشک یہ ہے کہ کوئی تیرا نام سنے گا تو میرا
 رقیب بن جائیگا۔ اس لئے میں ہر ایک سے اتنا پوچھتا ہوں کہ میں کہہ جاؤں
 بھلا اس طرح معشوق کا پتہ چلتا ہے؟ مگر رشک کا کیا کیا جلتے۔ ظاہر

ہے۔ پتہ نہ ملنے سے کس قدر بے چینی اور اضطراب برصحتا ہے یہی کیفیت دکھانی مقصود ہے (تمام متفق)

سعید لکھتے ہیں کہ گنج کو اپنی زبان پر رشک آتا ہے۔ اس لئے معشوق کا نام نہیں لیتا۔ بلکہ یہ پوچھتا ہوں کہ کدھر جاؤں۔

۳۔ چونکہ تو عام طور پر رقیب کے گھر میں رہتا ہے اس لئے مجھے اسکے گھر پر سزا بار جانا پڑا۔ ظاہر ہے رقیب کے گھر پر جانا عاشق کے لئے باعث ذلت ہے۔ اس لئے کہتے ہیں۔ اسے کاش مجھے تیرے گھر کا پتہ ہی نہ ہوتا تو میں اس ذلت سے بچ جاتا۔ مومن ۵

اس نقش پاکے بچھنے یاں تک کیا فرس میں کوچہ رقیب میں بھی سو کے بل گیا ۴۔ ہے کیا۔ یعنی کچھ نہیں + کمر کستا۔ مستعد ہونا۔ بہت باندھنا۔ شاعر دل کے نزدیک معشوق کی کمر نہیں ہوتی۔ اس لئے جو مجھے یہ دھمکی دیتے ہو کہ ہم نے تجھے قتل کرنے کے لئے کمر باندھ لی ہے تو تمہاری اس دھمکی سے میری بلا لگتی ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے کمر ہی نہیں تو کسو گے کیا۔ گویا میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ سب دھمکیاں ہی دھمکیاں ہیں۔

۵۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ جن کے لئے ہم نے اپنا گھر بار لٹا دیا اور تباہ ہو گئے وہی فرماتے ہیں کہ یہ بے رنگ و نام ہے۔ اگر میں معلوم ہوتا کہ وہ یہ طعنہ دینگے تو ہم اپنے گھر کو لٹا کر آج یہ بات نہ سنتے۔

۶۔ حالی: طالب راہ خدا کو جو حالت ابتدا میں پیش آتی ہے اس کو اس تیشیل میں بیان کیا ہے۔ طالب اول اول جس شخص میں کوئی گریہ یا وجد یا سماع و جوش و خروش دیکھتا ہے اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے۔ پھر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اس

کا تعاقب کرتا ہے۔ دہم جزا، اور وجہ اس تذبذب اور تزلزل کی یہی ہوتی ہے کہ وہ کالمین کو پہچان نہیں سکتا۔

طباطبائی، ایک گم کردہ راہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔ کہتے ہیں یہی منزل کا راستہ نہیں جانتا۔ راہبر کو نہیں پہچانتا۔ تلاش منزل میں سرگرداں اور حیرا ہوا۔ آرزو یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح منزل پر پہنچ جاؤں۔ جس شخص کو تیز رفتاری دیکھتا ہوں۔ سمجھتا ہوں کہ یہ منزل کا پتہ جانتا ہے۔ اس لئے اسی کے ساتھ ہو جاتا ہوں۔ آگے بڑھ کر کسی اور کو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اسی کو راہبر خیال کر کے اس کے پیچھے چلے روانہ ہو جاتا ہوں۔ گویا تلاش منزل میں دیوانہ ہو رہا ہوں۔ (اسی۔ طباطبائی)

۴۔ الحق لوگ خواہش کو پرستش قرار دیتے ہیں۔ بھلا خواہش اور پرستش ایک چیز کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان بے بہاداروں کی پرستش کرتا ہوں۔ حالانکہ امر واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ مجھے تو محض اس کی خواہش اور آرزو ہے۔ میں اس کا پجاری نہیں (سجید۔ آستی)

یہ محمود و طباطبائی: معنی باریک اس شعر میں یہ ہیں کہ شاعر حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ کیا میں اسے پوجتا ہوں۔ اسے خبر نہیں کہ معشوق کے سامنے جا کر اظہارِ نیاز پرستش کی حد تک پہنچ جاتا ہے یا خواہش کی حد تک رہتا ہے اور حیرت کے علاوہ دوسرا پہلو تشنec کا بھی ہے۔ اسی نے پرستش اور خواہش میں یہ فرق نکالا ہے کہ جب پرستش کی جائیگی تو وہ خواہش دل ہی سے ہوگی۔ خواہ اس میں کسی قدر استغراق کیوں ہو۔ اور جس امر میں خواہش دل شامل ہے وہ عبادت نہیں ہو سکتی تو ثلثات ہوا کہ عبادت حق کوئی بجا نہیں لا سکتا مگر

دُنیا پا بندانِ خواہش کو عابد کا خطاب دیتی ہے۔

۸۔ میں کو چہ یار میں گیا تھا وہاں جا کر ایسا بیخود ہوا کہ اپنے آپ کو وہیں بھول گیا۔ جب سے وہاں سے آیا ہوں بیخود اور فراموش ہوں۔ اس بیخودی میں اس کی گلی کا راستہ بھی بھول گیا۔ اگر میرے ہوش و حواس درست ہوتے تو ایک دن اس کی گلی میں اپنی خبر سلنے کے لئے جاتا کہ وہاں مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔

طبا طبائی، یعنی آپے سے جو میں باہر ہو گیا ہوں تو کہیں اور تھوڑی گیا ہوا ہوں۔ کوٹے یا رہی میں گیا ہوں گا۔ وہی جگہ ایسی دلکش ہے کہ کوئی وہاں جا کر نہیں پلٹا۔ میں بھی وہیں ہوں۔ اسی سبب سے آپ میں نہیں آتا اور آپ میں نہ ہونے کے سبب سے راہ بھی بھول گیا۔ نہیں تو اپنی خبر کو ایک دن وہاں جاتا (بیخود۔ سچید)

آسمی: میں اپنے حواس اس گلی میں چھوڑ آیا تھا۔ جب سے وہاں سے آیا ہوں بیخود ہوں۔ لہذا اس کی گلی کا راستہ بھی بھول گیا ہوں اور اس لئے اب جان و دل اور ہوش و حواس کی خبر بھی نہیں لا سکتا کہ وہاں ان پر کیا گزری اور اب وہ کس حال میں ہیں۔

۹۔ جیسا میں تمہا ہوں، ویسا ہی اہل دُنیا کو سمجھتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میں متلح ہنر کا قہدان ہوں۔ اسی طرح اہل دہر کو بھی ہنر کا قہدان خیال کرتا ہوں۔ لیکن امر واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اہل دہر میری طرح متلح ہنر کو دلپذیر خیال نہیں کرتے اور نہ اس کی قہد کرتے ہیں۔ گویا عام کے نوعیک ہنر متلح کا سد ہے۔

۱۰۔ سمندر تازہ۔ وہ گھوٹا جو ناز و انداز سے قدم اٹھائے۔

اے غالب ! خدا کرے کہ عالی گھر علی بہادر کو جس سمت ناز پر سوار دیکھیں

۱۰۰

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں ۱
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ وعدہ نہیں
وعدہ میر گھلتا ہے خوش طالع شوق ۲
مژدہ قتل مفقود ہے جو مذکور نہیں
شاید مستحق مطلق کی کر ہے عالم ۳
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہیں منظور نہیں
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دیر یا لیکن ۴
ہم کو تقلید تنک ظرفی منظور نہیں
حصولے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رکھا ۵
عشق پر عہدہ کی گوں تن رجحان نہیں
میں حرکتا ہوں کہ ہم لنگے قیامت میں نہیں ۶
کس رجحان سے وہ کہتے ہیں کہ ہم غلط نہیں
ظلم کر ظلم اگر لطف دیرین آتا ہو ۷
تو تغافل میں کسی دنگ سے منظور نہیں
صاف وردی کش پیما جم میں ہم لوگ ۸
اُسے وہ یادہ کہ افشردہ آنگور نہیں
ہوں طوسی کے مقابل میں خفائی غالب

میرے دعویٰ پر یہ بحث ہے کہ مشہور نہیں

۱۔ انہیں مجھ سے اس قدر نفرت ہو گئی ہے کہ اگر غیر ان کے سامنے میری
بدی کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسے بھی سنا گوارا نہیں کرتے مرنے کی بات یہ
ہے کہ غیر کو میری بدیاں کرنے کی عادت ہے، کیا عجیب ہے کہ اس بنا پر وہ
اس سے علاؤاں ہو جائیں۔ کیونکہ وہ میری بُرائیاں کرنے سے باز نہیں آ سکتا
غالب۔

دشمنی نے میری کھوپ یا غیر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے

۲۔ مقصد ۱۰۰ پوشیدہ مطلب۔

میرے شوق کا نصیبہ جاگ اٹھا کہ اُس نے مجھ سے گھلتا ہی میر

کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس وعدہ میں مشورۂ قتل بھی پوشیدہ ہے جس کا
اس نے ذکر نہیں کیا۔ کاشکے ایسا ہی ہو (آسی)
بہ بخود - وہ پھولوں کو قدری نگاہوں سے دیکھے گا اور میں اُن کو قریب
بجھ کر دیکھا۔ سے قتل ہو جاؤں گا۔

سقیقہ : سیر گلستاں سے اس کی مراد - ہے کہ وہ میرا غلام ہے
بومثل لالہ: محل کے ہے۔

۲۔ حضرت : غالب دنیا کے مہموم ہونے کو بہ غلو بیان کرتے ہیں۔
فرماتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ عالم شاہد مہتی مطلق کی کمر ہے اور اس سے لان کی
مراد یہ ہے کہ جس طرح شاہد کی کمر نہیں ہوتی اسی طرح سے وجود عالم بھی ہم
ہے۔ لیکن ہم کو یہ منظور نہیں ہے۔ کیونکہ جب کہتے ہیں کہ عالم شاہد مہتی مطلق
کی کمر ہے "نہ اگرچہ اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ عالم معدوم ہے، لیکن
"ہے" کا لفظ ہم ایک شے معدوم کے لئے کسی طرح استعمال نہیں
کر سکتے" (سقیقہ آسی)

طباطباتی : عالم کو مہتی کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے۔ جیسا کہ کمر کو معشوق
کے ساتھ کہ اس کا نام ہی نام سُنتے ہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ مصنف
نے لفظ منظور کو یہاں بصر اور مرنی کے معنی پر استعمال کیا ہے۔ محاورہ اس کے
مساعد نہیں۔ (بہ بخود)

۴۔ میں وہ قطرہ ہوں حقیقت میں دریا ہے۔ یعنی فنا فی الحب ہے گیا
میں فنا فی الذات کا مرتبہ رکھتا ہوں۔ لیکن میں منصوص کی طرح کم ظرف نہیں
ہوں کہ انا الحق کا دعوے کر بیٹھوں اور اس طرح اپنی تنک ظرفی کا ثبوت بنو
اس لئے میں منصوص کی تقلید نہیں کرتا۔ حقیقت کا لفظ قبل تعریف ہے۔

۵۔ عشق پُروردہ .. جنگجو عشق + گوں .. قابل - ڈھب -

دوقِ بربادی و خرابی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تباہ و بباد ہونے کی حسرت میرے دل ہی میں رہ گئی اور وہ اس وجہ سے کہ میرے تن بخور و کزود میں پے جیسی طاقت نہیں رہی، جو میں جنگجو عشق سے مقابلہ کرتا، ظاہر ہے جب جنگجو عشق ان میں مقابلہ کی طاقت ہاتا تو ان کو اچھی طرح تباہ کرتا۔ اب وہ مرے ہوئے کو کیا مانے گا۔ ایک طرح سے اپنی کمزوری کا اظہار کیا ہے۔

۶۔ رعونت .. غرور -

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جنت میں حوریں ملیں گی۔ شاعر خیال کرتا ہے کہ یہ حسین ہی جنت میں حوریں بن پائیں گے۔ ان خیالات کے ماتحت وہ جب معشوق سے کہتا ہے کہ اچھا تم ہم سے نہیں ملتے تو نہ بلو جنت میں چل کر دیکھا جائیگا۔ قیامت کے دن جب ہمیں اختیار ہوگا کہ جس حد کو ہم چاہیں پسند کر لیں، اس دن تم کیا کر گے۔ وہ ادراہ شوخی جواب دیتا ہے کہ جناب ہم حور نہیں ہیں جو آپ کو قیامت کے دن بل جائیں گے۔ اسی خیال کو اس طرح بھی ادا کیا ہے۔

ان پرینادوں سے لینگے خلدیں ہم انتقام
قدت حق سے اگر حویں یہی داں ہو گئیں

۷۔ اگر تجھے مجھ پر لطف و کرم کرنے میں دیر بیٹھے تو ظلم ہی کر رہو گی نہ سہی لیکن تغافل نہ کر۔ کیونکہ یہ تو محض نا آشنائی کی دلیل ہے۔ اس لئے مجھے یہ کیونکر گوارا ہو سکتا ہے۔ (حسرت - طباطبائی)

بیخود لکھتے ہیں تغافل تو اس حالت میں زیبا تھا کہ جب تو ظلم کرنے سے معذور ہوتا۔ سعید کا خیال ہے۔ کیونکہ یہ (ظلم) بھی تغافل کی جو کہ

تیرا شعار ہے ایک ادا ہے اور تو تغافل کی ہر ایک ادائیگی پر قائل ہے۔
 آہی، اگر لطف نہیں کرتا تو ظلم کر کیونکہ حالت تغافل میں یہ دونوں باتیں تو کر سکتا ہے مگر محض تغافل میں تو معذور نہیں رکھا جاسکتا۔ کیونکہ ہر کوئی تجھے مجھ سے غافل سمجھ کر یہ بھی قیاس کر سکتا ہے کہ یہ عاشق پر معذور و جفا کر رہا ہے اور یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اب یہ اپنے دلداد پر مہربان ہو گیا کہ اس نے ظلم کرنا چھوڑ دیا۔ (۲) عاشق و معشوق حسن اتفاق سے ملے ہیں مصرعہ ادائی کا مضمون عاشق اس کے سامنے ادا کرتا ہے وہ جواب دیتا ہے کہ لوگ مجھے اس بات کا طعنہ دینگے کہ یہ اس سے جلا ہوا ہے تو عاشق اس کو اپنے اوپر مہربان کرنے کا جیلہ بتاتا ہے کہ یہ تغافل جو تو نے اختیار کیا ہے اس کو چھوڑ دے۔ مجھ پر ظلم کیا کر۔ تو اس میں میرا کام بھی ہو جائیگا کہ تو مجھ پر کم سے کم اس قدر تو مہربان ہوا کہ ظلم کیا اور لوگ بھی کہیں گے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی کہ دوسرے مصرعہ کا مفہوم یہ بھی ہے کہ تغافل اختیار کر کے کچھ تو معذور اور مجبور تو نہیں ہو گیا ہے۔ بہر صورت تجھے اب بھی ظلم و مہربانی کا اختیار باقی ہے۔ جب چاہے اس کو چھوڑ کر یہ اختیار کر لے (ظاہر کہ یہ معنی بہت دور کے ہیں)۔

۸۔ درد ہی نش .. تلچھوٹ پیٹنے والے۔

صاف اور درد میں رعایت ہے شراب انگور جمشید کی ایجاد ہے کہتے ہیں کہ شراب نوشی میں ہم جمشید کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بات تقلید جمشید کے خلاف ہے کہ ہم ادنیٰ درجہ کی شراب پئیں۔ پس ہم کو اس شراب

پر افسوس ہے جو شراب انگوری نہ ہو۔

۹۔ خفا اور ظہور میں تقابل و تضاد ہے۔ خفا بمعنی مخفی و گھٹا۔
ظہوری بمعنی مشہور و معروف، مرزا صاحب ظہوری کا کلام بہت زیادہ
پسند فرماتے اور اس کی تقلید پر فخر کیا کرتے تھے۔ پس کہتے ہیں۔ چونکہ
میں مشہور نہیں ہوں۔ اس لئے ظہوری کے مقابل میں خفائی ہوں اور میرا
مشہور نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ میں ظہوری کا بد مقابل ہوں۔

۱۰۱

نالہ جز حزن طلب اے ستم ایجاد نہیں ۱ ہے تقاضائے جفا شکوہ بیدار نہیں
عشق و مزدوری عشرت گز خسرو کیا آہ ۲ ہم کو تسلیم نکو نامی فریاد نہیں
کم نہیں وہ بھی خبرانیں پہ و مسرت معلوم ۳ دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھریا نہیں
اہل مینش کو ہے طوفان حوادث مکتب ۴ لطمہ موج کم از سیلی استاد نہیں
وائے محرومی تسلیم و بدا حال وفا ۵ جانتا ہے کہ ہیں طاقت فریاد نہیں
زنگین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے ۶ گر چراغان سر رہنماد نہیں
مبدل کے تلے بند کیے ہے گلچیں ۷ مراد اے مرغ کہ گلزار میں صیبا نہیں
نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا ۸ وی ہے جٹے دین اس کو دم ایجاد نہیں
کم نہیں جلوہ گری میں تھے کہ جسے بہشت ۹ یہی نقشہ ہے مے اس قدر آباد نہیں
کرتے کس تہ سے ہو غربت کی شکایت غالب

تم کو بے مہرئی یا رابن وطن یاد نہیں

۱۔ اے ستم ایجاد محبوب، نالہ و کاسے میرا یہ مدعا نہیں کہ میں تیرے ظلم و ستم
کا شکوہ و شکایت کروں۔ بلکہ اس نالہ کشی سے میرا مقصد تقاضائے جفا کے لئے
حزن طلب ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم یوں تو ہم پر جبر و جفا

کرتے نہیں لیکن میرے نالوں سے تنگ آکر خفا ہوں گے اور خفا ہو گے تو ظلم کرو گے، اسی کو حسن طلب کہتے ہیں۔ غالب ۵
 گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو شکوہ جو سے بے ہر خفا ہوتا ہے
 ۲۔ عشرت گہ .. عشرت گاہ .. محل .. نکو نامی .. نیک نامی ۔

مشہور ہے کہ فرہاد سے خسرو نے کہا کہ اگر تو کو وہ بے ستون کلاٹے اور اس میں سے جوٹے شیر نکالے تو پھر شیریں سے دھال ہو سکے گا۔ فرہاد نے یہ شرط منظور کی اور جوٹے شیر لانے میں مصروف ہو گیا۔ جب خسرو نے دیکھا کہ فرہاد دھل شیریں کی شرط پوری کرنے کے قریب ہے تو اس نے ایک پال چلی۔ ایک بلیا کو سکھا بھجا کر فرہاد کے پاس بھیجا اس نے فرہاد سے کہا کہ شیریں تو مر گئی اور تیری محبت اکارت گئی۔ یہ سُننے ہی فرہاد اپنا سر پھوڑ کر مر گیا۔ اس سے خسرو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ شاعر اس واقعہ کو مد نظر رکھ کر فرہاد پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فرہاد نے عشق کی لاج رکھ لی اور اتنا بڑا کام کر دکھایا۔ لیکن ہمیں اس میں خرابی کوئی نینا ہی کی صورت نظر نہیں آتی۔ اس لئے ہم اس کی نیک نامی کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہتا ہے عشق صادق اور رقیب کے عشرت کدہ کی مزوری دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ گویا عاشق صادق کے لئے رقیب کے عشرت کدہ کو جوٹے شیر سے زہرنت دینا باعثِ نیک نامی نہیں، باعثِ بدنامی ہے۔

۲۔ خملانی .. ویرانی ۔

میرا گھر خرابی اور ویرانی میں جھل سے کسی طرح کم نہیں، لیکن اس میں جھل جتنی وسعت نہیں ہے۔ میں دیوانہ ہوں مجھے دم کرنے کے لئے بہت وسیع مکان چاہئے۔ یہی وجہ ہے جھل میں مجھے وہ عیش و آرام حاصل ہے کہ

گھر کبھی یاد ہی نہیں آتا۔

۴۔ اہل سیش .. عقلمند۔ اہل نظر + لطمہ موج .. موج کا تھپیر۔
یعنی طوفانِ حوادث + سیلی .. طمانچہ، تھپڑ۔

جو لوگ اہل نظر ہیں، طوفانِ حوادث کو مکتب خیال کہتے ہیں اور امواج کے تھپیروں کو استاد کا تھپڑ سمجھتے ہیں۔ گویا طوفانِ حوادث ان کے لئے سبق آموز ہے۔ وہ اُس سے درسِ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

۵۔ تسلیم .. صبر و رضا + بدا .. بہت بُرا۔

ہم تسلیم و رضا اور وفاداری کے خیال سے خاموش ہیں اور مال و فریاد نہیں کرتے ہیں۔ لیکن وہ سمجھتا ہے ہم میں طاقتِ فریاد نہیں، اس لئے ہم غلوں میں ہیں۔ کس قدر افسوس ہے ہماری خوئے تسلیم و وفا پر کہ وہ مضبوط فریاد اور خاموشی کی داد سے بھی محروم ہے۔

۶۔ تمکین .. خودداری + چراغاں سہرا گزرباد .. وہ چراغ جو ہوا کے راستے میں رکھا ہوا جلد تر بجھ جاتا ہے۔ مراد بے ثبات چیز۔

اگر گلِ ولالہ ہوا کی راہ گزر کے چراغ نہیں تو ان کا رنگ تمکین و خودداری اس قدر جلدی کیوں فنا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گلِ ولالہ بے ثبات ہیں، تشبیہ نہایت حسین اور اچھوتی ہے۔

۷۔ سبکدگل .. پھولوں کی ٹوکری۔ جس میں گلچیں پھول تو اکٹرا کر رکھتے ہیں اسے مرغِ چمن تجھے مڑھ ہو کہ باغ میں صیبا موجود نہیں ہے جو تجھ کو گرفتار کر کے چمن سے باہر لے جاتا اور قفس میں قید کرتا۔ اس وقت باغ میں گلچیں ہے۔ اس کے پاس دایم قفس نہیں کہ وہ تجھے پکڑ کر پھولوں کی ٹوکری کے نیچے بند کر دیگا۔ پھولوں کو ٹوکری کے نیچے قید ہونے میں لطف یہ ہے کہ پھولوں

سے اور بھی زیادہ قرب حاصل ہوگا اور یہی مرغِ چمن کا اصلی مدعا ہے۔
 آتشی اور بیخود: اسے مرغ سے مراد مرغِ گرفتار لیتے ہیں سقید و حسرت
 میرے ہم خیال ہیں۔

۸۔ نفی .. نہیں، انکار + اثبات .. ہاں۔ ثبوت + تراوش ..
 ٹپکنا۔ ظاہر ہونا۔

معشوق ہر بات پر ”نہیں“ ”نہیں“ ”نہیں“ کہتا ہے۔ اس کے ”نہیں“
 ”نہیں“ کہنے سے اس کے دہن کا ثبوت ہم پہنچا ہے۔ اگر اس کے دہن
 نہ ہوتا تو وہ ”نہیں“ بھی نہ کہتا (سقید۔ حسرت) غالب نے یہاں اثبات کو
 مونث باندھا ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے۔ ع

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے

گویا ضلع کا لفظ ہے اور خوب آیا ہے۔

آسی: اس کو بچائے دہن کے ”نہیں“ ملی ہے یا اس کو دہن تو ملا
 نہیں ”نہیں“ ملی ہے کہ ہر بات پر وہ ”نہیں“ کہتا ہے اور اس ”نہیں“
 سے اثبات کی تراوش ہوتی ہے۔ یعنی کوئی چیز ضرور ہے جس سے وہ اس لفظ
 کو ادا کرتا ہے۔ پہلی صورت میں دوسرے مصرعے کے یہ معنی ہونگے کہ اگر نہیں
 بچائے دہن کے اس کو ملی ہے۔ مگر ملی ضرور ہے۔ (بیخود۔ طباطبائی)

۹۔ بہشت جلوہ گری میں تیرے کوچے سے کم نہیں ہے یعنی رسی ہی
 جلوہ گری بہشت میں بھی ہے اور اس کا نقشہ بھی بالکل ایسا ہی ہے لیکن
 فرق یہ ہے کہ وہ (بہشت) تیرے کوچے جتنی آباد نہیں ہے۔ یہاں عاشقوں
 کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے، لیکن وہاں یہ بات نہیں۔ شاید یہ بات کہنا چاہا
 ہیں کہ تیرے عاشق زیادہ ہیں۔ خدا کے عاشق اتنے زیادہ نہیں وہ دیدارِ خدا

کے لئے بہشت میں بھی خوب ہجوم ہوتا۔ عام شعرا کے خلاف اس شعر میں کوچڑی کو جنت سے تشبیہ دینے کے بجائے جنت کو کوچڑی سے تشبیہ دی ہے اور اس کو بہشت سے بڑھ کر ثابت کیا ہے۔

۱۔ غربت .. مساقی۔

تم کس برتے پر غربت کی کس پیرسی کی شکایت کرتے ہو۔ کیا تمہیں یاران وطن کی بے مہربانی یاد نہیں رہی۔ جب اپنے اہل وطن اس قدر بے ہمدردی اور دل آزاری میں تو پھر غریبوں کی شکایت کیا ہے
تمہی وطن میں شان کیا غالب کہ ہر غربت قلہ بے تکلف ہوں وہ مشتبہ جس جگہ میں نہیں

۱۰۲

دونوں جہان دیکھو وہ سمجھو یہ خوش رہا ۱ یاں آپڑی یہ مشرم کہ تکلار کیا کر میں
تھک تھک ہر مقام پہ دو چار رہ گئے ۲ تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
کیا شمع کے نہیں ہیں ہواہ خواہ اہل بزم ۳ ہو غم ہی جا نگداز تو غنچہ ار کیا کریں
۱۔ حالی : اپنی فراخ حوصلگی اور اس کے ساتھ مشرافتِ نفس کا اظہار
ہے۔ یعنی میں جو دونوں جہان لے کر خاموش رہا، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ
میں ان پر قانع تھا بلکہ مجھ کو زیادہ مانگنے اور تکلار کرنے سے مشرم آئی۔ اس
لئے خاموشی اختیار کی۔

۲۔ مقام یعنی مقامِ سلوک و معرفت فرماتے ہیں۔ بہت سے لوگ
مقاماتِ سلوک و معرفت طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے
کوئی مقامِ معرفت تک نہیں پہنچتا۔ کوئی ابتدائی منزلوں میں یا بوس ہو جاتا ہے۔
کوئی درمیانی مقامات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ یہ مضمون اس طرح ادا کرتے ہیں کہ
تیری جلو، گاہ تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ کوئی کسی منزل پر تھک کر رہ گیا۔ کوئی

کسی مقام پر مایوس ہو کر بیٹھ رہا۔ غرض کوئی بھی مقام معرفت تک نہ پہنچا۔ ٹھیک ہے اتیرا پتہ تو کہیں ملتا نہیں۔ وہ بچا اسے ناچار ہو کر ترک جستجو نہ کریں تو کیا کریں۔ مجبور ہیں۔ دو چار ناچار کے ضلع کا لفظ از خود آگیا ہے۔

۳۔ ہوا، خواہ ۰۰ ہمدرد، غمخوار۔

شرح کا ذکر بطور تشیل ہے۔ غرض اپنے حال سے ہے۔ کیا اہل برہم شرح کے غم خوار نہیں ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ ضرور ہیں۔ لیکن جب غم ہی جان کو گھسلائے والا ہو تو یہ چارے غمخوار کیا کر سکتے ہیں۔ مجبوری ہے کوئی مدد نہیں کر سکتا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا

۱۰۳

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کا رگہ عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبانوں نہیں معشوق پر قریب کی جادو بیانی اور شیریں کلامی کا جادو چل گیا ہے۔ گویا وہ غیر کو عاشق صادق سمجھنے لگا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم بے زبان ہیں کیونکہ ہم اپنی زبان سے اپنے عشق کا یقین نہیں دلا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو ہمارے عشق کا یقین نہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ہم اس کے عاشق صادق ہیں۔

۱۰۴

قیامت آکر اُس بیلی کا دشت قیس میں آنا : تعجب کہ وہ بولایوں بھی ہوتا ہے زمانے میں دل نالاک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب ذکر سرگرم اُس کا فر کو اُلفت آملنے میں ا۔ معشوق کا دل بوم کوٹنے کے لئے اس کو بیلی محنتوں کا قصہ سنایا اور

یہ بتایا جنہوں کے عشق کا یہ اثر ہوا کہ ایسی بیتاب اور بے حجاب ہو کر نسبتِ قیس میں آگئی یہ قصہ سن کر بجائے اس کے کہ وہ جذبِ عشق سے ڈرا اور ہم پر مہربان ہوتا کہ معشوق عاشق کے پیچھے پیچھے اسے ڈھونڈھتا پھرے مطلب صرف اس قدر ہے کہ معشوق عاشق کی خبر گیری کرنا خلافِ مشورۃ خیال کرتا ہے۔

۲۔ معشوق کی آدابِ عشق کی محبت کی قدردانی پر منحصر ہے۔ پس اس کا امتحان اس طریقے سے ہو سکتا ہے کہ عاشق اپنے آپ کو ہلاک کر دے۔ اگر معشوق عاشق کی ہلاکت سے ملول اور غلگین ہو تو ثابت ہو جائیگا کہ معشوق عاشق کا قدردان ہے اس مضمون کو ایک دوسرے شخص کی زبان سے کہلوانے میں لطف دو چند ہو گیا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ عاشق یہ سخت امتحان لینے پر آمادہ یعنی اپنی جان پر کھیلنے کو تیار ہے۔ لیکن دیکھنے والے اسے معشوق کی نازک دنیا کا واسطہ دے کر بالا رکھتے ہیں۔

۱۰۵

دل لگا کر آگیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا ۱ ہارے اپنی بیکی کی ہم نے پائی دوا دیاں
 میں دوا لے آمادہ اجزاء آفرینش کے نام ۲ مہر گردوں ہے چراغِ رہنما دیاں
 ۱۔ جب سے اُنہوں نے کسی سے دل لگایا ہے۔ وہ تنہا بیٹھے رہتے ہیں
 یہ ہماری بیکی کا صبر بڑا ہے۔ جس طرح ہم ان کے عشق میں خلوت پسند
 تھے وہ بھی ہو گئے۔ پس یہ ہماری بیکی کی کڑواہی جو ان کے کسی پر عاشق ہونے
 سے ہم کو ملی ہے۔

۲۔ دوا لے۔ آمادہ دوا لے + اجزاء آفرینش کے۔ کائنات کا فہ ذرہ +
 چراغِ رہنما دیاں۔ وہ چراغ جو ہمارے راستے میں روشن ہو۔ بہت جلد
 سمجھ جاتا ہے گویا وہ آمادہ دوا لے ہے۔

کاٹنات کا ہر ذرہ آمادہ زوال ہے۔ یہاں تک کہ خود شید بھی ایک ایسا چمراغ ہے جو ہوا کے راستے میں روشن ہے اور اس کا آمادہ زوال ہونا ظاہر ہے۔ کیا پتہ کو نسا جھونکا اسے فنا کر دے۔

۱۰۶۔ لکھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں یہ ہم جو بحر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں ۱۔ لکھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں وہ آتش گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ۲۔ لکھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں نظر نگہ نہ کہیں اس کے دست و بالو کو ۳۔ یہ لوگ کیوں میرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں ترے جو ہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں ۴۔ ہم اوج طالع فعل و گھر کو دیکھتے ہیں ۱۔ باد صبا ہر جگہ بغیر نوک ٹوک کے آتی جاتی ہے۔ اس لئے شعر اس سے پیغامبر کا کام لیتے ہیں اور جب کوئی شخص کسی کے انتظار میں ہوتا ہے تو وہ بے چین ہو کر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ کہتے ہیں۔ بحر میں ہم جو کبھی دیوار کو دیکھتے ہیں اور کبھی ہماری نظر دروازے پر جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کبھی ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ کہیں باد صبا پیغام بار نہ لائی ہو اور دروازے کو بار بار دیکھنے کی وجہ سے کہ ہمیں قاصد کے آنے کا انتظار ہے۔ ظاہر ہے باد صبا دیوار پر سے اور قاصد دروازے میں سے آئیگا۔

۲۔ حالی : اپنے گھر میں معشوق کے آنے سے جو تعجب اور حیرت ہوئی ہے دوسرے مصرع میں اُس کی کیا عمدہ تصویر کھینچی ہے یعنی کبھی معشوق کو دیکھتا ہے اور کبھی اپنے گھر کو دیکھتا ہے کہ اس گھر میں اور ایسا شخص وارد ہو۔ سبحان اللہ میری ایسی قسمت کہاں تھی۔

۳۔ معشوق نے میرے جگر پر بہت کاری زخم لگایا ہے۔ عاشق کے جگر پر کاری زخم لگانا قابلِ تحسین و آفرین ہے۔ کیونکہ معشوق کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے

یہ بات ناممکن ہے، اس لئے جو شخص بھی زخم کو دیکھتا ہے معشوق کے دستِ باند کی تعریف کرتا ہے۔ کہتے ہیں میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کے دستِ باند کو نظر نہ لگ جلتے اور اُن کی ناکِ افگنی اور قدر اندازی کو نقصان پہنچے اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ میرے زخمِ جگر کو نہ دیکھیں۔ نہ دیکھیں گے نہ تعریف کریں گے اور نہ نظر لگے گی۔ یہ شعر مرزا کے لاجواب شعروں میں سے ایک شعر ہے۔

۴۔ طرفِ کمرہ .. ٹوپی کا پہلو یا مسرا + اور چ طالع .. نصیبے کی بندی۔
خوش قسمتی۔

ہم ان جہاں سراٹ کو کیا دیکھیں جو تو نے اپنی کلاہ پر ٹانگے ہیں۔ ہم تو لعل و گوہر کے نصیبے کی بندی اور خوش قسمتی کو دیکھتے ہیں کہ یہ سنگِ گریز سے تیری کلاہ میں ٹنک کر کس مرتبہ بندی کو پہنچے ہیں۔

۱۰۷

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں ۱ شبِ فراق سے روزِ جزا یاد نہیں
کوئی کہے کہ شبِ باہ میں کیا برائی ہے ۲ بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
جو آفتِ سامنے اُن کے تو مر جائے کہیں ۳ جو جاؤں وہاں سے کہیں تو خیر یاد نہیں
کبھی جو باد بھی آتا ہوں میں تو یہ کہتے ہیں ۴ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و خفا نہیں
علاوہ عیب کے لٹی ہے اور دن بھی شراب ۵ گدائے کو چھٹے خانہ نامراد نہیں
جہاں میں ہونم و شادی ہم میں کیا کام ۶ وہاں ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

۱۔ روزِ جزا .. روزِ قیامت۔

یہ بات نہیں کہ مجھے قیامت پر اعتقاد نہیں ہے۔ میں قیامت پر ایمان رکھتا ہوں۔ صرف بات اتنی ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ عذاب قیامت شب فراق کے عذاب سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ گویا میرے نزدیک شب بھر کی سختیاں اور شدید عذاب قیامت سے بڑھ کر ہیں۔

۲۔ شراب پینے والے روزِ ابرا و شبِ ماہ میں شراب نوشی کرنا پسند کرتے ہیں۔ غالب نے ایک اور جگہ بھی لکھا ہے کہ غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی پیتا ہوں روزِ ابرا و شبِ ماہ میں کہتے ہیں سوء اتفاق سے آج روزِ ابرا نہیں، اس لئے شراب نوشی کا کچھ لطف نہیں۔ پھر اپنے دل کو اس طرح تسلی دیتے ہیں کہ کیا ہو گیا اگر ابرا نہیں تو شبِ ماہ تاب تو ہے۔ پھر کون سی بُرائی ہے۔ چاندنی رات میں مے نوشی کا خوب لطف آئے گا۔

۳۔ معشوق کی بے اتفاقی کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”وہ میری طرف سے اس قدر بے پروا ہیں کہ جب میں اس کی خدمت میں جاتا ہوں تو کبھی اس کے مُنہ سے خوش آمدید کے کلمات نہیں نکلتے اور جب میں اس سے رخصت ہوتا ہوں تو اس وقت بھی الوداعی الفاظ نہیں کہتا۔ ورنہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی تغیر بھی آتا ہے تو مرجا، خوش آمدید وغیرہ کہتے ہیں اور رخصت کرتے وقت خیر باد۔ خدا حافظ، اللہ نگہبان کہا جاتا ہے۔“

۴۔ اول تو مجھے کبھی وہ اپنی بزم میں یاد ہی نہیں کرتے اور کبھی یاد آتا ہوں تو وہ بھی اس طرح کہ وہ حاضرینِ بزم سے دریافت کرتے ہیں۔ کیا بات ہے آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں، گویا مجھے وہ فتنہ پرواز اور فساد خیال کرتے ہیں۔ غور فرمائیے یہ ہے ہمیں یاد کرنے کا طریقہ۔

یہ خود کہتے ہیں کہ شادی اور فتنہ پرداز کہنے کا سبب یہ ہے کہ میں ہانت
بات پر رشک کی بدولت اہل بزم سے ابھتا ہوں۔

۵۔ عام طور پر عید کے دن محتاجوں اور فقیروں کو ہر جگہ خیرات دی جاتی
ہے۔ کہتے ہیں یہ دستور سے خانہ کا نہیں ہے کہ وہاں بھی عید ہی کے دن
سے خانہ کے گداؤں کو شراب تقسیم کی جائے۔ وہاں تو عید کے علاوہ اور دنوں
میں بھی شراب خیرات کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گداؤں کو چھٹے خانہ نامراد
نہیں۔ گویا ساقی میخانہ کا فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ سچید کوچہ سے
کوچہ یار مراد لے کر شرح لکھتے ہیں۔

۶۔ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی و غم تو ام ہیں یعنی غم اور خوشی ساتھ ساتھ
میں کبھی خوشی ہے کبھی غم ہے۔ غرض اسی طرح زندگی بسر ہو جاتی ہے۔
کہتے ہیں دنیا میں شادی و غم ہم ہی ہوں گے۔ لیکن ہمارے ساتھ تو یہ بات
نہیں۔ خدا نے ایسا دل دیا ہے جس کو خوشی کبھی نصیب ہی نہیں ہوتی ہمیشہ
غم ہی میں مبتلا رہتا ہے۔

طیبا طبائی کی شرح لطف سے خالی نہیں لکھتے ہیں۔ غم و شادی کا ہم
ہونا اس مقام پر ذکر کرتے ہیں۔ جہاں دنیا کے سرور و خوشی سے نفرت ظاہر کرنا
ہو اس شعر میں مصنف نے تازگی یہ پیدا کی ہے کہ غم اور شادی کے ہم ہونے
پر حسرت ظاہر کی ہے۔ شادی مخلوط لغم کی حسرت سے یہ معنی نکلتے ہیں
کہ شاعر کو اہتمام کی غمزدگی ہے کہ ایسی ہیچ و نا کارہ خوشی کی منتا رکھتا ہے او
یہی وجہ بلاغت ہے۔

۷۔ معشوق کی وعدہ خلافی اور بد عہدی کے معنوں کو خوب آب و رنگ
دیا ہے۔ کہتے ہیں غلاب تم انہیں (ابن کا و حنفیہ یا دہ دلاڑ۔ بھلا یہ کیا کہ تم کہو

کہ آپ نے وعدہ کیا تھا اور وہ کہیں کہ ہمیں تو یاد نہیں کہ ہم نے وعدہ کیا تھا۔ مطلب یہ ہے خواہ مخواہ جھوٹے ذہنوں اور تافنی کا صدمہ نہ اٹھاؤ۔
 یہ خود لکھتے ہیں کہ تم ان سے یہ کہو گے کہ تم نے ہم سے وعدہ خلافت کی وہ کہیں گے تم جھوٹے ہو! ہمیں اپنا وعدہ یاد نہیں، باہم دگر تکرار ہوگی، تکرار سے رنج نکلے گا۔

۱۰۸

تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں ۱ ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
 آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ۲ ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
 تیری فرصت کے مقابل اے عمر ۳ برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں
 قہر ہستی سے رہائی معلوم ۴ اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
 نشہ رنگ سے ہے داشتہ گل ۵ مست کب بند قبا باندھتے ہیں
 غلطی سے مضامین مست پوچھ ۶ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
 اہل تدبیر کی دا ماندگیاں ۷ آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں
 سادہ چمکار ہیں خواباں غالب

ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

۱۔ تو سن .. گھوڑا + ہوا باندھنا .. رعب بٹھانا۔

ہم تیرے گھوڑے کو باد صبا سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس نالہ تشبیہ سے ہمارے مضمون کی ہوا بندھ جاتی ہے۔

۲۔ ہم آہ کر کے اس کے دل پر اپنا رعب بٹھاتے ہیں کہ شاید

وہ اثر آہ کے خون سے رام ہو جائے۔ ورنہ اثر آہ کی حقیقت ہمیں معلوم ہے کہ وہ کوئی اثر نہیں رکھتی۔

۳۔ بابہ خنا۔ سست رفتار۔ جس کے پاؤں میں جندی لگی ہو وہ چل نہیں سکتا ہے۔ اگر چلتا ہے تو بہت نکمچ کر پنچوں کے بل اڑتیوں پر۔ اسے عمر تو اس قدر تیز رفتار ہے کہ تیرے مقابلے میں ہم بجلی کو بابہ خنا باند میں مطلب یہ ہے کہ عمر کی رفتار چٹک برق سے بھی زیادہ تیز ہے۔ اسی لئے تیرے مقابلے میں ہم اسے سست رفتار اور بابہ خنا کہتے ہیں۔

۴۔ انسان قید ہستی سے کسی صورت بھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اشک کو دیکھو وہ بے سرو پا ہے۔ لیکن شعرا پھر بھی اسے حسن نظم سے باندھے بغیر نہیں چھوڑتے۔ دوسرے اشک کے لفظ کو شعرا باندھتے ہیں۔ چونکہ باندھنے کے معنی قید کرنے کے بھی ہیں۔ اس لئے یہ مضمون پیدا ہو گیا۔

طباظہائی، لطف یہ ہے کہ ممکن پر عدم سابق بھی ہے اور عدم لاحق بھی تو اشک کی طرح انسان بھی تو بے سرو پا ہے اور اشک کو باوجود بے مڑھا ہونے کے باندھتے ہیں اور کسی کے باندھنے سے بندھ جانا فزع ہے ہستی کی غرض یہ کہ ہم ہستی کی قید میں ضرور ہیں گے اور مرتبہ فنا جو عین آزادی ہے حاصل نہیں ہوگا (مجموعہ)

۵۔ دامنِ گل۔ پھول کا کھلنا۔

پھول نشہ رنگ سے مست ہیں اور یہی نشہ ان کی شگفتگی کا سبب ہے، کیونکہ مست لوگ اپنی قبا کے بند کب باندھا کرتے ہیں۔ گویا پھولوں کے بندھے قبا نشہ رنگ کے اثر سے کھلے ہوئے ہیں۔

۶۔ مضامین۔ مضامین شعر + لوگ۔ شعرا۔

کہتے ہیں شعراء کے مضامین کی غلطیاں محمد سے نہ دریافت کرے مغولی سلی

فطری یہ ہے کہ یہ لوگ نالے کو دسا لکھتے ہیں۔ حالانکہ نالہ کبھی دسا ہوتا تو بچتے کسے۔ اس کا بندھ جانا ہی نارسائی کی دلیل ہے۔

۷۔ داماندگی و پیچھے رہ جانا۔ یہاں مراد حماقت۔

کہتے ہیں ذرا اہل تدبیر کی حماقت ملاحظہ ہو کہ وہ آبلوں پر خانا بندھتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ کوئی ایسی تدبیر کرتے جس سے چلتے پھرنے میں معذوری نہ ہوتی اور یا وجود آبلوں کے خوب بھاگا دوڑا جاتا۔ لیکن انہوں نے آبلوں پر خانا بندھ کر چلتے پھرنے سے بالکل ہی معذور کر دیا۔

بیخود۔ سچید۔ طلبا طبائی ان معنوں پر یہ اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اہل جنوں کی سائنس مقصود ہے کہ وہ پائے پڑا بلہ سے دشت پُر خار پر دوڑتے ہیں۔

۸۔ سادہ۔۔ سیدھے سادے + پُرکار۔ ہوشیار۔ مکار۔

معشوق ظاہر میں تو بہت سیدھے سادے ہیں مگر دراصل بڑے ہوشیار ہیں اور کسی کے ساتھ بھی نہیں اہم جیسے تجزیہ کار اور جہانگیرہ شخص کے ساتھ وہ پیمان و قاباندھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پیمان کا پر یقین کر لیں گے۔

سادہ اس لئے کہا ہے کہ وہ انداز سادگی اس خیال میں ہے اور پُرکار اس وجہ سے کہ وہ ہم جیسے ہوشیار شخص کو دھوکا دینے کے فکر میں ہیں۔ ”ہم“ کو اگر زور دے کر پڑھا جائے تو یہ معنی ظاہر ہوتے ہیں کہ کوئی اور نہیں بلکہ ہم ہے۔ ۵

۱۰۹

زمانہ سخت کم آتا ہے بجاں آمد۔ اگر نہ ہم تو تو قی دوبادہ لکھتے ہیں

سخت کم آزار .. بہت کم آزار + بجا بن اسد .. اسد کی جان چر
اسد کی جان یہ زمانہ بہت ہی کم ظلم و ستم کرتا ہے ۔ ورنہ ہمیں تو اس
بے حد حساب مصائب و آلام نازل ہونے کی توقع ہے (سجیدہ آسی)
طبا طبائی :- بخود قسم کھلے کہتے ہیں کہ زمانہ کے ہاتھ سے جس قدر آزار پہنچتا
ہے یہ بہت ہی کم ہے وگرنہ ہم اس سے زیادہ ستم سہنے کی آرزو رکھتے ہیں ۔

۱۱۰

دائم بڑا ہوا تیرے در پر نہیں ہوں میں ۱ خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
کیوں گردشِ مدام سے گھبرانے جانے دل ۲ انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
یارِ ب زمانہ مجھ کو سنا تا ہے کس لئے ۳ لوحِ جہاں پہ حرفِ مکر نہیں ہوں میں
حد چاہئے سزائیں عفویت کے واسطے ۴ آخر گنہگار ہوں کا فر نہیں ہوں میں
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے ۵ صلِ دزمرد و زرو گوہر نہیں ہوں میں
کہتے ہو تم قدمِ مری آنکھوں کیوں دینے ۶ تیرے میں سروِ ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو بیخ قدمِ بوس کس لئے ۷ کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
غالب و طیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے تو کہ نہیں ہوں میں

۱۔ مکان کے دیوانہ کے آگے عموماً پتھر رکھ دیا کرتے ہیں کہ اُترنے
چڑھنے میں تکلیف نہ ہو، کہتے ہیں پتھر تیرے دروازے پر ہمیشہ پڑا رہتا
ہے ۔ لیکن میرے نصیب پتھر جیسے بھی نہیں کہ میں تیرے دروازے پر ہمیشہ
پڑا رہتا۔ ایسی زندگی پر افسوس ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ کاش میں تیرے سنگِ
کی طرح ہمیشہ تیرے در پر پڑا رہتا ۔ (بخود آسی ۔ حسرت)
سجیدہ : میں تیرے در پر پتھر کی طرح پڑا رہتا ہوں ۔ لیکن پتھر بھی

مطلب برادری نہیں ہوتی (کبھی مطلب برادری نہ ہونے کی وجہ سے اُکٹا کر کہتے ہیں کہ) میں پتھر نہیں ہوں کہ اس طرح ہمیشہ تیرے در پر پڑا رہوں۔

طبا طبائی : اس زندگی سے پتھر ہونا بہتر تھا کہ شاید تیرا سنگِ درد ہوتا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہمیشہ پتھر کی طرح پڑا رہتا ہوں لیکن دربار سے دُور ہوں، میں پتھر نہیں ہوں کہ اس طرح پڑا رہنا گوارا کروں۔ آتشی نے چار مفہوم لکھے ہوں۔ چوتھا یہ ہے کہ ہمیشہ میں تیرے دردِ والدہ پر پڑا ہوا نہیں ہوں۔ ایسی بے حیائی کی زندگی کس کام کی کہ لوگ مجھ پر آؤ گے کہیں اور طعنے دیں اور میں برابر سنا کروں۔ میں آدمی ہوں پتھر تو نہیں ہوں۔

۲۔ دائمی گردش سے میلادل کیوں نہ گھبرا جائے آخر میں انسان ہوں پیالہ وساغر نہیں ہوں۔ پیالہ وساغر بے جان ہیں۔ اگر وہ ہمیشہ گردش میں رہیں تو انہیں کچھ تکلیف نہیں ہوتی، لیکن انسان حساس ہے، وہ وساغر کی طرح شیانہ زندگی گردش برداشت نہیں کر سکتا۔ (پتھر۔ آتشی۔ سعید) آتشی نے دوسرے معنی یہ لکھے ہیں کہ اس پریشان کن زندگی سے دل کیوں نہ گھبرا جائے۔ افسوس کہ میں انسان ہوں، پیالہ وساغر نہیں ہوں۔ کاش وہی ہوتا۔

طبا طبائی : جو لوگ شرابِ دِدام رکھتے ہیں ان کا وساغر ہمیشہ دُوبی رہتا ہے۔ تو وہ تباہی ہے۔ اسی واسطے میں انسان ہوں۔ میرے لئے یہ گردشِ دِدام کیسی ہے۔

۳۔ لوح .. حنقی + حرفت مکر .. وہ لفظ جو مکر لکھ دیا جائے، زائد ہوتا ہے، اس لئے مٹا دیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں اے خدا میری ہستی لوحِ جہاں پر لفظِ مکر نہیں ہے کہ

زمانہ اُسے نائد سمجھ کر شادی بنا ہے آخر مجھے ملنے کی کیا وجہ ہے؟

۴۔ عقوبت .. سزا، عذاب۔

ہر گناہ کی سزا کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس لیے میرے گناہ کی سزا کی بھی ایک حد مقرر ہوتی چاہئے۔ آخر میں گناہگار ہوں۔ کافر نہیں ہوں کہ جس کی سزا کی کوئی حد ہی نہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ روز قیامت کافر عذاب دائمی میں مبتلا رہیں گے۔ لیکن مسلمانوں کے گناہوں کی سزا مقرر ہوگی۔ جب وہ پردی ہو جائے گی، تو ان کی نجات ہو جائے گی۔ اسی بنا پر کہتے ہیں۔ میں کافر نہیں ہوں کہ مجھ کو برابر سزا دی جا رہی ہے۔

۵۔ میں لعل، زر، زمرد یا گوہر نہیں ہوں کہ آپ کو مجھ سے نفرت ہے۔ طباطبائی اور سقید لکھتے ہیں ان تین شعروں میں رسول مقبول کی طرف اشارہ ہے یہ غلط ہے، صاف ظاہر ہے کہ یہ اشعار بادشاہ کی مدح میں ہیں۔

۶۔ جب آپ نے ہر وہ ماہ کو شرف قدسوی بخشے میں دیرغ نہیں فرمایا تو پھر حضور میری آنکھوں پر قدم رکھنے سے کیوں دیرغ فرماتے ہیں میں رتبہ میں ہر وہ ماہ سے کمتر نہیں ہوں۔

۷۔ آپ نے آسمان کو قدسوی کا اعزاز بخشا۔ پھر میرے لئے قدسوی سے کیوں انکار ہے۔ کیا میں آسمان کے برابر بھی مرتبہ نہیں رکھتا؟

۸۔ (۱) غالب تم بادشاہ کے وظیفہ خوار ہو۔ بادشاہ کو دعائیں دو۔ وہ دن گئے جب تم بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ میں کسی کا نوکر نہیں ہوں (۲) شکر کرو کہ تم نوکر ہو گئے اور غم روزگار سے آزاد ہو گئے۔ لہذا تم شکر کا نیا اسلوب اختیار کیا ہے۔ الفاظ اور طرز بیان سے ظاہر ہے کہ غالب کو استادشاہ بننے کی بڑی آرزو تھی۔

۱۱۱

- سب کہاں کچھ لالہ دگل میں نمایاں ہو گئیں ۱ خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو نہاں ہو گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی زنگارنگ ہر مگر ڈالیا ۲ لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں
تھیں بنات لکھن گزشتہ دن کو مجھے میں تھاں ۳ شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ غریباں ہو گئیں
قید میں یعقوب نے لی گوئیہ پست کی خبر ۴ لیکن آنکھیں بھلن دیوار زنداں ہو گئیں
سب نقیبوں کے دل ناخوش پر زندان مصر سے ۵ ہے زلیخا خوش کہ مجھ وہاں کنعاں ہو گئیں
جئے خون گھول سب سے دو کہ ہے شام فراق ۶ میں یہ بھونگا کہ سمجھیں دو فرقاں ہو گئیں
ان پر جادوں سے لیجے غلہ میں ہم اترقام ۷ قدرت حق سے ہی حویں گرداں ہو گئیں
نیمندس کی ہے داغ اس کا ہے زتیں اس کی ہیں ۸ تیری زلفیں جس کے شانوں پر برشاں ہو گئیں
میں چہرہ میں کیا گیا، گویا بدستار چل گیا ۹ بلبلیں سن کر مرے نالے غر غراں ہو گئیں
وہنگا میں کیوں ہوئی جاتی میں یاد پل کے پا ۱۰ جو مری کوتاہی قسمت سے سڑکاں ہو گئیں
بس کہ رو کا میں تھا وہ سینہ میں بھر چکے ہے ۱۱ میری آہیں بخیہ چاک گر گیاں ہو گئیں
داں گیا بھی میں توان کی گالیوں کا جواب ۱۲ یاد تھیں جتنی دُعا بش صرت دیاں ہو گئیں
جانفرا ہے باد چس کے ہاتھ میں جام گیا ۱۳ سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں
ہم مود میں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ۱۴ ملتیں جب مٹ گئیں اجائے اہاں ہو گئیں
رنج سے خورگ ہوا انسان کسٹ جا لے رنج ۱۵ مشکلیں اتنی ہیں مجھ پر کہ آسماں ہو گئیں

یوں ہی گرد و زار ہا غالب تو اسے اہل جاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۱۔ خیال یہ ہے کہ پھول حسینوں کی خاک سے پیدا ہوا کرتے ہیں نیز جیسا

حسین ہوتا ہے ویسے ہی خوبصورت پھول اس کی خاک سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے
لالہ دگل کو دیکھ کر انسانوں کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ خدا جانے کتنے اور کیسے کیسے حسین

خاک میں مل کر خاک ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک حسینوں کی صورتیں تو لالہ و گل کی صورت میں ظاہر ہو گئی ہیں۔ باقی کا کہیں پتہ نہیں۔ بہنوں میں شعر ہے۔

۲۔ رنگارنگ .. رنگ ہر رنگ کی + نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں۔
ہم بھول گئے۔

اربابِ شوق کی بزمِ آرائیاں دیکھ کر کمالِ حسرت سے کہتے ہیں کہ ایک زمانہ محتاج ہم بھی بزمِ آرائیاں کیا کرتے تھے۔ وہ وقت گزر گیا، بزمِ آرائیاں ختم ہو گئیں مگر ان کی یاد دلتوں دل کو بے چین کرتی رہی۔ اب ایسا دماغِ بالہ ہے کہ ان بزمِ آرائیوں کی یاد بھی باقی نہیں رہی۔ گویا وہ بزمِ آرائیاں طاق نسیاں کی زینت بن گئی (آہستہ)

طبا طبائی، مجھو اور معجید: تمہیں ہمارا حال دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ شباب کو قیام نہیں۔

۳۔ بنات النعش .. شمال کی طرف سمتِ متلوے نکلا کرتے ہیں۔
عورتیں انہیں سات سیلیوں کا جھکا اور سات سیلیاں بھی کہنوں میں نیز چار تاروں کو جنازہ اور تین کو جنازہ اٹھانے والے کہا جاتا ہے۔

میرزا صاحب نے بنات کے لفظ سے فائدہ اٹھا لیا ہے۔ جس کے معنی لڑکیاں ہیں لیکن اہل عرب کے محاورہ میں بنات ابن کی جمع ہے مثلاً ابن العرس کی جمع بنات العرس ہے۔ چونکہ دن کے وقت متلوے نظر نہیں آتے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ آسمان کی سات سیلیاں دن کے وقت پردے میں چھپی ہوئی تھیں۔ لیکن خدا جانے رات کو ان کے دل میں کیا آئی کہ وہ بے پردہ ہو گئیں۔

آہستہ: (۱) اپنے معشوق کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ بنات النعش برطی پردہ دار تھیں۔ دن کو منہ چھپائے رہیں مگر شب کا وقت آیا تو اپنا پردہ اٹھا لیا۔

تم ایسے ہو کہ شب وصل میں مجھ سے شرمائے جاتے ہو حالانکہ یہ کوئی محل نہیں ہے (۲۵) ایک عاشقانہ چال ہے۔ معشوق سے کہتا ہے تم کہتے ہو معشوق کا کام عریاں ہونے کا نہیں ہے۔ دیکھو بنات النعش دن کو کیسی چھپی ہوئی تھیں۔ آخر شب کو بے پردہ ہوئیں۔ پھر اگر رات بے پردہ ہونے کا محل نہیں تو وہ بے پردہ کیوں ہو گئیں۔

۴۔ روزن دیوار زنداں .. بے فرد +

حالی: یعقوب کی آنکھوں کو روزن دیوار زنداں قرار دیا ہے۔ کس واسطے کہ روزن زنداں ہر وقت یوسف پر کشادہ رہتا تھا۔ اسی طرح یعقوب کی آنکھیں شب و روز یوسف کی طرف نکل رہتی تھیں۔

ترجمہ: ایک طرف روزن دیوار زنداں ہونے سے مراد آنکھوں کا بے فرد ہونا ہے اور دوسری طرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگرچہ ظاہر طور پر یعقوب نے یوسف کی خبر نہ لی۔ لیکن درحقیقت ان کی آنکھیں روزن دیوار زنداں ہو کر ہر وقت حضرت یوسف کو دیکھتی تھیں۔ روزن اور نابینا آنکھوں کی مشابہت خوب ہے۔ جب آنکھوں کا نور نائل ہو جاتا ہے تو وہ سفید ہو جاتی ہیں اور روزن کے ساتھ مشابہت قائم رکھتی ہیں۔ روزن کبھی بند نہیں ہوتا۔ نابینا آنکھیں بھی اسی طرح کھلی رہتی ہیں۔ روزن سے اندھیرے میں روشنی آتی ہے، اس لئے یعقوب کی آنکھوں کے روزن بننے سے یہ بھی معنوم پیدا ہوتا ہے کہ یوسف زندان کی تاریکی میں نہ گھبرا ئے، یہ شعر غالب کے بہترین اشعار میں سے ہے اور کمال جذب عشق کو ظاہر کرتا ہے۔

۵۔ ماہ کنعان .. حضرت یوسف، وہ کنعان میں رہتے تھے۔

لیخا پر زبان مصر آواز سے کستی تھیں۔ کہ تم ایک غلام پر عاشق ہو گئیں۔

تہ نے اس میں کیا خوبی اور رعنائی دیکھی ہے۔ آخر کار زلیخا نے تنگ آکر بہت سی عورتوں کو جمع کیا۔ اُن کے ایک ہاتھ میں چھری اور دوسرے میں ترنج و صندیلے اور کہا کہ جب یوسف تمہارے سامنے آئے تو ترنج کو کاٹنا۔ جب سب اس اسلوب سے پیچھے گئیں تو یوسف کو بلایا، تمام عورتوں نے حسب الحکم ترنج کھائے۔ لیکن وہ یوسف کے نظارہ میں اس قدر محو ہو گئیں تھیں کہ بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ لیتے۔ عورتوں کی یہ بے خودی دیکھ کر زلیخا بہت خوش ہوئی۔ اس واقعہ کو پیش نظر رکھ کر غالب کہتے ہیں۔

دنیا کا قاعدہ ہے عاشق اپنے رقیبوں سے جلتے ہیں۔ لیکن زلیخا میں یہ بات نہیں، وہ اپنے رقیبوں سے علم عادت کے خلاف خوش ہے کہ وہ بھی اس کی طرح یوسف پر عاشق ہو گئیں۔ دراصل زلیخا کی خوشی کا سبب یہ تھا کہ اب یہ عورتیں مجھے یوسف پر عاشق ہونے کا طعنہ نہ دیگی۔ لیکن شاعر نے اس سے ایک نیا پہلو نکال لیا۔

۶۔ جوئے نوحں .. اشکِ خوئیں + فروزاں .. روشن۔

ہجر کی اندھیری رات ہے اور میں تعبِ ہجر سے بے چین ہو کر اشکِ غم سے جھٹے خون بہنے دو۔ آج شامِ فراق ہے۔ میں جس قدر بھی روشوں کم ہے۔ ہجر کی تاریک شب میں جو میری آنکھوں سے اشکِ خوئیں مسلسل سرسریں ہیں انہیں دو روشن شمعیں خیال کروں گا۔ اندھیرے میں تاریکی باعثِ جگہتی ہے۔ اس لئے اشکِ خوئیں سے میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوگا اور اس کے ساتھ ہی ان کی روشنی سے میرا نمکدہ بھی روشن ہوگا بے مثال شعر کہا ہے۔

۷۔ عقیدہ یہ ہے کہ حُسن میں عورتیں بطور کنیزوں کے میس کی کہتے

ہیں یہاں تو یہ پریرا دہم پر خوب ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اگر قدرت حق نے انہیں جنت کی حوریں بنا دیا تو مرزہ آجائیکا۔ ہم ان کے ظلم و ستم کا گن گن کر بدلے لیں گے۔ حوریں بننے کے بعد یہ پریرا دہمارے کسی ایک حکم سے سرتابی نہیں کر سکیں گے۔

۸۔ مرزا کا یہ شعر بیت الغزل اور نشتر کہلاتا ہے۔ شعر کا مفہوم یہ کہتا ہے کہ جس کے ساتھ تو ہم خواب ہوا اور جوشِ اختلاط میں جس کے شالوں پر تیری غبریں زلفیں پریشان ہوئیں، اس کے دماغ کے کیلے کہتے ہیں نیند اس کی قابلِ رشک ہے۔ راتیں اس خوش قسمت شخص کی صحیح معنوں میں راتیں کہلانے کی سختی ہیں اور جسے یہ لطف حاصل نہیں، نہ اس کا دماغ ہے نہ نیند ہے نہ راتیں ہیں بلکہ وہ ہمہ تن رنج و تعب ہے۔

۹۔ دیستان .. دوسرے مکتب۔

اُستاد کی غیر حاضری میں طلباء سبق یاد نہیں کیا کرتے۔ لیکن جب اُستاد کو آنا دیکھتے ہیں یا اس کی آواز سن پاتے ہیں تو بہت جوش و خروش سے اپنا سبق دہرانے لگتے ہیں۔ میرا چمن میں جانا تھا کہ ایک مکتب کا سماں پیدا ہو گیا۔ بلبلیں میرے نالوں کو سننے ہی اپنے اپنے نغمے نہایت جوش و خروش سے دہرانے لگیں۔ گویا میں اُن کا اُستاد تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بلبلیں دلکش آواز سن کر نغمہ سنجی شروع کر دیتی ہے۔

اسی نے بلبلیں کی غزل خوانی کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔ مثلاً (۱) ہم جنس کے ملنے کی خوشی (۲) مجھ کو دیوانہ سمجھ کر جوشِ مسرت کدہ نہیں روک سکتی (۳) میں ایسا فصیح بیان ہوں کہ میری غزلیں سن کر وہ لغزہ سنجی شروع کر دیتی ہیں۔ ان معنوں پر سب متفق ہیں۔

۱۰۔ مڑگاں ہو گئیں... آنکھوں کا اتنا بند ہونا کہ چلیں تقریباً آپس میں مل جائیں۔ یہ حالت وہ موقعوں پر ہوتی ہے۔ بعض اوقات جوشِ مسرت سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور محض اتنی کھلی رہتی ہیں کہ ان میں سے تھوڑا تھوڑا نظر آتا ہے۔ کبھی کسی چیز کو غور سے دیکھنے یا تغافل آمیز اور شرمیلی نگاہیں ڈالنے سے بھی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

یارب وہ نگاہیں جو میری بد قسمتی سے مڑگاں بن گئی ہیں وہ میرے دل کے پار کیوں ہوئی جاتی ہیں۔ دل کے پار تو اُس وقت ہو سکتی تھیں جب وہ مڑگاں نہ بنیں یا وہ تلوار یا تیر ہوتیں۔ یہ میری کوتاہ قسمتی ہے کہ وہ باوجود کوتاہ ہونے کے میرے دل کے پار ہوئی جاتی ہیں۔

حالی: نگاہوں کے مڑگاں ہونے سے یہ مواد ہے کہ شرم کے سبب سے اُپر نہیں اٹھتیں بلکہ ہلکوں کی طرح ہر وقت نیچے کو جھکی رہی ہیں۔
(دیکھو۔ سجدہ۔ حسرت)

طباطبائی: نگاہوں کے مڑگاں ہونے کو نگاہوں کا کوتاہ ہونا قرار دیتے ہیں اور اس کا کوئی سبب نہیں لکھتے۔

آنکھی لکھتے ہیں کہ میری کوتاہی قسمت (بد قسمتی) نے تلوار جیسی نگاہوں کو میری جانب سے اتنا کوتاہ کیا کہ مڑگاں بنا دیا۔ اس لئے ہر وقت ایک کھٹک سی میرے دل میں رہتی ہے۔ مگر اب میں خیال کرتا ہوں کہ وہ دل کے پار ہوئی جاتی ہیں اور میں مرا جاتا ہوں۔ آخر اس کا کیا سبب ہے کہ وہ اُس چھوٹی دُور میں اب بھر بھی تیر کا کام دے رہی ہیں۔

۱۱۔ میں نے اپنی آنکھوں کو جس قدر زیادہ روکا، اتنی ہی وہ میرے سینے میں بار بار اُبھر رہی۔ گویا میری آہیں بھی بخیمہ چاک گر بیاں ہو گئیں قاعدہ ہے

کہ بخیہ کرتے ہوئے تاکہ بار بار اُبھرتا ہے اور پھر نیچے دباؤ میں آ جاتا ہے۔
 بخیہ اور چاک گریباں کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آہ کے بار بار اُبھرنے
 اور بار بار ضبط کرنے کو بخیہ کے تاکے سے تشبیہ دی ہے۔ نیز سینے اور
 بچھے میں ضلع بھی لطف سے عالی نہیں مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی آہوں کو
 ضبط کیا۔ گویا چاک گریباں کو بخیہ کر لیا۔ لیکن پھر بھی بخیہ کے تاکے کی طرح
 وہ بار بار اُبھرتی رہیں۔ طباطبائی اس شعر کو بے معنی لکھتے ہیں۔

۱۲۔ حالی : یعنی اب نئی دعا تو کوئی ذہن میں باقی نہیں رہی اور
 وہی مستعمل دعائیں جو دربان کو دے چکا ہوں، دوست کے حق میں صرف
 کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

اس شعر میں جو اصل خوبی اور لطافت ہے وہ یہ ہے کہ گالیوں کے
 جواب میں دعائیں دینے کو ایک ایسی معمولی اور ضروری بات ہونا ظاہر کرتا
 ہے کہ گویا اس کو ہر شخص ضروری جانتا ہے۔ اس واسطے وہ سب سے
 حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ الٰہی کی گالیوں کا کیا جواب دوں گا جبکہ دعائیں
 سب لبراً چلیں۔

۱۳۔ شراب جانظر ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس شخص کے
 ہاتھ میں جام شراب آ جاتا ہے، اس کے ہاتھ کی تمام لکیریں گویا رگ جان
 بن جاتی ہیں۔ یعنی شراب بغیر سینے کے رگ دپے میں قوت پیدا کر دیتی ہے
 معبود نے اس موقع پر غالب کے ایک خط میں سے یہ اقتباس پیش کیا
 ہے۔ سرودی کی شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ”آگ میں گرمی سہی لیکن وہ
 آتش سیال کہاں کہ جب دو جڑے پئے فوراً رگ دپے میں دوڑ گئی۔ دل تو نا
 ہو گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ نفس ناطقہ کو تو ابد ہم پہنچا۔“

طباطباتی: گویا کاللفظ اکثر اشعار میں بھرتی کا ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس شعر میں ایسا نہیں۔ اگر یہاں یہ لفظ نکال ڈالا جائے تو مبالغہ حد امکان سے تجاوز کر جائے۔

۱۴۔ موحّد .. توحید کے قائل + کیش .. مذہب۔

حالی: تمام ملتوں اور مذہبوں کو محمد دیگر رسوم کے قرار دیتا ہے۔ جن کا ترک کرنا اور ہٹانا موحّد کا اصل مذہب ہے اور کہتا ہے کہ یہی ملتیں جب مٹ جاتی ہیں تو اجزائے ایمان بن جاتی ہیں (بیخود۔ مستعید) حسرت: جب ترک رسوم مذہب پایا تو جتنی ملتیں مٹتی جاتی ہیں وہ گویا اجزائے ایمان بنتی جاتی ہیں۔

۱۵۔ جب انسان رنج کا غور اور عادی ہو جاتا ہے تو رنج کا احساس جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ مجھ پر انتہی مشکلیں اور مصیبتیں آئیں جس کی کوئی حد نہیں۔ لیکن اس نظر سے مطابقت کہ ”رنج سے غور ہو کر رنج رنج نہیں معلوم ہوتا۔“ وہ خود بخود آسان ہوتی چلی گئیں۔ یعنی میں غورِ آلام ہو گیا تھا اس لئے انہیں ہنسی خوشی روزانہ کی ایک معمولی بات سمجھ کر برداشت کر لیا۔

۱۶۔ (۱) بہت خوب شعر ہے، کہتے ہیں کہ اگر غالب اسی طرح رہتا رہا تو تم دیکھنا کہ اس کے رونے کی وجہ سے یہ بستیاں چند دن میں ویران ہو جائیں گی۔ گویا غالب کا لگاتار رونا بہت تباہ کن ثابت ہو گا۔ اس لئے اسے رونے سے روکنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے (۲) سُنے والوں سے اس کے نلے سُنے نہ جائیں گے اور وہ اپنے مکان چھوڑ کر کسی اور دیار میں جا رہے گے (۳) غالب کا سیلابِ اشک مکالموں کو ڈھاوے اور بستیوں کو ویران کر دے گا۔

دیوانگی سے دوش پہ زنا رہی نہیں ۱ یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
 دل کو نیازِ حسرت دیدار کیجئے ۲ دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے ۳ دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں ۴ طاقت بقدر لذتِ آزار بھی نہیں
 شورِ بیدگی کے ہاتھ سے ہے سروِ بالِ دوش ۵ صحرا میں لے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف ۶ یاں دل میں ضعف سے ہیں یار بھی نہیں
 ڈرنا لہائے زار سے میرے خدا کو مان ۷ آخر تو اے مرغِ گرفتار بھی نہیں
 دل میں ہے یار کے نصفِ مژگان سے کشی ۸ حالانکہ طاقتِ غلبہ خاں بھی نہیں
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے لے خدا ۹ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
 دیکھا اسد کو خلوت و علوت میں بارہا

دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

۱۔ عاشق کا مذہب صہم پرستی ہے اور صہم پرستوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ
 زنا پہ ہنسا کرتے ہیں۔ کہتا ہے دیوانگی کی وجہ سے ہمارے دوش پر زنا رہی
 نہیں۔ گویا جوشِ دیوانگی میں ہم نے اپنا گریبان اس بُری طرح پھاڑا ہے کہ
 ایک تار بھی جسم پر باقی نہیں رہا کہ وہی زنا کا کام دیتا۔ یاد رہے زنا کا نہ تو
 مذہب صہم پرستی کے خلاف ہے۔

۲۔ جب ہم نے اپنے دل کو حسرتِ دیدار کی نظر کر دیا یعنی تنائے دیدیں
 مٹا دیا تو ہم کو احساس ہوا کہ ہم میں تو طاقتِ دیدار بھی نہ تھی۔ بیکار دل
 کو خاک میں ملا دیا (سجید)
 بخود غور کرنے سے معلوم ہوا کہ دل کے مٹ جانے سے طاقتِ دیدار

کو بھی مٹا دیا۔ اب اگر وہ جلوہ دکھائے تو دیدار کی طاقت نہیں
(طباطبائی۔ آئسی)

۳۔ حالی۔ ایک نیکٹ (واقعہ) کے بیان میں ایسے مناسب محاورات
کلاستیاب ہو جانا، عجیب اتفاق ہے۔ اس مضمون کو حقیقت کی طرف
لے جاؤ اور چاہو مزاج پر محمول کرو۔ دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ اگر
تیرا ملنا آسان نہ ہوتا یعنی دشوار ہوتا تو کچھ دقت نہ تھی اس لئے کہ ہم آپس
ہو کر بیٹھ رہتے اور شوق و آرزو کی غلش سے چھوٹ جاتے۔ مگر مشکل یہ ہے
کہ وہ جس طرح آسان نہیں، اسی طرح دشوار بھی نہیں اور اس لئے شوق و
آرزو کی غلش سے کسی طرح نجات نہیں ہوتی (سعید۔ بیخود)

حسرت (۱) تحصیل دشوار آسان نہیں ہوتی مگر ممکن ہوتی ہے اور
تحصیل محال سرے سے ممکن ہی نہیں ہوتی۔ شاعر کہتا ہے کہ ملنا حیرا
آسان نہ ہو۔ یعنی دشوار ہو۔ تاہم سہل ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ دشوار بھی
نہیں، محال ہے۔ جس میں میرا کسی طرح قابو نہیں، محض مجبور ہوں (۲) تیرا
ملنا اگر سہل کے لئے مشکل ہو تو مجھ کو بھی صبر آجائے۔ مشکل یہ ہے کہ
اخیلہ کے لئے آسان ہے اور میرے لئے دشوار ہے۔ (آئسی) و حسرت
طباطبائی کی پہلی شرح سے متفق ہیں۔

۴۔ عمر بغیر عشق کے کٹ نہیں سکتی اور عشق میں آزار اور تکلیفیں ضرور
پہنچتی ہیں۔ مگر ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ذرا آزار برداشت کر سکیں بڑی
مشکل آپڑی ہے۔ کیسے بنے گی۔

۵۔ شوریدگی .. جنوں + دیال .. مصیبت + دوش .. کندھاس
عاشق محبت میں دیوانہ ہو گیا ہے۔ صحرا میں مارا مارا پھرتا ہے شہنشاہ

نے اس کی ایسی حالت بنا دی ہے کہ سر بھی کندھوں پر وبال معلوم ہوتا ہے
اس بوجھ سے پریشان ہو کر مکتا ہے کہ اسے خدا میں کیا کروں صحرائیں تو کوئی
دیوار بھی نہیں ہے کہ میں اس سے اپنا سر بھونڈا لوں اور اس بار دوش
یعنی سر سے نجات پاؤں سے غالب

کہاں تک روئل اُس کے خم کے نیچے قیامت ہے

مری قسمت میں یار ب کیا نہ تھی دیوار ب پتھر کی

۶۔ ضعف سے دل بالکل کمزور ہو گیا ہے اور وہ کسی قسم کا بوجھ اٹھانے
کے قابل نہیں رہا۔ ہوس یار میں تو کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارا ضعف دل
ایسا ہے کہ ہوس یار کا بھی تمھیں نہیں ہو سکتا۔ جب حالت ایسی نازک ہے
تو گنجائشِ عداوت اختیار کیسے ہو سکتی ہے۔ حسن خیال یہ ہے کہ آرزوئے یار
ہمیشہ خوش زندہ ہوتی ہے، لیکن یہاں وہ بھی ناگوار ہے۔ پھر عداوتِ اختیار
کا کیا ذکر وہ تو سرا سر بوجھ ہے (طباطبائی۔ سید)

آسمی، مطلب یہ ہے کہ اب دل سے آرزوئے وصالِ یار برداشت
نہیں ہو سکتی اور وہ اتنی زیادہ ہے کہ میرے دل میں سما نہیں سکتی یا یوں
کہئے کہ اب ہم تارک ہیں۔

بیخود، عشق و ہوس کا زمانہ گزر جانے کے بعد یہاں یار سے بھی
دلی لگاؤ باقی نہیں رہا۔

۷۔ میرے نالہائے نار سے ڈر۔ خدا کا خوف کہ میرے نالے موجِ گرفتار
کے نالوں کی طرح بے اثر نہیں ہیں۔ اُن کا اثر ہوگا اور ضرور ہوگا۔

۸۔ روشنی... مقابلہ۔

اگرچہ ضعف و نقاست نے میرا ایسا حال بنایا ہے کہ مجھ میں کانٹے کی

کھٹک برداشت کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔ پھر بھی میرے دل میں یہ بات سمائی ہے کہ میں مرثگان یا رکی فوج کا مقابلہ کروں۔

۹۔ اے خدا ان کی سادگی پر کون نہ مر جائے کہ وہ لڑتے ہیں، انگوٹھ کے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

بے خود، طباطبائی؛ لڑنے سے اختلاف میں ہاتھ پائی کرنا سراو ہے۔

آئسی؛ گویا یہ سادگی بجاٹے تلوار کے ہے۔

۱۰۔ ہم نے اسد کو خلوت اور جنوت دونوں حالتوں میں دیکھا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ دیوانہ نہیں، معاف کیجئے۔ اگر وہ دیوانہ نہیں تو ہشیار بھی نہیں ہے۔

۱۰۳

نہیں ہے زخم کوئی بخیر کے درخیزتوں میں ۱ ہوا ہے تار اشک یاں رشتہ چشم سفدن میں
ہوئی ہے بارغ ذوق تماشہ خانہ ویرانی ۲ کف سیلاب باقی ہے رنگ پنبہ نعلن میں
وہایت خانہ بیدار کاوشماں میزگاں ہوں ۳ نگین نلم شاید ہے مگر قطرہ خوں تن میں
بیاباں کس سے ہو ظلمت گستری پیکر شبناکی ۴ شب ہو جو رنگدیں پنبہ دیوانوں کے درن میں
نکوش بارغ بے ربطی شور جنوں آئی ۵ ہوا ہے خندہ احباب بخیر حبیب دامن میں
ہوئے اس مہروش کے جلوہ مثال کے آگے ۶ پرافشاں جوہر آئینہ میں مثل قدرہ روزانہ میں
نہ جانوں نیک ہوں یاد ہوں صحبت مخالف ۷ جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں گلشن میں
ہزاروں دل فیضے ہوش جنوں عشق نے مجھ کو ۸ سب ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خواباں ہوں

خیمہ مست نوازش ہو گیا ہے طوق گون میں

۱۔ درخور۔ قابل + چشم سوزن۔ سوئی کا ناکہ + رشتہ۔ تارک۔

دشتِ سوزن کو تارِ اشک یاس کہا ہے۔ میرے جسم پر کوئی زخم ایسا نہیں جو
ملنے لگنے یا سینے کے قابل ہو، اس لئے تاکہ چشمِ سوزن میں بابو سی کی وجہ سے
تارِ اشک یاس بن گیا ہے۔ گویا سوئی اس ناامیدی کے سبب روتی ہے اور اس
غم میں چشمِ سوزن سے آنسوؤں کا تار جاری ہے۔

۲۔ کفِ سیلاب .. سیلاب کے جھاگ پنہ .. روٹی۔
میں اشکوں کا سیلاب اس لئے لایا تھا کہ میرا گھر تباہ و برباد ہو جائے
اور پھر میں دردِ دیوار کے روزوں میں سے اپنی خانہ دیرانی کا تماشا لو بکھوں لیکن
اخسوس کہ یہ ذوقِ تماشا پورا نہ ہو سکا۔ میری خانہ دیرانی ہی ذوقِ تماشا کو مانع آئی۔
کیونکہ سیلاب کے جھاگوں نے دردِ دیوار کے روزوں کو بھٹی کے پنہ کی طرح بند
ہو جائے اور جھاگ انہیں باسکتا۔ یہ پنہ اسی سیلابِ اشک کا کف ہے جس
سے گھر ویران ہوا ہے۔

۳۔ دلِ عت خانہ .. امانت خانہ .. شاہد .. معشوق۔

میرے جسم کا ہر ایک قطرہ خون ایک نگینہ ہے۔ جس پر مرزاگان یا بہ نے
نہایت بے دردی سے اپنا نام (معشوق کا نام) کھودا ہے۔ اس لئے میں ان نگینوں
(یعنی مرزاگان یاہر کی کاوشوں کے ظلم کا امانت خانہ بن گیا ہوں۔) تاعدہ ہے کہ
امانت پر جرگہ دی جاتی ہے اسی طرح میرے خون کے ہر قطرہ پر کاوشِ مرزاگان
کے ظلم و ستم کی جھڑپیں لگی ہوئی ہیں۔

عالم .. خستہ .. خوابگاہ .. میرے سیاہ خانہ کی تاریکی کا حال کوئی یا
نہیں کر سکتا۔ اس کی تاریکی کا یہ عالم ہے کہ اگر اس کی دیواروں کے روزن میں
پنہ رکھ دیں تو یہ معلوم ہو کہ چاندنی رات ہے۔ جہاں تاریکی زیادہ ہوتی ہے وہاں

سر سفید چیز چمکتی ہے۔ چنانچہ روزن میں روٹی رکھنے سے بجائے تار کی ٹٹے
 گئے اس قدر روشنی ہو جاتی ہے کہ شبِ ماہ معلوم ہوتی ہے۔ غالب سے
 کیا کہوں تار کی دندانِ غم جیسا۔ پنبہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
 ۵۔ نکو ہنس .. ملامت۔

اجاب نے میرے جوش جنوں اور بے ربطگی کو دیکھ کر مجھے ملامت
 کی اور وہ میرے پاگل پن پر ہنسنے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خندہٴ اجاب سے
 بچنے کے لئے میں جیب و دامن کو چاک کرنے سے باز رہا گو یا خندہٴ اجاب
 میرے چاک گر بیان کا بخیرہ بن گیا۔
 طبا طبائی لکھتے ہیں کہ خندہ سے خندہٴ دندان ناما مقصود ہے تاکہ اسے
 بخیرہ سے مناسبت ہو جائے۔

۶۔ مردوش .. خورشیدِ جمال + جلوہٴ تمثال .. عکسِ رخ + پرافشاں
 .. اُڑنے کے لئے پر پھر پھر پھڑانا۔ یہاں مراد اُڑنا۔

جس طرح روزن پر آفتاب کی روشنی پڑنے سے ذراتِ پرافشاں اور
 متحرک ہو جاتے ہیں اسی طرح اُس مردوش کے عکسِ رخ کے سامنے آئینے
 کے جوہر اٹنے لگتے ہیں گو یا اس کے عکسِ رخ کے سامنے آئینہ ماند پڑ جاتا ہے
 ۷۔ گلخن .. بھاؤ + خس .. گھاس پھوس وغیرہ۔

یہ تو میں جانتا نہیں کہ میں اچھا ہوں یا بُرا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور
 جانتا ہوں کہ میری صحبت مخالف ہے یعنی اگر میں گل ہوں تو میری صحبت
 گلخن سے ہے اور اگر میں خس ہوں تو میری صحبت گلشن سے ہے۔ ظاہر
 ہے کہ گل کی صحبت گلشن سے اور خس کی صحبت گلخن سے مناسب ہے۔
 گل اگر گلخن میں ہے تو بیکار ہے اور اگر خس گلشن میں ہے تو بار بار مطلب

ہے کہ صحیح صحبت ہر شخص اور چیز کے جوہروں کو چمکاتی ہے اور اسی سے شاعر محروم ہے۔

۸۔ جویش جنوں عشق سے میرا ہر قطرہ خون سیاہ ہو کر سویدا بن گیا ہے۔
خداں سویدا دل میں ہوتا ہے گویا جنوں کے فیض سے ہم کو ہزاروں دل مل گئے۔
مطلب یہ نکلا کہ فیض عشق سے ہزاروں دل مل گئے۔ پہلے ایک دل کو مشرق
کی یاد تڑپاتی تھی اب ہزاروں دل اس کی یاد میں تڑپا کر رہ گئے۔
۹۔ زندانی .. قیدی۔

اسد میں حسینوں کی تاثیر محبت کا قیدی ہوں انہوں نے
کمال حیرانی سے میرے گلے میں جو بائیں ڈالی ہیں وہ میری گردن کے لئے
طوق بن گئی ہیں۔ گویا میں اسیر محبت ہو گیا ہوں۔

۱۱۴

مرے جہان کے اپنی نظریں خاک نہیں ۱ مولے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں
مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے ۲ وگرنہ تلب توں بال پر میں خاک نہیں
یہ کس بہشت شمائل کی آمد آد ہے ۳ کہ غیر جلوئے گل رنگزریں خاک نہیں
بھلا اُسے نہ سسی کچھ بھی کو رحم آتا ۴ اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں
خیال جلوئے گل سے خراب ہیں بے کش ۵ شرا بخانے کے دیوار وہیں خاک نہیں
ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے خزند ۶ سوائے حسرت تعمیر گھو میں خاک نہیں
ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کا اسد
مکھلا کہ فائدہ عرض ہنریں خاک نہیں

۱۔ خاک نہیں .. بھیج ہیں، کچھ نہیں۔

دُنيا کے تمام لطف اور لذتیں میری نظروں میں بھیج ہیں۔ ہاں خون جگر مینے

میں مجھے مزہ آیا کرتا تھا قواب جگہ میں بھی کچھ باقی نہیں رہا۔ گویا اس لطف سے بھی محروم ہو گیا۔

۲۔ مگر... شاید۔

میرے بال و پر میں اتنی طاقت نہیں کہ میں اُڑ کر دہاں تک جاؤں۔ شاید یہ ہو سکتا ہے کہ میں فنا ہو کر خاک ہو جاؤں اور ہوا میرے غبار اُڑا کر دہاں لے جائے۔ غبار و خاک کا تناسب پُر لطف ہے وہاں سے مُراد کوچہ باریاں یا چمن ہو سکتا ہے۔

۳۔ بہشت.. شمالی.. بہشت خصلت یا فردوس منظر مراد معشوق کہتے ہیں آج کس بہشت خصلت معشوق کی آمد آمد ہے کہ راستے پھولوں سے پٹے پڑے ہیں اور خاک کہیں نام کو نہیں۔ گویا معشوق کی آمد آمد سے عالمِ خاک عالمِ فردوس بن گیا ہے۔

کچھ۔ نفس.. آہ و نالہ۔

اگر اسے میرے عالِ ناز پر رحم نہ آیا تھا تو خود مجھی کو اپنی حالت پر رحم آنا چاہئے تھا، یعنی اپنے اُپر رحم کر کے میں نالہ کشی سے باز آ جاتا چمن معلوم ہو گیا کہ میری آہ میں خاک اثر نہیں۔

طبا طبائی لکھتے ہیں کہ نفس کو بے اثر کہہ کر پھر کہنا کہ اثر نہیں بہ اعتبار معنی کے اس کی تاویل مشکل ہے لیکن محاورہ میں ٹھیک ہے۔

۵۔ شراب خانے کے دیو اور دہر میں تو کچھ باقی نہیں۔ اب اس سے بخوار کیا مست ہونگے۔ وہ تو طوطہ گل و فصل بہار کے خیال میں مست ہیں (مستعد) طبا طبائی، نشے کی کراتات سے آنکھوں میں سرسوں بھولی ہے اور کہ شراب خانے میں کیا دھڑ ہے۔ بخورد و طباطبائی یہ مطلب نکالتے ہیں کہ زندگی

کو پر لطف بنانے والی شے محبت الہی ہے، ورنہ اس ناپائیدار دنیا میں کیا رکھا ہے۔

آئنی نے ہر وہ متذکرہ معنی لکھے ہیں۔ تیسرا مفہوم یہ لکھتے ہیں کہ فصل بہار آ رہی ہے اور یہ خیال کہ اس موسم میں بغیر شراب کے کیونکر گزارا ہوگا۔ ان کو خواب کئے ہوئے ہے اور حال یہ ہے کہ نئے غازیں کچھ بھی باقی نہیں وہ بالکل تباہ ہو چکا ہے۔

۴۔ غارت گری۔۔ لوٹ مار + حسرت تعمیر۔۔ مکان بنانے کی آرزو۔

میں عشق کی غارت گری اور لوٹ مار سے بہت ہی شرمندہ ہوں، اس نے مجھے ایسا برباد کیا کہ میرے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اگر ہے تو حسرت تعمیر ہے۔ عشق اسے کیا لوٹے گا۔ گویا میں شرمندہ اس لئے ہوں کہ عشق سے لٹو لے کے لئے میرے پاس خاک بھی نہیں۔

سجید لکھتے ہیں کہ میرزا پچاس برس دہلی میں رہے لیکن ہمیشہ کرائے کے مکان میں، اپنا مکان بنانے کی حسرت دل ہی میں رہی۔ اسی شعر میں اسی کا اظہار کیا ہے۔

۵۔ لوگ ہمارے اشعار کو تعزیر طبع اور دل لگی کا سامان سمجھتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے شعر کہنے اور اظہار ہنر سے کچھ فائدہ نہیں۔ کیونکہ لوگ ہمارے فن کی قدر کرتے ہیں، نہ ہمارے اشعار کو سمجھتے ہیں۔

بیخود: ہم صرف دل بہلانے کی غرض سے شعر کہا کرتے ہیں۔ ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ اظہار کمال میں خاک بھی فائدہ نہیں مطلب یہ ہے کہ اب نہ لوگ خوش گوئی کی قدر کرتے ہیں اور نہ شعر کی خوبی سمجھتے ہیں۔

۱۱۵

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت سے بھر تلے کیوں ۱ روئے ہم ہزار بار، کوئی میں ستلے کیوں
 دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستان نہیں ۲ بیٹھے ہیں رہ گئے یہ ہم، غیر میں اٹھائے کیوں
 جب وہ جمال، نفوز، صفت، ہر ہم روز ۳ آپ ہی ہو نظار ہوتا، پدے میں نہ چھپائے کیوں
 دشمن، غم، جانستار، ناک ناز بے پناہ ۴ تیرا ہی عکس لوحِ مئی، سامنے تیرے آنے کیوں
 قیدِ حیات، بنغم، ہل میں دوں ایک ہیں ۵ موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں
 حق اور اس چرخِ طغی، رہ گئی بوالہوس کی شرم ۶ اپنے پہ اعتماد ہے، غیر کو آزمائے کیوں
 داں وہ غم، عود نازیاں یہ حجاب پاس منع ۷ لو میں ہم ملیں کہاں، نرم میں وہ بلائے کیوں
 ہاں وہ نہیں خلا پرست، جاؤ وہ بیوفا سہی ۸ جس کو ہدیٰ دل عزیز، اس کی گلی میں جائے کیوں

غالبِ نجمتہ کے بغیر، کوئی سے کام بند میں

روئے لارزار کیا، کبھے ہائے ہائے کیوں

۱۔ سنگ و خشت .. اینٹ پتھر۔

معلوم ہوتا ہے معشوق عاشق کو رونے سے روکتا ہے اور عاشق کو ضبط کرتا
 کایا را جہیں۔ وہ غلو مانہ انداز سے کہتا ہے کہ ہمارا دل ہے اینٹ پتھر تو نہیں کہ
 تم ستلے جاؤ اور ہم برداشت کئے جائیں۔ اب ہمارے دل سے صبر نہیں ہوتا۔
 ہاں ہاں ہم ہزار بار رویش گئے، کوئی ہمیں کیوں ستلے۔ کوئی کا لفظ قابلِ تعریف
 ہے۔ اس طرح عام طور پر خُشکی کے موقع پر بولتے ہیں۔

۲۔ دیر .. بُت خانہ + حرم .. خانہ کعبہ۔

اس شعر کو تعریف سے مستثنیٰ خیال کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں، ہم سربراہ
 بیٹھے ہیں اور راستہ کسی کی ملکیت نہیں۔ ہر شخص اسے استعمال کرنے کا حق رکھتا
 ہے۔ یہ بُت خانہ یا کعبہ نہیں کہ کوئی ہمیں وہاں سے نکال دے۔ نہ یہ کسی کی دہلیز یا

دروازہ ہے کہ ہمیں یہاں سے اٹھا دیا جائے۔ پھر رقبہ ہیں یہاں سے اٹھ جانے کے لئے کیوں مجبور کرتا ہے۔

۳۔ جمال دلفروز .. دل کو روشن کرنے والا جمال + ہر نیم روز .. دوپہر کے وقت سورج پوری طرح چمکتا ہے اور کوئی اس کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ نظارہ سوز .. نظروں کو جلا دینے والا۔ وہ حسن جس کا نظارہ نہ ہو سکے۔

جب وہ جمال دلفروز دوپہر کے سورج کی طرح نظارہ سوز ہے، یعنی کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا تو پھر وہ اپنا چہرہ پردے میں کیوں چھپاتا ہے۔ اسے چاہئے کہ بے نقاب رہے (آستی مستعید)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ پردے میں چھپا ہوا نہیں بلکہ آشکارا ہے۔ مگر باوجود آشکارا ہونے کے ہر نیم روز کی طرح کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا کیونکہ کثرت نور سے نگاہیں اسے دیکھنے سے قاصر ہیں (طبا طبائی۔ بخود)

۴۔ دشنہ .. خنجر + غمزہ .. ناز و ادا + جالستان .. جان لیوا۔ جملک + ناوک .. تیر۔

تیرے ناز کے خنجر ہمان لینے والے ہیں اور تیری اداؤں کے حیر بے پناہ ہیں۔ کسی کو ان سے امان نہیں مل سکتی۔ جب تیرے ناز و ادا کی جالستانی کا یہ عالم ہے تو جب عکس رخ تیرے سامنے پڑیگا، اس کو بھی گزند پہنچےگا (مستعید۔ آستی)

طبا طبائی۔ سبب یہ ہے کہ تیرے سامنے بھی کسی کا آنا اچھا نہیں کوئی غیر آیا تو مارا پڑا۔ خود عکس تیرا اگر آئینہ میں بھی دشنہ و ناوک لئے ہوئے تیرے سامنے آیا تیرا کیا حال ہوگا؟ (بخود)

۵۔ حیات و غم کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قید حیات اور بند غم

دونوں ایک ہیں۔ ان میں کسی قسم کا فرق نہیں، جو آدمی زندگی کی قید میں رہتا ہے، وہ بھی ہمیشہ مصائب و آلام میں مبتلا رہتا ہے اور جو شخص مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے، وہ بھی رنج و غم میں پھنسا رہتا ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک انسان زندہ ہے اس کو غم سے نجات نہیں مل سکتی ہاں جب موت آجائے گی تو غم بھی نہ رہے گا۔ مومن نماں اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتے ہیں ۵

پھٹ کر کما اسیرِ محبت کی زندگی نا صبح یہ بند غم نہیں قیدِ حیات ہے
۶۔ غالب اس شعر کی شرح ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ”حسنِ عارض اور حسنِ ظن دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس صحیح ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو اپنی نسبت ہے کہ میرا مارا کبھی سچتا نہیں اور میرا تیر غمزدہ کبھی خطا نہیں کرتا پس جب اس کو ایسا بھروسہ ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے۔ اس حسنِ ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی اور نہ رقیب عاشق صادق نہ تھا۔ اگر پائے امتحان درمیان آتا تو حقیقت کھل جاتی۔“

۷۔ اس شعر میں لف و نشر مرتب ہے، کہتے ہیں، محبوب سے ہم راستے میں اس لئے نہیں ملتے کہ ہم کو اپنی وسعت داری کا خیال ہے نیز غیرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس سے سربراہ باتیں کریں۔ ادھر وہ مجھے اپنی محفل میں آنے کی اجازت اس لئے نہیں دیتے کہ مدعو کرنے میں ان کے عز و ناز میں فرق آتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے حالات میں ان سے ملاقات ہو تو کیونکر ہو۔

۸۔ طباطبائی نے اس شعر کو بیت الغزل قرار دیا ہے۔ ہمدرد لوگ

عاشق کو سمجھاتے ہیں کہ تیرا معشوق بہت بے وفا اور کافر ہے۔ اس کے عشق سے تو یہ کہہ دو اور ایسے شخص کے لئے اپنے دین و دل کو خراب نہ کرو۔ عاشق یہ سن کر بیڑا جاتا ہے اور کہتا ہے، جاؤ وہ بے وفا اور کافر ہی سہی، جس کو اپنا دین و دل پیارا ہو وہ اس کی گلی میں نہ جلے۔ گویا تمہیں اینلاوین دل پیانا ہے تم اس کا عشق نہ کرو۔ ہم تو ضرور جاؤں گے اور اس کا عشق ہرگز ترک نہ کریں گے۔

۹۔ غالب مر گئے ہیں، احباب اُن کے غم میں ڈار ڈار رو رہے ہیں اُوٹے ہائے کر رہے ہیں۔ احباب کو تسکین دینے کے لئے کہا جاتا ہے کہ غالب ختمہ کے مر جانے سے تمہارے کون سے کام بند ہو گئے ہیں تم اس طرح ڈار ڈار روتے ہو۔ مطلب یہ ہے اس کی ذات سے تو کسی کو کچھ خاص فائدہ نہ تھا۔ پھر رونے سے کیا حاصل۔

۱۱۶

غیر منہا شگفتہ کو، دُور سے مٹ دکھا کر ۱ بوسہ کو پوچھتا ہوں میں، مرے مجھے بتا کر یوں پریش طرز دلبری کیجئے کیا کر سکتے ۲ اس کے سراک اشارہ سے بے خبر ہو کر یوں رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے ۳ آئے وہ یاں خدا کہنے پر نہ کہے خدا کر یوں غیر سے رات کیا بنی، یہ جو کہا تو دیکھئے ۴ سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ ہوں بزم میں اُس کے بوسہ کیوں نہ خوش بیٹھے ۵ اُس کی خاموشی میں بھی ہے سی مدعا کہ یوں میں نے کہا کہ بزم ناز، چاہئے غیر سے تھی ۶ سن کے تم غریف نے مجھ کو اتحاد یا کر یوں مجھ سے کہا جیسا کہ باتیں ہوش کس طرح ۷ دیکھ کے میری بخود ہی اچلتے لگی ہوا کہ یوں کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی ۸ آئینہ دین تھی، حیرت نقش پا کر یوں گئے دل میں ہو خیال، ریل میں شوق کا نوال ۹ مویں محیط آب میں، ملے ہے سوت و پا کر یوں

جواب کے کہ نہ بختہ، کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتہ غالب ایک بازار پڑھ کے اے سنا کیوں

۱۔ غنچہ ناشگفتہ .. دہن تنگ۔

میں ان سے پوچھتا ہوں کہ بوسہ کس طرح لیا جاتا ہے تو وہ دُور سے اپنا منہ جو
غنچہ ناشگفتہ کی مانند ہے مجھے بنا کر دکھاتے ہیں کہ دیکھ بوسہ اس طرح لیا جاتا
ہے۔ کہتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں۔ یہ کیا کہ دُور سے بتا دیا قریب آکر تباہ
کہ بوسہ لینے کی یہ صورت ہے۔

یہ خود طباطبائی لکھتے ہیں کہ پاس آکر اپنے منہ سے لے کر بتاؤ کہ
بوسہ ہوں لینے ہیں (آہستی۔ مستقیم)

آہستی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے کہ میں نے تم سے بوسہ لینے کی
صورت دریافت کی تو اس پر خاموش کیوں کھڑے ہو۔ یعنی خموشی دہن
کو غنچہ ناشگفتہ کہا ہے۔

۲۔ طرد لبری .. دل لینے کا طریقہ۔

میں ان سے دل لینے کا طریقہ کیا پوچھوں۔ بغیر دریافت کئے پتہ
چل رہا ہے۔ کیونکہ ان کا ہر ایک اشارہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ
دل اس طرح اڑایا جاتا ہے۔

۳۔ خدا کیسے وہ رات کو خوب مشراب پیئے اور میرے گھر میں آئے
لیکن خدا کیسے کہ وہ مشراب پیئے اور قیاب کو اپنے ساتھ لئے ہوئے
میرے پاس آئے۔

۴۔ کیا بنی .. کیا گزری۔

میں نے جو ان سے پوچھا کہ کئے حضرت غیر کے ساتھ رات کیسی گزری؟

اس سوال کا جواب انہوں نے اس طرح دیا کہ وہ میرے سامنے آن بیٹھے۔
گویا یہ بتلایا کہ ہم اور غیروں بیٹھے رہے (بخود - آسی)

طبا طبائی : (۱) میرے سامنے آ بیٹھا اور غصے کی نگاہ سے میری طرف دیکھتا دیکھتے کہ یوں غم گستاخی کرنے لگے (سعیہ) (۲) میرے سوال پر ذرا دیکھنا اس کا سامنے آ بیٹھنا کہ یوں ڈھٹائی سے سامنے آن بیٹھنا۔

آسی کا دوسرا مضمون : اس سوال کے سنتے ہی وہ غصے سے میرے سامنے آ بیٹھا اور کہا کہ اب ہم آپ کے پاس آ گئے ہیں تو آپ یوں چھیر نکالینگے اور یوں گستاخی کریں گے۔

۵۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ بزم میں اس کے سامنے ہم خاموش ہو کر بیٹھیں اس کے چپ چاپ رہنے کا مدعا یہی ہے کہ ہماری طرح تم بھی خاموش بیٹھے رہو۔

۶۔ تھی .. خالی + ستم ظریف .. وہ شخص جس کی ظرافت میں ستم کی آمیزش ہو۔

میں نے ان سے کہا کہ بزمِ ناد میں کوئی غیر شخص نہیں ہونا چاہئے لہذا غیر سے میرا دعا رقیب تھا۔ اس ستم ظریف معشوق نے یہ سن کر مجھ کو بزم سے نکال دیا اور کہا کہ یہی تمہارا مطلب ہے نا۔ یعنی اب تو محفلِ غیر سے خالی ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی نگاہوں میں میں ہی "غیر" تھا۔ حسرت لکھتے ہیں کہ یہ شعر لفظ ستم ظریف کے مفہوم کی تشریح کرتا ہے۔

۷۔ جب یار نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہوش کس طرح اڑتے ہیں؟ تو میری بخود ہی کا یہ عالم دیکھتے ہی ہوا چلنے لگی کہ دیکھ ہوش اس طرح اڑا کرتے ہیں جب عالم سرخوشی میں ہوا لگتی ہے تو نشا اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ مندرجہ بالا

معلوم کے علاوہ آتشی نے یہ نکتے اور نکالے ہیں (۱) میری ہر شے دشمن ہے۔
میں اس کے سوال کا جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ ہوانے پہلے سے جواب
دے دیا (۲) ہر شے میرے دردِ دل سے واقف ہے اور ہر شے میری
حالت پر گواہ ہے (۳) اس کی ہر چیز مطیع ہے اور اس کے سوال کے جواب
کے لئے تیار ہے۔

۸۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کوچہ یار میں کیونکر رہا جاتا ہے۔ حیرتِ نقشِ پا
نے اپنی افتادگی اور حیرانی کی مثال پیش کی کہ مجھے کوئے یار میں رہنے کا
طریقہ سکھلایا مطلب یہ ہے کہ نقشِ پالنے مجھے بتادیا کہ اس طرح خاک
میں مل کر اور جلوۂ یار سے حیرت زدہ ہو کر کوچہ معشوق میں رہنا چاہئے۔
۹۔ اگر تیرے دل میں یہ خیال ہے کہ وصل سے عشق میں کیونکر کی جاتی
ہے۔ تو موجِ بحر کو دیکھ۔ وہ زبانِ حال سے بتا رہی ہے کہ وصل سے شوق اس
طرح (دال) پذیر ہوتا ہے۔ یعنی موج کے توج اور تلاطم سے معلوم ہوتا ہے کہ
موج وصلِ بحر سے دل سیر ہو گئی ہے اور وہ واپس کنارے پر آنے کے لئے
ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ (حسرتِ یسجد)

طباطبائی: اگر تجھے یہ خیال ہو کہ مبداءِ حقیقی تک پہنچ کر کیونکر زوالِ شوق
ہو جائیگا اور کس طرح اتحاد پیدا ہو جائیگا تو موجِ محیط کو دیکھ، وہ بتا رہی
ہے کہ اس طرح دست و پا مارتے مارتے آخر اتحاد ہو جاتا ہے جو کہ مرتبہٴ ایلینا
د سکون ہے (بہجود)

آسی: اگر تیرے دل میں یہ خیال ہے کہ وصل سے شوق میں دال آ جاتا
ہے تو موجِ دریا کو دیکھ، وہ اپنا سر پہنک رہی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ
وصل سے شوق (دال) پذیر نہیں ہوتا۔ یعنی عاشق کو اگر معشوق سے پصال

نصیب بھی ہو جاتا ہے تو اضطراب کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ قطرات جب تک دریا سے نہ ملے تھے ان کو سکون حاصل تھا۔ دریا سے ملنے پر ان کی یہ صورت ہوئی کہ بصورت امواج سرپٹکتے اور زبانِ عال کہتے ہیں کہ کیا وصال سے ذوالِ مشوق ہوا کرتا ہے یعنی نہیں ہوتا۔

۱۔ جو شخص یہ کہے کہ فارسی شاعری سے اردو شاعری کیونکر بہتر ہے تو اس کو ایک مرتبہ غالب کا اردو کلام پڑھ کر سنا اور یہ بنا کہ دیکھ اس طرح سے اردو شاعری فارسی شاعری کے لئے قابلِ رشک ہے۔



۱۱۷

حد سے دل گرفتہ ہے گرم خاشاک ۱ کہ چشم تنگ شاید کثرتِ نظار سے داہو
بغیرِ حسرتِ دل چاہئے ذوقِ ماضی بھی ۲ بھروں ہر گوشہ دہن گر آبِ ہفت دریا ہو
اگر وہ سرو قد گرم خرامِ ناز آجاوے ۳ کفِ ہر خاک گلشنِ شکر قمری نالہ فرسا ہو
۱۔ حالی: کہ یہ شخص ایک خیالی مضمون نہیں ہے، بلکہ حقیقت واقعی کو ایک
نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ فی الواقع جب انسان گھر کی چار دیواری میں
محصور و ذیل کے حالات سے ناواقف اور لوگوں کی ترقی و تنزل کے اسباب سے
بے خبر ہوتا ہے تو اپنی محدود جماعت میں سے کسی کو عمدہ حالت میں نہیں
دیکھ سکتا۔ لیکن جس قدر اس کا دائرہ تعارف زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے،
اسی قدر اس پر یہ بات کھلتی جاتی ہے کہ لوگوں کی خوشحالی محض اتفاقی نہیں ہے،
جس پر حدودِ رشک کیا جاتے، بلکہ ان کی محنت اور تدبیر کا نتیجہ ہے اور اس لئے

الضاف اور فیاضی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور وہ خود بھی کوشش و تدبیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور بجائے حسد و رشک کے اوروں کی پس اور پیروی کرنے پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ شاعر اس معقول بات کو ایک محسوس تمثیل میں بیان کرتا ہے کہ ”چشم تنگ شاید کثرتِ نظاہ سے دا ہو۔“ جس طرح شعراء نے تخیل کے دل کو تنگ باندھا ہے اسی طرح عاصی کی آنکھ کو تنگی کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

طباطبائی: تجربہ کے بعد تجھے معلوم ہو جائیگا کہ حسد کرنا بجا ہے۔
 دُنیا میں دولت کے لئے کوئی سبب نہیں درکارت ہر جگہ یہی حال ہے۔
 ۲۔ ذوقِ معاصی .. ذوقِ گناہ + بھروں .. ترکِ دل + آبِ فتنِ حیا ..
 سات سمندرؤں کا پانی، مراد کثرتِ معاصی۔

میرے دل میں گناہوں کی حسرت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر گناہوں کے سات سمندر ہوں تو ان کے سارے پانی سے میرا ایک گوشہ دامن تر ہوگا۔
 ظاہر ہے پورا دامن ترک کرنے کے لئے کتنے زیادہ سمندر درکار ہونگے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں عصیاں کم ہیں اور میرا ذوقِ عصیاں زیادہ ہے لطف یہ ہے کہ فارسی میں تر دامن گناہ نگار کو کہتے ہیں۔ غالب ۵

دور یاٹے معاصی تنگ آتی ہے ہوشنگ میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
 ۳۔ کفِ ہر خاک .. ہر کفِ خاک - یعنی خاک کی ہر مٹی، قمری کا رنگ خاکستری ہوتا ہے اور وہ سرو کی عاشق ہوتی ہے۔

اگر وہ سرو قد معشوق محو خرابم ناز ہو کر گلشن میں آجائے تو گلشن کی خاک کی ہر مٹی قمری کی طرح اس کے عشق میں نالہ کشی کرنے لگے۔ قمری اور کفِ خاک کی مشابہت نے لطف پیدا کر دیا ہے۔

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں ۱ بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو
طاہت میں تار ہے نہ سے انگلیں کی لاگ ۲ دوزخ میں ڈال دو کوئی نے گریہت کہ
ہوں منحرف نہ کیوں وہ ورم ثواب سے ۳ ٹیڑھا لگا ہے قلم سر نوشت کو
غالب کچھ اپنی سعی سے لہتا نہیں مجھے
خرمن جے اگر نہ ملخ کھلے کشت کو
۱۔ کشت .. بت فادہ + کشت .. کھیت۔

اگر میں کعبہ میں رہنے لگا تو مجھ کو طعنہ نہ دو۔ میں بت خانہ والوں کی
صحبت کے حق کو بھولا نہیں ہوں سب مجھے اس انقلاب کے بعد بھی ان کا
خیال ہے اور رہیگا۔ میں حق ناشناس نہیں ہوں۔ اہی کی مہربانیاں اور احسان
میرے دل پر نقش ہیں۔ تبدیل مذہب اور تعصب ان کو بھلا نہیں سکتا۔
بیخود لکھتے ہیں کہ اگر میں ہندوستان سے ہجرت کر کے کعبہ میں جا رہا تو... الخ
۲۔ طاہت .. عبادت خدا + انگلیں .. شہد + لاگ .. طمع۔

حالی : جب تک بہشت قائم ہے، لوگ عبادت اسی امید پر کرتے
ہیں کہ وہاں شہد اور شراب ظہور اور عور ملے گی۔ پس بہشت کو دوزخ میں
جھونک دینا چاہئے تاکہ لاکھ باقی نہ رہے اور لوگ خالصاً لوجہ اللہ عبادت کریں
۳۔ میں راہ ورم ثواب سے کیونکر برگشتہ نہ ہوں۔ کاتب تقدیر نے جس قلم
سے میری سر نوشت لکھی۔ سوہ اتفاق سے اس پر قلم ٹیڑھا لگا ہوا تھا۔ قلم ٹیڑھا
ہونے کی وجہ سے میری سر نوشت بھی ٹیڑھی لکھی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے تقدیر
ہی میں یہ ثواب سے منحرف رہنا لکھا ہے۔

۴۔ سعی .. کوشش، جدوجہد + لہتا .. فادہ + ملخ .. ٹڈی +

کشت .. کھیت .. خرمن .. اناج کا ڈھیر

بطور شکایت کے کہتے ہیں - اپنی مدد و جد سے نائدہ اٹھانا کچھ سیری تقدیر
ہی میں نہیں - اگر بالفرض ملہاں سیری کھیتی کو نہ کھائیں اور خضہ تیار ہو جائے تو
خرمن کو جلا کر خاک سمر دے گی -

طباطبائی لکھتے ہیں کہ مقام شکایت میں ریا سنت کے ثمرہ کو لہنا کہتے ہیں -
غالب نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے ۵
خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سوارا بر آئے
بھٹتا ہوں کہ دھوٹے ہے ابھی ہے برق خرمن کی

۱۱۹

دارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو ۱ کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
چھوڑا نہ مجھ میں منف نے رنگ اختلاط کا ۲ ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیبر کا گلہ ۳ ہر چند بر بیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی ادوا ۴ یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو
الانہ بے کسی نے کہ ۵ سے معاملہ ۵ اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بچلے خود اک محشر خیال ۶ ہم آئین سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
ہنگامہ زبونی ہمت ہے الفطال ۷ حاصل نہ کیجئے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
دارسنگی بہانہ بیگانگی نہیں ۸ اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو
ملتے فوت فرصت ہستی ۹ غم کوئی ۹ غم عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو
اُس فتنہ جو کہے درت اب اُٹھتے نہیں
اس میں ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو

۱۔ وارستہ .. آزاد۔ بے پروا۔

ہم اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ ہم سے محبت ہی کرو۔ اگر محبت تمہیں منظور نہیں، نہ سہی، عداوت ہی کرو، لیکن ہم سے بالکل قطع تعلق نہ کرو۔
(آسی۔ سعید) ۵

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
بیخود۔ طباطبائی: اگر تم محبت نہیں کرتے تو عداوت ہی کرو۔ لیکن مجھ
سے کرو۔ غیر کی شرکت عداوت میں بھی ناگوار ہے۔

۲۔ اختلاط .. محبت۔

ضعف نے مجھے اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ طبیعت میں رنگِ اختلاط بھی
باقی نہیں رہا۔ اب حالت یہ ہے کہ دل پر نقشِ محبت بھی بارِ معلوم ہوتا ہے۔
غالب عیاں دل میں ضعف سے ہوس یا رہی نہیں

طباطبائی: رنگ کا لفظ فقط تصویر کے مناسبات سے ہے۔ ورنہ
ضرورت نہ تھی۔ بیخود نے مزید تشریح کی ہے۔ "ضعف نے مجھے ایسا سکھا دیا
ہے کہ میرے جسم میں خون باقی نہیں رہا اور خون نہ رہنے سے رنگِ اختلاط بھی
مٹ گیا۔" میرے نزدیک یہ توجیہ بہت دور کی ہے۔

۳۔ ہر چند تم نے مجھ سے غیر کا تذکرہ بطور شکایت کیا ہے، لیکن پھر بھی
مجھے تم سے یہ شکایت ہے کہ تم نے مجھ سے غیر کا ذکر ہی کیوں کیا۔ چاہے وہ بطور
شکایت ہی تھا۔

۴۔ چارہ .. علاج۔

لوگ کہتے ہیں کہ دُنیا میں ہر صدمہ کی دوا پیدا ہوئی ہے۔ اگر یہ بات درست
ہو تو مرضِ عشق کا علاج کیوں نہ ہو اور مرینِ عشق لا علاج کیوں نہ جائے گویا

یہ غلط ہے کہ سرورِ دکی دو اپسیدم ہوئی ہے۔

۵۔ خیالت .. شرمندگی۔

شکر ہے کہ بیکسی کی وجہ سے میرا کسی سے معاملہ نہ پڑا۔ گویا مجھ پر بیکسی کا یہ احسان ہے کہ اُس نے مجھے اوروں کے احسان سے بچایا اور اپنا ممنون احسان رکھا۔ اگر لوگوں کا مجھ پر کوئی احسان ہوتا تو ان سے مجھے شرمندگی ہوتی۔ اب بیکسی کی بدولت میں ان سے شرمندہ نہیں۔ اگر شرمندہ ہوں تو اپنی ذات ہی سے ہوں اور یہی غیرت کا تقاضا ہے۔ بقول عقید بیکسی میں تسکین کا نیا پہلو نکالا ہے۔

یہ خود۔ طباطبائی؛ بیکسی کا احسان ہے کہ سب کے احسان سے بچا لیا۔ لوگوں سے کچھ نفع ہوتا تو خیالت تو ان سے ہوتی، اب خیالت بھی مجھے ہے تو اپنے ہی سے ہے۔ آتشی نے دونوں مفہوم لکھے ہیں۔

۶۔ کہتے ہیں آدمی اگر تنہا بھی ہو تو وہ ایک مختصر خیال ہے یعنی جب وہ خلوت میں ہوتا ہے تو تجلیات اور تصویات کا ایک ہنگامہ اس کے دل و دماغ میں برپا رہتا ہے۔ یہی حالت ہماری ہے۔ اس لئے اگر ہم خلوت میں بھی آجوتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ انجمن میں ہیں۔ کیونکہ ہمارے خیالات ہنگامہ آرا رہتے ہیں۔ قاعدہ ہے جب لوگ کسی مجلس میں جمع ہوتے ہیں تو طرح طرح کی باتیں کیا کرتے ہیں اسی طرح خیالات کی ہنگامہ آرائی سے خلوت خلوت بن جاتی ہے۔

طباطبائی اور یہ خود اس شعر کو عارفانہ شعر لکھتے ہیں۔ نیز اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تخیلیہ نفس بہت مشکل ہے اور خطراتِ قلب پر قابو پانا دشوار تر ہے۔

۷۔ افعال .. دوسرے کا اثر قبول کرنا۔ شرمندگی + زبونی ہمت ..

کم ہمتی۔

دوسروں کا احسان یا اثر قبول کرنا کم ہمتی کی دلیل ہے۔ اس لئے زمانہ سے عبرت بھی حاصل نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ زمانے سے عبرت حاصل کرنے سے زمانے کا احسان ہوگا۔ احسان سے شرمندگی ہوگی اور شرمندگی اٹھانا زہنی ہمت کی نشانی ہے۔

آسی کا دوسرا مفہوم ملاحظہ فرمائیے۔ کہاں سے کہاں پہنچے ہیں۔ ”انفعال سے کم ہمتی کا پتہ چلتا ہے۔ لہذا کم ہمتی کا غود کو متمم ٹھہرنا بہت بُرا ہے۔ زمانے سے کچھ نہ کچھ حاصل کیوں نہ کیجئے، چاہے وہ عبرت ہی ہو۔ یعنی بے حصول کمال دُئیایں محض انفعال سے کام نہیں چلتا۔“

۸۔ وارستگی .. آداوی + وحشت .. ریدگی، بھاگنا۔

عام لوگ آداوی کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اپنے پرانے سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ کہتے ہیں آداوی کا مفہوم یہ نہیں ہے۔ آداوی وحشت، ریدگی اور بیگانگی محض اپنے نفس سے اختیار کرنی چاہئے، نہ کدُئیَا اور اہل دنیا سے۔ حقیقتاً یہ ہے آداوی کا صحیح مفہوم کہ انسان بے غرض ہو کر زندگی بسر کرے۔

۹۔ فرصت .. حملت، وقت + قوت ہونا .. منافع ہونا۔

عام خیال یہ ہے کہ عمر کا بہترین مصرف عبادت و بندگی مہمود ہے۔ کہتے ہیں خواہ ساری عمر عزیز عبادت ہی میں صرف کیوں نہ ہو جائے پھر بھی عمر عزیز کے منافع ہونے کا رنج ضرور ہوتا ہے۔ اتنی لکھتے ہیں کہ عمر عزیز تریں شے ہے۔

طباطبائی کا خیال ہے کہ عبادت کا جو ثمرہ ہے اس سے بڑھ کر انسان حاصل کر سکتا ہے۔ پھر محض عبادت میں اگر حملت حیات کو صرف کر دیا تو کیونکر اس کا غم نہ ہوگا۔

۱۰۔ ہم اس فتنہ خو کے در پران بیٹھے ہیں اور اب ہم یہاں سے ہرگز نہیں

اٹھینگے۔ چلے ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ گزر جائے لطف یہ ہے
 روز قیامت ہر چیز اٹھے گی۔ پھر بھی ہم نہیں اٹھیں گے۔ یا یہ کہ قیامت
 تک بیٹھے رہیں گے۔ تیسرا مفہوم یہ ہے چاہے ہمارے سر پر کتنے ہی ظلم و ستم
 کیوں نہ ہوں ہم ہرگز نہیں اٹھنے کے۔

۱۲۰

قص میں ہیں گرا چھا بھی نہ خانے میرے شیون کو ۱ مرا ہونا بُرا کیا ہے، نواسخان گلشن کو
 نہیں گر بھدی آسان ہو یہ رشک کیا کم ہے ۲ نہ دی ہوئی فدا یا آردے دوست دشمن کو
 نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس حراحت پر ۳ کیا سینے میں جس نے خونِ کاک مرغان سوزن کو
 خدا شرف ہاتھوں کو رکھتے ہیں کشائش میں ۴ کبھی میرے گریباں کو کبھی جلاں کے دہن کو
 ابھی ہم قتل گے کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں ۵ نہیں کیا تشاؤ جوئے خدا ہیں تیرے توں کو
 ہوا چچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا ۶ کیا بیتاب کاں ہیں جنبش جو ہرنے آہن کو
 خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سوار ابرادے ۷ سمجھتا ہوں کہ دھونڈے ہے ابھی جتن جرس
 وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے ۸ مرے بخلفے میں تو کبھی میں گالو برہمن کو
 شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ نعمت کو ۹ جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو
 نہ لٹکاون کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا ۱۰ رہا ٹھکانہ چوری کا و عادی تباہوں رہیوں کو
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جواں ہوں جواہر کے ۱۱ جگہ کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھوپڑیاں جاکے معدن کو
 مرے شاہِ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب
 فریدوں و جم و کینخسرو و داراب و بہمن کو

۱۔ شیون .. فریاد۔

یہ قص میں گرفتار اور نالہ و شیون میں مصروف ہیں۔ برخلاف اس کے
 نواسخان چمن شاد کام اور آزاد ہیں۔ پھر وہ میرے نالوں کو کیوں بُرا سمجھتے ہیں۔

ایسی حالت میں تو میں لطف چمن میں ان کا حصہ دار بھی نہیں بن سکتا۔ آخر مجھ سے
 مستغفر ہونے کی وجہ کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔

۲۔ ہمدی .. دوستی -

میں یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ غیر کے لئے دوست کا ہمدم ہونا آسان
 بات نہیں ہے۔ لیکن میرے لئے یہ علم کیا کم ہے کہ غیر کو بھی میرے دوست کی
 آندو ہے۔ اللہ میاں ! کیا ہی اچھا ہوتا جو تم رقیب کو آرزوئے دوست
 نہ دیتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر غیر کو آرزوئے دوست نہ ہوتی تو میں رشک
 کی تکلیف سے بچ جاتا۔

۳۔ جراحت .. زخم + سینہ .. ذو معنی ہے یعنی چھاتی اور سینا پر ہونا۔
 تو کس قدر سنگدل ہے کہ تیری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ چہ
 سینے میں (ٹٹکے لگاتے ہیں) سوئی کی پلکوں تک سے خون ٹپکنے لگا جب زخم کو
 سیا جاتا ہے تو سوئی کی نوک غلی آلودہ ہو جاتی ہے اور اس میں سے قطرات خون
 ٹپکنے لگتے ہیں (سید)

طبا طبائی : سوز سے سوزن غم مراد ہے جس کا مقام سینے کے اندر
 ہے اور سوزن سے یہ استعارہ نہ لیں تو شعر مایا نہ ہو جائیگا جیسے ناظم شعرا
 غمرواقعی باتیں نظم کر دیا کرتے ہیں۔ ہاں اگر سینے کی جگہ سینا سمجھو تو استعاروں
 کی ضرورت نہیں۔

نیمخود : تیری آنکھ سے ان زخموں کا حال سن کر ایک آنسو بھی نہ نکلا۔
 جن زخموں کو میرے دل میں دیکھ کر سوزن غم کی آنکھوں سے خون جاری ہو گیا۔
 آتشی نے یہی شرح لکھی ہے۔ صرف سوزن غم کی جگہ مرغان سوز
 لائے ہیں۔

۴۔ کشاکش : کھینچا تانی۔

خدا کرے میرے ان ہاتھوں کو شرم آئے اور یہ اپنی حرکت سے باز رہیں کہ یہ ہمیشہ کھینچا تانی میں مصروف رہتے ہیں۔ جب معشوق کھینچا تانی میں مصروف ہوتا ہے تو اس وقت اس کے دامن کو پکڑ کر کھینچتے ہیں اور اگر وہ نہیں ہوتا تو ہم فراق میں میرے گریبان کو پھاٹتے ہیں۔

بقول بیخود۔ اس شعر میں یہ شوخی ہے کہ اپنے جوشِ عشق اور وفورِ شوق کا الزام بے گناہ ہاتھوں پر لگایا ہے۔

اسی اور حسرت کا خیال ہے اگرچہ ”جاناں کا دامن“ ”دامنِ جاناں“ کا صحیح ترجمہ ہے لیکن فصیح نہیں۔

۵۔ شناور .. تیرا ہٹا .. جوئے خوں .. دریا ئے خوں .. توسن گھوڑا۔ ہم قتل گاہ کا نظارہ کرنا معمولی بات سمجھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ابھی ہم نے دریا ئے خوں میں تیرے توسن کو تیرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب یہ منظر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ قتل گاہ کا نظارہ کرنا کس قدر ہمت کا کام ہے مطلب یہ ہے کہ قتل گاہ میں اتنے عاشقوں کا خون ہوگا کہ خون کا دریا بہ جائیگا اور اس میں تیرا گھوڑا تیرتا پھرے گا۔ بھلا ایسا خونیں منظر کون دیکھنے کی ہمت رکھتا ہے ؟ بیخود کی تشریح مزید بالکل اچھوتی ہے۔ لکھتے ہیں ہم یہ سمجھتے ہمارا قاتل گروہ عشاق میں سے ایک خوش نصیب عاشق کو انتخاب کر کے خنجر نازیا تیغِ غمرو سے شہید کر دے گا۔ یہ نہیں معلوم کہ اس تماشے کے بعد اتنے آدمی رشک سے اپنے گلے کاٹیں گے کہ خون کا دریا بہ جائیگا۔

۶۔ چرچا .. شہرہ۔

جوہر کی چمک کو جنبش اور بیتابی سے تعبیر کیا ہے۔ میرے پاؤں کی بھیر

بخت کا جو شہر ہوا تو لوہے کے جوہر نے لوہے کو کان کے اندر بیتاب کر دیا ۔
 یعنی جوہر آہن اس لئے بیتاب ہوا کہ اس کا لوہا میرے پاؤں کی زنجیر بنے ۔
 طباطبائی : میری دیوانگی وہ رتبہ رکھتی ہے کہ آہن کو آرزو ہے کہ زنجیر
 بن کر میرے پاؤں میں پڑنے کا شرف حاصل کرے ۔ آہنی ۔ غالب کے اس
 مبالغہ کو اچھا نہیں سمجھتے ۔ حالانکہ خوب ہے ۔

۷۔ کسان جب ابر کو دیکھتا ہے تو بہت خوش ہوتا ہے کہ اس کے برسنے
 سے کھیتیاں شاداب ہوں گی اور بڑی اچھی فصل اُٹھے گی، لیکن غالب ٹپکتے
 ہیں، اگر میری کھیتی پر سو بار بھی ابر آئے تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ
 میں جانتا ہوں کہ بجلی ابھی میرے خرمن کو جلانے کے لئے ڈھونڈ رہی ہے یعنی
 جب مراد پوری ہونے سے پہلے نامرادی کا سامان نظر آ رہا ہے۔ پھر خوشی کیونکر
 ہو۔ یہ مضمون غالب کو بہت مرغوب ہے پہلے بھی کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں۔

۸۔ حالی : یعنی جب برہمن اپنی ساری عمر بت غاسنے میں کاٹ دے اور
 دس مر رہے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو کعبہ میں دفن کیا جائے اس
 لئے کہ اس نے وفاداری کا پورا پورا حتمی ادا کر دیا اور یہی ایمان کی اصل ہے۔
 بقول طباطبائی۔ وفاداری دیا بٹاری ہر حال میں یہاں تک کہ کفر میں بھی قابل
 قدر ہے۔

۹۔ کاتب ازل نے میری قسمت ہی میں شہید ہونا لکھا تھا۔ اسی لئے میں
 جہاں کہیں تلوار دیکھتا ہوں اپنی گردن جھکا دیتا تھا۔
 طباطبائی : تلوار استعابہ ہے ناز و ادا اور جود و خلص اور گردن جھکانا
 کنایہ ہے گوارا کرنے سے اور شہادت سے خون آزاد مراد ہے۔ اگر معنی حقیقی
 پران لفظوں کو لیں تو شعر کا کوئی محصل نہیں رہتا۔

۱۰۔ آتھی اس شعر کو بیت الغزل کہتے ہیں۔ اگر میں دن کو نہ لٹتا تو رات کو ایسا بے خبر ہو کر مرنے سے کیونکر سوتا بطلب یہ ہے کہ مجھے چوری کا خطرہ رہتا اب میں لٹ گیا ہوں، اس لئے بے فکر ہوں، آرام کی نیند سورا ہوں اور رہزن کو دُعا دیتا ہوں کہ خدا تیرا بھلا کرے تو نے مجھے غم اسباب اور فکر تیرے سے آزاد کر دیا۔

طباطبائی اور بخود: تعلقات ذیوی تکلیف و تشویش سے خالی نہیں جلدی اس سے ناگوار تو ہوتی ہے لیکن راحت اسی میں ہے۔

۱۱۔ جو یا... تلاش کرنے والا + معدن... کان۔

ہمارا جگر معدن اور ہمارے اشعار جواہرات ہیں۔ اگر ہم جگر کا دی سے جوہر سخن نہ نکال سکتے ہوں تو پھر ہم معدن کو کھود کر اس میں سے جواہر نکالتے ہوئے اچھے لگیں گے۔ بقول بخود و طباطبائی: مطلب یہ ہے کہ جگر کا دی کر کے شعر تر نکالنا معدن کو کھود کر جواہر نکالنے سے بہتر ہے۔

۱۲۔ سلیمان بہت بڑے بادشاہ تھے۔ ان کی جن دانش پر حکومت تھی۔ پیغمبر ادوا العرم تھے اور یہ بادشاہ جن کا مصر عد ثانی میں ذکر ہے اگرچہ بڑے بڑے بادشاہ تھے لیکن نہ تو مسلمان تھے اور نہ ان میں وہ صفات تھیں جو میرے بادشاہ میں ہیں۔ پھر ان کو میرے بادشاہ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، وہ تو سلیمان جیسے مرتبے والا ہے۔

۱۲۱

دھرتا ہوں جب میں اپنے کو اس سمندر کے پاؤں رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں دی سلوگی سے جانی پڑوں کو یکن کے پاؤں ۲ ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤں بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی مزہ ۳ ہو کر اسیر دا بے ہیں راہزن کے پاؤں

مریم کی جستجو میں پھر اہوں جو قدر دور ۴ تن سے سوا فکاہیں اس خستہ تن کے پاؤ
 اللہ سے ذوق وشت لور دی کہ بعد مرگ ۵ جلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤ
 ہے جوش محل بہار میں یاں تک کہ سر طرف ۶ اڑتے ہوئے الجھتے ہیں مرغ چمن کے پاؤ
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں ۷ دکھتے ہیں آج اُس بتِ نازک بدن کے پاؤ
 غالب مرے کلام میں کیونکر نہ ہو مزہ

پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاؤ

۱۔ جوشِ محبت کے اظہار اور خاطر مدارات کے لئے اس سین میں بدنِ محبوب کے
 پاؤ دھو کر ان کا دھوون مینا چاہتا ہوں تو ضدی معشوق لگن سے باہر پاؤ کھینچ لیتا
 ہے۔ گویا وہ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ میں اس کے پاؤں دھو کر بیوی بلقبولِ عقید
 اس کو مجھ سے اس درجہ نفرت اور کینہ ہے۔

۲۔ پاؤ پڑنا .. عاجزی دکھانا، منت سماجت کرنا۔ یہ محاورہ عورتوں کی
 زبان کا ہے۔ محبت اور ہمدردی دکھانے کے لئے بولا جاتا تھا۔ مثلاً اس کے
 پاؤں پڑوں۔ وہ کس مصیبت میں مبتلا ہے + یہ بات .. اخوس۔

پیر زن میں تسلیم ہے۔ خسرو نے فریاد سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ نہر کھود کر
 اس کے قلعہ تک لے آئیگا تو شیریں کو اس کے حوالے کر دیا جائیگا۔ فریاد نے
 نہر کھود نکالی اور محل تک پہنچا دی۔ خسرو کو بہت فکر ہوا کہ اب کیا ہو گا۔ اس نے
 تو ایسی مشروط پیش کی تھی جس کا ٹورا کرنا امرِ محال تھا۔ آخر خسرو کی پریشانی دیکھ کر اس
 کے ایک مصاحب نے ایک ترکیب سوچی۔ وہ ایک بڑھیا کا بھیس بدل کر فریاد
 کے پاس گیا اور اس کو دیکھ کر چیخیں مار کر رونے لگا۔ فریاد نے کہا کہ بڑھی بی
 کیوں روتی ہو؟ اس سوال پر وہ اور زیادہ روتی اور سخت اصرار کے بعد بتایا کہ میں
 شیریں کی دایہ ہوں۔ میں نے اس کو پالا ہے۔ وہ آج ایک دم مر گئی اور تو ہے کہ

اس کے خیال میں ہر تن مصروف ہے۔ فرہادی سُن کر دیوانہ ہو گیا اُس نے دہی تیشہ جس سے وہ پہاڑ کا ٹرہا تھا، اپنے سر میں مانا لودرو ہیں ڈھیر ہو گیا۔ غالب ہمدردی کے لہجے میں کہتے ہیں۔ فرہاد نے کس سادگی سے ایک بُڑھیا کے قریب میں آکر جان دے دی۔ افسوس اس بُڑھیا کے پاؤں کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ وہ وہاں تک پہنچ ہی نہ سکتی۔

بیخود: پاؤں پڑنا بیوقوف بنانے کے محل پر بولتے ہیں۔ طباطبائی اور دیگر شارحین کا خیال ہے کہ یہ محاورہ جوشِ محبت میں اظہارِ ہمدردی کرنے کرنے کے معنوں میں صرف کیا گیا ہے۔

۳۔ ہم راہزن سے ڈر کر بھاگے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر ہی میں یہ لکھا تھا کہ راہزن ہمیں لوٹ لے، لوٹ کر قید کر لے اور پھر ہم قیدی اڈو غلام بن کر اس کے پاؤں دبا یا کریں۔ گویا ہم تقدیر الہی سے باوجود کوشش کے بچ نہ سکے اور ہماری کوشش کا نتیجہ برعکس برآمد ہوا (سجیدہ بیخود)

طباطبائی لکھتے ہیں اس شعر کے جو معنی حقیقی ہیں وہ تو شاعر کے (طرز) کلام سے نہیں معلوم ہوتے۔ ہاں اگر یہ باتیں استعارہ سمجھو تو وہ بھی صادق نہیں آتی تاہم کہتے ہیں۔

۴۔ میرا جسم زخمی تھا۔ میں زخموں کے لئے مرہم کی تلاش میں بہت دُور دُور پھرا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ خستہ تن کے پاؤں میرے زخموں سے زیادہ فگار ہو گئے۔

اس شعر میں بھی گزشتہ شعر کا مفہوم ہے۔ بقول بیخود۔ مطلب یہ ہے کہ گو ہر مراد ہمیشہ نہیں ملتا۔ کبھی مل جاتا ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ جس چیز سے بھاگتے ہیں اسی کا سامنا ہوتا ہے اور جس آفت کی چارہ جوئی کریں

اسی میں پھنستے ہیں۔

۵۔ مجھے دشتِ نودی اور صحراگردی کا اس قدر شوق تھا کہ مرنے کے بعد بھی کفن کے اندر میرے پاؤں ہلتے تھے۔ طباطبائی لکھتے ہیں۔ حالتِ ذوقِ شوق میں خود بخود پاؤں ہلنا خلقتِ فطری ہے۔

بیخود نے تشریح مزید فرمائی ہے۔ کہتے ہیں۔ زندگی میں دنیا کے جنگلوں میں پھرتا تھا۔ موت کے بعد میدانِ عدم طے کر رہا ہوں۔ بالکل اچھوتا خیال ہے۔ اسی نے اس شعر کو بیت الغزل قرار دیا ہے۔

۶۔ اس مرتبہ بہار میں اس قدر جوشِ گل ہے کہ اڑتے وقت مرغِ انِ چین کے پاؤں بھولوں کے جال میں پھنسے جاتے ہیں۔ آخری مصرعے دو مفہوم پیدا ہیں ایک تو یہ کہ اس قدر پھول ہیں کہ مرغِ انِ چین کو پرواز کرنے کے لئے بھی جگہ نہیں ملتی اور دوسرے یہ کہ پرندے جلوہ گل دیکھ کر وہیں رہ جاتے ہیں چین سے باہر نہیں جاسکتے۔ (سیحد نے پہلا مفہوم لکھا ہے۔ بیخود نے دوسرا اور باقی شارحین نے دونوں)

۷۔ آج اس نازک بدنِ محبوب کے پاؤں دکھ رہے ہیں۔ شاید وہ خواب میں غیر کے ہاں گیا ہو گا۔ گویا ایسے نازک بدنِ معشوق کا رقیب کے گھر پاؤں سے چل کر جانا ناممکن ہے۔ جس کے پاؤں خواب میں کسی کے گھر جانے سے دکھنے لگیں۔

۸۔ غالب میرا کلام کیونکر مرے دار نہ ہوا میں بادشاہِ شیریں سخن کے پاؤں دھو دھو کر پیتا ہوں۔ اس لئے میرے کلام کا بھرپور لطف اور خوش ذائقہ ہونا یقینی ہے۔ الفاظِ نہایت مناسب صرف کئے ہیں۔ مثلاً مرہ، پینا، شیریں، خسرو وغیرہ اس شعر میں صنعتِ مرآۃ النظیر ہے۔ اپنے کلام کو مزید ادا کرنے کے لئے بادشاہ

کو خسرو شیرازی سخن کہا ہے۔

۱۲۲

داں اس کو ہول دل ہے تو یاں ہر گز شکر ۱ یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ ۲ آئینہ تاکہ دیدہء پنجیر سے نہ ہو ۱۔ ہول دل .. ایک مرض ہے جس میں دل کی حرکت بڑھنے سے حفظان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

معشوق ہول دل میں مبتلا ہے۔ عاشق اس خیال سے شرمندہ ہو رہا ہے کہ کہیں یہ ہول دل میری آہ کی تاثیر ہی سے نہ ہو گیا ہو۔ طباطبائی لکھتے ہیں۔ معشوق کا دسوا سی اور خفقاتی ہونا ادائے معشوقانہ ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ معشوق کا ہول دل محض رقیب کی جدائی میں ہے۔ بقول یہ بخود جوشِ محبت کی کیا خوب تصویر چھپتی ہے معشوق کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو عاشق اسے اپنی آہ کا اثر سمجھا کر مٹاتا ہے۔

۲۔ تاکہ .. جب تک .. پنجیر .. شکار مراد عاشق۔

اس سنگ کا ذرا ذوقِ ستم دیکھنا۔ جب تک کہ چشمِ پنجیر دیدہء عاشق کا آئینہ نہ ہو وہ اپنی شکل ہی نہیں دیکھتا۔ یعنی وہ ہمیشہ دیدہء عاشق کے آئینہ میں صورت دیکھ کر آرائش کرتا ہے۔ کوئی اور آئینہ استعمال میں نہیں لانا۔

۱۲۳

داں پہنچ کر جو غش آتا ہے ہم سے ہم کو ۱ صدہ آہنگ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو دل کوئیں اور مجھے دل مجھ و فارغ تھا ہے ۲ کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم سے ہم کو ضعف سے نفس پے مور ہے طوقِ گردن ۳ تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ دم ہے ہم کو جا نکریجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو ۴ یہ نگاہ غلط انداز تو سمجھتے ہیں کہ

رشکِ ہمطرحی و دردِ اشتراکِ حین ۵ نالہ مرغِ مہر تیغ دو دم ہے ہم کو
 سر اڑانے کے جو وعدے کو مگر چاہا ۶ ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم کو
 دل کے غل کرنے کی کیا وجہ لیکن ناچار ۷ پاس بے رونقی دیدہ ہم ہے ہم کو
 تم وہ نادک کہ خوشی کو خفاں لکھتے ہو ۸ ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
 لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ۹ ہوسِ میر و تماشا، سو وہ کم ہے ہم کو
 مقطعِ سلسلہ مشوق نہیں ہے یہ شعر ۱۰ عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو
 لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب

جادو رہ کششِ کاف کرم ہے ہم کو

۱۔ پے ہم .. پیہم، پے درپے، مسلسل + صدر .. سو طرح سے
 سوار + واں .. مراد کوچہ بار + آہنگ .. ارادہ -
 کوچہ بار میں پہنچ کر جو مجھ کو بار بار غش آتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ
 میں اپنے قدموں کی زمین جوڑنے کا سو سو طرح سے ارادہ کرتا ہوں۔ کیونکہ
 بادیہ و نا توانی کے وہ مجھ کو وہاں لے جاتے ہیں۔ لفظ پیہم یا صاف اور بڑھنا
 دونوں طرح صحیح ہے۔ لیکن اُنہ دیں بے صافیت بولا جاتا ہے اور محاورہ زبان
 کی پیروی کرنا فصاحت ہے۔

مندرجہ بالا شرح پر سارے شارحین متفق ہیں۔ سہانے دوسرے مفہوم
 یہ لکھا ہے کہ وہاں پہنچ مجھے جو بار بار غش آتا ہے۔ گویا ان کی قدمبوسی کا
 بہانہ مل جاتا ہے۔

۲۔ دل کو میں اور مجھ کو دل گرفتار و فار کھتا ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے
 کہ ہم دونوں کو کس قدر ذوقِ گرفتاری یعنی شوقِ آزار ہے۔

۳۔ نقشِ پے مور .. جیونٹی کے پاؤں کا نشان + طاقبِ دم ..

بھاگنے کی طاقت ۔

اس قدر ضعف و نقاہت ہے کہ چوٹی کے پاؤں کا نقش بھی میرے لئے طوق گردن ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ میری گردن میں بچے مور کا بھاری طوق پڑا ہوا ہے تو پھر میں تیرے کوچے سے کیونکر بھاگ سکتا ہوں۔ اللہ رے ضعف ۔

۴۔ نگاہ غلط انداز .. نا آشنا نظروں سے دیکھنا ۔

میں تم سے یہ نہیں کہتا تم میری طرف سے غافل نہ ہو۔ شوق سے تغافل بر تو لیکن مجھے اپنا عاشق سمجھتے ہوئے۔ کیونکہ جان کر تغافل کرنے میں ایک قسم کا التفات پایا جاتا ہے اور رحم و کرم کی کچھ نہ کچھ امید رہتی ہے لیکن ایسی نا آشنا نگاہیں جن سے تم مجھے دیکھتے ہو میرے لئے زہر کا اثر رکھتی ہیں اور میری تمام امیدوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

۵۔ غلط طرحی .. ہم زندگی، ایک جیسا ہونا + تیغ دو دم .. دو دھاری تلوار ۔

مرغ مسخر کا نالہ میرے لئے دو دھاری تلوار ہے۔ اس کی ایک دھار رشک ہم رنگی ہے اور دوسری باڑھ خود اس کی فریاد کا درد و اثر ہے مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو اس رشک سے مرتابوں کہ وہ بھی میری طرح اس کا عاشق ہے اور میری طرح صبح کے وقت نالہ و فریاد کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کے غمناک نالوں کی درد بھری آواز مجھے مارے ڈالتی ہے (آہستی بہ خود طلبا طبائی) سنجیدہ نے ہم طرحی اور درد اثر بانگ حزن دونوں کا رشک کا مضاف قرار دیا ہے۔

۶۔ حالی : اس شعر میں ”ترے سر کی قسم ہے ہم کو“ کے دو معنی ہیں۔

ایک یہ ہے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم ضرور تیرا سرا ڈالیں گے اور دوسرے

یہ کہ ہم کو تیرے سر کی قسم ہے یعنی کبھی ہم تیرا سر نہ اڑائیں گے، جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو تو ہمارے ہاں کھانے کی قسم ہے یعنی کبھی کبھار ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے۔ اسی لکھتے ہیں کہ ہنسنا اور سر اڑانے پر سر کی قسم کھانا لطیف سمجھتا ہے۔

۷۔ دل کے خون کرنے کی محض یہ وجہ ہے کہ بغیر خون فشاکی کے آنکھیں بے رونق معلوم ہوتی تھیں اور ہم کو آنکھوں کی بے رونقی کا بہت زیادہ خیال تھا، اس لئے مجبور ہو کر ہم نے دل کو خون کے اپنی آنکھوں کو پڑھ رونق بنا لیا ہے۔

۸۔ تم ایسے نازک ہو کہ تم کو میری خموشی بھی فضاں معلوم ہوتی اور ہم اس قدر عاجز اور کمزور و ناتواں ہیں کہ تم نے جو قسم ترک کر کے تغافل اختیار کیا تو ہم نے اس کو ستم قرار دیا۔

۹۔ باقی اشعار قطعہ بند میں کہتے ہیں لکھنؤ آنے کا کچھ سبب معلوم نہیں ہوا کہ آخر ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم سیر و تفریح کے لئے آئے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ سیر تماشے کی ہوس ہمیں بالکل نہیں۔ یا اگر ہے تو بہت تھوڑی ہے۔

۱۰۔ مقطع .. غائدہ۔

یہ شہر ہمارے سلسلہ شوق کا مقلعہ نہیں ہے کہ یہاں سفر ختم ہو جائے بلکہ ہمارا ارادہ نخب اشرف کی زیارت اور طوافِ حرم رسولؐ کا بھی ہے۔ یعنی یہ سلسلہ وہاں جا کر ختم ہو گا۔ نخب میں حضوتِ علیؑ کا روضہ ہے۔

۱۱۔ غالب ہم جہاں کہیں بھی جا رہے ہیں وہاں ہمیں ایک امید ملے جاتی ہے اور لفظِ حرم کا مرکز کاف ہمارے لئے جادہٴ راہ بنا ہوا ہے۔ یہ شعر اس وقت کے ہیں جب میرزا لکھنؤ اور بنارس ہوتے ہوئے اپنی پٹیشن

جادی کرانے کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔

۱۲۴

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و رواج ہو ۱ مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے ۲ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی بے گنہ گش و حق ناشناس تھا ۳ مانا کہ تم بشر نہیں خورشیدِ ماہ ہو
اُبھرا ہوا انقلاب میں ہے اُن کے اہلکار ۴ مرتباہل میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
جب میکہ چھٹا تو میرا ب کیا جنگ کی قید ۵ مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو
مُسنتے ہیں جو بہشت کی تعریفِ اُست ۶ لیکن خدا کیسے، وہ تری جلوہ گاہ ہو
غالب بھی گرد نہ ہو تو کچھ ایسا ضرور نہیں

دُنیا ہو یا رب اور مراد شاہ ہو

۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے محبوب کو بہت روکا کہ وہ غیر سے ملنا بھلنا
ترک کر دے لیکن وہ باز نہیں آیا۔ بلکہ انہی سے تعلقات منقطع کرنے پر آمادہ
ہو گیا۔ آخر تنگ آکر کہتے ہیں خیر علو تم خوش رہو، ہمیں رشکِ رقابت بھی
گوارا ہے۔ غیر سے تمہارے جو بھی تعلقات ہیں، تم جانو اور تمہارا کام چلے،
ہمیں کچھ سروکار نہیں۔ لیکن اگر ساتھ کے ساتھ مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کونسی
بڑی بات ہے۔

۲۔ مواخذہ .. پکڑ دھکڑ پریش۔

تم نے روزِ حشر کی حجابِ دہی سے بچنے کے لئے مجھ کو رقیب سے قتل
کر دیا۔ یاد رہے۔ تم اس حیلے سے مواخذہ حشر سے بچ نہیں سکتے اس
میں شک نہیں کہ رقیب قاتل ہے لیکن تم گواہ تو ہو۔ اس لئے تم سے
پریشِ مزد ہو گی۔

اسی اس شعر کو بیت الغزل لکھتے ہیں۔۔ بخود کے نزدیک رقیب قاتل
اس لئے ہے کہ اس کی طین رشک نے قتل کیا ہے۔ سجدہ لکھتے ہیں اگرچہ
قاتل رقیب ہی ہے لیکن بنا تو تری ہو۔
۳۔ بے گناہ کش۔ بے گناہوں کو مارنے والا + حق ناش اس
.. حق نہ پہچاننے والا۔

آپ لکھتے ہیں ہمیں آدمی نہ کہو، سورج کہو، چاند کہو، ہم نے مان لیا
کہ آپ واقعی سورج اور چاند ہیں۔ لیکن کیا سورج اور چاند بھی آپ
کی طرح بے گناہوں کا خون بہاتے اور حق کو نہ پہچاننے والے ہیں مطلب
یہ ہے کہ وہ ایسے نہیں۔

۴۔ ان کی نقاب پر ایک تار اُبھرا ہوا ہے۔ میں اُسے دیکھ کر
رشک کے مار۔ ے سرا جاتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ خدا خواستہ کہیں یہ کسی کی
نگاہ کا تار نہ ہو۔ جو ان کی نقاب پر جم گیا ہے۔

۵۔ حالی: اس شعر میں اذیاء تہذیب اس کا ذکر نہیں کیا جن کے
کرنے کے لئے مسجد و مدرسہ و خانقاہ کو مساوی قرار دیا ہے۔ مطلب
یہ ہے کہ میکدہ جہاں حریفوں کے ساتھ شراب پینے کا لطف تھا، جب
وہی چھٹ گیا۔ اب مسجد میں مل جائے تو اور مدرسہ و خانقاہ میں ہاتھ بٹائے
تو سب جگہ بی لینی برابر ہے۔ مسجد وغیرہ کی تخصیص اذیاء شوخی کی گئی ہے۔
یعنی یہ مقامات جو اس شغل کے بالکل لائق نہیں ہیں۔ وہاں بھی میکدہ چھٹنے
کے بعد بی لینے سے انکار نہیں ہے اور شراب پینے کی تصریح نہ کرنا عین
مقتضائے بلاغت ہے۔ بہترین شعر ہے۔

۶۔ داغلوں کی زبانی جس قدر ہم بہشت کی تعریف سنتے ہیں وہ سب

ہم کو تسلیم ہیں۔ لیکن خدا نہ کرے وہاں تیرا دیدار نصیب نہ ہوا تو پھر وہ ہمارے
تذریک پہنچے۔ یہ شعر مجاز میں بھی ہو سکتا ہے اور حقیقت میں بھی۔

۷۔ اول تو یہ ضروری ہے کہ غالب جیسا باکمال شاعر تیرے ساتھ ہے
لیکن خیر اگر غالب نہ بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ میری دعا تو یہ ہے کہ خدایا
دنیا ہو اور میرا بادشاہ ہو۔ گویا وہ ہمیشہ زندہ رہے اور با مراد زندگی بسر کرے
بس یہی کافی ہے (پنچود۔ آئسی)

بقول سعید میری عمر بادشاہ پر قربان ہو جائے۔ بقول طباطبائی میری
عمر بھی بادشاہ کو ملے۔

۱۲۵

گئی وہ بات کہ ہو گئی تو کیونکر ہو ۱ کے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام فصال ۲ کہ گرد نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو
ادب ہے اور یہی کش مکش تو کیا کیجے ۳ جیسا ہے اور یہی گوگو تو کیونکر ہو
تمہیں کہو کہ گزارا صبر پرستوں کا ۴ بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو تو کیونکر ہو
اُبھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ ۵ جو تم سے شرم میں ہوں ایک تو کیونکر ہو
جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا ۶ وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو
ہمیں پھرائے امید اور انہیں ہماری ۷ ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو
غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں سلی کا ۸ نہ مانے دیدار جو تو کیونکر ہو
بتاؤ اُس مشہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار ۹ نہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو
مجھے جنوں نہیں غالب و لے بقول حضور

فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

۱۔ کے سے کچھ نہ ہوا۔ یعنی گفتگو ہونے پر بھی کچھ نہ ہوا۔

وہ وقت گزر گیا جب ہم یہ سوچا کرتے تھے کہ اگر ان سے گفتگو کا موقع
 ہاتھ آئے تو کس طریقے سے گفتگو کی جائے کہ ہمارا سکہ ان کے دل پر بیٹھ جائے
 خوش قسمتی سے ہمیں ایسا موقع مل گیا، لیکن ہماری گفتگو کا کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا
 یعنی وہ ہم پر پھر بھی مہربان نہ ہوئے۔ اب کہو کہ کیا جائے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلی گفتگو سے کچھ حاصل نہ ہوا تو پھر بتاؤ اب
 کیا ہوا اور ہم کیا کریں۔ یعنی جب پہلے کچھ نتیجہ نہ نکلا تو اب کیا نکلے گا۔ سعیدؒ
 بخیر نے پہلا مفہوم نکال دیا ہے اور آئسی و طباطبائی نے دونوں۔

۲۔ ہمارے ذہن میں وصال کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس فکر میں غرق رہیں
 کہ اگر وصال نصیب نہ ہو تو ہم کہاں جائیں اور اگر ہو تو کیونکر ہو۔ گویا اگر
 ہو تو اس کے لئے کیا سامان ہونے چاہئیں اور اگر نہ ہو تو کس قسم کی
 کوشش کرنی چاہئے۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ اسی فکر میں ہم خوش رہتے ہیں
 کہ وصال کبھی نصیب نہیں ہوتا۔

۳۔ ایک طرف ہمارے دل میں ان کا لحاظ و ادب ہے اور دوسری
 طرف اپنے ارمانوں کا خیال ہے۔ گویا ہم ایک کشمکش میں مبتلا ہیں کہ کیا کریں
 اور کیا نہ کریں۔ یہ تو ہماری حالت ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ ان کو
 جیسا مانع ہے اور وہ گونگو کے عالم میں پھنسے ہوئے ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔
 بتاؤ پھر کام بنے تو کیونکر بنے۔

آئسی : اگر ہمارا یہی ادب، یہی الجھن، یہی گونگو اور ان کا یہی جیسا
 عالم ہے تو آخر کیونکر کام بنے گا اور کیا ہوگا۔

۴۔ ہم قسمی سے پوچھتے ہیں کہ اگر تمہاری جیسی عادت تمام دنیا کے
 معشوقوں کی ہو تو عاشقوں کا گزارا اس دنیا میں کیونکر ہوگا۔ مطلب یہ ہے

کہ تم جیسے محنت گیر معشوق دنیا میں ہوں تو عاشق عشق کو ترک کر بیٹھے۔ لیکن یہ ہماری ہی بہت ہے کہ ہم پھر بھی عشق سے باز نہیں آتے۔

۵۔ حالی : اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک مزاج شہر میں ایک دو اور ہوں تو شہر کا کیا حال ہو اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم کو اپنے عکس کا بھی اپنی مانند ہونا گوارا نہیں تو شہر میں اگر فی الواقع تم جیسے ایک دو حسین موجود ہوں تو تم کیا قیامت برپا کرو۔ (آسی اور طباطبائی نے فقط پہلا معنوم لکھا ہے)

۶۔ جس پر نصیب شخص کو مجھ جیسا روزِ سیاہ نصیب ہوا وہ شخص مجبور ہے۔ کہ دن کو رات سکے۔ کیونکہ ایسے روزِ سیاہ کو ہرگز دن نہیں کہا جاسکتا۔ اندازہ کرنا چاہئے کہ اس دن کی سیاہی کیسی ہوگی جس کے کنگے رات بھی دن معلوم ہوتی ہے۔

۷۔ جب ہماری بات ہی نہ پوچھیں تو پھر ہمیں ان سے کوئی امید کیونکہ ہو اور ان کو ہماری قدر کیونکہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بات کہنے ہی سے یہ دونوں باتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ شعر میں تنقید ہے اور قافیہ بنانے کے لئے ”وہ“ کو ”دو“ نظم کیا ہے۔ ایک اور جگہ بھی تصرف کیا ہے۔ لیکن یہ قابلِ اعتراض نہیں ہے

کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالبِ ہو آئے اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ دُدا آئے
۸۔ دیدارِ جو .. دیدار کا طلبگار۔

ہمارے دل کو یقین تھا کہ ان کا خط آنے سے ہمارے دل کو تسلی ہو جائیگی اور یہ غلط نہ تھا کیونکہ معشوق کے خط سے تسلی خاطر ہو ہی جاتی ہے، چنانچہ دل کی تسلی ہو گئی لیکن دیدار کی طلبگار آنکھوں کی تسلی نہیں ہوتی وہ اس

کو دیکھنے ہی پر مصر میں اب کیا بنے۔

۹۔ نیش۔۔ نشتر۔ ڈنگ + مڑہ یار کو نیش سے تشبیہ دی ہے۔

پہلے کوئی اس کی مڑہ کو دیکھے اور پھر مجھے بتلائے کہ جس شخص کی دنگ جان کے اندر ایسا نشتر چھپا ہوا ہو اس کو کیونکر قرار ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ مصرعہ ثانی بہادر شاہ ظفر کا ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں یہ انکی فرمائش کی غزل ہے۔ فرماتے ہیں مجھے جنوں نہیں ہے کہ میں آپ ہی آپ بیقرار ہوں۔ مجھے فرق یار میں تسکین کا پہلو نظر نہیں آتا۔ پھر تسکین ہو تو کیونکر ہو۔

۱۲۶)

کسی کو دیکھ کے دل کوئی تواریخ فغاں کیوں ہو ۱ نہ موجب دل ہی سینے میں تو پھر نہ فیض باقی ہو
وہ اپنی فتنہ چھوڑے گی ہم اپنی وجہ کیوں لیں ۲ سبک سر کے کیا پوچھیں کم ہم سے سرگراں کیوں ہو
کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو ۳ نہ لائے تباہ جو غم کی، وہ میرا راز دہاں کیوں ہو
وفا کیسی کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا ۴ تو پھر لے سنگدل تیرا ہی سنگ تہل کیوں ہو
قص میں تجھے رو دو بوجھن کہتے شذر بہدم ۵ گری ہے جس پہ کل بجلی، وہ میرا آشیانہ کیوں ہو
یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ ۶ کہ جب دل نہیں تم ہو تو انکسوں سے ہمارا کیوں ہو
غلط ہے جنیبل کا شکوہ، دیکھو جرم کس کا ہے ۷ نہ کھینچو گرتے اپنے کو کشاکش دریاں کیوں ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ دہرائی کو کیا کم ہے ۸ مجھے تم دوست جسکے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو
یہی ہے آزارنا، تو متا نا کس کو کہتے ہیں ۹ عدو کے ہوئے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو
کہا تم نے کہ کیوں ہو، غیر کے ملنے میں سوائی ۱۰ بجا لگتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو
نکالا چاہتا ہے کلام کیا، طعنوں سے اسے غالباً

ترے بے مہر کہنے سے، وہ تجھ پر مہر پاں کیوں ہو

۱۔ اگر کوئی کسی کو دل دے دے تو پھر اس کی فریاد کیوں کرے۔ جب ایک چیرے سے

تو پھر اس کے لئے رونے کا کیا مطلب ہے، اس کے علاوہ جب سینے میں دل ہی نہ ہو تو پھر رشتہ میں زبان کیوں ہو مطلب یہ ہے کہ زبان کو بھی ان کی نذر کر دینا چاہئے۔ کیونکہ دل کے بغیر زبان بیکار ہے۔ جب دل نہ رہے گا تو زبان کس کی ترجمانی کریگی۔ بخود لکھتے ہیں کہ زبان ہی کو کاٹ کر پھینک دینا چاہئے یا کیل دینا مناسب ہے (انہی اور عقیدہ میرے بھیاں ہیں)

۲۔ خو .. عادت + وضع .. خودداری یا ضبط کی عادت + سبکدوش۔ حقیر، پیٹے + سرگراں .. ناراض۔

انہیں ناراض ہونے کی عادت ہے اور ہم ضبط کے خوگر ہیں۔ نہ ہم اپنی وضعداری کے خلاف جاسکتے ہیں اور نہ وہ اپنی عادت کو چھوڑ سکتے ہیں پھر ہم ان سے یہ بات پوچھ کر حقیر کیوں نہیں کہ تم ہم سے خفا کیوں ہو۔ بقول طباطبائی اس شعر نے وہ بندش پائی ہے کہ شر میں بھی ایسے برجستہ فقرے نہیں ہو سکتے۔

۳۔ میرے غمخوار نے مجھے بدنام کر دیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ میرے رنج و غم کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ ہر ایک سے کہتا پھر کہ دیکھنا میرا دوست فلاں پر عاشق ہو گیا ہے۔ دن رات مچھلی کی طرح تڑپتا ہے۔ اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی، چمکہ عشق کرنا بُرا خیال کیا جاتا ہے اور موجب رسوائی عاشق و معشوق ہوتا ہے، اس لئے میں نہ بھریں بدنام ہو گیا۔ کہتے ہیں ایسی محبت کو آگ لگے اور میں ایسے غمخوار سے ہاڑ آیا جو غم کی تاب بھی نہیں لگاتا۔ پھر وہ میرا زردان کیوں بنتا ہے۔

طباطبائی لکھتے ہیں کہ الشارپ داری داد طلب ہے۔

۴۔ کیسی وفا اور کہاں کا عشق، جب سر می پھوڑنا ٹھہرا تو پہلے سنگدل

تیرا ہی سنگ آستان ہونا کیا ضرور ہے۔ جاں جی چاہے گا سر پھوڑ
لیں گے۔ غالب ۵

جب سیکہ چٹا تو پھراب کیا جگہ کی تید

مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

بقول طباطبائی یہ شعر رنگ و سنگ میں گوہر شاہوار ہے۔ اسی لکھتے

ہیں کہ اس شعر کی بندش میں وہ چستی ہے جس کی تعریف غیر ممکن ہو۔

۵۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ اس قدر معانی ان دو مصرعوں میں سما گئے ہیں۔

کہ ان کی تفصیل یہاں لطف سے خالی نہیں (۱)۔ ایک طائرِ حین نشین سے جدا

ہو کر اسیر ہو گیا۔ اس مضمون پر صرف ایک لفظ قفس اشارہ کر رہا ہے (۲) اس

نے اپنی آنکھوں سے باغ میں بجلی گرتے ہوئے دیکھی ہے اور قفس میں ستر رہا ہے۔

کہ نہ جانے میرا شیادہ بچایا جل گیا۔ اس تمام معانی پر فقط کل کا لفظ دلالت کر رہا

ہے (۳) ایک اور کاثر جو اس کا مصنف اور مہدم ہے وہ سامنے کسی درخت

پر آ بیٹھا ہے اور اسیر قفس نے اس سے رودادِ حین کو دریافت کرنا چاہا ہے۔

مگر اس سبب سے کہ اسی کا نشین جل گیا ہے۔ کاثر ہم مصنفِ مفصل حال کہتے

ہوئے ہیں و پیش کرتا ہے کہ اس اسیری میں نشین کے جلنے کی خبر کیا سناؤں

اس تمام مضمون پر فقط یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ مجھ سے رودادِ حین کہتے نہ قہدم

(۴) علاوہ اس کثرتِ معانی کے اس مضمون نے جو دوسرے مصرعے ہیں ہے تمام

واقعہ کو کیسا دردناک کر دیا ہے۔ یعنی جس گرفتارِ قفس پر ایک ایسی تازہ آفت و

ہلائے آسمانی نازل ہوئی ہے کہ اُس نے کیسا اپنے دل کو سمجھا کر مطمئن کر لیا ہے کہ

باغ میں سزا دل آشیلے ہیں۔ کیا میرے ہی قشیم پر بجلی گری ہوگی۔ یہ حالت

ایسی ہے کہ دیکھنے والوں کا اور سننے والوں کا دل کڑھتا ہے اور ترس آتا ہے اور

یہ ترس آجانا وہی اثر ہے جو شعر نے پیدا کیا ہے۔

غرضیکہ یہ شعر ایک مثال ہے ان عیسائیان مشلوں کی جو کہ آداب کاتب و شاعر میں اہم اصول ہیں۔ ایک مسئلہ تو یہ کہ ”خیر الکلام مقلد دل“ اور دوسرا مسئلہ یہ کہ اشعر کلام منقبض بہ النفس و مبسط“ اور یہاں انقباض خاطر کا اثر پیدا ہوا ہے۔

۴۔ تم مجھ سے یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ ہم تیرے دل میں نہیں ہیں۔ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جب میرے دل میں تم ہی ہو تو پھر تم میری نظروں سے کیوں پوشیدہ ہو۔ پہلے مصرعہ میں استفہام انکاری ہے۔ سفید لکھتے ہیں کہ اس میں عشوق حقیقی کو مخاطب کیا ہے۔ آہستی نے اس کے علاوہ دوسرا معنوم یہ لکھا ہے ”بیشک تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم دل میں نہیں ہیں۔ لیکن اس حالت میں کہ جب تم یہ کہو کہ ہم دل میں ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ آنکھوں سے نہاں کیوں ہو۔

۵۔ جذبہ دل .. کشش دل۔

تمہارا یہ شکوہ غلط ہے کہ میری کشش دل تم کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ذرا غور کرو اور دیکھو کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ میرا ہے یا تمہارا؟ اگر تم اپنے آپ کو نہ کھینچو تو پھر یہ کشاکش کیوں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میرا جذبہ دل تمہیں اپنی طرف کھینچتا ہے اور تم مجھ سے کھینچتے (گہرین) کہتے ہو اس لئے کشاکش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو نہ کھینچو تو پھر کشاکش نہ ہو۔

۸۔ یہ فتنہ .. تمہاری دوستی۔

تمہارا کسی پر جہربان ہونا اور اس کا دوست بننا اس کی خانہ ویرانی کے لئے

بہت کافی ہے۔ پھر آسان اس کا دشمن کیوں بنے اور مفت میں اپنا نام دشمنوں میں لکھوائے۔

۹۔ جب تم ہمیشہ کے لئے دشمن کے ہو چکے تو میرا امتحان محبت کیوں لیتے ہو مگر اس کا نام آزمانا ہے تو ستانا کس کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آزمائش تو اس صورت میں درست تھی جبکہ تم نے دشمن کے حق میں فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ اب یہ آزمانا نہیں ہے بلکہ ستانا ہے۔ آہی نے اسی مضمون کا داغ کا شعر نقل کیا ہے، خوب ہے ۵

ہو چکا قطع تعلق تو جہائیں کیوں ہوں جن کو مطلب نہیں دہتا تو ستاتے بھی نہیں
۱۰۔ طباطبائی و حسرت: اس شعر کی بندش نہایت دلپذیر ہے ہم نے معشوق سے کہا۔ دیکھو غیر سے ملنے میں رسوائی ہے۔ ہاڑا جاؤ پچھاؤ گے۔ اس بات کا اُس نے تلخی سے یہ جواب دیا کہ غیر سے ملنے میں رسوائی کیوں کہنے لگی؟ ہم نے جواب دیا ہاں بندہ پھر آپ بجا فرماتے ہیں۔ سچ فرماتے ہیں۔ ذرا پھر دوبارہ کہنا کہ ہاں رسوائی کیوں ہونے لگی مطلب یہ ہے کہ اگر غیر سے ملنے میں بدنامی و رسوائی نہیں ہے تو پھر اور کس کام میں رسوائی ہے۔

۱۱۔ اے غالب تم اسے طعنے دے کر اپنا کام نکالنا چاہتے ہو، بھلا کیوں ایسا ممکن ہے کہ وہ تمہارے دم میں آجائے اور تمہارے بے ہر کہنے سے وہ تم پر مہربان ہو جائے۔

بہ خود نے طعن کی نہایت خوب تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ محبوب ہمیشہ کہنے کے علاوہ کیا کرتا ہے اور یہ بات کچھ کرا سے نامہربان کہے کہ وہ اپنی عادت کے تحت مہربان ہو جائے۔

رہنمائی ایسی جگہ مل کر جہاں کوئی نہ ہو ۱ ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم نہاں کوئی نہ ہو

بے درد دیوار سا اک گھر بنایا جائے ۲ کوئی ہمسایہ نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو
 پڑیے گریہ مار تو کوئی نہ ہو تیار دار ۳ اور اگر مر جائیے تو نوہ خواں کوئی نہ ہو
 ۱۔ اب "کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو لوگ ہدم و ہم سخن اور ہمسایہ و ہموطن
 ہیں ان سے کوئی رنج ضرور پہنچا ہے یہی وجہ ہے کہ شاعر ان سے بیزاری کا اظہار
 کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی ایسی جگہ جا کر رہے جہاں ان لوگوں میں سے کوئی نہ ہو
 تاکہ پھر رنج پہنچنے کا کوئی امکان ہی نہ رہے۔ اقبال ۷
 دنیا کی مخلوق سے الگ کیا ہوں یا رب کیا لطف انجمن کا جب دل ہی مجھ گیا ہو
 ۲۔ اب ہمیں ایک بے درد دیوار سا گھر بنانا چاہئے۔ جب در نہیں ہوگا
 تو پاس بان بھی نہ ہوگا اور دیوار نہ ہوگی تو کوئی ہمسایہ بھی نہ ہوگا۔ مطلب دی ہے
 کہ ہمسایوں اور پاس بانوں سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔
 ۳۔ چونکہ یہ لوگ منافق ہیں اور ان کے ہاتھوں شاعر کو دکھ پہنچا ہے۔
 اس لئے وہ ایسے لوگوں کی تیمارداری اور نوہ خوانی بھی پسند نہیں کرتا۔ کس
 اطمینان قلب کے ساتھ کہتا ہے کہ وہاں کس قدر آرام و سکون ہوگا۔ اگر ہم بیمار
 پڑ جائیں گے تو کوئی تیمار دار نہ ہوگا اور اگر مر جائیں گے تو کوئی نوہ خواں نہ ہوگا۔ گویا
 وہ لوگ جن سے نفرت ہے اور جن کی شکل دیکھتی بھی گوارا نہیں، وہ کسی صورت
 میں بھی سامنے نہ آئیں گے۔

سُورج سے لے کر ذرّۂ تک ہر چیز دل ہی دل میں ہے اور دل بصورتِ آئینہ ہے
گویا طولی کو بہت آئینے ہی آئینے مقابل نظر آتے ہیں۔ وہ آئینہ خانہ میں ہے اور
ہر طرف سے اسے اپنی شکل نظر آتی ہے (آئینہ اور طولی کا مضمون مشہور ہے) مطلب
یہ ہے کہ قلم کائنات وجودِ واحد کا پرت ہے (حسوت۔ آسی)

طبا طبیبائی نے اس کی یہ تاویل نکالی ہے کہ عالم میں رُخ و رُخ اور دل و دل
بہمدگر آئینہ ہیں۔ یعنی اس کو اس میں اپنی صورت دکھائی دیتی ہے اور اس کو اس
میں غرض یہ ہے کہ سارا عالم متحد بوجودِ واحد ہے اور ایک دوسرے سے غیریت
نہیں۔ یہ اس میں اپنے میں اس طرح دیکھتا ہے جیسے آئینہ میں کوئی دیکھے
جب یہ حالت ہے تو طولی جس طرف رُخ کرے آئینہ سامنے موجود ہے اور
طوبی محض استعارہ ہے مراد اس سے وہ شخص ہے جسے یہ اتحاد دکھائی دے
اور وجودِ حلال میں ترانہ انا الحق بلند کرے۔

بنخود اور سقیم دونوں میرے ہم خیال ہیں۔ نقطہ انہوں نے طولی سے
مراد عارف لیا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہستی مطلق کے سوا
اور کوئی ہستی نہیں۔

۱۲۹

ہے سبزہ زار ہر در و دیوارِ عکدہ ۱ جس کی بہاریہ ہو پھر اس کی خیال ہو
ناچار بے کسی کی بھی حسرت اٹھائے ۲ دشواری رہ و ستم ہم زبان نہ پوچھ
۱۔ جب کوئی مکان مدتوں غیر آباد اور منہدم پڑا رہتا ہے تو بارشوں
سے اس میں سبزہ اگ آتا ہے۔ کہتے ہیں میرے عکدہ میں میری گریہ و زاری کی
برسات سے ہر طرف سبزہ اگ آیا ہے۔ گویا میرا عکدہ سبزہ زار بن گیا ہے اور
اس میں بہاؤ آئی ہے۔ مگر میں سبزہ لگنا ویرانی کی نشانی ہے جس گھر کی بہاریہ ہے

کہ وہ بالکل ہی دیوان ہو گیا ہے بلکہ خزاں سے بھی بدتر ہے۔ اس کی خزاں کی بات نہ پوچھو کہ وہ کس قیامت کی ہوگی۔
 آگاہ ہے گھر میں ہر سو بسوز و بے قراری تھا۔
 ۲۔ ہمراہی ۱۰۰ ہمراہی۔

سعد: ایک تو راستہ ہی دشوار تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ ہم کو جو ساتھ لے
 وہ بھی ظالم نکلی۔ قطع نظر اس کے ہم اپنے آپ کو بیکس بھی نہیں کہہ سکتے۔
 کیونکہ گو وہ ظالم ہی تھے لیکن ہمارے ساتھ تو موجود تھے۔ پس مجبوراً بیکسی
 کی حسرت دل ہی میں رہی (حسرت)
 آگاہی: مجبوراً ہم کو اب بیکسی کی بھی حسرت اٹھانی پڑتی ہے یعنی ایسی چیز
 کی حسرت کہتے ہیں جس کی کوئی حسرت نہیں کرتا۔ مگر بیکسی کو ہم ایسے ہمراہیوں
 کے ہونے سے اچھا جانتے ہیں، جو ظالم ہیں اور جن کی وجہ سے راستہ طے
 ہونا دشوار ہو گیا ہے۔

بیخود: ناہ کی دشواریاں اور ہمراہیوں کے ستم کا حال مجھ سے نہ پوچھو۔
 وہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ مجبور ہو کر میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اب بیکسی
 اور تنہائی کی حسرت اٹھانی چاہئے اور ایسے دشوار گزار راستے میں اس قدر
 ظالموں کا ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔

طباطبائی نے ”سرمے مصرعہ کو“ دشواری ناہ و ستم ہمراہی نہ پوچھ ”مجھ کہ
 شرح نمکس ہے۔ یعنی ہمراہیوں کے ہاتھ سے جو ستم مجھ پر ہوتا ہے، اس
 مصیبت کا کاٹنا دشوار ہے۔ اس کی دشواری کچھ نہ پوچھو، حسرت ہوتی ہے
 کہ کاش ہم بیکس و تنہا ہوتے۔

ی

۱۳۰

صد جلوہ رو بریز ہے جو مرثاں اٹھائیے ۱ طاقت کہاں کہ دید کا احسان اٹھائیے
 ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنوں عشق ۲ یعنی ہنوز منتِ طفلان اٹھائیے
 دیوارِ بارِ منتِ مزدور سے ہے خم ۳ لے خانہاں خوابِ اند احسان اٹھائیے
 یا میرے زخمِ رشک کو دسوانہ کیجئے ۴ یا پردہٴ تبسم پہناں اٹھائیے
 ۱۔ صد جلوہ .. سینکڑوں جلوے + مرثاں اٹھائیے .. نظر
 اٹھا کر دیکھئے۔

اگر ہم آنکھ اٹھا کر دیکھیں تو محبوبِ حقیقی کے سینکڑوں جلوے نظر آتے
 ہیں۔ مگر ہم میں آنی تاب و طاقت نہیں کہ نظارہ کا احسان اٹھائیں اور اس
 کے جلووں سے لطف اندوز ہوں۔ کمالِ استغناء ہے کہ آنکھوں کا احسان
 بھی نہیں اٹھانا چاہتے۔

۲۔ برات .. وہ کاغذ یا خزان جس کی رو سے خزانہ سے روپیہ وصول
 کیا جاتا ہے یعنی چک۔

معاشِ جنوں کا فرمانِ پتھروں پر لکھا گیا ہے اور نشانہٴ سنگِ طفلان
 ہونا اور زباتِ جنوں میں سے ہے اس لئے ہمیں جنون و دیوانگی میں بھی پتھر
 مارنے والے لڑکوں کا احسان اٹھانا پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جنون میں
 کسی کا احسان اٹھانے کی ضرورت باقی نہ رہنی چاہئے تھی۔ لیکن معلوم ہوا
 کہ جنونِ عشق میں دیوانہ ہو کر بھی احسان اٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ جنوں کی معاش
 سنگِ طفلانِ غرقہ ہوتی ہے۔

۳۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کا احسان نہیں اٹھانا چاہئے کیونکہ احسان ایسا بوجھ ہے جسے بے جان دیوار بھی برداشت نہیں کر سکتی اور انسان کا درجہ اس سے بہت بلند ہے۔ دیوار کے جھک جانے کو مردود کے احسان کا نتیجہ قرار دے کر خانہاں خراب فحش کو عبرت دلاتے ہیں کہ وہ مکان کی تعمیر سے باز آئے۔

۴۔ میرے دل میں رشک رقیب سے گھاؤ پڑ گئے ہیں اور محبوب یہ کہہ کر مجھے رسوا کرنا پھرنا ہے کہ یہ رشک سے مرا مانا ہے۔ کہتے ہیں تو آپ میرے زخم رشک کو اس طرح رسوا نہ کریں۔ یا یہ جو آپ رقیب کے ساتھ ساتھ چپ چپ کر رہے ہیں۔ اس پردے کو اٹھا دیں یعنی اس طرح سے ہنسنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ آپ کے جسم پر پائے پہناؤ کی موجودگی میں میرا رشک کرنا بجاد و رست ہے۔

آئیے سمجھتے ہیں کہ زخم رشک کو رسوا کرنا محض پردہ اور سرمہ پہناؤ کی رعایت سے کیا ہے۔ یہ شعر بیت الغزل ہے اور اس کی بندش بے انتہا چست۔

۱۳۱

مسجد کے زیر سایہ خرابات چلے ۱ بھوں پاس آنکھ قبلہ عبادت چلے
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر ۲ آخر سرمہ کی کچھ تو مکافات چلے
دے دو اے فلک اہل حسرت پرستی ۳ ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مکافات چلے
سیکھے ہیں مر زخوں کے لئے ہم مصوبی ۴ تقریب کچھ تو بہر ملاقات چلے
مے سے غرض نشاط سے کس رو بہا کو ۵ اک گونہ یہ بخودی مجھے دن رات چلے
ہے رنگ لالہ و گل و شربیں جلا جلا ۶ ہر رنگ میں بہار کا اثبات چلے
۷ سر پہ ختم یہ چلے ہنگام بخودی تھوڑے سوئے قبلہ وقت مناجات چلے
یعنی بحسب گردش پیمانہ مصفا ۸ عارف ہمیشہ مست ہے ذات چلے

نشوونما ہے اصل سے غالب ذریعہ کو

خاموشی ہی سے نکلتے ہیں جو بات چاہئے

۱۔ خرابات .. شراب خانہ - آنکھ کو بوجہ مستی شراب خانہ اور محرابِ ابرو کو محرابِ مسجد سے مشابہت ہے۔ اسی مشابہت کو مسجد و شراب خانہ کے قریب قریب ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ قبلہ عبادت سے وعظ کی طرف اشارہ ہے۔

اسے قبلہ حاجات یعنی حضرت وعظ و یکہ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے پاس ابرو کو بنایا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسجد کے دریاہ شراب خانہ ضرور ہونا چاہئے۔ اسی اور حسرت کا خیال ہے کہ بھول کا لفظ یہاں بہت برا معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ مکافات .. بدلہ تلافی۔

خداوند تعالیٰ عادل ہے۔ وہ ظالم کو ظلم کی سزا ضرور دیتا ہے۔ آپ نے اپنے عاشق پر ظلم کئے۔ آخر خداوند تعالیٰ نے اس کی تلافی اس طرح سے کی کہ آپ کسی پر عاشق ہو گئے۔ اب آپ کو اُس کے ظلم ہماری طرح برداشت کرنے پڑیں گے۔ گویا آپ کو ان ظلموں کا بدلہ ملیگا۔ جو آپ نے ہم پر کئے ہیں۔ بس یہی آپ کے ستم کی مکافات ہے۔

۳۔ مافات .. جو گزر چکا۔

اے فلک تو نے میری خسروں کا خون کر دیا۔ اب کوئی آرزو تو پوری کر دے کہ جس سے میری خوں شدہ حسرتوں کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو جائے۔ لفظ ہاں سے شعر میں جان پڑ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فلک کو آمادہ کر رہے ہیں۔ دوسرا لطیف پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی حسرت پوری

نہ کی جلنے تو خیر کچھ مضائقہ نہیں، اب میرے دل حسرت پرست کی محض داد ہی دیدے تاکہ کچھ تلافی مافات ہو جائے۔

۴۔ ملاقات کرنے کے لئے ہمیشہ کسی تقریب کی ضرورت ہونا کرتی ہے اور حسینوں کو فن مصوری سے خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ اس لئے ہم نے مصوری سیکھ لی ہے تاکہ اس سلسلے میں ہماری ان سے ملاقات ہو سکے۔ گویا وہ اپنی تصویر بنوانے کے لئے ہمیں بلایا کریں گے۔

طباطبائی اور بیخود کا خیال ہے کہ مصوری سے شاعری مراد ہے۔ غالب ؎

غدا بھی بہ نقش طرازی علم کنم تا با تو خوش نشینم و نظارہ کنم
۵۔ شراب نوشی سے میرا مقصد عیش و نشاط ہرگز نہیں۔ میں تو شراب محض بیخود اور خود فراموش ہونے کے لئے پیتا ہوں تاکہ رنج و تعب میرے دل و دماغ پر محیط نہ ہونے پائیں۔ اور میں شب و روز اپنے آپ کو بھول رہوں۔

۶۔ اثبات .. ثابت کرنا۔

لاد، نسرين (سیوتی)، گل وغیرہ کے رنگ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں لیکن اہل نظر کے نزدیک رنگ اور صورت کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔ انہیں ہر رنگ میں مبارکاثوت ملتا ہے۔ بقول سعید گوکاشات کی مختلف شکلیں ہیں۔ لیکن جلوہ حقیقی ہر ایک میں موجود ہے۔

۷۔ (قطعہ) بیخودی کے عالم میں سر پائے خم پر اور دعالکے وقت

منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے (تمام مشفق)
سعید لکھتے ہیں صوفیاء کے نزدیک کفر بھی مظهر کی ذات ہے کیونکہ کفر

دین کی صفہ ہے اور اضداد کا مخرج وہی واجب الوجود ہے۔ پس اگر بخودی اور استغراق کے وقت سریائے خم پر رکھا ہوا اور دھاکے وقت منہ قبل کی طرف کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

۸۔ یعنی پیمانہ صفات (الہی) کی گردش کے مطابق عادت کو ہمیشہ سے ذات سے مست و بیخود رہنا چاہئے۔ کیونکہ صفات بھی لوازم ذات ہیں۔
۹۔ فروع .. فرع، شاخ، شنی + اصل .. جڑ۔

خاموشی کو اصل رجٹ اور باتوں کو فروع و شاخیں قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں۔ اے غالب جس طرح جڑ سے شاخوں کی نشوونما ہوتی ہے اسی طرح جو نکلتی ہے وہ خاموشی ہی سے بات نکلتی ہے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ بات کہنے سے پہلے خاموش ہو جاتا ہے۔ کچھ سوچتا ہے اور پھر زبان سے کہتا ہے گویا ہر بات کی اصل خاموشی ہے۔

بقول حسرت دوسرا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جو بات چاہئے، وہ خاموشی ہی سے نکلتی ہے۔ یہاں ”بات نکلتی ہے“ بمعنی محاورہ مشہور لیا جائیگا مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں کی دیوانگی میں بھی ایک بات نکلتی ہے۔

۱۳۲

بسا و مخرج میں تھا ایک دل یک قطرہ فونی بھی ۱ سورہتا ہے باندا چکیدن سترگوں و بھی رہے اس شعریے آلدہم چند سے تکلف ۲ تکلف بطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی خیالی مرگ کب تکیں دل آلدہ کو بخشے ۳ مرے دوں تمنا میں ہے اک صید زہوں وہ بھی نہ کرتا کاش نہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہم ۴ کہ ہو گا بعشاق فروش درودوں وہ بھی نہ اتنا بڑش تیغ جفا پر ناز فرماؤ ۵ مرے دینے بتائی میں ہے اک بیج غنم بھی مے عشرت کی خواہش ساتی مگر دوسرے کیلئے ۶ لئے بیٹھا ہے آٹ پیر جام و آڑگوں وہ بھی

مرغل میں غائب شو، دل شکوہ بھرا، خداوند دل کے جو اس سے میں بھی کٹل بھی
 ا۔ میری عاجزی کی بساط میں محض ایک دل تھا اور وہ بھی ایک قطرہ خون
 سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اب اس کی یہ حالت ہے کہ رنج و غم سے ہر وقت
 وہ سرنگوں رہتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی ابھی ٹپک جائیگا۔
 سقیم: اپنے دل کو خون کے ایک ٹپکتے ہوئے قطرے سے تشبیہ
 دے کر اس کی لاچارگی اور عاجزی کی کیا خوب تصویر کھینچی ہے۔ بقول اسی
 غالب نے ترقی در ترقی کا منظر دکھایا ہے۔ بساط عجز، اس میں ایک دل، دل بھی
 ایک قطرہ خون، قطرہ خون بھی آمادہ چکیدن، آمادہ چکیدن بھی بحالت سرنگوں یہ
 تمام کیفیتیں لطف سے خالی نہیں۔

۲۔ ہم اس شوخ سے چند دن تکلف اور تشعب سے آزدہ اور ناراض رہے
 تکلف برطرف وہ بھی ہمارا ایک انداز جنوں تھا۔ ورنہ حقیقتاً ہم اس سے خائف تھے
 طباطبائی اور بیخود لکھتے ہیں کہ دوسرے معنی میں تکلف کے معنی شرم
 و لحاظ کے ہیں۔

اسی کا دوسرا مفہوم۔ تکلف سے ہم اس سے آزدہ تھے۔ تکلف
 کو اٹھا دیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک انداز جنوں تھا۔ وگرنہ معشوق سے آزدہ
 ہونا اپنے آپ سے آپ سے آزدہ ہونا ہے۔

سقیم کی مزید تشریح ملاحظہ ہو:- بناوٹ سے آزدگی اس لئے تھی کہ
 وہ مریانی سے پرش آئے۔ لیکن اب صاف کہنا پڑتا ہے کہ وہ بھی ایک انداز جنوں
 تھا، ورنہ معشوق کہیں ایسی باتوں سے پگھلا کوئے نہیں۔

۳۔ صیدِ زبول .. مرغل شکار۔

تمنا کو دام اور خیال مرگ کو صیدِ زبول قرار دیا ہے صرف موت کا خیال

میرے دل آرزوہ کو کیا تسکین دے سکتا ہے، کیونکہ میرے تنہا کے جال میں خیال مرگ جیسے سینکڑوں شکار پھنسنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ تسکین تو اس وقت ہوتی، جب تنہا مرگ سب سے ابردست تنہا ہوتی اصدودہ دام تنہا میں گرفتار ہوتی۔ مشکل یہ آپڑی ہے کہ وہ ایک صید زبورن ہے۔ اس لئے اس کے اس کے پھنس جانے سے کوئی خاص تسلی نہیں۔ قاعدہ ہے کہ موٹے شکار کو پھنسا کر دل خوش ہوا کرتا ہے۔ پھر صید زبورن کے شکار سے کیا خوشی اور تسلی ہو سکتی ہے۔

۴۔ اے ہمدرد میرا خیال تھا کہ نالہ کرنے سے دل کی بھڑاس نکل جائیگی۔ اگر مجھے اس بات کا پہلے اندازہ ہوتا کہ اس سے دردِ دل بڑھ جائیگا تو میں ہرگز نالہ نہ کرتا۔

۵۔ بُریش .. کاٹ، نیتزی، بُریش کو برنلے جو ہر موج سے تشبیہ دی ہے۔ آپ اپنی تیغ جھانکی بُریش پر اتنا ناز کریں۔ میرے نزدیک آپ کی تیغ جھانکی بُریش معمولی چیز ہے۔ کیونکہ میرے دریاے بیتابی میں یہ بُریش ایک موجِ خون زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ وہاں ایسی سینکڑوں موجیں تلملارہی ہیں۔

۶۔ ایک دو چار $100 + 2 + 4 = 106$ آسمان سات ہیں + جام وازگوں .. اوندھے جام یعنی خالی جام۔

ہم ساقی، گردوں سے شرابِ عیش کی آرزو کیا خاک کریں، وہ تو خود ہی ایک دو چار (سات) اُلٹے (خالی) پیالے لئے بیٹھلے۔ بھلا اس کے پاس شرابِ عیش کہاں۔

۷۔ میرے دل میں وصل کا مشرق اور ہجر کا شکوہ بھرا ہوا ہے۔ خداوند نے میرے دل میں ان کے پہلے نے وصل کے مشرق کا اظہار کر دوں اور ہجر کا شکوہ مُشاوَر۔ اس شعر میں غلصہ دو معنی استعمال ہوا ہے جس سے شعر کا لطف

دو چند ہو گیا ہے۔

۳۳

ہے بزمِ بتاں میں سخن آرزوہ لبوں کے ۱ تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں کے
سے دورِ قدح و جگر پریشانی صہبا ۲ یکبار لگا دو ختم میرے لبوں سے
رندانِ درمیکدہ گستاخ ہیں زاہد ۳ زہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے
بیدارِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر ۴ ہر چند مری جان کو تھارِ لبوں سے
۱۔ خوشامد طلب معشوقوں سے ہم ایسے تنگ آئے ہیں کہ سخن لبوں سے
آرزوہ ہو گیا ہے۔ گویا ان کی محفل میں اب بات چیت کرنے کو بھی ہمارا جی نہیں
چاہتا ہے کہ میں اس کی خوشامد کروں تو وہ لب تک آئے۔ گویا رعبِ جن سے
معشوق کے سامنے بات بھی مُنہ سے نہیں نکلتی۔

۲۔ صہبا.. شراب + دُورِ قدح .. باری باری یا ٹھٹھ کر شراب
پینا + ختم .. شکا شراب کا۔

ٹھٹھ کر ٹھٹھ کر تھوڑی تھوڑی شراب پینا شراب کی پریشانی کا باعث ہے۔
کیونکہ اس طرح سے شراب تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ
ایک ہی بار شراب کا ختم میرے مُنہ سے لگا دو۔ تاکہ شراب بھی پریشان نہ ہو
میرا دل بھی سیر ہو جائے۔ اس ترکیب سے فائدہ یہ منتظر ہے کہ جس طرح ختم
میں شراب ایک جگہ تھی۔ اسی طرح میرے دماغ میں بھی کچھ محفوظ ہے گی۔
ڈاگڈا کر چینی کا پیر لطف سبب نکلا ہے۔

۳۔ طرف نہ ہونا .. مُنہ نہ لگانا۔

اے زاہد! رندانِ درمیکدہ نہایت گستاخ اور مُنہ پھٹ واقع ہوئے
ہیں۔ دیکھنا ان بے ادبوں سے کہیں کچھ کہ نہ بیٹھنا، یہ آپ کے وعظ و نصیحت

کی تاب ہرگز نہ لائی گئے۔

۴- جاتی رہی .. جان جاتی رہی، جُدا ہو گئی + ربط .. تعلق، دوستانہ۔

میری جان ہمیشہ لبوں پر رہا کرتی تھی، اس لئے اس کو لبوں سے بہت محبت تھی۔ لیکن بیداؤ و فتنے اسے لبوں سے جُدا کر دیا اور دو دوستوں کو جُدا کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

۱۳۴

تاہم کوشکایت کی سبھی باقی نہ رہے جا ۱ سُن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
غالب تمام احوال سُن لوں گے ہمارے کو ۲ وہ سُن کے بولائیں یہ اجازت نہیں کہتے
۱- معشوق کی شوخی اور مسکائی بیان کی ہے۔ کتنے میں محض اس لئے کہ میں
یہ شکایت کرنے کا موقع نہ ملے کہ آپ کو ہمارے ذکر سے نفرت ہے۔ وہ
ہمارا ذکر سُن تو لیتے ہیں۔ لیکن اسے سُن کر وہ اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتے۔
افسوس وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ہم پر اور بھی زیادہ ظلم ہے۔ کیونکہ اُن کی اس
روش سے شکایت دُور نہیں ہوتی۔

۲- اجازت .. ٹھیکہ اڈر۔

یہ شعر نہایت بلیغ اور دقیق ہے۔ کہتے ہیں۔ غالب ہم تیرا احوال ان
کو کسی نہ کسی طرح سُننا تو ضرور دینگے۔ لیکن اس بات کا ذکر نہیں لیتے کہ وہ اسے
سُن کر تجھے اپنے پاس بلا لیں، پہلے صرصر سے عاشق کی نار حالی اور میتا کی
پتہ چلتا ہے اور دوسرے سے معشوق کے غورِ حسن اور غرورِ ناز کا۔

۱۳۵

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

میرے گھر میں رکھا ہی کیا تھا کہ غمِ عشق اس کو غارت و برباد کرتا۔ ہاں
ایک حسرتِ تعمیر تھی، سو وہ ابھی تک غمِ عشق کی دستِ برد سے محفوظ ہے۔
کاش کہ وہ اسے بھی غارت کر دیتا۔ غالب ۔
ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سو اے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

۱۳۶

غمِ دُنیائے گریانی بھی فرصت سر اٹھانے کی ۱ خاک کا دیکھنا تقریبِ تیرے یاد آنے کی
کھلے گا کس طرح مضمونِ مرے مقبوضِ گلاب ۲ قلم کھائی ہے اُس کا فتنے کا فتنے کے بدلنے کی
پلٹنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے ۳ فتنے مشکل ہے حکمتِ دل میں سوزِ غم چھپانے کی
انہیں منظور اپنے زنجیروں کا دیکھنا تھا ۴ لٹکے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بدلنے کی
ہماری ساوگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا ۵ ترا آنا نہ تھا ظالم مگر قہید جانے کی
لگد کو ب حادث کا تحمل کر نہیں سکتی ۶ مری طاقت کی صفا سی تھی ہوں کے ناز اٹھانے کی
کہوں کیا خوبی اور ضارِ ازلے نہاں غالب
بدی کی اُس نے جس سے مرنے کی تھی بار بار یہی

۱۔ حالی : یعنی جب غمِ دُنیائے سر اٹھانے کی فرصت ملتی ہے تو سر اٹھاتے ہی
آسمان پر نظر مارتی ہے اور جہاں کہہ جاتا ہے، اس کے جیکھتے ہی تو یاد آ جاتا ہے۔
اب وہ سر غم شروع ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ کسی حالت میں غم سے نجات نہیں ہے۔
مطلب یہ ہے کہ اول تو دنیا کی وجہ سے بالکل فرصت نہیں ملتی۔ اگر فرصت ملتی ہے
تو پھر غمِ عشق دانگیر ہو جاتی ہے۔

۳۔ کسی بات کی قسم کھانا یا یعنی کسی کام کے نہ کرنے کا عہد کر لینا کہتے ہیں پہلے وہ
میرے خط کو جلا دیا کرتا تھا اور خط کے جلنے سے اس پر میرے سوزِ غم کا حال واضح ہو جاتا

تھا۔ لیکن اب اس کا فتنے خمد کر لیا ہے کہ وہ میرا خط برگزہ جلائیگا۔ اے خدا اب میرے سوزِ غم کا حال اسے کیونکر معلوم ہوگا۔ (نوحہ۔ طباطبائی وحسن)
 سببِ یادِ راستی لکھتے ہیں۔۔۔ اے خدا میرے نازِ شوق اس پر کیونکر ظاہر ہوگا۔ کیونکہ اس کا فتنے قسم کھائی ہے کہ اب ہر اس کاغذ کو جو بطریقِ خطِ میرے پاس آئیگا یا ہر کاغذ کو جس جلد و نگار تو یقیناً اب وہ میرے مکتوب سے باخبر نہیں ہو سکتا۔
 یہ مضمون محاورہ کے خلاف ہے۔

۳۔ پر نیایاں۔۔۔ حریرِ ریشم، ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔
 باریک ریشمی کپڑے کو بہت جلد آگ لگ جایا کرتی ہے، مگر انسان اُس میں شعلہ آتش کو لپیٹ سکتا ہے، لیکن دل میں سوزِ غم نہیں چھپا سکتا، پس ثابت ہوا کہ دل پر نیایاں سے بھی زیادہ نازک ہے اور وہ سوزِ غم کا نفع نہیں ہو سکتا۔
 شعلہ آتش اور سوزِ غم کا فرق ظاہر ہے۔

۴۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے زخمیوں کو جا کر دیکھ آئیں۔ ذرا ان کے بہانے کی شوخی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے سیرِ گل کا سامان کیا۔ گویا وہ زخمیوں کے دیکھنے کو سیرِ باغ خیال کرتے ہیں۔ شاعر نے اسی کو بہانے کی شوخی قرار دیا ہے۔

۵۔ یہ ہماری سادگی تھی کہ ہم تیرے التفاتِ ناز پر مرے۔ گویا یہ سمجھے کہ یہ تو نے خاص التفات فرمایا ہے کہ یہاں تک آیا ہے۔ اے ظالم تو بیشک آیا، لیکن تو نے آتے ہی کتنا شروع کیا کہ ہم جاتے ہیں۔ یہ تیرا آنا نہ ہوا بلکہ تیرے جلنے کا ہمیش خیمہ ٹھہرا۔ اس لئے ہم تیرے التفاتِ ناز پر مرنے کو اپنی سادگی قرار دیتے ہیں۔ التفات کو التفاتِ ناز سمجھتے ہیں۔ ناز کا پہلو یہ ہے کہ ابھی آئے اور ابھی چلے۔

۶۔ لکد کو ب۔۔۔ لات مارنا، لتیاؤ۔

پہلے مجھ میں اتنی طاقت تھی کہ میں بُتوں کے ناز بخوبی اُٹھالیا کرتا تھا لیکن اب یہ حال ہے کہ میں حادثات کی لگدکوبی بھی برداشت نہیں کر سکتا، شاعر کے خیال میں بُتوں کے ناز حادثاتِ ایام سے بہت بڑے ہوتے ہیں۔

آسی نے دوسرا مضمون نکالا ہے کہ میری طاقت عناصرِ اس بات کی تھی کہ بُتوں کے ناز اُٹھائے۔ آخر یہ اس کے ساتھ لگدکوب حادثات کا طوفان کیسا آیا۔ میری طاقت اس کا تحمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔

۷۔ اوضاع .. جمع وضع کی + ابتدا .. جمع ابن کی، ابتداء جہاں یعنی اہل جہاں بطور طنز کہتے ہیں کہ میں اہل دنیا کی خوبی وضع کیا بیان کروں پس یہ سمجھ لو کہ جس سے ہم نے بارہائیکہ کی اس نے ہمارے ساتھ ہمیشہ بدی کی۔ گویا ہمیں نیکی کا صلہ بدی ملا۔

۱۳۷

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ لے آرزو خرامی ۱ دل جو شِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی آسامی
اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے ۲ میں بھی بجے ہوؤں میں ہوں درخ ناما مسمی
۱۔ حاصل .. پیداوار۔ محصول + ہاتھ دھو بیٹھ .. ناامید ہو جا +
آرزو خرامی .. طباطبائی نے اس کے معنی خرام حسب آرزو قرار دیے ہیں اور
آسی آرزو کا چکر لگانا اور گشت کرنا مراد لینے میں + ڈوبی ہوئی آسامی .. وہ
کاشتکار جس سے لگائی وصول ہونے کی امید نہ ہو۔ دل کو ڈوبی ہوئی آسامی اس
لئے کہا ہے کہ جو شِ گریہ سے کسی فائدے کی امید معلوم نہیں ہوتی۔

طباطبائی : جو شِ گریہ سے کوئی ثمر حاصل نہ ہو گا کہ حسب آرزو اور
موافق مراد خرام کر سکوں۔ دل کو ڈوبی ہوئی آسامی سمجھنا چاہئے کہ اس کا یاغ بے ثمر رہا۔
بیت خود : اسے آرزو تو گریہ پر بھروسہ کر کے اپنی مراد حاصل کرتی چاہتی

ہے اور گریہ کی بے اثری دل کو لے ڈوبی ہے۔ تیرے حسبِ مراد کوئی کام نکلتا معلوم نہیں ہوتا۔

آسی: آرزو تو جو دل میں پھرتی ہے اور امید رکھتی ہے کہ جو ہن گریہ سے کوئی نفع حاصل ہوگا۔ یہ خیال خام ہے۔ اس سے ہاتھ دھو بیٹھ۔ یعنی نا امید ہو جا۔

۲۔ ہوں داغِ ناتمامی .. مجھ کو اپنے ناتمام رہنے کا افسوس (داغ) ہے، میں اس شمع کی مثل ہوں جسے جلتے جلتے کسی نے بجھا دیا ہو اور وہ پوری طرح نہ جلتے پائی ہو۔ یعنی میں پوری طرح جلتے نہ پایا تھا کہ مجھ کو کسی نے بجھا دیا۔ اس لئے مجھے اپنے ناتمام رہ جانے کا افسوس ہے۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں ۵ جلتا ہے دل کہ کہوں نہ ہم اک بار جل گئے
اے ناتمامی نفسِ شعلہ بار حیف

۱۳۸

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے ۱ جس میں کہ ایک بیضہ مودِ آسمان ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے ۲ پر تو سے آخاب کے قدبے میں جان ہے
حالانکہ ہے یہ سبیلی خاندان سے لالہ رنگ ۳ غافل کو میرے شیشے پے کا گان ہے
کیا اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا ۴ آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب نام نے غیر کو بوسہ نہیں دیا ۵ بس چپ رہو پہلے بھی مُنہ میں زبَلن ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوارِ بار میں ۶ فراخ روائے کشورِ ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا ۷ کس سے کون کہ داغِ جگر کا نشان ہے
ہے بارِ اعتمادِ دُعا داری اس قدر ۸ غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہ راز ہے
۱۔ بیضہ مود .. چیز مٹی کا اثنا۔ بہت چھوٹی چیز۔

ہم ستم زدوں کا جہان اس قدر تنگ ہے کہ اس کا آسمان ایک چوڑی کا انداز ہے۔ آسمان چونکہ روئے زمین پر محیط ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جائے کہ ستم زدوں کا جہان کتنا چھوٹا ہے۔

سعید: ہم اس قدر مظلوم و ستم زدہ ہیں کہ چوڑی کا انداز بھی جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہم پر ظلم کرنے کو آسمان بنا ہوا ہے۔ آسمان کا گمان ہے کہ جہان میں ہمارے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔ یہ خود اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مظلوم آدمی نہ سمجھتا ہے کہ میرے لئے دنیا سمٹ کر بہت ہی تنگ دائرہ میں آگئی ہے۔ نہ میرا کوئی معاون ہے نہ فریادرس۔

۲۔ ذرہ ایک بے جان چیز ہے۔ لیکن جب آفتاب کا پر تو اس پر پڑتا ہے تو اس میں جان پڑ جاتی ہے چنانچہ سورج کی روشنی میں لاتعداد ذرات ہیں حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح تیرے ذوق کی بدولت کائنات میں جان پڑ گئی ہے اور وہ متعاضد فطرت ذرات کی مانند تیری طرف دوڑ رہی ہے۔ گویا کائنات کی حیات تیرے پر تو سے ہے۔

ہے تھلی تری سامان وجود ذرہ بے پروا تو خورشید نہیں

۳۔ سیلی .. پتھر + خارا .. پتھر یعنی ضرب سنگ۔

یہ ایشہ پتھر کی ضرب سے لالہ رنگ (سرخ) ہو رہا ہے۔ لیکن غافل یہ سمجھتا ہے کہ اس میں سرخ شراب بھری ہوئی ہے۔ طبیبانی اعتراض کرتے ہیں کہ پتھر کی چوٹ سے شیشہ ٹوٹ جاتا ہے۔ لالہ رنگ نہیں ہوتا۔ لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ مصنف نے شیشہ سے دل کا استعارہ لے کر اس کو لالہ رنگ کہا ہے۔

۴۔ جاگرم کرنا۔ جب کوئی شخص کسی مقام پر دیر تک بیٹھے تو جگرم

ہو جاتی ہے۔ اسی لئے جاگرم کردن فارسی کا محاورہ ہے اور اس سے مراد مستقل طور پر کسی جگہ قیام کرنا ہے + اہل ہوس .. رقیب -

اُس نے سینہ اہل ہوس میں اپنی مستقل جگہ بنالی ہے۔ بھلا اس کو اہل ہوس کا سینہ کیوں نہ پسند آئے۔ گرمی عشق اس میں بالکل نہیں۔ وہ ٹھنڈا مکان ہے اور ٹھنڈے مکان کو ہر شخص پسند کرتا ہے۔

۵۔ حالی : ”ہمارے بھی منہ میں زبان ہے۔“ اس میں دو معنی رکھے ہیں ایک یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر ہم بولنے پر آئے تو تم کو قائل کر دیں گے اور دوسرے شوخ معنی یہ ہیں کہ ہم زبان سے چکھ کر بتا سکتے ہیں کہ غیر نے ہوس لیا ہے یا نہیں۔“

۶۔ کشور .. سلطنت ملک۔

وہ عاشق جو یار کی دیوار کے سلسے میں بیٹھا ہے۔ وہ گویا ہندوستان کی سلطنت کا فرما زدا ہے۔ شاعرین نے سایہ دیوار سے یہ لطیف مضمون پیدا کیا ہے کہ سایہ میں تیرگی ہوتی ہے اور ہندوستان کا لال ملک کہلاتا ہے۔ اس لئے سایہ دیوار میں بیٹھنے والا فرما زدا ہے ہندوستان بن گیا۔ بعض لوگ کشور ہندوستان کی ترکیب پر معترض ہیں کہ اعلان خون جائز نہیں۔ غالب کے دور تک یہ تصرف جائز تھا۔

۷۔ کثر غم نے میرے جگر کی ہستی کو بالکل مٹا دیا۔ اب اگر کسی سے میں کہوں کہ داغ اہل میں جگر کا نشان ہے تو کسی کو اعتبار نہیں آئیگا اور کوئی یہ یقین نہ کرے گا کہ واقعی اس کے پہلو میں کہیں جگر بھی تھا اور یہ داغ اسی کا نشان ہے بقول طباطبائی یہ مضمون بالکل نیا ہے اور خاص غالب کا تیجہ نکلیے۔

۸۔ ہم اس کے نامہ زبان ہونے سے بھی خوش ہیں۔ کیونکہ اس کی نامہ زبانی اور

جفاکاری سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُسے ہماری وفاداری پر اعتماد ہے اور وہ
یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ظلم بھی کروں گا تو ہماری محبت میں کمی واقع نہیں ہوگی :-

۱۳۹

دوسے میرے ہاتھ کو بفراری ہائے ۱ کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے تھے
تیرے دل میں گردن تھا آشوبِ غم کا حوصلہ ۲ تو نے پھر کیوں کی تھی میری غساری ہائے تھے
کیوں مری غمخواری کا تجھ کو آیا تھا خیال ۳ دشمنی اتنی تھی میری دوستداری ہائے تھے
عمر بھر کا تیرے پیان و نا باندھا تو کیا ۴ عمر کو بھی تو نہیں ہے پامندی ہائے تھے
زہر لگتی ہے مجھے اب دہوئے زندگی ۵ یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے تھے
گلشنِ ثانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا ۶ خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کلمی ہائے تھے
شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں ۷ ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے تھے
خاک میں ناموسِ پیمانِ محبتِ دل عسلی ۸ اٹھ اٹھی دُنبیل سے راہِ ویرم یاری ہائے تھے
ہاتھ ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا ۹ دل پر اک گفٹہ نہ پایا زخمِ کداری ہائے تھے
کس طرح کلمے کوئی شہا سے تارِ بڑگال ۱۰ ہے نظرِ غور کردہ اخترِ شماری ہائے تھے
گوشِ مہرِ پیام و چشمِ محرومِ جمال ۱۱ ایک دلِ تسیر یہ نا امید داری ہائے تھے
عشق نے پکڑا نہ تھا خالِ اب بھی وحشتِ رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے تھے

یہ پوری غزل سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ہے اور اس کے اکثر شعرِ بجا میں معلوم
ہوتا ہے کسی محبوب کی وفات پر مرثیہ لکھا ہے -

۱- معشوق دم توڑ رہا ہے۔ اس کی حالت کو دیکھ کر عاشقِ درد سے میقرار ہو جاتا
ہے۔ معشوق اس حالت میں عاشق کی بے قراری دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے۔
عاشق کہتا ہے۔ اے ظالم وہ تیری غفلت شعاری کیا ہوئی۔ جب ہم تیرے

ہر محبت سے تڑپتے تھے اور تجھے پردا بھی نہ ہوتی تھی۔ اس وقت بھی اس غفلت شکاری کو کام میں لا جو میرے درد کی پردہ اندک۔

۲۔ آشوب .. تکلیف، مصیبت۔

اگر تجھ کو غم کی سختیاں اٹھانے کا حوصلہ نہ تھا تو پھر تو نے میری غمگساری کیوں کی تھی۔ مناسب تھا کہ تو میرے حال سے بے خبر رہتا اور اس طرح میرے غم سے اثر پذیر نہ ہوتا۔

۳۔ اگر میری غمخواری کا تجھ کو خیال نہ آیا ہوتا تو آج تو ان حالوں کو نہ پہنچتا۔
افسوس صد افسوس مجھ سے اظہار ہمدردی کر کے تو نے اپنے تباہ و غمنی کی۔ (سعیہ آتھی)

طبا طبیبان اور بخود: بہرے ساتھ غمخواری کی کہ تو نے اپنے آپ کو رسوا کیا پھر شرم رسوائی سے اپنی جان دے دی۔

۴۔ اگرچہ تو نے مجھ سے عمر بھر وفادار رہنے کا عہد کیا مگر وہ کس کام کا۔ کیونکہ کج گفت عمر ہی پابدار نہیں۔ دیکھ لے آخر اس نے تجھے دغا دی اور دُنیل سے اٹھا لیا۔

۵۔ مجھے اب آپ وہوائے زندگی زہر معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس نے تجھ سے موافقت نہیں کی۔ جو تیرا موافق نہیں، تیری محبت کی وجہ سے میں اس کا رفیق نہیں ہو سکتا۔ لہذا میں اس سے بیزار ہوں۔

۶۔ ایک زمانہ تھا کہ تیرا جلوہ محل فشاں کیا کرتا تھا۔ افسوس اب اُسے کیا ہو گیا۔ یعنی موت نے اُسے خاک میں ملا دیا۔ اب تیری قبر پر پھول پڑے ہوئے ہیں۔

۷۔ تو عشق کی رسوائی کی تاب نہ لا سکا اور اس شرم سے پردہ خاک کے

بیچے جا چیا۔ تجھ پر الفت کی پردہ داری ختم ہے، اس سے زیادہ کوئی عشق کی کھٹی کو اور کیا چھپا ئیگا۔

۸۔ تو نے مجھ سے عمر بھر کے لئے پیمانہ وفا لیا تھا۔ تیرے مرحلے سے وہ حمد ٹوٹ گیا۔ اس لئے ناموس پیمانہ محبت خاک میں مل گئی۔ گویا دوستی کی راہ پر ہم ہی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا، شکایت سے درد ستر شرح ہے۔

۹۔ مجھے امید تھی کہ تو مجھے خوب چھریاں مارے گا اور میرے دل کو درد کی دولت سے مالالال کر دے گا۔ لیکن انوس کہ ابھی دل پر ایک زخم کاری بھی نہ لگنے پایا تھا کہ دستِ قاتل بیکار ہو گیا اور میں ہمیشہ کے لئے لڑتے سے محروم ہو گیا۔

۱۰۔ شب ہائے تارِ برشکال .. برسات کی اندھیری راتیں + خاکِ کردہ .. غادی۔

اب برسات کی اندھیری راتیں کیونکہ کٹی گئی۔ ہم کو تو عادت ہو گئی تھی۔ کہ محبوب کے انتظار میں تارے گن گن کر راتیں کاٹا کرتے تھے۔ برسات استغناء ہے۔ یعنی سے اور شہدائے غم کو شب ہائے تار کہا ہے۔

۱۱۔ میرے کان پیامِ بار سے مہر اور آنکھیں جمال دوست سے محروم ہیں۔ ہائے ہائے ایک دل ہے اور اس پر اس درجہ ناامیدیاں، قیامت ہے۔

۱۲۔ میرے عشق نے ابھی وحشت کا رنگ نہ پکڑا تھا یعنی ابھی ہرزہ لڑی اور وحشت تویدی کی نوبت نہ آئی تھی کہ معشوق اس دنیا سے رخصت ہوا۔ میلِ عشق ناقص اور ذوقِ رسوائی دل ہی رہ گیا۔

۱۴۰

سرگشتی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے، شکیں کوئے نوید کہ مرنے کی آس ہے

لیتا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر ۲ اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
 کبھی بیان سرور تب غم کہاں تک ۳ ہر مومرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے
 ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا ۴ ہر چند اُس کے پاس دل حق شناس ہے
 بنی جس قدر بے شبِ قہار میں شراب ۵ اس بطنی مزاج کو گری ہی اس ہے
 ہر اک مکان کو ہے یکیں سے شرفِ اسد

مجنوں جو مر گیا ہے تو جھل اُداس ہے

۱۔ سرگشتگی .. جنونِ عشق + نوید .. خوشخبری + مرثیہ -

سرگشتگی کی وجہ سے زندگی سے بالکل مایوس ہو گیا ہوں۔ اب تسکین کو
 کو خوشخبری دو کہ تیری بلائیں دور ہونے کا وقت آ رہا ہے۔ یعنی وقتِ مرگ
 قریب ہے ظاہر ہے کہ موت آ جانے سے جنون و سرگشتگی کو ہمیشہ کٹے
 تسکین ہو جائے گی۔

۲۔ معشوق یہ سمجھتا ہے کہ میرا دل اب تک میرے ہی پاس ہے اس لئے
 اس کی خبر نہیں لیتا۔ حالانکہ وہ عشق میں آوارہ ہو چکا ہے اور میرے پاس نہیں آتا۔
 ”میرے ہی پاس ہے۔“ یہ بھی معنوم پیدا کر رہا ہے کہ معشوق سمجھتا ہے
 دل اسی کے پاس ہے اس لئے وہ اس سے بے نکل ہے۔

۳۔ جب تب چڑا حقیقی ہے تو دھنگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شاعر نے
 انہیں زبانِ شکر گزار قرار دیا ہے۔ کہتا ہے میں تب غم کا سرور کہاں تک
 بیان کروں بس یہ سمجھ لو کہ اس کی شکر گزاری میں میرے بدن کا سرور و نغمہ
 زبانِ سپاس بن گیا ہے۔

۴۔ آتشی : معشوق حق شناس دل رکھتا ہے اور وفا کی قدر کرنے والا
 ہے۔ محض غرورِ حسن کی وجہ سے وہ مائل بہ جفا ہے اور بیگانہ وفا ہے۔

دیگر شارحین اور طباطبائی: میرا دل حق شناس اسی کے پاس ہے اور اُس نے حق و فاسے اُسے آگاہ کر دیا ہے اگر وہ غورِ حسن میں کب سُنتا ہے۔ اگر دل حق شناس سے معشوق کا دل مراد لیں تو محاورہ کے خلاف ہو گا۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس کے پاس چشمِ روشن اور دلِ مینا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس کا دل روشن ہے اور چشمِ مینا ہے۔

۵۔ شبِ مہتاب میں جس قدر بھی شراب ملے پی جا۔ کیونکہ شبِ مہتاب ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے بلغمی مزاج ہے اور بلغمی مزاج کو اطباء ٹھنڈی دوائیں نہیں دیتے بلکہ اس کے لئے گرم ادویات تجویز کرتے ہیں، گویا بروقت کو قلع کرنے کے خوب شراب پینی چاہئے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ چاندنی رات ٹھنڈی ہوتی ہے اور میرا مزاج بلغمی ہے پھر کیونکہ شراب شہیوں شرابِ میر کے لئے اس موسم میں از حد مفید ہے۔

۶۔ مکین ... مکان میں رہنے والا + مشرف ... عزت۔

مکان کی عزت ہمیشہ مکین سے ہوتی ہے۔ مجنوں کا مکان جنگل تھا اور وہ اس کے دم سے آباد تھا۔ اب وہ مر گیا ہے تو جنگل کو اس معلوم ہوتا ہے۔ گویا جنگل کی رونق مجنوں کے دم قدم سے تھی۔ اس کے اُٹھ جانے سے جنگل پر اُداسی چھا گئی ہے۔

۱۴۱

گر خامشی سے فائدہ اُٹھائے حال ہے ۱ خوش ہیں کہ میری بات سمجھنی محال ہے کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ ۲ دلِ فرو جمع و خرچِ زبانہائے لال ہے کس پردہ میں ہے آئینہ پر وار لے خدا ۳ رحمت کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی ۴ اسے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

دشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جلن ۵ نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
وحشت پر میری عرصہ آفاق تنگ ہے ۶ دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے
ہستی کے مست فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے

اگر خاموشی سے یہی فائدہ ہے کہ حالِ دل پوشیدہ رہے تو میں بہت
خوش ہوں کیونکہ مجھے خاموش ہونے سے یہ فائدہ حاصل ہے۔ یعنی میری
بات ہی کوئی نہیں سمجھتا۔ بقولِ بیتخود۔ خاموشی اور گفتگو کو مساوات کا درجہ
دینا نہایت پلغ خیال ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے اس میں اپنا کلام عام فہم نہ ہونے کی طرف
اشارہ کیا گیا ہے۔ طباطبائی حال سے وارداتِ قلبی مراد لیتے لیتے ہیں۔ اسی
نے دوسرا مضمون یہ لکھا ہے۔ "لوگ کہتے ہیں جو لوگ بیوقوف ہیں ان کو خاموش
رہنا مناسب ہے تاکہ ان کے باز کسی پر نہ کھلیں۔" اگر یہ واقعی ہے تو میں
بہت خوش ہوں کہ مجھے ہر وقت خاموش بیٹھے رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔
میرا باز کوئی نہ سمجھ سکے گا۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ میری خاموشی ایسی جویرے
لئے الٹی غماز ثابت ہوگی۔" یہ مضمون قرین قیاس نہیں۔

۲۔ فرو جمع و خرچ .. جمع و خرچ کا دفتر + زبان ہائے لال .. گونگی
زبانیں ۔

حسرت: ہزاروں حسرتیں ایسی تھیں جن کے اظہار کی حسرتِ دل کی
دل ہی میں رہ گئی۔ پس گویا دلِ زبان ہائے لال کی فرو جمع و خرچ ہے یعنی
شکوک کا ایک دفتر ہے (سعیہ)

طباطبائی: حسرتِ اظہارِ زبان کے گویا نہ ہونے سے گلہ مند ہے کہ کس

آگے اس گلہ کو بیان کرو اور فرد جمع و خراج سے ظہار شکایت مراد ہے یعنی اظہار شوق زبان سے نہ ہوگا تو دل میں زبان کی شکایتیں بھری ہوئی ہیں۔ مصحف نے زبان کو لال اس اعتبار سے کہا ہے کہ بہت سے موقعوں پر زبان نے اظہار شوق میں کوتاہی کی ہے۔ اور ممکن ہے کہ احباب کی زبانیں ملو لگیں۔ جمہود: حسرت اظہار ان لوگوں سے گلہ مند ہے جو گونگوں کی طرح زبانوں کو منہ میں رکھتے ہیں۔ یعنی مجھ سے میری مصیبتوں کا حال نہیں پوچھتے باوجود میرے چہرے سے حسرت اظہار ظاہر ہو رہی ہے۔

آخسی: میں اپنی حسرت اظہار کا کس کے سامنے گلہ کروں۔ پس میرا دل خوب جانتا ہے کہ کس قدر مجھے حسرت دل کا اظہار کرنا چاہئے تھا اور زبان سے کس قدر اظہار ہو سکا۔ گویا میرا دل ایک جمع اور خراج کی فرد ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر حسرت اظہار اس میں جمع ہے وہ زبان کے ذریعہ سے کچھ بھی خراج نہیں ہو سکی۔

۳۔ آئینہ پرواز۔ جلوہ گر، مجوار ایش۔

اے خداتیری رحمت جو لب بے سوال کی عذر خواہ ہے وہ کس پر ہے میں آئینہ پرداز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں لب بے سوال رکھتا ہوں اور راضی برضا ہوں۔ وہ میری عذر خواہی میں کیوں دیر کر رہی ہے۔

طباطبائی: لب بے سوال کا بے نفس ہونا ضروری ہے اور لب کو بے سوال اور بے نفس اسی مناسبت سے کہا ہے کہ نفس کے پیچھے سے آئینہ کندہ ہو جاتا ہے تو ضرور ہوا کہ آئینہ پرداز کے ملنے کی خواہش لب بے سوال سے کرنا چاہئے اور آئینہ پرداز وہ جو آئینہ کو جدا کرے۔ رحمت کا فعل مخدوف ہے یعنی رحم کر (ظاہر ہے یہ شرح بہت ہی مبہم ہے)

بیخود نے مزید شرح یہ لکھی ہے۔ میرے لب رحمت کا سوال اس شرم سے
نہیں کہنے کے لئے ہے انتہا گناہ کہے ہیں اور میری یہ خاموشی گویا میرے
گناہوں کا عذر ہے۔ اس صورت میں اظہار رحمت ضروری ہے۔
۴۔ منفعل .. شرمندہ ہونا۔

اے شوق تو اپنے اس خیال پر شرمندہ ہو۔ بھلا وہ اور تیرے ساتھ
خدا خواستہ دشمنی کریں گے۔ یہ بالکل غلط خیال ہے دوسرا مفہوم یہ ہے کہ لے
شوق تو اس غلطی پر شرمندہ ہے کہ تو نے دشمن کو دوست سمجھا۔ یہ تیری شرمندگی
بیجا ہے، وہ دشمن نہیں ہو سکتا۔

۵۔ مشکیں لباس .. کعبہ پر سیاہ غلاف چڑھایا جاتا ہے اور اس پر طرح
طرح کے عطر لگائے جاتے ہیں + ناف خوال .. ناف کستوری کی پھیلی ہو ایک
قسم کے ہرن کی ناف میں ہوتی ہے + خوال .. ہرن + ناف زمین .. مرکز
زمین۔ کسی زمانے میں کعبہ مرکز زمین تھا

حضرت علیؑ کعبہ میں تولد ہوئے تھے، اس لئے کہتے ہیں کہ غلافِ کعبہ
کو حضرت علیؑ کے قدم سے مشکیں بچھو، ورنہ کعبہ نافِ زمین ہے، نافِ خوال
نہیں ہے کہ وہ مشکیں ہوتا۔

۶۔ عرصہ آفاق .. میدانِ عالم + عرقِ انفعال .. وہ پسینہ جو شرمندگی
سے آجاتا ہے۔

میری وحشت اور آوارگی کے لئے زمین کی وسعت بہت کم تھی۔
اس لئے زمین عرقِ شرم سے تر بتر ہو گئی یہ دریا و غور جو نظر آتے ہیں۔ یہ اسی
شرمندگی کا نتیجہ ہیں اور عرقِ انفعال کا حکم رکھتے ہیں۔

۷۔ خیالِ زہم + کربۂ زمین کو حلقہٴ دوام خیال سے تشبیہ دی ہے

کہتے ہیں۔ دیکھنا اس قدر ہستی کے قریب میں نہ آ جاتا۔ تمام عالم وہم و خیال کے جلال کا ایک حلقہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عالم ایک خیالی دامن ہے جس میں تمام عالم پھنسا ہوا ہے۔ گویا ہستی کو ہستی نہیں بلکہ نیستی خیال کرنا چاہئے۔
ہاں کھائی موت قریب ہستی، ہر چند کہیں کہے نہیں ہے

۱۴۲

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو ۱۔ حذر کرو مسئلے کے اس میں آگ لگی ہے
دلایہ دردِ الم بھی تو مفتنم ہے کہ آخر ۲۔ نگر یہ سحری ہے نہ کہ نیم شبی ہے
۱۔ کھود کھود کر پوچھنا.. کرید کرید کر پوچھنا + حذر کرو.. درو۔
برائے خدا تم اپنی شکایتیں مجھ سے کرید کرید کر نہ پوچھو۔ تم ان باتوں کو شکوہ سمجھتے ہو یہ شکوہ نہیں بلکہ آگ ہے جو سوے دل میں جنی ہوئی ہے، اس لئے ان باتوں کو جلنے دو۔ اگر یہ آگ بجھ کر اٹھیں گی تو قیامت آجائیگی۔
بیخود اور طباطبائی حذر کرو کی تو حیح یہ کہتے ہیں کہ اظہارِ شکایت سے اکثر آتشِ خدا مشتعل ہو جاتی ہے۔

۲۔ مفتنم.. غنیمت۔

اے دل تو دردِ الم کو غنیمت جان۔ کیونکہ چند روز کے بعد نہ یہ گریہ سحری ہوگا نہ آہ نیم شبی، دوسرا غموم یہ ہے کہ آخر کار یہ دردِ الم ہمارا کام تمام کر کے ہمیں تکلیف و اذیت سے ہمیشہ کے لئے نجات دیدیگا۔
نغمہ رائے دل کو بھی اے دل غنیمت جانے بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایک دن

۱۴۳

ایک ہمارے وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا ۱۔ غما ہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے
جی جے ذوقِ فنا کی ناتوامی پر نیکیوں ۲۔ ہم نہیں جلتے لہض ہر چند آشبار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اُٹھتی ہے صلا ۳ ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے لایا جا رہے ہے وہی بدستی ہرزہ کا عند غدا خواہ ۴ جس کے جلوہ سے زمیں تا آسمان سرشار ہے مجھ سے مت کہہ تو میں کہتا تھا اپنی زندگی ۵ زندگی سے بھی مزاحی ان دنوں بیزا ہے آنکھ کی تصویر سزا نامہ پہ لکھی ہے کہ تا ۶ تجھ پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ بیدار ہے ۱۔ حالی : غلط بردار اس کاغذ کو کہتے ہیں جس پر حرف بہ آسانی کوڑا لگ دیکھو یہ اڑ سکے اور کاغذ پر اس کا نشان باقی نہ رہے۔ مگر یہاں ازراہ ظرافت غلط بردار کے یہ معنی لئے ہیں کہ جس پر سے حرف خود بخود اڑ جائے۔ کتنا ہے کہ تو نے اپنے خط میں صرف ایک جگہ حرف و فاکھا تھا۔ سو وہ بھی مٹ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرے خط کا کاغذ غلط بردار ہے کہ جو بات پہنچے دل سے اس پر نہیں لکھی جاتی وہ خود بخود مٹ جاتی ہے۔

۲۔ میرا دل ذوقِ فنا کی ناتامی پر کیوں نہ جلے۔ کیونکہ باوجود نفس کی آتشباری کے ہم نہیں جلتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ذوقِ فنا ناتامی یعنی ناقص ہے اور یہی دل کے جلنے کا سبب ہے (حسرت۔ آستی)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے پیچھے میں ایک شعلہ روشن ہے، سانس کی آمد و رفت اس کو ہر دم مشتعل کرتی رہتی ہے۔ اس آگ کی گرمی سے تخریب و تعمیر کے عمل کے ساتھ ساتھ انسان کی زندگی قائم رہتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کو فنا کا ذوق ہے۔ لیکن ہمارا دل اس ذوقِ فنا کی ناتامی پر جلتا ہے کہ ہم اس نفسِ شعلہ بار سے ایک دم ہی کیوں نہ جل گئے۔ یہ مضمون غالب کو بہت مرغوب ہے۔ کئی جگہ اس کا اعادہ کر چکے ہیں ۷

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے اے ناتامی نفسِ شعلہ بار حیف ۳۔ شاعر کے دل میں یہ خیال ہے کہ آگ خاموشی سے جلتی ہے لیکن جب

اس کو پانی میں ڈال کر بکھاتے ہیں تو اس میں بکھنے کی آواز پیدا ہوتی ہے وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ درماندگی کی حالت میں انسان کے منہ سے نالہ نکل ہی جاتا ہے۔ دیکھ لو آگ جیسی خاموش جلنے والی چیز بھی اس حالت میں خاموش نہیں رہ سکتی۔

۴۔ حالی : ہر ذرہ یعنی ہر مخلوق غدر خواہ یعنی چاہنے والا یا مزدور رکھنے والا ہے اس شعر میں دعوئے ایسے طریقہ سے کیا گیا ہے کہ خود دعوئے متضمن دلیل واقع ہے مطلب یہ ہے کہ ذرات عالم یعنی ممکنات جو فی الحقیقت معدوم محض ہیں ان کی بدستی و غفلت کا غدر خواہ وہی ہے جس کے پر تو وجود سے یہ تلم سمدومات وجود کا دم بھرتے ہیں (نور محمد، سعید)

آتشی : جس کے جلو سے زمین سے لے کر آسمان تک کائنات کا ایک ایک ذرہ بدست اور سرشار ہو رہا ہے۔ یہ اس بدستی کا خود ہی غدر خواہ بھی ہے کہ میرا حال اور حسی ایسا ہے کہ جس سے ہر کسی کو بدست اور سرشار ہونا چاہئے۔

۵۔ معشوق عاشق کو خدا دیکھ کر اس سے کہتا ہے تم تو میں اپنی زندگی کہا کرتے تھے۔ آج کیا بات ہے ؟ عاشق جواب دیتا ہے تم میرے سامنے یہ بات نہ دہراؤ۔ کیونکہ آج کل میرا دل زندگی سے بھی بیزار ہے۔ خوب پیر لطف شعریہ باوجود زندگی سے بیزار ہونے کے معشوق سے بیزار ہونا گوارا نہیں۔

۶۔ سرنامہ .. نفاذہ کھل جائے .. ظاہر ہو جائے۔
میں نے خط کے نفاذ پر آنکھ کی تصویر کھینچ دی ہے تاکہ تجھ کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ مجھ کو بیدار کی حسرت ہے۔

۱۴۴۲

میں نے گزشتہ میں جو کچھ سے وہ میرے ۱ کدھا بھی کہاؤں کو پالنے نہیں دیتے

منا ہے کہ مولانا آردہ ایک دن غالب کے مکان کے سامنے سے گزرے
اُس وقت ذرا جلدی میں تھے اس لئے اُنہوں نے غالب کے پاس ٹھہرنا نہ چاہا۔
کہاؤں سے تاکید کی، جلد چلو وہ کندھا بد لئے گئے مگر آردہ صاحب مرحوم
نے ان کو کندھا نہ بد لئے دیا۔ غالب نے یہ حالت دیکھ لی اور فوراً یہ شعر لکھ کر
ان کے پاس بھیج دیا۔ جس کی معذرت کے لئے وہ خود آئے۔

وہ مجھ سے اس قدر سزا رہیں کہ اگر اتفاق سے اُن کا گزیر میرے کوچے سے ہوتا
ہے تو کہاؤں سے کہتے ہیں کہ سید سے نکل چلو۔ سانس کے لئے کندھا بھی
نہ بدلو۔

۱۲۵

میری ہستی حیرت آباد تمنا ہے ۱ جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے
خزاں کیا افضل گل کہتے ہیں کس کو کوئی کویم بو ۲ وہی ہمیں فہم ہے اور ماتہ بال پر کا ہے
وفائے دہراں ہے اتفاقِ دردناکے مردم ۳ اثر فریاد دہلائے حیریں کا کس نے دیکھا ہے
نہلائی شوخی اندیشہ تاب رنجِ زمیری ۴ کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے
۱۔ اس نظریہ کے پیش نظر کہ حیرت کے عالم میں انسان کا نالہ بھی بھول جاتا ہے
اپنی ہستی کو حیرت آباد تمنا اور نالے کو اس عالم حیرت کا عنقا قرار دیا ہے۔ عنقا
ایک پرندہ ہے جو موجود ضرور ہے۔ لیکن مثل عنقا مفقود ہے کہتے ہیں میری
ہستی حیرت آباد تمنا کی ایک تمنا ہے اور اس میں نالہ کا مثل عنقا کہیں پتہ نہیں چلتا۔
مطلب صرف اس قدر ہے کہ میری حیرت ہی فریاد ہے کیونکہ حیرت میں انسان
نالہ کرنا بھول جاتا ہے۔

بیخود، میری ہستی حیرت آباد تمنا کو رونق بخشنے والی ہے۔ نالہ و فریاد جس
آواز کا نام اہل دیانے مقرر کر لیا ہے، وہ اس عالم کا عنقا ہے یعنی کسی قسم کی آواز

بلند نہیں ہوتی۔ صوفیا کی زبان میں مقام حیرت اس مقام کو کہتے ہیں جہاں طالب پر تجلی ذات وارد ہوتی ہے۔

۲۔ ہمیں کوئی مطلب نہیں کہ خواں کیا ہے اور فصل بہار کسے کہتے ہیں۔ غرض کوئی موسم ہو، یہاں تو ہمیشہ اپنے بال و پیر کا ماتم رہتا ہے۔ اس شعر کی بندش نہایت چست ہے۔ چھ جملے دو مصرعوں میں نہایت صنّاعی سے نظم کئے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ببل اسیر کی زبانی۔

۳۔ گناہ یہ چاہتے ہیں کہ نالہ و فریادیں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لوگوں نے یہ ڈھکوسلا بنا رکھا ہے کہ آہ میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں اسے ہمڈم معشوق کی وفا کو اتھاقی خیال کر، نالہ و فریاد میں یہ تاثیر نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنے اثر سے مہربان بنا دے۔

۴۔ تجدید تمنا .. از سر نو امید کرنا۔ جب کوئی چیز ضائع ہو جاتی ہے تو انسان ہاتھ مل کر اس کا انوس کرتا ہے۔ نیز جب کوئی نیا عہد کیا جاتا ہے تو اس وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ اس طرح سے کف انوس ملنا گویا تجدید تمنا ٹھہرا۔ یعنی ہاتھ مل کر جس چیز کا ہم انوس کرتے ہیں ساتھ کے ساتھ اس کی تمنا بھی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ میری شوخی اندیشہ بالوسی کا رنج نہ اٹھاسکی۔ اس نے ناکامی پر کف انوس ملا اور اس سے ظاہر ہو کہ مژدہ تجدید تمنا کا عہد کر رہی ہے۔

۱۴۶

حکمِ نظام کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے ۱ نبض بیمارِ وفا دو چراغ کشتہ ہے
دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے جہیں ۲ ورنہاں بیردلقی سو چراغ کشتہ ہے
۱۔ بود .. ہستی ۲۔ چراغ کشتہ بیمارِ وفا سے استعارہ ہے۔

سے ظالم تو بیمار و قادر چراغ کشتہ پر رحم کر۔ اس کی ہستی ہی کیلئے ہے۔
اس کی نبض مجھے ہوئے چراغ کے دھوئیں کی کیفیت ایسی ہی ہوتی ہے اور اظہار
اسے دودی کہتے ہیں۔

آسی کہتے ہیں کہ طباطبائی نے آخری نبض کو دودی لکھا ہے۔ دودی کمزور
ضرور کرتی ہے، مگر وہ بالکل قوت کو ساقط نہیں کرتی۔ ان کے نزدیک
آخری مصرعہ کی شرح یہ ہونی چاہئے۔ ”بیمار و فنا کی نبض چراغ کشتہ کا دھواں
ہے کہ وہ بتدریج کم اور سرد اور کمزور ہوتا جاتا ہے۔ اسی صورت سے آخری
وقت کی نبض ہوتی ہے۔

۲۔ سود .. فائدہ۔

ہم کیا کریں، مجبور ہیں کہ دل لگی کی آرزو ہمارے دل کو بے چین رکھتی
ہے۔ ورنہ ہم ہرگز عشق نہ کریں۔ ہم بوزانہ دیکھتے ہیں کہ رونق چراغ یعنی
چراغ کا جلنا چراغ کے لئے باعث نقصان ہے۔ کیونکہ جلنے سے چراغ
کا تیل اور بچی دونوں جل جلتے ہیں اور اگر وہ نہیں جلتا تو اس کو یہ نقصان
نہیں پہنچتا۔ اس لئے نہ جلنا اور بے رونق رہنا، اس کے لئے نفع کا باعث
ہے۔ اسی طرح اگر ہم بھی شعلہ عشق سے نہ جلیں تو ہمیں بھی یقیناً فائدہ پہنچے
لیکن کیا کریں دل لگی کی آرزو سے مجبور ہیں۔

۱۲۷

چشمِ خواباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے ۱۔ سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلہ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے ۲۔ نالہ گویا اگر دشمنِ سیارہ کی آواز ہے
دستگاہِ دیدہٗ خونبار مجبور دیکھنا ۳۔ یک بیاباں جلوہٗ گلِ قریش یا انداز ہے
۱۔ نوا پرداز .. گویا سخن گو + تو کہوے .. یعنی تو گوئی۔ گویا۔

معشوق کی آنکھیں خاموشی کی حالت میں بھی باتیں کرتی ہیں (نوا پڑاز سے مراد اشارہ گردش چشم ہے)

گویا ان کی آنکھوں کا کاجل شعلہ آواز پر بنایا گیا ہے۔ یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص سرمہ کھالے اس کی آواز ہمیشہ کسلے بیٹھ جاتی ہے اور وہ بات نہیں کر سکتا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ معشوقوں کا سرمہ وہ سرمہ نہیں بلکہ یہ کاجل شعلہ آواز پر بنایا گیا ہے۔ اس لئے اس کا اثر عام سرمہ جیسا نہیں بلکہ اس کا اثر قوت گویائی بخشتا ہے، جیسا کہ حالت خاموشی میں معشوق کی آنکھوں کی گویائی سے ثابت ہے۔

معشوق کو شمع۔ اس کی آواز کو شعلہ اور شعلہ کے دھوئیں کو ایسا سرمہ قرار دیتا جو سرمہ کی عام خاصیت کے خلاف گویائی بخشتے۔ شاعرانہ لطف سے قافی نہیں اور یہ مرزا صاحب کی شاعری کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

پیکر .. جسم + ساز .. باجرہ + طالع ناساز .. گردش سیارہ بد فہمی -

عشاق کا جسم بد نصیبی اور بد بختی کا ساز ہے اور ان کا نالہ و فریاد گردش سیارہ کی آواز ہے۔ عاشقوں کے ہمہ تن نالہ و فریاد ہونے کے سبب سے ان کے جسموں کو طالع ناساز کا ساز کہلے۔ بقول طباطبائی لفظ عشاق اس مقام پر ساز کے ضلع کا لفظ ہے اور اہل فارس کی موسیقی میں مقام عشق ایک راگ کا نام ہے۔

۳۔ دستگاہ .. قدرت، کمال + دیدہ خونبار .. چشم خونفشاں۔
یک بیاباں .. بکثرت + فرش پا انداز .. وہ فرش جو راستے میں بچھا دیا جاتا ہے یہ عام طور پر سرخ پاناٹ کا ہوتا ہے۔

مجنوں کی چشم خونخشاں کا کمال ملاحظہ فرمائیے۔ اس نے اس قدر خون بہایا ہے کہ ایک صحرا کو خونی اشکوں سے گلزار رنگیں بنا دیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجنوں کا فرش پا انداز جلوہ گل سے بنا ہے۔
اشک خونی اور گل کی تشبیہ ظاہر ہے۔ نیز فرش پا انداز پھولوں کا بنانے سے مجنوں کی بلند پاشی کی کائنات پر ہمت ہے۔ دست گاہ اور پا انداز میں بھی رعایت لفظی ہے۔

۱۳۸

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی ۱ میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع نیچے نہ تعلق ہم سے ۲ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی ۳ اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے ۴ غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو ۵ آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
عمر ہر چند کہ ہے برق خرام ۶ دل کے خون کینے کی فرصت ہی سہی
ہم کوئی ترک و فاکرے ہیں ۷ نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی
کچھ تو دے اے فلکِ نا انصاف ۸ آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے ۹ بے نیازی تری عادت ہی سہی

بارے چھیر چلی جائے اسد

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

۱۔ تم میرے عشق کو وحشت اور دیوانگی قرار دیتے ہو۔ چلو یہ نئی سہی لیکن یہ کیا کم ہے کہ میری وحشت تمہاری شہرت کا باعث ہے (آستی)
سجید: اگر میرے عشق سے تمہاری بدنامی ہوتی ہے اور اس کو وحشت

کنا تمہارے لئے شہرت کا باعث ہو سکتا ہے تو تم میرے عشق کو وحشت ہی
کہو، مجھے یہ بھی منظور ہے۔

طباطبائی و بجزود: تو میرے اطمینانِ عشق پر کتنا ہے کہ دیوانہ ہو گیا ہے۔
ایسی وحشت ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”عشق مجھ کو نہیں۔“ ۱۔

۲۔ آپ مجھ سے قطعِ تعلیق نہ کریں۔ اگر محبت نہیں کرتے تو کیا مضائقہ
ہے، عداوت ہی سمجھئے۔ اس مضمون کو مرزا نے متعدد مرتبہ نظم کیا ہے اور
ہر جگہ نئے اسلوب سے ۵

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اشرارؔ اس قدر دشمن اربابِ وفا ہو جاتا
دارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں ہو
تاہم کوشکایت کی بھی باقی نہ رہے جا سن لیتے ہیں گو ذکرِ ہمارا نہیں کرتے
۳۔ مجھ سے کھلم کھلا ملنے میں تمہاری کیا رہ داتی ہے؟ اگر تم مجھ سے مجلس
میں ملنا باعثِ رسوائی خیال کرتے ہو تو درجہ وہ خلوت ہی میں سی۔ ہمیں کوئی
اعتراف نہیں۔ بقول حسرت اس لئے کہ ہم پاکدامن ہیں۔

طباطبائی: اے وہ کالفاظ اس میں بہت رکنا ہے۔ اہل زبان ہی
اس کو سمجھینگے۔ واضح ہو کہ یہ غالب کے دور کی زبان ہے۔

۴۔ اگر غیرے تمہیں محبت سے تو میں ہی سی۔ ہم اپنے دشمن نہیں ہیں کہ
یہ بات جانتے ہوئے ہم تمہارے عشق کے دکھ اور شرک کی تکلیف برداشت
کریں محض اُسی کو اس شرع سے اختلاف ہے لکھتے ہیں ”بھی“ اور ”سی“
اس بات کے شاہد ہیں کہ مصنفت یہ کتنا چاہتا ہے کہ تجھ کو غیرے محبت
ہے تو سی۔ ہم بھی جانتے ہیں۔ مگر ہم بھی تو دشمن نہیں۔ ہم بھی تو اپنے
ای ہیں۔ ہم کو بھی تجھ سے محبت ہے۔ پھر تم کو اس کے مقابلے پر ذیل

کیوں سمجھا جاتا ہے۔

۵۔ جو کچھ حاصل کرنا چاہئے وہ اپنی ذات اور اپنی ہستی ہی سے حاصل کرنا چاہئے۔ اگر اپنی ذات سے آگئی اور معرفت حاصل نہیں ہو سکتی تو پھر غفلت ہی حاصل کرنی چاہئے مطلب یہ ہے کہ دوسرے کا احسان اٹھانا درست نہیں۔ اس شعر میں تصوف کا پہلو بھی نکلا ہے۔ حدیث نبوی ہے: ”مَنْ عَزَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ سَرِبَ دُخَانٌ“ یعنی اپنی ہستی سے آگاہی عین عرفان الہی ہے اور اگر نفس سے آگاہی حاصل نہ ہو تو پھر اپنی ہستی سے غافل ہو جانا چاہئے کیونکہ جب انسان اپنے آپ کو نیست سمجھ لیتا ہے تو پھر اسے علو حق نظر آتا ہے۔ مطلب وہی نکلا کہ آگاہی اور غفلت کا تعلق اپنی ہستی سے رکھنا چاہئے۔

۶۔ بریق خرام .. بریق رخسار۔ جلدی سے غائب ہونے والی +

فرصت .. صلت۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عمر بکلی کی طرح بہت جلد گزر جاتی ہے لیکن زندگی میں اتنی صلت اور فرصت تو ضرور ملتی ہے کہ دل کو خون کر لیا جائے (بیخود) طبا طبائی دآسی: وجہ مناسبت یہ ہے کہ بریق بھی خون رگ ابر ہے۔

۷۔ ہم عشق کو تخلیقِ قبول کی وجہ سے ہرگز ترک نہ کریں گے۔ اگر عشق میں مصنا سے نجات نہیں تو ہم عشق کو عشق نہ سمجھیں گے، بلکہ اسے ”مصیبت“ خیال کر لیں گے۔

۸۔ رخصت .. اجازت۔

اے نا انصاف آسمان! میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ تو میری مراد پوری کر اور کچھ نہیں تو تو مجھے آہ و زاری کی اجازت ہی دے دے۔ خوب شعور ہے۔ دے داد اے فلک! دل حسرت پرست کی ہاں کچھ نہ کچھ تلافی و مافات چاہئے

۹۔ ابھی ہماری طبیعت میں بے نیازی کی خونیں ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ بے نیازی تیری عادت ہے اور تو ہمارے عجز و نیازی کوئی بردہ نہیں کرتا۔ ہم بھی تسلیم و رضا کی عادت ڈال رہی ہیں گے تاکہ تیری بے نیازی سے ہم بدل نہ ہونے پائیں اور اس کو برداشت کرنے کے خوگر ہو جائیں۔

۱۰۔ حسرت سے سراو اظہارِ حسرت وصل ہے۔ یار سے کچھ نہ کچھ چھیرا جاری رہنی چاہئے۔ اگر وصل میسر نہیں تو نہ سہی اظہارِ حسرت وصل ہی سہی لطف یہ ہے کہ اظہارِ حسرت دل ہی سے چھیرا کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ خاموش ہو جانا چھیرا پیدا نہیں کرتا۔ بقول تہا، آخر زندگی کے لئے کوئی نہ کوئی مشغلہ چاہئے۔

آہی: اس سے یہ لطیف معنی بھی پیدا ہوتے ہیں کہ ہم جو اس کو حال نہانے کے لئے مجبور کرتے ہیں تو وہ اس کو چھیرا سمجھتا ہے۔ اچھا خیر۔ یہ چھیرا جاری رہنی چاہئے۔

۱۲۹

۱۔ آرمیدگی میں نگو ہش بجا مجھے ۱ صبح وطن ہے خنداۂ دندان نمائے
ڈھونڈھے ہے اس مغنی آتشِ نفس کو جی ۲ جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ قنابٹے
مستانہ طے کروں ہمدردِ دادی خیال ۳ تابا ز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے
کرتا ہے بسکہ بلغم میں تو بے حجابیاں ۴ آنے لگی ہے نکبتِ گل سے حیا مجھے
کھلبلیاں کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ ۵ شعروں کے انتخاب نے دسوا کیلئے

۱۔ آرمیدگی .. آرامِ طلبی + نگو ہش .. سلامت + بجا .. درست +
صبح کو خنداۂ دندان تھا اس کی سفیدی کی وجہ سے کہا ہے۔

میں اپنی آرامِ طلبی کی وجہ سے واقعی قابلِ سلامت ہوں۔ یہی وجہ ہے

کہ صبح وطن میرے اوپر مہنس رہی ہے۔ گویا جستجوئے یار میں مجھے آوارگی اختیار کرنی چاہیے۔ چونکہ عاشق اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ اس لئے ادائے فرض کا خیال دل میں بے چینی پیدا کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ صبح کی سفیدی اسے خندہ دندانِ نامعلوم ہونے لگتی ہے۔ خوب شعر کہا ہے۔

۲۔ مفتی .. گلے والے + آتشِ نفس .. ایسا نفس یا آواز جو دل میں سوز و گداز پیدا کر دے۔

میرا دل اس گلے والے کو ڈھونڈ رہا ہے جس کی آواز میں ایسا سوز و گداز ہو کہ وہ فنا کر دینے والی بجلی کی طرح مجھ پر گرے اور مجھے جلا کر خاک کر ڈالے۔ یہ آرزو عشق کا معمولی کرشمہ ہے۔

۳۔ بازگشت .. واپسی۔

میں دادی خیال کے راستے کو مستانہ وار طے کر رہا ہوں تاکہ اس بیخودی کے عالم میں مجھے واپس آنے کا ہوش نہ رہے۔ لطف اس شعر میں یہ ہے کہ جب کوئی بیہوشی کی حالت میں راستہ طے کرتا ہے تو پھر اسے راستوں کے موڑ توڑ اور ہیر پھیر یاد نہیں رہ سکتے اور وہ اسی راستے سے واپس نہیں آ سکتا۔ شاعر دادی خیال میں اسی استغراق سے گامزن ہونا چاہتا ہے اور یہ نہیں چاہتا کہ دوبارہ ہوش میں آئے اور اپنے مقام پر واپس آ سکے۔

۴۔ چونکہ تو باغ میں نگہت گل کے سامنے بہت زیادہ بے حجابیاں کرنے لگا ہے اس لئے مجھے نگہت گل سے شرم آنے لگی ہے۔

شرم آنے کے اور بھی سبب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بقول آتشی وہ میری ایک کامیاب رقیب ہے۔ اس لئے میری نظر اس کے سامنے نہیں اٹھتی۔ بقول مستبد و متحدہ طباطبائی۔ میں تو نگہت گل کو بے حجاب کہا کرتا تھا۔

اب تیری بے حجابیاں دیکھ کر بوئے گل کو کیسے بے حجاب کہوں۔ تو اس سے بھی زیادہ بے حجاب نکلا۔

۵۔ جس قسم کی انسان کی طبیعت اور خیالات ہوتے ہیں وہ جیسے ہی اخبار پسند کرتا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ میرے دلی معاملات اور پوشیدہ راز کسی کو معلوم نہ ہوتے۔ لیکن شعروں کے انتخاب نے میل بھانڈا پھوڑ دیا۔ گویا ان کے ذریعہ سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں عاشق مزاج ہوں۔

۱۵۰

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب اہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا کہتے تھے ا۔ "اس شکل سے" محاذ رہے، بمعنی بڑے عالوں سے بعض نسخوں میں "دنگ سے" اس کے بھی وہی معنی ہیں۔

فرماتے ہیں۔ جب ہماری زندگی ایسے بڑے عالوں میں گزری کہ کبھی کوئی آواز وہی پوری نہ ہوئی تو ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ ہمارا بھی کوئی خدا تھا۔

۱۵۱

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے ۱ بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہٹا کئے
دل ہی تو ہے سیاست درباں سے ڈر گیا ۲ میں اور جاؤں دوسے ترے بن صدا کئے
دکھتا پھر وہ ہوں خرقہ و سجدہ رہن سے ۳ مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کئے
بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو اگرچہ عمرِ خضر ۴ حضرت بھی گل کیشنگے کہ ہم کیا کیا کئے
مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے عجم ۵ تو نے وہ گنجائش گرا نریا کیا کئے
کس روز تمہیں دتر اشائے عذرا ۶ کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چل کئے
صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ نحو ۷ دینے لگا ہے بوسہ بغیر التماس کئے
ضد کی ہے اور بات مگر خوبی نہیں ۸ بھولے اُس نے سینکڑوں دفعے ناک کئے

غالب ہمیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

۱۔ میں اس کی بزم میں بے جانا بیٹھا رہا۔ اگرچہ لوگ آپس میں لڑائے
کیا کئے اور مجھ پر آوازے کئے رہے۔ میں کیا کرتا۔ مجبور تھا۔ کیونکہ بغیر بیجا
بنے میں وہاں بیٹھ نہ سکتا تھا (سعید، طباطبائی، بخود)
بخود: غیرے ان کے اشارے ہوتے رہے۔ اسی نے دوزخ منہم
کھینچے ہیں۔

۲۔ سیاست .. سزا، خوف۔

آخر دل ہی تو ہے۔ کوئی فلا دیا پتھر کا کٹڑا نہیں۔ وہ سودا اتفاق سے
دربان سے ڈر گیا اور میں تیرے در پر بغیر صدائے گائے چلا آیا۔ ورنہ ایسا ممکن
ہو سکتا ہے کہ میں تیرے دروازے پر بغیر صدائے چلا جاتا۔

۳۔ خرقہ .. گردی، لباس فقرا + سجادہ .. مصطفیٰ + رہمن مے ..

مشراب کے بدلے گردی رکھنا + دعوت آب و ہوا .. یعنی دعوت بہار۔
میں اپنی گودھی اور مصطفیٰ شراب کے بدلے گردی رکھتا پھرتا ہوں کیونکہ
موسم بہار کی دعوت کئے ہوئے ملت ہو گئی ہے۔ بقول بخود اس شعر میں معنی
یہ ہے کہ ایک چیز سے قیمت شراب ادا نہ ہو سکی۔ اس لئے دونوں چیز
کو ملا کر گردی رکھا ہے۔

۴۔ بے صرفہ .. بے فائدہ + کل .. روز قیامت۔ عمر چاہے کتنی

ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ دنیاوی مخصوص کی وجہ سے مملکت نہیں ملتی اور وہ
روٹی گزر جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت خضر بھی کل قیامت کے دن باوجود اتنی
طویل عمر کے یہی کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے۔ یعنی ہم نے کچھ نہیں کیا۔

۵۔ لیتیم .. کنجوس، بخیل + گنج گرانمایہ .. بیش قیمت خزانے۔ اگر مجھے مقدور ہو تو میں زمین سے دریافت کروں کہ اسے کنجوس وہ قیمتی خزانے جو تجھ میں دفن تھے تو نے کیا کئے۔ مطلب یہ ہے کہ تو نے ان خزانوں کو بیکار ضائع کر دیا۔ خود ان سے کچھ فائدہ اٹھایا نہ دوسروں کو اٹھانے دیا۔

اسی : مقدور کا لفظ پتہ دیتا ہے کہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر یہ دولت میرے پاس جمع ہو جائے تو میں لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں اور زمین کو طعنہ دوں کہ آخر تو نے اس قدر خزانوں سے کیا کام کیا۔ یا کسی کو فائدہ پہنچایا۔ دیگر شارحین گنج گرانمایہ سے وہ لوگ مراد لیتے ہیں جو زمین میں دفن ہیں۔

۶۔ ہر روز دشمنوں نے ہم پر تہمتیں اور الزام لگائے اور ہمیشہ انہوں نے ہم پر سخت ترین ظلم کئے۔ تہمت تراشنا اور آدے چلانا میں رعایت ہے۔

۷۔ معشوق بغیر التجا کئے بوسہ دیتا ہے۔ اس بات سے عاشق کے دل میں یہ دہم پیدا ہوتا ہے کہ پہلے تو یہ بات نہ تھی۔ ہم بار بار التجائیں کرتے تھے۔ پھر کہیں جانکر بوسہ ملتا تھا۔ اس خلافِ عادت عنایت سے وہ فوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ کہیں یہ عادت اسے رقیب کی صحبت میں نہ پڑی ہو۔ بہر حال شاعر نے اس شعر میں اس عاشق کی دلی کیفیت دکھائی ہے، جو اس قدر غمگین ہو چلا ہے کہ خوشی میں بھی غم کا پہلو ڈھونڈھو ڈھونڈھو لگتا ہے۔

۸۔ ضد کی اور بات ہے۔ جب اُسے ضد پڑ جاتی ہے تو واقعی وعدہ وفا نہیں کرتا۔ لیکن اس کی عادت بُری نہیں۔ چنانچہ جب کبھی وہ اپنی ضد کو بھول گیا ہے تو اُس نے سینکڑوں وعدے دے دیے ہیں۔

۹۔ ہم نے مان لیا کہ تم اپنے دل کی بات ان سے کہتے رہے اور وہ تمہاری باتوں کو مٹتے رہے۔ لیکن یہ بتلاؤ کہ تمہاری باتوں کا وہ کیا جواب

دیں گے مطلب یہ ہے کہ اوّل تو وہ تمہاری بات کا جواب نہ دیں گے اور اگر بالفرض جواب بھی دیا تو نفی میں ہوگا۔

۱۵۲

رفتارِ عمر قطع رہ اضطراب ہے ۱ اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب سے
مینٹے مے ہے سر و نشاطِ بہار ہے ۲ بالِ تدر و جلوہ موجِ شراب ہے
زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا ۳ نے بھول گئے کی گونہ اقامت کی تاب ہے
جادو بادہ نوشی زنداں کھٹے مش جوت ۴ غافل گمان کہ ہے کہ لبتی خراب ہے
نظارہ کیا حریف ہوئیں برقِ حسن کا ۵ بوش بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے
میں نامراد دل کی تسلی کو کیسے اکروں ۶ مانا کہ تیرے ٹوخت نگہ کامیاب ہے
گنہا اسدِ مسرت پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال جواب ہے

۱۔ رہ اضطراب .. وہ راستہ جو حالتِ اضطراب میں طے ہو + سالی سے مراد عمر۔

جس طرح سال کا حساب گردشِ آفتاب سے طے کرتے ہیں اسی طرح عمر گزیراں کے سال کا حساب رفتارِ آفتاب کے بدلے بقایہ برق سے کرنا چاہئے مطلب یہ ہے کہ انسان کی مدتِ عمر ایک چشمکِ برق کے برابر ہے۔ اس کی عمر کے سال پلک جھپکتے میں گزر جاتے ہیں۔ چونکہ عمر راہِ اضطراب کو طے کر رہی ہے اس لئے برق کو آفتاب قرار دے کر انسان کی عمر کے سالوں کا حساب کرنا چاہئے۔

۲۔ مینٹے مے .. شراب کی صراحی + تدر .. چکر۔

بالِ تدر سے ابر کا استعارہ کیا ہے۔ شراب کی صراحی بہار کی خوشی

میں سرور بہار سے بن گئی ہے اور بال تدر و موج شراب کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔

طباطبائی : نشاط بہار میں بینائے سبز رنگ کشیدہ بالا سر و کا انداز دکھارہا ہے اور شراب سرور و ش کی لہریاں تدر و کی جھلکی دکھا جاتی ہے حاصل یہ ہے کہ صحبت شراب میں تماشائے باغ کا مزہ آ رہا ہے۔

۳۔ پاشنہ .. ایڑی + ثبات .. استقلال و پائندگی + گوں .. مراد ہمت۔

پاشنہ ثبات کی ایڑی زخمی ہو گئی ہے۔ اب میدان عشق میں نہ بھل گئے کی ہمت ہے اور نہ ٹھہرنے کی قوت۔ مطلب یہ ہے کہ ایڑیاں رگڑنے کی نوبت آ گئی ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے۔

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
زیبا کہا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرائے ہے مجھ سے

۴۔ جاداد .. یعنی جماداد + گیتی خراب .. آوارہ + بے سرو سامان .. بالکل مفلس + شش جہت .. تمام دنیا۔

غافل تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم زندہ لوگ بالکل بے سرو سامان اور آوارہ ہیں۔ نہیں حقیقت یہ ہے کہ تمام دنیا زندوں کی بادہ نوشی کی جاگیر ہے۔ نشہ کی ترنگ زند کو بادشاہ بنا دیا کرتی ہے۔

طباطبائی : بادہ سے عرفان اور رند سے عارف مراد ہے اور عالم کے خواب و دوران ہونے سے یہ مطلب ہے کہ کوئی صالح و بدتر اس کے زعم میں نہیں ہے جو شخص جلوہ حقیقت سے غافل ہے (بخود رسعید)

۵۔ حریف .. مقابل۔

نظارہ میں یہ طاقت نہیں کہ اس برقِ شمس کا نظارہ کر سکے۔ جس کے جلوہ کے لئے جوش بہار نقاب بن گئی ہے۔ یعنی بہار کی رنگینی کا جوش نقاب کا کام دے رہا ہے۔ یا اس کے جلوہ میں اس قدر جوش بہار ہے کہ اُس نے جلوہ کو چھپا لیا ہے (آہی - حسرت) ۵

نظارہ نے بھی کام کیا داں نقاب کا مستی سے ہرگز ترے رخ پر بکھر گئی طباطبائی: عالم اجسام کا ظہور حسن شاہد حقیقی کے لئے حفاظت کا عہد ہے اس کو نظر کیونکر دیکھ سکتی ہے۔ نظر جب پڑے گی نقاب ہی پر پڑے گی۔ یعنی آنکھ جب دیکھے گی اجسام ہی کو دیکھے گی۔ جوش بہار ظہورِ عالم سے استعارہ ہے۔ اور نقاب اسے اس وجہ سے کہا کہ جس طرح نقاب چہرے کی آواز کو لپکتی ہے۔ اسی طرح تماثلئے عالم اجسام صوفیہ کے نزدیک عالمِ لاہوت تک جانے سے مانع ہے (بیخود)

۶۔ نامراد کا تعلق دل اور میں دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

کہتے ہیں میں مانتا ہوں کہ میری نگاہ تیرے دیدار سے لطف اندوز ہوتی رہی ہے لیکن میں اپنے دل نامراد کو تسلی کیونکر دوں، وہ کسی اور چیز کا طلبگار ہے۔ یعنی دل کو تسلی محض دیدار سے نہیں ہو سکتی۔

آہی: میں نے مان لیا کہ چشمِ تصور سے میں سہ وقت تم کو دیکھ رہا ہوں۔ یاہوں ہی تمہارے رخ پر میری نگاہیں پڑ رہی ہیں مگر میں تو نامراد ہوں۔ اس سے بھی میری مراد بر نہ آئی۔ یعنی دل کی تسلی نہ ہوئی۔ ایک اور جگہ لکھا ہے ۵ قلم نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا نہ مانے دیدار جو تو کیونکر ہو ۷۔ گزرا ۰۰ باز آیا۔

یار کا پیغام آنا یقیناً مسرت بخش ہے۔ لیکن میں ایسی خوشی سے باز آیا۔

کیونکہ میں قاصد کا ان سے سوال و جواب کرنا برداشت نہیں کر سکتا۔ شاعر کے نزدیک معشوق کا قاصد سے ہمکلام ہونا ناقابل برداشت رشک ہے اس لئے وہ پیغام یار ہی سے درگزر -

۱۵۳

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے ۱ میں اسے دیکھوں بھلا کون مجھے دیکھا جائے ہے
ہاتھ دھوئل سے بھی گرمی گراں درشیں ہے ۲ ابگینہ تندی صبا سے پھیلا جائے ہے
غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے ۳ گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو خراب جائے ہے
شوق کوے لت کہ ہر دم نالہ کھینچے ہلے ۴ دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
دور چشم بدتری بزم طرب سے واہ واہ ۵ نغمہ ہو جاتا ہے واں گراںذیل جائے ہے
گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ و زارِ عاشق ۶ برسم ایسے کھوئے جلتے ہیں کہ وہاں جائے ہے
اُس کی بزمِ آرمائیاں سن کر دل بخوریاں ۷ خزل نقشِ دہلے غیر بیٹھا جائے ہے
ہوئے عاشق وہ یری رُخ اور نالاک ہو گیا ۸ رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑا جائے ہے
نقش کو اُس کے منور پر بھی کیا کیا ناز ہیں ۹ کھینچتا ہے جس قدر کہ اسی کھینچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسد

پاس مجھ آتش بچاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

۱- انتہائے رشک یہ ہے کہ عاشق کو اپنے سے رشک پیدا ہو گیا ہے اور وہ یہ گوارا نہیں کرتا کہ نوہ اس کو دیکھے، اس لئے اپنی قسمت پر افسوس کرتا ہے کہ رشک نے اسے دیوار سے بھی محروم کر دیا۔ رشک کے مضمون غالب نے ہر جگہ بڑھ چڑھ کر بیان کیے ہیں مثلاً ۵

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرتے ہیں مگر اُن کی تمنا نہیں کرتے
تکلف بہر طرف نظرِ ارغی میں بھی سہی لیکن وہ دیکھا جائے کہ غلام دیکھا جائے ہے مجھ سے

۲۔ گرمی اندیشہ سے اندیشہ و فکر کا وہ اثر مراد ہے جو دل و دماغ کو بے چین اور معطل کر دیتا ہے۔ اسے تندہی صہیا سے اور دل کو آگینہ سے تشبیہ دی ہے۔ اگر اندیشہ (فکر) میں ہی گرمی ہے تو دل سے ہاتھ دھو لیجئے۔ کیونکہ دل یہ گرمی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایسی تندہی شرب ہے کہ شیشہ دل اس سے پگھلا جاتا ہے۔

۳۔ حالی: یہ شعر معاملہ ہے جو طالب و مطلوب کے درمیان اکثر گزرتا ہے اور شاعرانہ نزاکت و دوسرے مصرعے میں پائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے جی آتی اور شرابا جانا درحقیقت ایک ہی چیز ہے۔ پھر اس کے کیا معنی؟ کیا یہ بھی آتی ہے تو شرابا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس مقام پر حیا آنے کا متعلق اور ہے اور شرابا جانے کا متعلق اور۔ اگر حیا بھی اس کو آتی ہے یعنی غیر کی گستاخی اور خواہش بے جا سے اور شرابا جلتے ہے یعنی غیر سے یا اس کے ساتھ مکمل کر کے۔

آئنی: (۱) غیر کو چھیرنے اور گستاخی کرنے سے اُسے شرم آتی ہے تو وہ اس شرم سے بھی شرابا جاتا ہے (۲) اس کو شرم منور آتی ہے مگر وہ شرم لینے سے بھی شرابا ہے۔

۴۔ لت .. بُری عادت۔

اُدھر شوق کو یہ بُری عادت پڑی ہے کہ وہ ہر دم نالہ کشی کا تقاضا کرتا ہے اور اُدھر کمزوری اور ناتوانی کے سبب سے دل کی یہ حالت ہے کہ وہ سانس تک لینے کی تکلیف سے گھبراتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سانس لینے کی طاقت نہیں۔ نالہ کیسے کروں۔

آئنی نے ”دسرا مضمون“ یہ لکھا ہے جیسا میرا شوق دیوانہ ہے۔ ایسا ہی

دل ہے کہ میں دم لیتا ہوں۔ یعنی ذرا مالہ کشی سے باز رہتا ہوں تو گھبرا جاتا ہے۔ نثرین
دونوں یکساں ہیں اور میری حالت تہاہ کر رہے ہیں۔

۵۔ خدا تیری بزم مسرت کو نظر بد سے بچائے۔ اس کی تاثیر ایسی ہے کہ
اگر میں نالہ کرتا ہوں تو وہاں پہنچ کر غم نہ بن جاتا ہے۔
ہم شہین مست کہہ کر بزم کر نہ بزم عیش و مست۔ داں تو میرے نالے کو بھی اعتبار نغمہ ہے
طبایط بائی نکٹھے ہیں کہ اس اثر سے مقصود تشنوع ہے۔ یعنی میرے نالے سے
تو خوش ہوتا ہے۔

۶۔ ہم اس پر عاشق ہیں۔ لیکن اپنا عشق اس پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے کہ
کہیں وہ ہم پر ظلم و ستم نہ کرنے لگے۔ اس لئے ہم نے طرزِ تغافل اختیار کر لی ہے
تاکہ وہ رازِ عشق کو معلوم نہ کر سکے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ جب ہم اسکے سامنے
جلتے ہیں تو بالکل کھوئے جاتے ہیں اور وہ ہماری غیر حالت دیکھ کر ہمارے عشق کو
پا جاتا ہے (حسرت ہم خیال) اس سے ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں۔
کل تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چڑھا گئے کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے
سعید: اگرچہ معشوق کے طرزِ تغافل سے ہمارے عشق کی پردہ پوشی ہوتی
ہے۔ لیکن اس کے تغافل سے مجھے ایسی شرمندگی ہوتی ہے کہ لوگ تاراج کرتے
ہیں کہ اس کو ضرور عشق ہے۔

طبایط بائی، بخود، آتھی: اگرچہ وہ ہمارا رازِ عشق پھیلانے کے لئے ہم
سے اپنی بزم میں تغافل برت رہا تھا مگر واسطے بر حال ماکر اس تغافل سے
ہم حیران و پریشان ہو جاتے ہیں اور وہ اس کو سمجھ جاتا ہے مجبوراً اس کو ہم پر
ستم کرنا پڑتا ہے۔

۷۔ بیٹھنا کا تعلق دو لفظوں سے ہے۔ یعنی ایک تو بیٹھنا نقشِ مہتاب سے

کا یعنی رقیب کا مدعا برآیا۔ دوسرے عاشق کے دل کا بیٹھنا بے طاقتی اور مایوسی کے سبب ہے۔

جب میں اغیار کے ساتھ اس کی بزم آرائیوں کا حال سُنتا ہوں تو میرا دل رنجور یہاں اس طرح بیٹھتا ہے جیسے رقیب کا نقش بزمِ یار میں بیٹھتا ہے۔۔۔ بخود لکھتے ہیں کہ اس طرح جیسے رقیب کی وفا کا سکہ اس کے دل پر بیٹھتا ہے۔

۸۔ عشق میں رنگ سفید ہونے کو رنگ کے کھٹنے سے تعبیر کیا ہے۔ کہتے ہیں وہ پری دش عاشق ہو کر اور بھی زیادہ حسین و نازک بن گیا۔ زیادہ حسین اس لئے بنا کہ اس کا رنگ اُڑ کر ادھل گیا اور نزاکت اس لئے بڑھی کہ وہ عشق کے صدمے سے کمزور ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق عموماً لوگوں کی شکل بگاڑ دیتا ہے۔ لیکن معشوق کا عشق سب سے نرالا ہے کہ اس سے حسن و خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا۔

۹۔ اس کی تصویر مصوّر سے کیا کیا نا ذکر کرتی ہے۔ وہ جس قدر اُسے کھینچتا ہے تصویر اس سے اتنی ہی کھینچتی چلی جاتی ہے۔ یعنی کھینچتی نہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ مصوّر کو بھی اپنا عاشق سمجھتی ہے۔ نقش کے ساتھ ”کھینچا جائے ہے“ خاص لطف رکھتا ہے۔

۱۰۔ دود . . دھواں + مجھ سے میرا سایہ اس طرح بھاگتا ہے جیسے دھواں آگ سے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ میں آتش بجاں ہوں۔ میری جان میں ایک آگ لگ رہی ہے اس لئے میرے قریب میرا سایہ جو دھوئیں کی مانند ہے نہیں ٹھہر سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے دل میں عشق کی آگ سلگتی ہے تو وہ لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے سایہ بھی جدا ہو جاتا ہے۔

۱۵۲

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے ۱ تب اماں ہجر میں دی بر دلیالی نے مجھے
 نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم ۲ لے لیا مجھ سے مری بہت عالی نے مجھے
 کثرت آرائی و حدت ہے پرستاری وہم ۳ کر دیا کافران اصنام خیالی نے مجھے
 ہوس گل کا قصور میں بھی کھٹکا نہ رہا ۴ عجب آرام دیا بے پردہ بالی نے مجھے
 ۱۔ نہالی .. فرش - بستر + شکل نہالی .. وہ حسین تصویر جو بستر یا
 فرش پر بنائی جاتی ہے + پردہ .. سردی + لیلی .. جمع میل کی معنی رات۔
 شب ہجر میں شکل نہالی کو دیکھ کر میں نالود فریاد کرنے لگا۔ کیونکہ اسے
 دیکھ کر مجھے اپنے معشوق کی شکل یاد آگئی اور اس خیال نے میرے دل کو چھین
 کر دیا کہ یہ شکل میرے سامنے ہو اور میرا معشوق میرے پہلو میں نہ ہو۔ غرض
 گرمی فریاد کی بدولت مجھے شب ہائے ہجر کی سردی سے امان ملی۔ ورنہ شبِ حیا
 کی سردی میرا غاتہ کر دیتی۔

۲۔ نسیہ .. ادھار، قرض۔

میری عالی ہمتی نے مجھ کو مجھ سے لے لیا گویا میری عالی ہمتی نے یہ گوارا کیا
 کہ میں نقد دنیا اور عقبی کے عیوض پاک جاؤں کیونکہ اُن کی قیمت میری خریداری
 کے لئے کافی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری بلند ہمتی کی وجہ سے میرا رتبہ دنیا
 عقبہ دونوں سے بلند ہے۔ کیونکہ وہ غم کو نین سے مستغنی ہے۔

۳۔ علم قاعدہ یہ ہے کہ لوگ وحدت کو کثرت میں جلوہ گر بتاتے ہیں اور
 کہتے ہیں کہ ہر جگہ اسی وحدت الوجود کا جلوہ ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ یہ خیال
 کرنا وہم پرستی ہے اور انہی اصنام خیالی نے یعنی وحدت کو کثرت میں جلوہ گر
 سمجھنے کے بجائے کافر بنلویا۔ کیونکہ وحدت کو وحدت نہ سمجھنا ہی شرک و کفر ہے۔

۴۔ جب تک پروبال تھے۔ اس وقت تک مجھے ہوس گل تھی۔ لیکن جب پروبال نہ رہے تو مجھے ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا۔ گویا بے پروبالی نے مجھے تمام فکروں سے آزاد کر دیا۔ اور میں آرام سے ہو گیا۔
 نہ لٹاؤں کو تو کب رات کو آرام سے تھا رہا کھٹکانہ چوری کا و عادی تاہوں ہوں کہ

۱۵۵

کار کاہ مستی میں لالہ داغ سماں سے ۱ برق خرمین راحت غول گرم دہقان ہے
 غنچہ ناشگفتن با، برگ عافیت معلوم ۲ باوجود جسمی، خواب گل پریشاں ہے
 ہم سے سبچ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے ۳ درخ پشتِ سبچ شعلہ خس بنداں ہے
 ۱۔ غالب نے اسی تینوں شعروں کی شرح عمود ہندی میں اپنے قلم سے لکھی ہے۔
 فرماتے ہیں۔ درخ سماں شل انجمن وہ شخص کہ داغ جس کا سراپا و سلامی ہو موجودیت
 لالہ کی منحصر نشانی درخ پر ہے۔ ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے۔ بعد اس کے
 یہ کچھ لکھتے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ پویا جاتا ہے۔ دہقان کو جوتے بولنے ہائی دینے
 میں مشقت کئی پڑتی ہے اور ریاضت میں لوگوں کو گرم ہو جاتا ہے۔ معصود شاعر کا یہ ہے
 کہ وہ جو محض رنج و الم ہے اور مزارع کا وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے وہی
 لالہ کی راحت کے خرمین کا برق ہے۔ حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت
 اور صورت رنج ہے۔

حسرت : دہقان کی سعی گل کے خرمین راحت کے لئے برق کا کام دیتی ہے۔
 دیکھو وہ لالہ کے درخت پر اس قدر کوشش کرتا ہے لیکن اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا
 ہے کہ گل لالہ داغ بدل ہو جاتا ہے۔

۲۔ کلی جب نئی نکلے، بصورتِ قلب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول
 بنے برگ عافیت معلوم۔ یہاں معلوم بمعنی معدوم ہے اور برگ عافیت بمعنی

مادی آرام۔ مصروف۔۔ برگ عیش بگور خویش فرست، برگ اور سرود برگ بمعنی ساز و سامان ہے۔ خواب گل و شخصیت گل یا متہار خاموشی و برجاماندگی پریشانی ظاہر ہے یعنی شگفتگی وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہوتا۔ غنچہ بصورت دل جمع ہے با وصف جمعیت دل۔ گل کو خواب پریشانی نصیب ہے۔

طبا طبائی کی تشریح مزید ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔ کلی حیا تکس کھلے کھلے ساز و برگ عافیت کا حاصل ہوتا۔ یعنی آفت سے اس کا محفوظ رہنا کہاں سے معلوم ہے۔ جب یہ حال ہوا تو گل کو باوجود دلجمعی پریشانی ہے اور غنچہ کو دل سے تشبیہ دی ہے اور جمعیت دل کی صورت بھی اس سے ظاہر ہے۔ اسی طرح گل شگفتگی کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا پریشانی کی صورت ظاہر کر رہا ہے۔ اور گل کی خاموشی اور برجاماندگی خواب کا عالم دکھا رہی ہے۔ غرض یہ کہ تینوں حالتیں گل پر طاری رہتی ہیں تو باوجود دلجمعی خواب گل پریشان رہتا ہے اور سب پریشانی کا یہ ہے کہ اندیشہ ہے کہ دیکھئے کہ ساز و برگ عافیت اس دار ہلا میں ممکن ہوتا ہے یا نہیں۔

۳۔ پشت دست، صورت عجز اور حسن ہندیاں اور گاہ بددعاں گرفتار بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ دار غم نہ پشت دست زمین پر رکھ دئی اور شعلہ نے تنکا دانٹوں میں لیا ہو۔ ہم سے رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو۔ ان اشعار کے متعلق مرزا لکھتے ہیں۔ ”ابتداءً شکستہ سخن میں بیدل و اسیر و

شوکت کے طرز ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع ہے۔

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا اسداش خاں قیامت ہے

۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھے گئے۔ دس برس

میں بٹا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوانی کو دور کیا، اوراقِ قلم

چاکل کئے۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوان حال میں رہنے دیئے۔

۱۵۶

اگ رہا ہے درد و دیوار پہ سبزہ غالب ہم سربادیاں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے
یہ موضوع بھی غالب کو بہت مرغوب تھا۔ اسے دوسرے الفاظ میں اس

طرح نظم کیا ہے ۵

اگاہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشہ ۱ مدار اب کھوئے نے پر گھاس کسے ہے میرے دیباں کا
۱۔ گھر میں گھاس اگنا ویرانی کی نشانی ہے۔ لیکن شاعر عالم وحشت میں اسے
بہار قرار دیتا ہے۔ کہتا ہے ہم جنگلوں میں خاک کچھلتے پھرتے ہیں اور ہمارے نہ ہونے
سے گھر اس قدر ویران ہوتا ہے کہ اس کی دیوار پر سرہ اگ آیا ہے۔ گویا بہار اگئی
ہے۔ اس شعر کے مختلف مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) جب گھر میں اس قدر ویرانی
ہے تو پھر سربادیاں میں ہم ناحق پھرتے ہیں (۲) ہم دیوانے ہوئے ہیں کہ گھر
کی بہار چھوڑ کر جنگلوں میں پھرتے ہیں اور بہار کی پروا نہیں کرتے (۳) اپنی
دیوانگی اور بد نصیبی کی تصویر نہایت سادہ الفاظ میں کھینچ دی ہے (۴) یہ
بھی ظاہر ہوتا ہے کہ گھر کو چھوڑے ہوئے تئیں گزند چکی ہیں، اس لئے ویرانی
کے سبب سے گھر جنگل بن گیا ہے (۵) نیز اپنی فائدہ ویرانی دیکھنے کے لئے
اس لئے بے چین ہے جیسے جلوہ بہار دیکھنے کے لئے ہوتا ہے۔

۱۵۷

سلوگی پر اس کی کہ رملنے کی حیرت دل میں ہے ۱ بس نہیں چلتا کہ پھر خجرف ناکل میں ہے
دیکھنا فقرہ کی لذت کہ جو اس نے کسا ۲ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
گرچہ ہے کس کس بٹائی سے لے بایں ہمہ ۳ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
بس بچویم نا امیدی خاک میں مل جائے گی ۴ پر جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

سج رہ کیوں کھینچے وہ اندکی کو عشق ہے ۵ اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
جلوہ نادر آتشِ دو رخ ہمارا دل بھی ۶ فتنہ شوقِ قیامت کس کی آبِ گل میں ہے
ہے دل شوریۂ غالبِ طلسمِ بیچ و تاب
رحم کر اپنی تنہا پر کہ کس مشکل میں ہے

۱۔ میرے دل میں حسرت ہے کہ میں ان کی سادگی پر جان دیدوں۔ گئیے حسرت
پوری ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ قتل کرنے کے لئے ان کے ہاتھ میں خنجر ہے۔
جب خنجر سے قتل کر دیئے تو پھر میں سادگی پر کیسے جان دوں گا۔ گویا مجھے کشتہ خنجر
ہونا پڑ گیا اور دل کی حسرت نہ نکلے گی۔

طبیبِ طباطبائی: سادگی سے یہاں ترکِ زینت و آرائش مراد ہے جو کہ بے تلوار
کے قتل کرتی ہے۔ یعنی بے تلوار باندھے رہے جو عالم اس پر ہوتا ہے میں اس کی
انداز پر گلا کاٹ کر مر جانے کی حسرت میں ہوں۔ لیکن وہ گلا کاٹنے نہیں دیتا اور
خنجر اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ خنجر اس کے ہاتھ میں ہونے سے دو جہوں سے
حسرت نہیں نکل سکتی۔ ایک تو یہ کہ جب خنجر اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ سادگی
کہاں رہی۔ جس پر ہم جان قربان کرتے تھے اور پھر کے لفظ سے یہ معنی نکلتے ہیں
کہ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے کہ ہم گلا کاٹتے تھے، مگر اس نے خنجر ہاتھ میں لے لیا
کہ پھر نہ وہ سادگی باقی رہی۔ جس انداز پر ہم جان دیتے تھے نہ خنجر ہی پر ہم قابو
پاسکے (یعنی خود آستی)

حسرت (۱) میرے ہم خیال (۲) اس کی اس سادہ لوحی پر مر جانے کی حسرت
ہے جو ہم کو خنجر سے مارتا چاہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ میں بغیر خنجر ہی
شہید کر سکتا ہے۔

۲۔ حالی: کسی کے حسنِ بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ

جو بات قافلے کے ٹنڈے سے نہ نکلے وہ سامعہ کے دل میں اس طرح اتر جائے کہ اُس کو یہ شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی (مستند: حسرت، بخود) آئی: (۱) ہم خیال عالی (۲) جو بات وہ کہتا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ اسی بات کے ٹنڈے کی مجھے حسرت ہے (۳) اس کی ہر بات اتنی دلفریب ہے کہ اس کے ہونٹوں سے نکلتے ہی میرے دل میں اتر جاتی ہے۔

۳۔ عاشق اپنے دل کو تسلی دیتا ہے کہ میرا ذکر مجھ سے بہتر ہے کہ ان کی محفل میں ہے، اگرچہ بہت بُرائیوں کے ساتھ ہے۔ مگر یہ بھی کیا کم شرف ہے کہ وہاں مذکور ہے۔ کیونکہ میں تو باوجود کوششوں کے وہاں تک نہیں پہنچ سکا۔ ۴۔ اسے ہجوم ناامیدی! بس میں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لذت جو میں سعی بے حاصل میں ملتی ہے، اپنا مال ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ساری سعی و کوشش بیکار ہے۔ پھر بھی ہمیں اس میں ایک قسم کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ بقول طباطبائی ناامیدی کی حالت بُری اور سعی گوبے نیل و مرہم ہو مگر لذت سے خالی نہیں۔

۵۔ رنجِ رہ .. راستے کی تکلیفیں + داماندگی .. تھکان۔

داماندگی کو میرے قدم سے عشق ہو گیا ہے اور وہ نہیں چھوڑتی کہ میں منزل مقصود کی طرف جاؤں بلکہ منزل کے راستے کی تکلیفیں اٹھاؤں، اس لئے جو قدم بناؤ منزل میں رکھتا ہے، داماندگی کی بدولت وہیں کلاہیں پڑا ہے۔ حسرت: ”چونکہ داماندگی سے ہمارا عاشقانہ تعلق ہے اس لئے ہمارا جو قدم اٹھ نہیں سکتا (یعنی داماندہ ہے)، وہ گویا منزل میں ہے یعنی اپنے مقصد کو پہنچ چکا ہے پس پھر ہم رنجِ راہ کیوں اٹھائیں؟“

سعی کرنے والوں کو یہ معلوم لگے ہیں۔ آئی حسرت کے ہم خیال ہیں طباطبائی

(۱۱) میرے ہم خیال (۲)، ہم دامادگی کے نیاز مند ہیں کہ اس کی بدولت اٹھ نہیں سکتا ہمارا بوقدم منزل میں ہے۔

۶۔ معشوق عاشق سے کہتا ہے کہ تمہارے دل میں دوزخ کی آگ بھری ہوئی ہے۔ عاشق جواب دیتا ہے کہ اچھا یونہی سہی کہ ہمارا دل جلوہ نازِ دوزخ ہے مگر صہبائی ذرا کریہ بتلائیے کہ فتنہ شورِ قیامت کس کے خمیر میں ہے۔ یعنی اگر میرا دل جلوہ نازِ دوزخ ہے تو تمہارا خمیر بھی تو فتنہ شورِ قیامت سے اٹھایا گیا ہے۔ اس شعر میں نکتہ یہ ہے کہ آتشِ دوزخ قیامت ہی کے دہی بھر کاٹی جائیگی۔

۷۔ غالب کا دلِ شوریدہ ایک طلسم بیچ و تاب بنا ہوا ہے اور تمہاری تمنا اس میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس لئے تم اپنی تمنا پر رحم کرو اور اسے اس طلسم بیچ و تاب سے نکال لو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم غالب پر رحم نہیں کرتے تو نہ کرو لیکن اپنی تمنا پر تو رحم کرو کہ وہ سخت مشکل میں پھنسی ہوئی ہے۔ خوبی اس شعر میں یہ ہے کہ تمنا اپنی نکالنا چاہتے ہیں، لیکن اسے معشوق کی تمنا قرار دے کر معشوق کو آمادہ کرتے ہیں کہ اپنی تمنا پر رحم کرے۔ اس شعر میں تمنا بر آنے کا مضمون بالکل نئے انداز سے ادا کیا گیا ہے۔

۱۵۸

دل سے حری نگاہ جگرتک اتر گئی ۱ دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی
 شمع ہو گیا ہے سینہ خوشالذاتِ فراق ۲ تکلیف پرودہ داری زخمِ جگر غمی
 وہ ہادہ شبانہ کی سرستیاں کہاں ۳ اٹھئے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر غمی
 اڈتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار ۴ باسے اب لے ہوا ہوسِ پالِ دیر غمی
 دیکھو تو دلفریبی اندازِ نقشِ پا ۵ موجِ خرامِ یار بھی کیا گلِ کست غمی
 ہر فوٹوس نے سخن پرستی شعار کی ۶ اب آبروئے شیوہ اہل نظر غمی

نظارہ نے بھی کام کیا اور نقاب کا ، مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر کھر گئی
 فردا دوسری کا تفسر قریب ہارٹا گیا ۔ کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی
 مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں

وہ دلو لے کہاں وہ جوانی کہ کھر گئی

۱۔ تیری نگاہ کا تیرا دل کو چیرتا ہوا جگت تک پہنچ گیا۔ چونکہ دل و جگر دونوں
 تیر نگاہ سے زخمی ہونے کے آئندہ مند تھے۔ اس لئے وہ دونوں اس اسدا
 سے خوش ہو گئے۔

۲۔ عاشق کو زخم جگر کی پردہ داری سے سخت تکلیف تھی۔ جب اس
 کا سینہ شق ہو گیا تو اس کو عجب سرور حاصل ہوا۔ کیونکہ اسے زخم جگر کو چھپا
 رکھنے کی تکلیف سے نجات مل گئی اور وہ کھلم کھلا لذتِ فراق کے لطف
 اٹھانے لگا۔

۳۔ وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں ختم ہو گئیں جب ساری ساری رات
 شراب نوشی میں مشغول اور ہست رہا کرتے تھے۔ جب صبح کی ٹھنڈی ہوا ملتی
 تو بیخبر ہو کر سو جاتے اور نیند کے لطف اٹھاتے تھے اب اب بیدار ہو جائیے
 کہ وہ لذتِ خواب سحر جاتی رہی۔

طیبا طبائی؛ اگر اس شعر کے الفاظ معنی حقیقی پر محمول کریں تو کچھ لطیف
 نہیں۔ غالباً مصنف کو استعارہ مقصود ہے۔ یعنی بادۂ شبانہ سے نشہ ثبات
 اور سحر سے سری کا استعارہ ہے اور اٹھنے کا خطاب اپنے نفسِ فاضل کی طرف
 ہے۔ جہ شارحین نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

۴۔ بقول طبایا طبائی یہ مضمون بہت ہی پامال ہے اور غالب کے مرتبہ
 کلام سے گرا ہوا ہے۔ مضمون پامال سی۔ طرز بیان نے اسے بلند کر دیا ہے۔

ہوا کہ خطاب کر کے کہتے ہیں کہ اے ہوائیں تیرا منہ ہوں کہ تیری اس
مہربانی کی بدولت میرے دل میں سے بال و پر کی ہوس جاتی رہی۔ اگر تو یہ جانتی
مجھ پر صرف نہ کرتی تو پھر مجھے بال و پر کی آندہ ہوتی کہ آؤ کہ اس کی گلی میں جاؤں
اور اپنی دیرینہ آندہ دہری کروں۔

۵۔ گل کترنا.. شگوفہ چھوڑنا، یعنی کوئی ایسی بات کرنا جس سے فساد
پیدا ہو اور آپ الگ رہیں۔ خرام یا ر کی موج اس لئے کہا ہے کہ موج کے
تحرک سے سطح آب پر نقش پیدا ہو جاتے ہیں (۱) کہتے ہیں۔ جہاں جہاں سے
موج خرام یا ر گزری ہے وہاں گل بکھیرتی چلی گئی ہے۔ گویا اس کے نقش قدم
دیکھنے والے اُن پر فنا ہو رہے ہیں (آستی)

(۲) موج خرام یا ر بھی کیا گل کتر (شگوفہ چھوڑ) گئی ہے کہ اس کے
دلفریب نقوش دیکھ کر عشاق و اغیار میں باہم فساد ہو رہا ہے یا اس کا
نقش قدم ایسا دلفریب ہے کہ دنیا اس کے پھنسے میں پھنسی ہوئی ہے
(رسید) بخود نے دونوں مفہوم لکھے ہیں۔

۶۔ بواہوس .. ہوس پرستی۔

حسن پرستی اصل میں اہل نظر کا شیوہ تھا کہ وہ حسن کی خوبیاں دیکھ کر
اس کی قدر کیا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں ہوس پرستوں نے حسن پرستی
اپنا شعار بنا لیا ہے۔ چونکہ ان کا عشق صادق نہیں ہوتا۔ ہوس پرستی پر
مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے اہل نظر یعنی عشاق صادق کا اعتبار اور وقار بھی ہٹا
رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن پرستی اب معزز لوگوں کا شیوہ نہیں رہا بلکہ
ایسے ویسے لوگوں کا پیشہ ہو گیا ہے۔ اس لئے اہل نظر کے عشق صادق کی
قدر جاتی رہی ہے۔

۷۔ میری نگاہ تیرے رخ پر پہنچ کر ایسی خود رفتہ اور بدست ہوئی کہ وہ بکھر گئی اور بکھر جانے سے وہ دیدار میں مانع ہوئی۔ گویا نگاہ بکھر جانے اور مانع دیدار ہونے سے نقاب بن گئی۔

نگاہ کو تار سے تشبیہ دی ہے اس مضمون میں ندرت یہ ہے کہ تار نگاہ کے بکھر کر مانع دید ہونے سے نقاب کا تصور پیدا ہوا کیونکہ نقاب بھی تاروں سے بنائی جاتی ہے۔

۸۔ دی .. گزشتہ کل + فردا .. آنے والی کل۔

۱) حالی : کہتا ہے کہ تمہارے جلتے ہی بسبب خود رنگی و خود فراموشی کے یہ حالت ہو گئی کہ آج اور کل کی مطلق تیسر نہیں رہی اور ایسا ہی قیامت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں ماضی و مستقبل دونوں تبدیل یہ زمانہ حال ہو جائیگا پس تم کیلئے گویا ہم پر قیامت گزر گئی۔ قیامت گزر جانے کے دو معنی ہیں۔ نہایت سختی کا زمانہ گزر جانا اور خود قیامت کا آ جانا۔

(۲) سیدھے اور صاف معنی یہ ہیں کہ کل جب تم ہمارے پاس سے چلے گئے تو ہماری ایسی بُری حالت ہوئی کہ قیامت ہی برپا ہو گئی اور اس حالت میں فردا وہی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا۔ گویا گزشتہ کل ہی میرے لئے فردائے قیامت بن گئی راستی، سقیم

۹۔ افسوس صد افسوس اسدا اللہ خاں تمہیں زمانے نے مار ڈالا۔ یعنی محبت کی بدولت تم موت آنے سے پہلے مر گئے۔ اب وہ تمہارے جوش اور دلولے اور جوانی کیا ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ سب غارت ہو گئے۔ طباطبائی : نام کے ساتھ خاں کا لفظ لالنے سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ کسی زمانے میں قوت و سطوت حاصل تھی، جواب نہیں رہی۔

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر سے ۱ حورِ اینِ خلد میں تری صورت گرے
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل ۲ میرے پتے سے عشق کو کیوں تیرا گھر سے
 ساقی گری کی مشرم کہ آج ورنہ ہم ۳ ہر دم پیاسی کرتے ہیں جس قدر سے
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم ۴ میرا سلام کیسے اگر نامہ برسے
 تجھ کو بھی ہم دکھائیں کہ مجھوں نے کیا کیا ۵ فرصت کشاکش غمِ نہاں سے گرے
 لازم نہیں کہ حضرت کی ہم پیروی کریں ۶ جان کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر سے
 اے ساگنای کو چہ دلدار و یکسا

تم کو کہیں جو غالبِ آشتیہ سر سے

۱۔ تسکینِ قلب اس طرح ہو سکتی ہے کہ تو مل جائے اور ذوقِ نظر سے
 یہ مطلب ہے کہ تو نہیں تو کوئی تیرا ہم شکل ہی مل جائے اور اسے دیکھ کر ہمارا
 ذوقِ نظر پورا ہو جائے۔ کہتا ہے۔ اگر جنت میں ہمارا ذوقِ نظر پورا ہو جائے
 تو ہم تسکینِ قلب کا ماتم نہ کریں اور اسی پر قناعت کر لیں۔ مگر مصیبت یہ
 ہے کہ بہشت میں کوئی حور تیری ہم شکل نہیں۔ اس لئے ہم ذوقِ نظر اور تسکینِ قلب
 دونوں سے محروم ہیں۔

۲۔ مجھے قتل کرنے کے بعد اپنی گلی میں دفن نہ کر، کیونکہ رشک کی وجہ
 سے مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرے مدفن کے پتے سے لوگوں کو تیرا گھر ملے۔ اس
 شعر کے کئی پیلو ہیں۔ مثلاً (۱) لوگ یہ کہیں گے کہ جس گلی میں غالب کی قبر
 ہے وہاں فلان شخص ہے (۲) اس سے تیرے قاتل ہونے کا حال معلوم ہو گیا
 (۳) اور تجھ سے مواخذہ ہو گا (۴) تیری بدنامی ہو گی (۵) تیرے نام کے ساتھ
 میں اپنا ذکر پسند نہیں کرتا (۶) مجھے عشق میں قتل ہونے سے شہرت

مطلوب نہیں۔

۳۔ ویسے تو ہر شب کو جتنی تھوڑی بہت شراب مل جاتی ہے، ہم پانی ہی لیتے ہیں۔ لیکن آج تم ساقی بنے ہو، اپنی ساقی گری کی لالچ رکھو۔ اور خوب جی بھر کر پلا دو۔

حسرت : مے باندازہ حوصلہ دو۔

آہی : ساقی دو چار جام پلا چکا ہے اور ان کا دل سیر نہیں ہوا بار سوال جاری ہے۔ وہ کہتا ہے کس جتنی تو پیتا ہے، اس کے موافق ہم تجھے پلا چکے اب نہ دینگے۔ یہ کہ ساقی گری کی الم...

۴۔ غالب ایک خط میں اس کی شرح لکھتے ہیں :- شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت ہوئی۔ مگر کھٹکایہ کہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا اور اس نے عاشق سے کہا کہ آدمی معتد اور معتدالیہ ہے۔ میں ضمانت ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضا عاشق کا گمان بچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر دالہ شیفٹ ہو گیا۔ کیسا خط، کیسا جواب، دیوانہ پن کپڑے پھاڑ جنگل کو چل دیا۔ اب عاشق اس واقعہ کے بعد نیرم سے کہتا ہے کہ غیب جان تو خدا ہے کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر ہے۔ اس نیرم تجھ سے کچھ کلام نہیں۔ لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو میرا سلام کہیو کہ کیوں صاحب کیا کیا دھوئے عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے اور انجام کا رکھا ہوا۔

۵۔ کہتے ہیں اگر غم پنہاں کی کشاکش سے میں نجات مل جائے یعنی اگر غم دل ہماری روک تھام نہ کرے تو پھر ہم تمہیں بتائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا۔ اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ”مجنوں نے کیا کیا“ کا معنی غیو ہے۔ مثلاً یہ کہ ہم مجنوں کی طرح

جنگل میں نکل جائیں اور محضوں کا توبہ ہی کر دکھائیں یا یہ ثابت کر دکھائیں کہ
محضوں نے کچھ نہ کیا تھا اور ہم کچھ اس سے بڑھ چڑھ کر کر سکتے ہیں۔

نتیجہ: غم پنہاں سے اپنی پردہ درسی اور رسوائی کا خیال ہے کہ وہ
ہیں جنگل کی طرف جانے سے روکتا ہے اور کھینچ کھینچ کر واپس لے آتا ہے
ورنہ ہم تمہیں دکھاتے کہ مجھوں نے عاشقی کو کس حد تک ترقی دی ہے۔

۴۔ خضر بھٹکے ہوئے مسافروں کی رہنمائی کرنے میں مشہور ہیں کھتے ہیں
ہم پر یہ لازم نہیں آتا کہ ہم حضرت خضر کی پیروی کریں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ
راہ سلوک میں ہم گامزن تھے اور اس سفر میں ہیں ایک بزرگ ہم سفر ملے
تھے جو حضرت خضر کہلاتے تھے مطلب یہ ہے کہ جیسے ہم بھٹکے ہوئے تھے
ایسے ہی خضر بھی تھے، ہمارا مرتبہ سلوک ان سے کچھ کم دتے۔

۵۔ اے ساکنانِ کوچہ و دلدار، اگر تمہیں کہیں غالب خستہ
چلتا پھرتا یا گمراہ پڑا مل جائے تو ذرا دیکھنا کہ اس کی کیا حالت ہے یا اس
کا خیال رکھنا۔

۱۶۰

کوئی دن گر زندگی اور ہے ۱ اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں ۲ سوڑ غمہائے نہانی اور ہے
مار مار دیکھیں ہیں اُبی کی رنجشیں ۳ پر کچھ اب کے سرگشتی اور ہے
دے کے خطائے دیکھتا ہے نامبر ۴ کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم ۵ وہ بلائے آسمانی اور ہے
ہو چکیں غالبِ بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگسائی اور ہے

۱۔ طباطبائی: بندش کی خوبی اور محاورہ کے لطف نے اس شعر کو سنبھال لیا، ورنہ آخری مصرعہ مبہم ہے۔ حسرت، اتخوذ اور سجد اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ کچھ روز اور زندگی ہوئی تو ہم ترکِ محبت کی کوشش کریں گے۔

غالب نے اپنے ایک خط میں اس شعر کی شرح ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ ”اس شعر میں کوئی اشکال نہیں ہے، جو لفظ ہیں وہی معنی ہیں شاعر اپنا مقصود کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا؟ یہم کہتا ہے کہ میں کچھ کر چکا خدا جانے شہر یا ذرا شہر میں تکیہ بنا کر فقیر ہو کر بیٹھ رہے یا دس چھوڑ پھر دیں کو چلا جائے۔“ (سجد)

آسی: حقیقتاً دوسرا مصرعہ بہت سے معانی پیدا کرتا ہے جو عین فصاحت ہے۔

۲۔ حق یہ ہے کہ آتشِ دوزخ میں بہت گرمی ہے۔ لیکن اس میں ایسی گرمی نہیں جیسی کہ سوزِ غم ہائے نہانی میں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوزِ غم آتشِ دوزخ سے زیادہ سوزت ہے۔

۳۔ سرگلتی .. رخس، خٹکی۔

ہم نے ان کی رنخشیں اور خٹکیاں یاد یاد رکھی ہیں۔ لیکن اب کی مرتبہ ان کی خٹکی کسی اور ہی قسم کی ہے۔ گویا یہ خٹکی ایسی نہیں کہ پھر صفائی ہو جائے۔

۴۔ نامہ بر نے ان کا خط مجھے دے دیا ہے، لیکن وہ خط دے کر میرا مُنہ تک رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے علاوہ ان کا کچھ نہ بانی پیغام بھی ہے جسے پہنچانے میں وہ بھٹکیا رہا ہے۔

بقول طباطبائی شاید کچھ گالیاں بھی کہلائی بھی ہیں کہ ان کو دہرانے میں

وہ حجاب کرتا ہے یا بقول اُسی یہ کہہ دیا ہے کہ اب تو میں نے جواب دے دیا ہے، آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھنا۔

۵۔ قاطع .. قطع کرنے والے + اعمار ... جمع عمر کی + نجوم .. ستارے
بلائے آسمانی .. مراد معشوق۔

اکثر ستارے عموں کو قطع کرنے والے ہیں۔ یعنی اُن کے اثرِ بد سے انسان مر جاتا ہے۔ لیکن جس بلائے آسمانی (ستمگد معشوق) سے میرا سابقہ بڑا ہے، وہ ان ستاروں سے بھی زیادہ تباہ کن ہے جو قاطع (زندگی) ہیں مطلب یہ ہے کہ معشوق عمر قطع کر کے مصائب کا خاتمہ نہیں کر دیتا بلکہ وہ زندگی کو موت سے بدتر بنا دیتا ہے۔

۶۔ مرگِ ناگہانی .. وہ موت جو بہن کے ایک دم آجائے۔
کہتے ہیں سب بلائیں ہم پر ختم ہو چکیں اور ہم نے انہیں برداشت کر لیا۔
اب فقط مرگِ ناگہانی باقی رہ گئی ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ یہاں مرگِ ناگہانی سے محض موت مراد ہے۔ چونکہ موت کہہ کر نہیں آتی بلکہ ناگہانی آتی ہے۔

۱۶۱

کوئی امید بر نہیں آئی ۱ کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے ۲ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی ۳ اب کسی بات پر نہیں آتی
جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ زہد ۴ پر طبیعتِ ادھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپچپ ۵ ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
کیوں نہ چنچن کر یاد کرتے ہیں ۶ میری آواز گر نہیں آتی
دایرِ دل گر نظر نہیں آتا ۷ جو بھی اسے چاہے گر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ۸ کچھ ہماری خبر نہیں آتی
 موتے ہیں آرزو میں مرنے کی ۹ موت آتی ہے پر نہیں آتی
 کہے کس منہ سے جاؤ گے غالب
 شرمِ تم کو مگر نہیں آتی

۱۔ نہ تو میری کوئی امید برآتی ہے اور نہ امید برآنے کی صورت نظر
 آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عمر نامرادی میں بسر ہو گئی اور آئندہ بھی سی امید
 ہے۔

نہ اتنی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے کہ اتنی امید بھی پوری نہ ہوئی کہ کوئی صورت
 معشوق کے وصل کی نظر آجائے۔

۲۔ موت تو اس لئے نہیں آتی کہ اس کے آنے کا وہی مفروضہ ہے۔ لہذا وہ
 اپنے وقت پر آئیگی۔ لیکن نیند کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ موت تو نہیں ہے کہ وقت پر
 ہی آئیگی۔ اسے تو آنا چاہئے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب موت کا ایک دن مفروضہ ہے تو پھر موت کے خوف
 کی وجہ سے نیند رات بھر کیوں نہیں آتی۔

۳۔ اس شعر کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ بقول طباطبائی میر کو بھی اس
 پر رشک کرنا چاہئے۔ کہتے ہیں پہلے یہ حالت تھی کہ کبھی مجھے اپنے حالِ ناز
 پر ہنسی آجاتی تھی کہ میں نے اپنی کیسی شکل بتائی ہے لیکن اب افسردگی کا یہ
 عالم ہے کہ مجھے اپنے حال پر بھی ہنسی نہیں آتی۔

۴۔ طاقت .. عبادت۔

میں عبادت و زہد کے ثواب کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن کیا اکمل اپنی طبیعت
 سے مجبور ہوں کہ وہ اس طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ عبادتِ خواہ مخواہ

سے کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ درجہ ابھی حاصل نہیں ہوا۔

۵۔ کچھ ایسی ہی بات ہے جس کی وجہ سے میں بات نہیں کرتا۔ دردیہ بات نہیں کہ میں بات کرتی نہیں جانتا۔ پہلا مصرعہ بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ مثلاً (۱) میرے خاموش رہنے میں کچھ مصلحت ہے جسے میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا (۲) رسوائی معشوق کے خوف سے بات نہیں کرتا (۳) اسے معشوق کے کچھ راز معلوم ہو گئے ہیں (۴) دل گلہ مند ہے، مٹے کھلے گا تو شکایتیں مٹنے سے نیکلتی، شکایتیں مٹ کر وہ ناراض ہو جائے گا (۵) شکایتیں کون سناتا ہے اس لئے خاموش رہنا ہی بہتر ہے (۶) ممکن ہے معشوق ہی نے بولنے سے منع کر دیا ہو (۷) عشق نے منہ پر مہر لگا دی ہو۔

ہمیں عشق میں میرٹھپ لگ گئی ہے نہ شکر و شکایت نہ حرف حکایت ۶۔ اگر میں نہ چھوؤں اور اُن تک میری گریہ وزاری کی آواز نہ پہنچے تو وہ کہتے ہیں آج وہ شور مچانے والا کہاں گیا۔ اس کی آواز نہیں آتی۔ اس کے کئی ایک پہلو ہیں۔ مثلاً (۱) میری ناکہ کشی وہ پسند کرتے ہیں اور اس میں انکو لطف آتا ہے اس لئے میں کیوں نہ چھوؤں۔ (۲) میری گریہ وزاری کو وہ اپنی شہرت کا ذریعہ خیال کرتے ہیں (۳) اگر میں نہیں روتا تو وہ مجھ کو ہلاتے ہیں اور بلا کر نالہ و فریاد کی تاکید کرتے ہیں (۴) مجھ پر ظلم کرتے ہیں تاکہ میں ضرور ناکہ کشی کروں۔

۷۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چارہ گر کو یقین نہیں آتا کہ عاشق کے دل میں داغ ہے، عاشق اس سے کہتا ہے اسے چارہ گر تجھے داغ دل نظر نہیں آتا تو کیا اس کی بو بھی نہیں آتی۔ گوشت جلنے کی بو بہت جلد آ جاتی ہے اس لئے اس سے کہتے ہیں کہ اگر تو دیکھ نہیں سکتا ہے تو کیا تیری قوتِ شام بھی سلب ہو گئی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں استفہام انکاری استفہام اقراری ہی کر طنز

کی صورت پیدا کر رہا ہے۔

آکسی: اے چارہ گر تجھے میری محبت سے انکار ہے تو کیا میرے اندازِ مجنونانہ سے بھی پہچان نہیں سکتا۔

۸۔ اب ہماری خود رفتگی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ ہمیں خود بھی اپنے حال کی کچھ خبر نہیں رہی۔ پھر دوسروں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

۹۔ میں مرنے کی آرزو میں مرا جاتا ہوں۔ یعنی مجھے موت کا بے حد شوق اور انتظار ہے مگر موت نہیں آتی۔ گویا مجھے آرزوئے موت میں موت آتی ہے۔ حقیقی مسنونوں میں میں نہیں مرتا۔ موت کے آنے نہ آنے سے زندگی عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔

یہ خود: رات دن سینکڑوں آدمیوں کا مرنا سنتے ہیں مگر مجھ کو موت نہیں آتی۔

۱۰۔ مگر... شاید۔
غالب: تم خانہ کعبہ کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہو۔ شاید تمہیں وہاں جاتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔ بندہ خدا ساری عمر تو تم نے شاید پرستی، شراب خواری اور قمار بازی میں صرف کی۔ اب وہاں جا کر خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔

۱۴۲

دلِ نادان تھے ہوا کیا ہے ۱ آخراںِ درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار ۲ یا الہی یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منہ میں زباں رکھتا ہوں ۳ کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی مرعہ ہم پھر یہ ہنساں اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں ۵ غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
 شکن زلفِ عسری کیوں ہے ۶ نگہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے
 لالہ و گل کہاں سے آئے ہیں ۷ ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
 ہم کو اُن سے وفا کی امید ۸ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
 ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہو گا ۹ اور درویش کی صدا کیا ہے
 جانِ تم پر نثار کرتا ہوں ۱۰ میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
 معذرت ہاتھ آئے تو مٹا کیا ہے

۱۔ درد سے مراد عشق ہے۔ اپنے دل کو ملامت کرتے ہیں کہ اے نادان
 تجھے ہٹا کیا ہے۔ ہوش کر۔ باز آ جس مرض میں تو مبتلا ہو رہا ہے، اس
 کا کوئی علاج نہیں

دوسرا پہلو یہ ہے کہ تجھے ہٹا ہی کیا ہے۔ جس کا معالجہ کیا جائے۔
 تیسرا مفہوم۔ دل نادان تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اپنا مرض بتلا۔ زیادہ نہ چھپا
 تاکہ میں اس کا علاج کر دوں۔ یا یہ کہ تو اپنی حرکتوں سے باز آئے تو تیرے علاج
 کی طرف رجوع کروں۔

۲۔ حالی؛ گویا ابھی عشق کے کوہِ میں قدم رکھا ہے اور معشوق و عاشق
 میں جو ملا و نیا کی باتیں ہوتی ہیں، اُن سے ناواقف ہے۔ اس لئے باوجود
 اپنے مشتاق ہونے کے بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے۔ بقول بیخود یہ شعر
 بھی مرزا کے نشتروں میں سے ہے۔

آسی: یہ مٹا ہے کہ دل کو دل سے ناہ ہوتی ہے مگر یہاں عجیب حالت
 ہے کہ ہم اس کے مشتاق ہیں اور وہ ہم سے بیزار ہے۔

۳۔ معشوق عاشق سے کوئی بات نہیں کرتا۔ عاشق خاموش رہتا ہے لیکن دل ہی دل میں اُبل رہا ہے اور ٹلا بیٹھا ہے کہ دُرُسا مروج مل جائے تو داستانِ دل کے دفتر کھول بیٹھے۔ آخر یا دوس ہو کر کتا ہے۔ میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں۔ گونگا نہیں ہوں۔ کاش تم مجھ سے میرا دلتے دل پوچھو تو پھر میں اپنی داستانِ ظلم بیان کروں دُستی۔ سعید

یخود و طباطبائی: تم غیروں سے استفسار حال کرتے ہو، مجھے بھی خدا نے زبان دی ہے۔ مجھ سے بھی پوچھ کر دیکھو کہ تیرا مدعا کیا ہے۔

۴۔ یہاں سے اشعار قطعہ بند ہیں۔ اسے خدا جبکہ تیرے سوا کوئی لَوْ موجود نہیں ہے تو پھر یہ ہنگامہ کیا ہے یعنی

۵۔ یہ پری چہرہ اور حسین لوگ کیسے ہیں اور یہ ان کے ناز و انداز کیا چیز ہیں

۶۔ یہ عیسویں زلفوں کے شکن کیسے ہیں اور یہ نگہ چشم سرگشیں کیا بل ہے۔

۷۔ یہ سبزہ دگل اور بہار کہاں سے آئی ہے۔ ابر کیا ہے، ہوا کیا ہے۔

ان پے درپے استفسارات سے مطلب یہ ہے کہ جب خدا کی ذات کے سوا تمام چیزیں بیچ اور معدوم ہیں تو پھر یہ چیزیں کیا ہیں جو انسان کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور اطمینان کے ساتھ اسے ذاتِ باری کی طرف رجوع ہونے سے روکتی ہیں اشعار متذکرہ ان ہنگامہ خیز اشیاء کے خلاف عدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم ضرور ذاتِ باری کی طرف رجوع کریں۔ لیکن یہ دلفریبیاں ہمارے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور سکونِ قلب سے ذاتِ باری کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتیں۔

۸۔ عشق نے عقل ضبط کر دی ہے کیونکہ ہم ان لوگوں سے وفا کی امید رکھتے بیٹھے ہیں جن کو معلوم نہیں کہ وفا کس چیز کا نام ہے۔ بقول اسی جہاں کا رول

امید و فانیل خام ہے۔ طلبا بانی و پیغمبر کا خیال ہے کہ وہ کسی کی وجہ سے ایسے نادان ہیں کہ وہ اسی کو نہیں جانتے۔

۹۔ ہم درویشوں کی یہی صدا ہے کہ "ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہو گا" الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود ایک فقیر ہیں اور یہ صدا لگا کر معشوق کو بھلائی کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔

۱۰۔ میں اوروں کی طرح خالی دعائیں دینی نہیں جانتا بلکہ اپنی جان تم پر نثار کرتا ہوں۔ اسی نے دوسرا مفہوم یہ پیدا کیا ہے کہ میں اپنے مرے کی دعا کیوں مانگوں۔ ایلو! اپنی جان دیئے دیتا ہوں

۱۶۳

کہتے تو ہوتے سب کہ بتِ عالیہ من آئے ۱ اک مرتبہ گھبر کے کہو کوئی کہ وہ آئے
ہوں کشکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت ۲ کچھ کہ نہ سکوں پردہ مرے پوچھنے کو آئے
ہے صاف حقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم ۳ آنا ہی کبھی مری آتا نہیں تو آئے
ظاہر ہے کہ گھبر کے نہ بھاگیں گے بکیری ۴ ہاں منہ سے مگر بادۂ روئینہ کی بر آئے
جلاوے سے ٹہمتے ہیں نہ وہ خط سے جھگڑتے ۵ ہم کچھ ہوئے ہیں اے جس جیس میں جو آئے
ہاں اہل طلب کون تھے طعنہ نایافت ۶ دیکھ کہ وہ بلتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
پتا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں ۷ اُس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو جو آئے
کی ہم نفسوں نے اثر کر یہ میں تعسیر ۸ اچھے رہے آپ اُس سے مگر کچھ کو ڈوب لئے
اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالب

ہم بھی گئے ہاں اور تری تقدیر کو رو آئے

۱۔ غالبہ اُس مرکب خوشبو کو کہتے ہیں جو مشک و عنبر اور کاقد و خیمو کو ملا کر بناتے ہیں۔ غالبہ مریشیں و منبر الفوں والا محبوب۔

اسے ہمدردی میری حالت ناز کو دیکھ کر یہ دعا کرتے ہو کہ وہ جنہیں زلفوں والا محبوب آجائے تاکہ غالب کو سکون قلب حاصل ہو جائے، لیکن میری تنہا یہ ہے۔ کہ تمہیں سے کوئی گھر کر کے کہ لوہہ آگئے۔

۲۔ میں کشمکش نزع میں مبتلا ہوں۔ اس لئے اُن سے کلام کرنے کی جہلت نہیں۔ کیسی اسے جذبہ گفت آنا تو کہ تو اُن کو میری حیا دت کے لئے کھینچ لا۔ تاکہ ادھر کچھ نہیں تو مرنے وقت میں انہیں دیکھ ہی لوں۔

۳۔ صاعقہ .. گونے والی بجلی، سیلاب .. پارہ .. یہ دونوں چیزیں ایک جگہ قرار نہیں پاتیں۔

اگرچہ معشوق آیا۔ لیکن اس کا آنا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بجلی کی طرح تڑپنا، شعلہ کی طرح بھڑکنا اور سیلاب کی طرح مچلتا ہوا آیا۔ گویا ایک ہم بھر بھی چپیں سے نہ بیٹھا کہ چل دیا۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہم لوگوں کو دنیا میں آنا سمجھ میں نہیں آتا کہ شعلہ برق سیلاب کی طرح ایک دم کو قرار نہیں مانتا۔ جتنی مدت زندہ رہتے ہیں۔ بمقرر ہی رہتے ہیں۔

۴۔ حالی: نکیرین وہ فرشتے جو دفن ہونے کے بعد مردے کا حساب لینے قبر میں آتے ہیں۔ بادۂ دوشینہ یعنی رات کی پنی ہوئی شراب جو مرنے سے پہلے پنی تھی۔ ازراہ شوخی کہتا ہے کہ نکیرین کے سوال و جواب سے سمجھنے کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں کہ شراب پنی کر میں تاکہ نکیرین اس کی بولی کرہ است سے بغیر سوال و جواب کئے چلے جائیں۔

۵۔ یہ شعر تصوف میں ہے کہ ہم ہر چیز میں محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتے ہیں اس لئے نہ تو جلا دے جھگڑتے ہیں اور نہ وہ خط سے لٹکتے ہیں۔ گویا ہم یہ خوب

بجھتے ہیں کہ یہ تو ہی ہے کہ اپنا بھیس بدل کر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوا ہے۔
 یہ ہر رنگ کے خواہی جامہ سے پوش من اعجاز قدرت را می شناسم
 ۶۔ اے اہل طلب یہ طعنہ کون سنا کہ اُس نے راز معرفت کو ڈھونڈا اور نہ پایا۔
 اس لئے جب میں نے دیکھا کہ وہ کسی طرح نہیں ملتا تو اپنے آپ ہی کھو دیا تاکہ یہ
 طعنہ نہ یافت سُننے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے۔

۷۔ اپنا شیوہ اور دستور یہ نہیں ہے کہ یا دوس ہو کر محبت ہا دیں۔ جب ہم
 نے دیکھا کہ معشوق مجاہزی کے در پر ہیں باز نہیں تو ہم خانہ کعبہ ہی سے ہواٹے کہ
 وہ معشوق حقیقی کا گھر ہے۔ مطلب یہ نکلا۔ یا دوس نے ہمارے درجہ کو اور بھی
 بلند کر دیا۔

آسی۔ طباطبائی اور حمید کا خیال ہے کہ شاعر خانہ کعبہ کو جانا ہرزہ گردی
 اور مشغلہ بیکاری سمجھتا ہے۔۔ بخود لکھتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کا
 پتہ کہیں نہیں ملتا تو جا کر خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہواٹے یعنی یہاں
 یار نہ ملا تو یار کے گھر ہی کو دیکھ آئے۔

۸۔ ہم نفس .. دوست + اثر گریہ میں .. اثر گریہ کے بارے میں۔
 میرے دوستوں نے ازراہ ممدودی معشوق کے پاس جا کر اثر گریہ کے
 بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ غالب دن رات روتا ہے اور رو کر اس کا ثما
 حال ہو گیا ہے۔ دیکھنا اس کی گریہ و زاری تمہیں برباد کر دے گی۔ اس بیان
 سے معشوق پر ثابت ہو گیا کہ عاشق کے رونے کا معشوق پر کوئی اثر نہیں
 ہوتا۔ کیونکہ اگر گریہ میں اثر ہوتا تو اس پر ضرور کچھ نہ کچھ اثر ہوتا۔ چنانچہ اُس
 نے میرے دوستوں کو یہی دلیل پیش کر کے قائل کر دیا اور انہوں نے بھی مان لیا
 کہ ہاں واقعی گریہ و زاری میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کے خیال ہوئے

معتوق خوش ہو گیا۔ گویا یہ لوگ تو اس سے اچھے رہے۔ لیکن مجھ کو ڈبو آئے۔
 ”ڈبو آئے“ کے متعدد مفہوم ہیں۔ بقول بیخود میرے گریہ کی بے اثری کا قائل
 ہو جانا میرے لئے شرمندگی کا سبب تھا۔ بقول آتشی، ابھی کبھی جو میں اس
 کو اپنے نالہ و فریاد کے اثر کی دھکی دیتا تھا اب وہ گئی۔

حسرت، سعید: اس طرح سے اس پر میرے رونے کی بے اثری ثابت
 ہو گئی۔ بیخود نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے کہ معتوق سے میرے گریہ کا مالی
 کدیا۔ جس کو میں ہمیشہ پوشیدہ رکھتا تھا۔ اب اس حلل کے ظاہر ہو جانے کے
 بعد میں اس کی نگاہوں میں حقیر ہو جاؤں گا۔

آتشی کی شرح میں ”اچھے رہے آپ اس سے“ کی شرح درست نہیں
 لکھتے ہیں کہ اس حساب سے دوست تو اچھے رہے کہ انہوں نے میرے
 اوپر احسان ثابت کر دیا۔ سعید نے بھی ”اس سے“ کی تشریح بہم رکھی
 ہے۔ لکھتے ہیں ”ایسا کرنے سے وہ اپنے آپ تو شرم خرو بن گئے۔ الخ

۹۔ تقدیر سے غمناک بری تقدیر سے۔ لکھتے ہیں اس بزم ناز کی کیا بات
 ہے۔ یعنی وہ ایسی پُر لطف ہے کہ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ہم وہاں گئے
 اور اس سے لطف اندوز ہوئے۔ اس وقت معاً ہمیں یہ خیال آیا کہ غالب
 انہوں تیری قسمت کہ تو اس انجمن ناز کے لطفِ محبت سے محروم ہے۔

دوسرے مصرعہ کی شرح میں طباطبائی لکھتے ہیں۔ تیسرے مصرعہ دوری کا
 حال ہم اس سے جا کر بیان کر آئے۔ آتشی نے دونوں مفہوم بیان کئے ہیں۔

۱۶۴

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے ۱ سینہ جو یائے زخم کاری ہے
 پھر جگر کھودنے لگا ناخن ۲ آئید فصل لالہ کاری ہے

قبلہ مقصد نگاہ نیاز ۳ پھر وہی پردہ عماری ہے
 چشم دلال جنس رسوائی ۴ دل خریدار ذوق خواری ہے
 وہی صد رنگ لالہ فرسائی ۵ وہی صد گونہ اشکباری ہے
 دل ہوائے خرابم ناز سے پھر ۶ محشر تان بے قراری ہے
 جنوہ پھر عرض ناز کرتا ہے ۷ روز بازار جانپاری ہے
 پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں ۸ پھر وہی زندگی ہماری ہے
 پھر کھلا ہے در عدالت ناز ۹ گرم بازار فوجدار ہے
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر ۱۰ زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
 پھر دیا پارہ جگر نے سوال ۱۱ ایک فریاد و آہ و ناری ہے
 پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب ۱۲ اشکباری کا حکم جاری ہے
 دل و مرگاہ کا جو مقدمہ تھا ۱۳ آج پھر اس کی رو بکاری ہے
 بے خودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

- ۱- میرا دل پھر بے چین ہو رہا ہے اور میرا سینہ عشق کا کاری زخم کھانے کا
 مشتاق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دل و جگر کسی کی تیز نگاہ کا نشانہ بننا چاہتے ہیں۔
- ۲- چونکہ لالہ بونے کی فصل آ رہی ہے، اس لئے میرا ناخن غم پھر جگر کو کرینے
 لگا ہے۔ الفاظ نہایت مناسب صرف کئے گئے ہیں۔

۳- نیاز .. حاجت + پردہ عماری .. وہ محل جس میں معشوق
 فروکش ہے۔

کہتے ہیں پھر ہماری نگاہ نیاز مند کا قبلہ وہی پردہ عماری بن گیا ہے جس
 میں معشوق فروکش ہے۔ یعنی ہم پردہ عماری کی طرف متوجہ ہیں .. پردہ عماری

اور خلاف خانہ کعبہ کی رعایت ملحوظ رہے۔

۴۔ ہماری آنکھ دلال ہے اور وہ جنس رسوائی کی دلالی کر رہی ہے۔
ذوق خواری کی وجہ سے دل اور جنس رسوائی کا خریدار بننا ہے۔ مطلب یہ ہے
کہ آنکھ ہی دلالی کر کے دل کو سودائے عشق میں پھنساتی ہے۔

۵۔ پہلے شعر کی تفصیل اس شعر میں بیان کرتے ہیں کہ دل پھر اسی طرح
سوسورنگ سے نالہ فرسائی میں مشغول ہے اور میں پھر وہی سینکڑوں طرح
سے بیقرار ہوں۔ گویا کسی پہلو میں نہیں۔

۶۔ یار کے خرام ناز کی آرزو میں میرا دل پھر محشرستان بے قزاق بن گیا
ہے خرام یار کو محشر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں اور محشرستان اس مقام کو
کہتے ہیں۔ جہاں بشمار قیامتیں ہر پا ہوں۔ دل کے محشرستان بیقراری دھننے
سے یہ مطلب ہے کہ دل میں بیقرار ہوں کے ہزار ہا حشر برپا ہیں۔

۷۔ حسرت : یعنی جلوۂ یار پھر سزا دے اور جاں سپاری عشق کا بازار گرم
ہے۔ (سقیہ)

طباطبائی : جاں سپاری عاشق کا روز بازار ہے کہ جلوۂ معشوق متاع ناز
کو عرض کر رہا ہے کہ کون اس کا خریدار ہے۔

آسمی : جلوۂ یار نے ظاہر ہو کر سربازار جاں سپاری عاشق کو آب و تاب
اور رونق دی ہے اور جاں سپاری کا بازار گرم ہے۔

بیخود : جلوۂ یار متاع ناز و غرور کو دکھا کر کہہ رہا ہے کہ کون عاشق جاننا
اس کا خریدار بنتا ہے۔ گویا بازار جاں سپاری کی ہر روز گرم بازاری ہے۔

۸۔ پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں اور ہماری زندگی پھر اسی طرح وقفِ آلام
ہے۔ یا بقول طباطبائی جس پر مرتے ہیں، اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں۔

۹۔ عدالتِ ناز کے دروازے پھر کھل گئے ہیں اور پھر فوجداری کا باندار گرم ہو گیا ہے یعنی عدالتِ ناز کے کھٹنے سے عشاق میں وارداتیں ہونے لگیں اور ان کے مقدمات عدالت میں پیش ہونے لگے یا بقول بیخود، فصلِ گل کے آتے ہی پھر جنون و عشق کے دلوے دلوں میں پیدا ہونے شروع ہو گئے۔
۱۰۔ جہاں میں ایک اندھیر ہو رہا ہے۔ کیونکہ زلفِ سرشتہ داری کے عمدہ پر فائز ہے۔ اُس نے تہلکہ مچا رکھا ہے، سرشتہ اور اندھیر زلف کے مناسبات بھی ہیں۔

۱۱۔ ”سوال دینا“ قانونی زبان میں درخواست دینے اور دعویٰ دائر کرنے کو کہتے ہیں۔ پھر پارہ جگر نے دعویٰ دائر کیا ہے۔ اس لئے فریاد و آہ و زاری جہاں بھی کے لئے جمع ہوئی ہیں کہ یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔

۱۲۔ اس مقدمہ میں گواہِ عشق پھر طلب ہوئے ہیں کہ اپنا بیان دیں اور اشکباری کا حکم جاری ہوا ہے۔ یعنی اشکباری کو بھی طلب کیا گیا ہے۔
۱۳۔ رویکاری ۱۰۰ پیشی۔ تاریخ۔ حاضری۔

دل اور مڑگاں کے درمیان جو مقدمہ تھا۔ آج پھر اس کی تاریخ ہے کہ اپنا اپنا دعویٰ اور حجابِ دعویٰ پیش کریں۔

۱۴۔ غالب یہ بیخودی اور خود فراموشی بے سبب نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے جسے چھپانے کے لئے بے خودی کی آڑ لی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رازِ عشق کو چھپانے کی غرض سے تم نے بیخودی اختیار کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رازِ عشق کو چھپانے کی غرض سے تم نے بے خودی اختیار کی ہے۔

اُسی کہتے ہیں کہ مقطع بھی قطع میں شامل ہے۔ گویا پوچھا گیا ہے کہ اگر

تم کو مرثاں نے نہیں ستایا ہے تو تم یہ بتاؤ کہ بے خود کیوں ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تصور مرثا را ہے اور تم اس کو پھیلے ہو۔ یعنی تم کو عشق ہے اسی وجہ سے تم کو بخود ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرثاں کا کوئی قصود نہیں۔

۱۶۵

جنوں تہمت کش تسکین نہ ہو کر شادمانی کی ۱۔ نمک پاش خوشن ل ہے لذت زندگانی کی کشاکش ہائے ہستی سے کسے کیا سعی ملدی ۲۔ ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی پس از مردن بھی یوانہ زیار گلوہ طفلان ہے ۳۔ شرابستانے تربت پہ میری گلفشانی کی ۱۔ اگر رنج یا تکلیف کی حالت میں انسان کو تھوڑی سی راحت یا آرام مل جائے تو اس کے بعد تکلیف کا احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ شادمانی کی یہ شادمانی کرم کا ترجمہ ہے۔ فرماتے ہیں۔ اگر ہم نے کسی قدر نطفہ زندگی اور شادمانی حاصل کی تو اس سے ہمارے جنوں پر تسکین کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ یہ شادمانی تو زخمِ دل پر ادھی زیادہ نمک پاشی کرتی ہے (حسرت۔ سبید) طلبا طلبائی، اگر تم نے شادمانی کی تو اس پر مجھ پر تسکین کی تہمت نہیں لگ سکتی بلکہ میری شادمانی نمک پاشی زخمِ دل کے سبب سے ہے کہ تسکین کے سبب سے اور لذت زندگانی کا نمک پاش ہونا یہ مطلب رکھتا ہے کہ ان بُرے حالوں جیتے رہنا زخمِ دل پر نمک چھڑکتا ہے اور زخمِ دل پر نمک چھڑکنے سے اور سوزش زیادہ ہوتی ہے، تسکین کجا (بخود، اسی)

آسی کا دوسرا مقدم۔ اے جنوں چونکہ ہم نے کچھ خوشی کی ہے تو تم پر اس سے تسکین کی تہمت جو تیرے لئے باعثِ ننگ ہے، نہیں رکھی جاسکتی۔ بلکہ اگر ہم نے لذت زندگی کچھ اٹھائی ہے تو اس لئے اٹھائی ہے کہ کچھ دیر بعد ہم سے چھن جائے گی۔ یا ہم اس کو چھوڑ دیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ جو عیش فانی

ہو وہ اور بھی باعث تکلیف ہے۔

۲۔ چونکہ زندگی کی کشاکش سے کوئی شخص آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سعی آزادی فضول ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ موج آب کو دیکھئے۔ ظاہر طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روانی آزاد ہے لیکن اگر بہ نظر غور دیکھیں تو وہ آزاد نہیں بلکہ وہ اپنی ندائی ہی کی وجہ سے پابند ہے۔ نیز کہ موج کی روانی زنجیر کی صورت پیدا کرتی ہے اور جس کے پاؤں میں زنجیر بڑھی ہوئی ہو اُس کو آزاد نہیں کہا جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ موج گرفتار ہے اور وہ سعی آزادی بھی برابر کر رہی ہے۔ لیکن باوجود ستواؤں کو شمشوں کے اس کی سعی آزادی کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ بلکہ اور زیادہ اُجھکتی چلی جاتی ہے۔ اُسی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہاں آزادی بھی گرفتاری ہے۔

۳۔ مرنے کے بعد بھی تیرا دیوانہ لڑکوں کی زیارت گاہ بنا رہا۔ وہ پتھر جو انہوں نے مجھ دیوانے کی قبر پر مارے۔ ان کے شرابوں سے میری قبر پر خوب گلفشائی ہوئی۔ وہ قبریں جو زیارت گاہ بن جاتی ہیں، ان پر ہمیشہ پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ عشق کے دیوانے کی قبر تھی۔ اس لئے اس پر گلہائے آتشیں چڑھائے گئے۔ جو سنگباری سے پیدا ہوئے۔

۱۶۶

نکوش ہے سزا فریادی بیدار لبر کی ۱ مبادا خند و نال نہا ہو صبح محشر کی
رگ لئی کو خاک و دشت مجنوں پیش کی بخشے ۲ اگر بودے بجائے دانہ و مقل لوک نشتر کی
ہر پروانہ شاید باد باں کشتی ۳ ہوئی محبس کی گرمی سے روانی دور سلو کی
کروں بیداد و ذوق پر خانی عرض کیا قدرت ۴ کہ طاقت اُرگئی اُٹلے سے پہلے بھٹکے سر کی
کہا ننگ و نعل اُس کے خیر نہ کئے بچے خیرست ۵ مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

۱۔ نگو ہمش... علامت۔ چونکہ بیدلود لبر کے فریادی کی سزا آئینِ عشق کے مطابق علامت مغز ہے۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی قانون کے مطابق قیامت کے دن صبح محشر بھی اس پر خندہ زن ہو یا خندہ دندان بنا کرے و طباطبائی، بخود، اسی، سعید و حسرت کا خیال ہے کہ مبادا درجِ تعجب کے لئے لائے ہیں۔

۲۔ ریشگی یعنی خلش مشور ہے کہ ایک مرتبہ لیلیٰ نے قصد کھلوئی۔ اس کا اثر مجنوں پر یہ ہوا کہ اُس کے ہاتھ سے خود بخود خون جاری ہو گیا۔ اس شعر میں اسی واقع کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں، اگر دشتِ مجنوں میں دھقان بچائے دانہ بونے کے نشتر کی نوک بوئے تو اتحادِ حسن و عشق کے اثر سے نوک نشتر کی خلش لیلیٰ کو بھی اسی طرح محسوس جس طرح لیلیٰ کی قصد کھلنے سے مجنوں کی قصد خود بخود کھل گئی تھی (حسرت) باقی شارحینِ ریشگی سے مراد اگنا لیتے ہیں یعنی اگر دشتِ مجنوں میں دھقان دانہ کی جگہ نوک نشتر بودے تو اس زمین میں سے رگِ میلی اُگے۔ طباطبائی کا خیال ہے کہ کاتب نے نقطے لگا کر دست کو دشت بنا دیا ہے۔ اُسی کہتے ہیں۔ دستِ مجنوں سے یہ لطیف معنی پیدا نہیں ہوتے اور نہ لفظِ خاک با معنی رہتا ہے۔

۳۔ ”کشتی مے .. وہ سینہ جس میں شراب کے بریز ساغر رکھ کر مے نوش کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔ شاید پروانے کا پر کشتی مے کا بادبان تھا۔ کیونکہ جب مھل گرم اور شمع روشن ہوئی تو پروانے اُگے اور پروانوں کے آتے ہی کشتی مے گردش کرنے لگی ہے۔ یعنی ساغر کا دور چلنے لگا۔ اس شعر میں یہ خوبی ہے کہ ہوا گرمی سے تحریک میں آتی ہے اور جب ہوا میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو

بادبانوں کی مدد سے کشتی کو بھی حرکت ہوتی ہے۔

حسرت: دورِ ساغر کی روانی گرجی مجلس پر منحصر تھی اور گرجی محفل سوز پر داندہ پر، اس لئے ہر پروانہ گویا کشتی سے کا ہا دیان ٹھہرا کہ اس کی دہرے دورِ ساغر و کشتی سے ظہور میں کیا۔

۴۔ پر فشانے .. پرواز، اُڑنا + کیا قدرت .. مجھ میں قدرت نہیں۔ طاقت اُڑ گئی .. ڈاٹل ہو گئی + شہسپر .. وہ پر جس کی مدد سے پر نہیں اُڑتے ہیں۔

مجھ میں اتنی قدرت نہیں کہ میں ذوقِ پرواز کے ظلم و ستم پر پرواز کروں بس یہ مجھ کو کہ اُڑنے سے پہلے میرے پر پر پرواز کی طاقت ڈاٹل ہو گئی اور پر فشانے کا شوق دل کا دل ہی میں رہ گیا۔ اب یہی ذوقِ پر فشانے مجھے ناقابلِ برداشت تکلیف پہنچا رہا ہے۔

۵۔ یارب میں خیمہ یار کے پیچھے کہاں تک روئے جاؤں! کیا میری قسمت میں پشھر کی دیوار بھی نہ تھی کہ میں اُس سے اپنا سر بھجوا کر قصہ تمام کر لیتا اور اس رومے کی تکلیف سے نجات پاتا۔

۱۶۷

بے احتیالیوں سے سبک سب میں آگئے ۱ جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
پہناں تعادمِ محنتِ قریبِ آشیان کے ۲ اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے ۳ یاں تک مئے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
سختی کشاں عشق کی پوچھے ہے کیا خبر ۴ وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
تیری فقا سے کیا ہوتا لانی کہ دہریں ۵ تیرے سوا ابھی ہم پہ بہت سے قسم تھے
لکھتے تھے جنوں کی حکایات تو فوجکال ۶ ہر چند اس میں ماتم ہمارے قلم ہوئے

اللہ سے تیری تندی تو جس کے نیم سے ۷۔ اجڑائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے
اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نیر و عشق ۸۔ جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے علم سوئے
نالے عدم میں چند ہمارے پہنچے ۹۔ جو داں نہ کھنچ سکے سوداں آکے دلوئے
چھوٹی اسد نہ ہم نے گلائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہل کرم ہوئے

۱۔ سُبک .. خفیف، ذلیل۔ اپنی بے اعتدالیوں کی بدولت ہم سب
کی نگاہوں میں ذلیل ہو گئے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم جس قدر زیادہ (اپنی حد
سے) ہٹے، اتنے ہی لوگوں کی نظر دل میں گھٹ گئے۔
۲۔ محنتِ قریب .. بہت ہی قریب۔

صیاد نے ہمارے آشیانے کے بہت ہی قریب جال پھیلایا تھا اور ہم
کو اس کی خبر نہ تھی۔ اس لئے اپنے گھونسلے سے ابھی اڑنے بھی نہ پائے تھے
کہ گرفتار ہو گئے۔

حالی: اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ”ہم کو ہوش سنبھالنے سے پہلے
ہی مصائب و شدائد نے گھیر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کی زندگی
م شروع سے لیکر آخر تک وقفِ آلام رہی، اس لئے یہ شعر آپ بیتی ہے۔

۳۔ کسی چمر کے نہ ہونے کو محاورے میں اس طرح کہتے ہیں کہ خلاص چیز
ہمارے پاس قسم کھانے کو بھی یا نام کو بھی نہیں ہے۔ گویا وہ برائے نام بھی
ہوئی تو نمونہ کے لئے قسم کھانے کو کافی تھی۔ اس شعر میں کہنا یہ چاہتے ہیں
کہ ہماری ہستی فنا ہے اور اس کا وجود برائے نام صرف قسم کھانے کے لئے
ہے یعنی ہم اس حد تک مٹ چکے ہیں کہ بس قسم کھانے کو رہ گئے ہیں۔ اس
لئے ہماری ہستی فنا کی دلیل ہے۔

۴۔ عشق کی سختیاں اٹھانے والے لوگوں کی حالت تم کیا پوچھتے ہو۔ وہ لوگ رنج و غم سے گھلتے گھلتے از سر تباہ الم بن گئے۔ یعنی غم نے کھلا کھلا کر ان کو اپنی طرح غیر مٹی بنا دیا۔

۵۔ تیری وفا سے بھلا ظلموں کی کیا تلافی ہو سکتی ہے۔ بیشک تو وفا کر کے اپنے ظلموں کی تلافی کر سکتا ہے۔ لیکن ان ظلموں کی تلافی کیونکر ہو سکتی ہے، جو تیرے علاوہ اور لوگوں نے ہم پر کئے ہیں۔

طبا طبہائی لکھتے ہیں کہ معشوق کو تلافی ستم کرنے پر آمادہ پاتا ہے، چاہتا ہے کہ اسے اور زیادہ ترس آئے۔

۶۔ قلم ہوئے، یعنی کٹ گئے، لکھتے رہے کی رعایت سے قلم ہوئے لائے ہیں۔ یعنی باوجودیکہ ہمارے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے لیکن پھر بھی ہم جنون عشق کی داستان خوبچکاں لکھنے سے باز نہ آئے یا یہ کہ ہاتھ کٹوانے منظور کئے۔ لیکن جنون کی خوبچکاں لکھنی ترک نہ کی۔

۷۔ بیم .. خوف، ڈر + رزق ہم ہوئے .. ایک دوسرے کا رزق ہو گئے یعنی ایک کو دوسرا کھا گیا۔

اشد سے تند خوئی کہ جس کے خوف سے میرے نالے کے اجزا ایک دوسرے کا رزق بن گئے۔ یعنی ایک دوسرے کو کھا گئے یا منہ سے باہر نہ نکلے۔ مطلب یہ ہے کہ نالے تیرے خوف سے منہ سے باہر نہ نکلے۔ دل کے دل میں ہی فنا ہو گئے۔

۸۔ نبرد عشق .. میدان عشق، جنگ عشق پاؤں کے اٹھنے کو علم فتح فتح قرار دیا ہے، اور اس سے مراد پاؤں کا اکھڑنا ہے۔

میدان عشق کو چھوڑ کر بھاگ جانا اہل ہوس کی فتح ہے۔ کیونکہ میدان سے

بھاگنے میں وقفہ ان کے آگے وہ گویا ان کی فتح کے علم بلند ہو گئے۔ بقول بختی
جان کچی سولا کھول پائے نہ
۹۔ دم بھنی سانس۔

جب ہم عدم میں تھے تو ہمارے سپرد چند نالے کھٹ گئے، ان نالوں میں
سے کچھ نالے تو ہم نے عدم میں ٹھینچے۔ جو باقی رہے وہ ہمارے ساتھ اس دنیا
میں آ گئے اور وہ ہمارا سانس بن گئے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو ہم سانس لیتے
ہیں یہ سانس نہیں ہے۔ بلکہ وہ نالے ہیں جو ہم عدم میں نہ ٹھینچ سکے تھے۔
بقول حسرت، اپنے سراپا درد ہونے کو اس پہلو سے بیان کیا ہے کہ میرا نفس
گویا نالہ ہے۔

۱۰۔ ہم عشق و عاشقی کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ فقیر ہو گئے، لیکن عاشقی
نہ چھوڑی۔ پہلے عشق حسینوں سے تھا اب اہل گرم کے عاشق ہیں اور ان
کی تلاش میں صبر و یاران کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔

جو نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی ۱ تو فرودگی نہاں ہے بہ کہیں بے زبانی
مجھے اُس سے کیا توقع بہ زمانہ جوانی ۲ کبھی کودکی میں جس نے نہ سُنی میری کہانی
نہیں دیکھی کسی کو دینا نہیں خوب زندگیاں ۳ کہ مرے وعدہ کو یارب ملے میری زندگانی
۱۔ داغ کی صورت اشرفی کی سی سُرخ ہوتی ہے، اس لئے اس کو نقد دل
کہا ہے۔ شعلہ کو زبان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ شعلہ کا پاسبانی نہ کرنا بے زبانی
ہے اور اس بے زبانی کا انجام افسردگی یعنی بکھ جانا ہے۔ کہیں ..
گھات۔

کہتے ہیں۔ اگر شعلہ عشق میرے دل کی نقدی کی پاسبانی نہ کرے

تو افسردگی جو کہ بے ربانی کی اوٹ میں چھپی بیٹھی ہے۔ وہ داغ و لافروہ ہو جائے۔

۲۔ بچپن میں بچوں کو کہانیاں سُنانے کا بہت شوق ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اس نے کبھی بچپن کے زمانے میں تو میری کہانی سنی نہیں، اب جوانی کے زمانے میں مجھے اس سے کب توقع ہو سکتی ہے کہ وہ میری داستانِ علم سُنے گا۔

۳۔ بے وجہ کسی کو دکھ دینا اچھا نہیں ورنہ میں یہ دُعا مانگتا کہ یارب میری زندگی میرے دشمن کو دیدے مطلب یہ ہے کہ میری زندگی بہت زیادہ دکھوں بھری ہے ویسے تو دشمن کو میری زندگی کا یقین نہیں آتا اور وہ مجھ پر آوازے کستا ہے۔ اگر اس کو مجھ جیسی حالت ہوگی تو پھر کسے حقیقت معلوم ہوگی۔ لیکن مشرافت ذاتی مجھے اس دُعا کی اجازت نہیں دیتی۔

۱۶۹

ظلمتِ کدہ میں میرے شبِ غم کا ہوش ہے ۱ اک شمع ہے دلیلِ سحر و جوش ہے
 نے مزدوہ وصال نہ نظارہ جمال ۲ مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے
 سے کیا ہے حُسنِ خود آرا کو ہے حجاب ۳ اے شوقِ بیاں احاطتِ تسلیم ہو جس ہے
 گوہرِ عقیدہ گر دینِ خواہاں میں دیکھنا ۴ کیا اوج پر ستارہ گوہرِ فردش ہے
 دیدارِ بادہ حوصلہ ساقی نگاہِ مست ۵ بزمِ خیالِ میکدہ بے خردش ہے
 اسے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل قطعہ زہار اگر تبیں ہوس نائے دوش ہے
 دیکھو مجھے جو دیدہٗ عبرتِ نگاہِ ہو ۶ میری سنو جو گوشِ نصیحتِ نبوش ہے
 ساقی بجلوہ دشمن ایمان دُعا سی ۸ مطربِ بغمِ ہزنِ تمکین و ہوش ہے
 یا شب کو دیکھتے تھے ہر گوشہٗ شبِ ط ۹ دایانِ باغِ ان و کفِ گلِ فروش ہے

لطفِ غلامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ ۱۰ یہ جنتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبحِ دمِ جودِ یکھئے آکر تو بزم میں ۱۱ نے وہ سرور و سوز نہ بوش و خروش ہے
دارغِ قراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ۱۲ اک شمع رہ گئی ہے سودہ بھی خموش ہے
آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

غالب صریحاً غامدہ نوائے سروش ہے

۱۔ میرزا نے اس مطلع کی شرح ایک خط میں خود لکھی ہے فرماتے ہیں ع
”اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے“

یہ خبر ہے، پہلا مصرعہ ”طلعت کند سے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے“
یہ مبتدا ہے شبِ غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا، طلعت، غلیظ، سحر یا پندار
گویا غلط ہی نہیں ہوئی، ہاں ”ایک“ دلیلِ صبح کی بود پر ہے۔ یعنی بجھی ہوئی شمع
اس راہ سے شمع و چراغِ صبح کو سمجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ
جس شے کو دیکھا جائے وہ خود ایک سبب ہے۔ منجملہ اسباب
تاریکی کے، پس دیکھنا چاہئے جس گھر میں علامتِ صبح موبیہ طلعت ہوگی،
وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

۲۔ آشتی یعنی صلح۔ مدت ہو گئی، نہ تو کانوں نے مژدہ وصلِ یار سنا ہے
اور نہ آنکھوں نے جمالِ یار کا نظارہ کیا ہے۔ اس لئے کانوں اور آنکھوں میں
باہم صلح و آشتی سے مطلب یہ ہے کہ پہلے چشم و گوش میں جنگ رہنی تھی اور
اس کا سبب یہ تھا کہ اگر پہلے کان مژدہ وصلِ شنیدتے تھے تو وہ خوش ہوتے
تھے اور آنکھیں بوجہ رشکِ ان سے لڑتی اور جلتی تھیں کہ یہ اچھے رہے،
انہوں نے ہم سے پہلے مژدہ وصلِ یار کا لطف اٹھالیا اور ہم نظارہ جمال
سے محروم رہے اور اسی طرح جب آنکھیں نظارہ جمال سے لطف اندوز ہوئیں

اور کان مژدہ وصل سے محروم رہتے تو وہ ان سے خائف ہو جلتے بغرض اسی طرح کہ جس میں رشک و حسد سے لڑائیاں جاری رہتیں۔ لیکن ابدیت سے نہ کالوں نے مژدہ وصل سنا اور آنکھوں نے جمالِ یار دیکھا ہے۔ اس لئے استخوانِ نزارِ دُور ہو جانے سے دونوں میں صلح و صفائی ہے۔

۳۔ اجازتِ تسلیم .. عقل و ہوش سے دست بردار ہونے کی اجازت شراب کے نشہ نے اس شخصِ خود آراء کو بے حجاب کر دیا ہے۔ اسے شوقِ ایسی حالت میں تجھے اجازت ہے کہ تو اپنے ہوش و حواس اور ضبط و قرار کو بالائے طاق رکھ دے۔ مطلب یہ ہے، تو بھی اُن کی طرح بے حجاب ہو جا اور اپنے دل کی آرزو نکال۔

۴۔ عقد .. لڑائی + اورج .. بلندی۔
ذرا دیکھنا گو ہر فروش کا ستارہ کس قدر بلندی پر ہے۔ یعنی وہ کس قدر خوش قسمت ہے کہ اس کامیابیوں کا بار معشوقوں کی گردن میں پڑا ہوا ہے۔ گو ہر فروش پر رشک کیا ہے۔

۵۔ میکہ میں عام طور پر شور مچا کرتا ہے۔ لیکن میکہ بزمِ خیال ایسا میکہ ہے جہاں شور و شر بائکل نہیں۔ یہاں دیدارِ معشوق شراب ہے کہ وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور حوصلہ ساتی ہے کہ ہر شخص کو اس کے ظرف کے اندازہ سے شراب پلاتا ہے اور نگاہ ایسی مے خوار ہے جو کسی طرح سیر نہیں ہوتی۔ شراب دیدار پٹے جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی بدست ہو کر شور و شر نہیں ہوتی۔

۶۔ اس قطعر میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو بزمِ عشق میں نودارد ہیں۔ کہتے ہیں اے لوگو! جو فروشِ آرزوئے دل پر ابھی ابھی آگریٹھے ہو یعنی

بزمِ عشق میں پہلی مرتبہ آئے ہو۔ خبردار اگر تمہیں نغمہ نے کوشننے اور شراب پینے کی خواہش ہے تو۔

۷۔ بزمِ عشق میں قدم رکھنے سے پہلے اگر تم دیدہٴ عبرت نہیں رکھتے ہو تو میری حالت کو دیکھو کہ اس شوق کی بدولت میرا کیسا عبرت ناک حشر ہوا ہے اور اگر تم نصیحت شننے والے کان رکھتے ہو تو میری بات سنو۔

۸۔ جب ساقی جلوہ افروز ہوتا ہے تو وہ اپنے دلفریب حسن سے ایمان اور عقل کو غارت کر دیتا ہے اور جب مطرب گاتا ہے تو وہ اپنی خوش نوائی سے تمکین و ہوش لوٹ لیتا ہے۔

۹۔ رات کے وقت تو ہم نے یہ گھما گھمی دیکھی کہ محفلِ عیش و طرب کے فرش کا ہر گوشہ پھولوں کی کثرت سے دہن باغبان اور کفِ گلشنوش بنا ہوا تھا یعنی ہر طرف پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور

۱۰۔ ساقی کی خوش خرامی کا لطف لگا ہوں کو جنت کا سماں دکھلاتا تھا اور چنگ کی میٹھی میٹھی آواز کا دل کو بہشت کا مزہ دے رہی تھی۔ گویا لطفِ خام ساقی سے آنکھیں اور نے کی نغمہ سرائی سے کان ایسا لطف اٹھاتا ہے کہ جو جنت میں حاصل ہو سکتا ہے یا

۱۱۔ صبح کے وقت بزم میں آکر کیا دیکھتے ہیں کہ ہر طرف اُدا سی چھائی ہے نہ وہ سرود و ساز ہے اور نہ وہ ہوش و خردوش۔

۱۲۔ بلکہ اس سامانِ عیش و نشاط کے بدلے صرف ایک شمع باقی ہے۔ جو صحبتِ شب کے فراق میں داغِ داغ اور خاموش ہے۔

۱۳۔ یہ قطعہ نہایت پرورد اور بلیغ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اردو شاعری میں اپنا نظیر نہیں رکھتا، یہ مقطع اس کا ثبوت ہے۔

نوا .. آواز + مسرور خامہ .. قلم کی آواز جو لکھتے وقت پیدا ہوتی ہے۔
نوائے سرودش .. فرشتہ مغیب کی آواز۔

غالب، میرے خیال میں یہ معنائیں بلند و بلخ غیب سے آتے ہیں گویا
میرے قلم کی آواز فرشتہ غیب کی آواز ہے۔ جو یہ اچھوٹے معنائیں
عرش سے لاتی ہے۔

۱۷۰

اگر مری جان کو قرار نہیں ہے ۱ طاقت بیدار انتظار نہیں ہے
دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے ۲ نشہ باندازہ فہار نہیں ہے
گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو ۳ ہلٹے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
ہم سے جھٹ ہے گمان بخش خاطر ۴ خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے عانی ۵ غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے
قتل کا میرے کیا ہے عہد دوبارے ۶ دائے اگر عہد استوار نہیں ہے
تو نے قسم سیکشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

۱۔ تو جلدی آ کیونکہ میری جان سخت بیقرار ہے اور اب بیدار انتظار
برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی۔

۲۔ اللہ میاں اگر ہم کو حیات دہر کی تکلیفوں کے بدلے میں آپ
جنت دیتے ہیں تو یہ کچھ فیاضی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نشہ (یعنی آرام جنت)
خار (مکالیف دنیا) کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس کا اندازہ وہی زندہ کر سکتا
ہے جس نے خار کی تکلیفیں اٹھائی ہوں اور اس کے خار کی مکالیف کی تلقین
کرنے کے لئے اس کو بہت کم مقدار میں شراب دی جائے مطلب یہ ہے

کہ تکلیفیں جو انسان کو دنیا میں جھیلنی پڑتی ہیں ان کی تلافی کے لئے جنت کے عیش و آرام بہت کم ہیں۔

دوسرا مفہوم: ہم جنت کی کوئی پیدا نہیں کرتے لہذا حیات دہر کے عیش و آرام کے بدلے جنت سے دست بردار ہوتے ہیں، کیونکہ جس قدر ہم کو خوار کی تکلیف ہے اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس شراب بہت ہی کم ہے۔ اس لئے جو شراب ہمیں جنت میں ملے گی بہتر ہے کہ یہیں مل جائے۔ شاعر دنیا کی تکلیفوں سے تنگ ہے اور نیبہ کے مقابلے میں نقد کو ترجیح دیتا ہے۔

۳۔ گریہ و اشکباری تیری بزم سے مجھے نکالنے ہیں، انہوں نے مجھے رونے پر اختیار نہیں۔ اگر میں چپ رہتا تو اس کی بزم سے نہ نکلتا۔ بزم سے نکالنے کے دو پہلو ہیں (۱) محبوب کی رسوائی ہوتی ہے (۲) بزم نشاط میں میری اشکباری سے سب متاثر ہوتے ہیں۔

۴۔ آپ کی یہ بدگمانی فضول ہے کہ ہمارے دل میں آپ کی طرف سے کوئی رنجش یا غبار ہے کیونکہ عاشقوں کی تو خاک میں بھی غبار نہیں ہوتا۔

یا ہم عاشق ہیں اس لئے ہمارے دل میں غبار ہونا چاہے معنی ؟
طبا طبائی: عشاق مگر خاک ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کی خاک میں بھی غبار نہیں ہے۔ یہ محض ادعا ہے شاعرانہ ہے، جس کے لئے تعلیل کی ضرورت سے مطلب مصنف کا یہ ہے کہ عشاق کی طینت میں غبار نہیں ہے۔ لیکن طینت کی جگہ خاک کہنا محاورہ سے گرا ہوا ہے۔ بخود پہلے معنی اور معنی دوسرے معنی لکھتے ہیں اسی نے دونوں معنوم لکھے ہیں۔

۵۔ جس طرح گل وہ آئینہ ہے جس میں معانی کا جلوہ دکھائی دیتا

ہے۔ اسی طرح دل بھی ایک آئینہ ہے۔ جس میں معانی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس لئے اگر تجھے جلوہ ہائے معانی کا لطف اٹھانا ہے تو وہ آئینہ دل سے اٹھا۔

حسرت نے دوسرا معنوم یہ لکھا ہے۔ "بہار کی نمود اسی وقت تک ہے جب تک کہ گل قائم ہے۔ لیکن چونکہ قیام شگفتگی گل ناپائیدار ہے اس لئے بہار بھی ناپائیدار ہے، بس اس سے بہتر ہے کہ دل سے جلوہ معانی کا لطف اٹھایا جائے۔ کیونکہ لطف سخن کی بہار بے خزاں ہے۔ ۶۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے قتل کرنے کا عہد کیا۔ اگر یہ عہد مضبوط نہیں ہے تو بہت ہی افسوس ہے۔

۷۔ غالب! تم نے میکشی کی قسم کھائی ہے۔ یعنی یہ عہد کیا ہے کہ اب ہم شراب نہ پیئیں گے۔ مگر تیری قسم کا ہم کو اعتبار نہیں۔ کیونکہ تجھ سے میکشی نہیں چھوٹ سکتی (تمام تنقید)

بیخود! اے غالب تو نے میکشی کی قسم کھائی ہے۔ تیری قسم سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ ترک میکشی کی قسم کھائی ہے۔ یا میکشی کرنے کی اور جب تیری قسم سے یہ دونوں پہلو جھلک رہے ہیں تو میں تیری قسم کا ہرگز اعتبار نہیں ہے۔

۱۷۱

جو غم سے یا تنگ سرنگونی مجھ کو وصل ہے ۱۔ کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے
روئے زخم سے مطلب لذتِ زخمِ سفلن کی ۲۔ سمجھو سنت گیا بس جد سے دیوارِ غافل،
وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چکنہ غنچہ گل کا صدائے خندہ دل ہے

۱۔ کثرتِ غم کے بوجھ سے میرا سراسر قد جھک رہا ہے کہ تارِ دامن سے تارِ نظر میں امتیاز کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے تارِ دامن سے تارِ نظر اس طرح متصل ہو گیا ہے کہ دونوں ایک معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ رفوئے زخم سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زخمِ سل کو زخماً بدل ہو جائے بلکہ اس سے زخمِ سوزن کی لذت مطلوب ہے۔ کہیں یہ نتیجہ نہ نکالنا کہ دردِ عشق کے دیوانے کو اب درد کا ذوق نہیں رہا۔ اس لئے وہ زخم کا زخمِ کراہا ہے اس خیال کو اس طرح بھی ادا کر رہا ہے۔

زخمِ سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طبعی غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں ۳۔ نچھو نچھو گل کے چمکنے کو خندہٴ دل سے تبسیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ گلاب کی کئی بلحاظ رنگ و صورت دل سے مشابہت قائم رکھتی ہے۔ کہتے ہیں وہ گل (عشوق) جس گلستاں میں جلوہ فرما ہوا وہاں غنچوں کا چمکتا خندہٴ دل کا ہم آہنگی ہے مطلب یہ ہے کہ کلیاں اس کو جلوہ افروز دیکھ کر ہنستی ہیں۔ بوجہ مشابہت کلیوں کے چمکنے کی آواز کو خندہٴ دل کہتا ہے۔

۱۷۲

یادِ امن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرانورد ۱ خارِ پاہیں جو ہر آئینہٴ زانو مجھے دیکھنا حالتِ مرثیٰ کی ہم آغوشی لئے ۲ ہے نگاہِ آشاخِ اسیرِ کچھ ہر مو جھے

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت نہ بوجھ

ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیرے تو جھے

۱۔ زانو کو آئینہ سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ آئینہ کو زانو پر رکھ کر دیکھتے ہیں اور آئینہٴ فولادی کے جوہر کاٹوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں میں صحرانورد تھا لیکن پاؤں میں کٹے چھوہ جلنے سے میں

صحرا خوردی سے مضطرب ہو گیا اور اب پا بدامن بیٹھا ہوں۔ وہ کانٹے جو صحرا خوردی میں میرے پاؤں میں چبھتے آئیے زانو کا جو ہر معلوم ہوتے ہیں۔ آتھی؛ لطیف بات اس میں یہ ہے کہ جو کانٹے پاؤں میں چبھے ہیں ان کا اثر زانو تک محسوس ہو رہا ہے۔

میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ بلکہ تلووں میں سے کانٹے نکالنے کے لئے جس طریقے سے بیٹھا جاتا ہے مصنف نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یا جب پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو تلوہ زمین پر نہیں ٹیکا جاتا۔ بلکہ آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح بیٹھنے سے کانٹے سامنے آ جاتے ہیں اور انہیں نکالنے میں آسانی ہوتی ہے۔

۲۔ میرے دل کی حالت محبوب سے ہم آغوشی کے وقت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا بال بال میرے لئے ایک نگاہ آشنا بن جاتا ہے جو میرے دل کی حقیقت سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم آغوشی کے وقت کسی قسم کی غیریت کا احساس نہیں ہوتا۔ کیونکہ محبوب کا رو نگٹا رو نگٹا مجھ سے واقف ہوتا ہے۔

بیخود۔ آتھی؛ کیونکہ دل تیری زلف میں مدتوں اسیر رہ چکا ہے اس وجہ سے ہر ایک سرسبز ہم آغوشی کے وقت نگاہ آشنا کا کام دیگا۔

سجید؛ کیونکہ میں ہمیشہ اپنے تصور میں اس کی ہم آغوشی کا خیال باندھتا رہا ہوں اس وجہ سے اس کا ہر سرسبز میرے قلب سے آشنا ہو گیا ہے۔ طباطبائی؛ (۱) ان خیال آتھی و بیخود (۲) اور سرسبز کو عام لیں تو بھی معنی درست ہیں۔ یعنی ہنگام ہم آغوشی تیرا ہر سرسبز میرے دل کی حالت دیکھنے کے لئے نگاہ آشنا ہو جائے گا۔

۳۔ میں سراپا شکایتوں کے راگ کا ساز ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ تم لوگوں کے سامنے مجھے نہ چھیڑو، ورنہ بیاختہ میرے منہ سے شکایتیں نکلنے لگیں گی اسی مضمون کو یوں بھی لکھا ہے ۵
پڑہوں ہیں شکوہ سے یوں راگ جیسے باجہ اک ذرا چھیڑے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

۱۷۳

جس بزم میں تو ناز سے گفتاریں آئے ۱ جال کا لہر صورت دیوار میں آئے
سایہ کی طرح ساتھ پھر ہی سرو و صوبر ۲ تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آئے
تب ناز گراں مانگی اشک بجائے ۳ جب سخت جگر دیدہ خونبار میں آئے
دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر ۴ کچھ تھک کو مرہ بھی مرے آزار میں آوے
اُس چشمِ فصولِ گر کا اگر پائے اشارہ ۵ طوطی کی طرح آئینہ گفتاریں آوے
کانشوں کی زباں سٹھ گئی پیاس سے یارب ۶ اک ابلہ پا وادی پُر غار میں آوے
مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تنہا نک ۷ آغوشِ خمِ حلقہ زقار میں آوے
غارت گریں ناموس نہ ہو گر ہوس زر ۸ کیوں شاہدِ گل بارغ سے بازار میں آئے
تب چاک گریباں کا مزہ ہے دلِ نالوں ۹ جب اک نفس الجھا ہوا ہزار میں آوے
آتشکدہ ہے سینہ مرا باز نہاں سے ۱۰ اے دئے اگر معرضِ اظہار میں آئے
گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

۱۔ کالبد.. قالب، مراد جسم، صورت، دیوار.. وہ تصویر جو دیوار پر بنائی جائے۔

جس بزم میں تو ناز و ادا سے گفتگو کرے۔ اگر تیری جان بخش باتوں سے ان تصویرِ بعل کے جسموں میں جان پڑ جائے جو دیوار پر آرائش کے لئے

بنادی جاتی ہیں تو کوئی تعجب نہیں، کیونکہ تیرے لب و دہن میں مسیحا کی صفت ہے۔

۲۔ اگر تو اپنے اس دلکش قد کے ساتھ گلزار میں آئے تو سرو و صنوبر تجھ پر عاشق ہو جائیں اور سایہ کی طرح تیرے ساتھ پھر میں مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے قد کی دلکشی کو بھول اور تیرے قدر پر عاشق ہو جائیں۔ بخود اس شعر کو بیت الغزل قرار دیتے ہیں۔

۳۔ اشک کو اس وقت اپنی گرا ناگنی پر ناز کرنا سجا ہے۔ جب دیدہ خونبار میں جگر کے ٹکڑے بھی کٹ کٹ کر آئیں۔

۴۔ کہتے ہیں بے وجہ ستارے میں کوئی لطف نہیں، تم مجھے ذرا شکایت کرنے کی اجازت دیو، کیونکہ جب میں تم سے تمہاری شکایتیں کروں گا تو تمہیں غصہ آئیگا تو مجھ پر ظلم کرو گے۔ پھر جیسی پُر زور میری شکایت ہوگی ویسا ہی سخت مجھ پر ظلم ہوگا۔ اسی طرح تمہیں بھی ظلم کرنے اور آزار دینے کا لطف آئے گا، ادھر میں بھی لطف اندوز ہوں گا۔ خاموشی سے ظلم اٹھانے میں مجھے بھی کوئی لطف نہیں آتا۔ طباطبائی اور بخود اس شعر کو حاصل زمین قرار دیتے ہیں۔

۵۔ فنوں گر یعنی جادوگر + آئینہ اور طوطی میں مناسبت ہے کیونکہ آئینہ سامنے رکھ کر طوطی کو بولنا سکھایا جاتا ہے۔ دوسرے اس تشبیہ میں لطف یہ ہے کہ جب محبوب آئینہ کے سامنے اشارہ کرے گا تو وہی آئینہ میں بھی دکھائی دیگا۔ گویا اس طرح سے آئینہ میں تو بت گفتا پیدا ہو جائیگا اور یہی چشم فنوں کا جادو ہے کہ بے جان آئینہ اُس کے جادو سے گویا ہو گیا۔

۶۔ وادی پُر خار میں پیاس کے مارے کانٹوں کی زبان سُکھ گئی۔

خدا کیسے کوئی آبلہ پا (عاشق) اس وادی پر خار میں آنکے کہ اس کے آبلوں کے پانی سے ان کانٹوں کی زبان تر ہو جائے۔ آنتی لکھتے ہیں کہ دہرہ اپنی رہائی کی دعا کی ہے۔

۷۔ معشوق کے گلے میں زنا بڑی ہوئی دیکھ کر رشک سے مرے جاتے ہیں میں رشک سے کیوں نہ مر جاؤں کہ میرے سامنے اس کے تین نازک کو حلقہ زنا نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم آغوشی میرا حق تھا نہ کہ مجھ کا۔

۸۔ اگر ہوس نہ غارت گیر ناموس نہ ہو تو شاہد گل (پھول) بازار میں ہرگز فروخت نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ پھول جیسی خوبصورت چیز کو محض تخصیص زر کے لئے بازار میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ پھول کو شاہد گل کہہ کر اس کو بازار میں لانے سے گل کی سخت توہین مقصود ہے یعنی ہوس زنا پرستی کو بھی جائز قرار دیتی ہے۔ جو کہ ادنیٰ قسم کا انسان بھی گوارا نہیں کر سکتا (آنتی۔ حسرت)

طبا طلبائی: گلاب میں جو زیرہ ہوتا ہے اُسے زر گل کہتے ہیں۔ شعر کا مطلب یوں سمجھو کہ گلاب کا کھلنا اور زر گل کا کھلنا کیا ہے۔ گویا زر کی ہوس میں ہاتھ پھیلاتا ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ میرا زار آنا پڑا۔ نہیں تو بربادی ناموس کا کیوں سامنا ہوتا غنچہ کی طرح بندھی مٹی چلا گیا ہوتا۔ جب ہاتھ پھیلا کر زر لیا تو شاہد بازار ہو گیا اور ناموس و غوث برباد ہو گئی (بہخود)

۹۔ اے دل نالاں، گریبان چاک کرنے کا لطف تو اس وقت ہے جب ہر تار گریبان کے ساتھ ایک نفس بھی الجھا ہوا ساتھ آئے۔ مطلب

یہ ہے کہ گریبان کے ساتھ دامن زندگی بھی تارتا رہونا چاہئے۔ عشق میں موت کی آرزو کا اظہار کیا ہے۔

۱۰۔ رازِ نہاں کی گرمی سے میرا سینہ آتشکدہ بن چکا ہے اگر خدا نخواستہ کہیں یہ آگ ظاہر ہو جائے تو خدا جانے کیا آفت برپا ہو۔ دنیا جل جائے پتہ نہیں اس سے کہاں کہاں آگ لگے۔

۱۱۔ گنجینہ معنی خزانہ + اسے غالب! جو لفظ کہ میرے اشعار میں آئے۔ اس کو گنجینہ معانی کا طلسم سمجھئے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے ایک ایک لفظ میں بیشمار معانی اور مفہوم ہوتے ہیں اور جوں جوں وہ نظروں کے سامنے آتے ہیں۔ انسان حیران ہوتا چلا جاتا ہے۔

۱۴۲

جن مہ گرج بہنگام کمال اچھا ہے ۱ اس سے میرا یہ خورشید جمال اچھا ہے
بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے سرخونہ گماہ ۲ جی میں کہتے ہیں کہ مفت کئے تو مال اچھا ہے
اھ بازاری سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ۳ ساغرِ حم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
بے طلب دیں تو مزہ اس میں ہوا ملتا ہے ۴ وہ گدا جس کو نہ ہو خوشے سوال اچھا ہے
ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر دھن ۵ وہ بکھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
دیکھئے پاتے ہیں عشاق تہوں سے کیا فیض ۶ اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
ہم سخن تیشہ نے فرنا د کو شیریں سے کہا ۷ جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے
قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے ۸ کام اچھا ہے وہ جس کا کہ کمال اچھا ہے
نصیر سلطان کو رکھے غائبی اکبر مسرور ۹ شاہ کے باغ میں یہ نازہ منال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت یہی کہ

دل کے خوش کرے کو غالب خیال اچھا ہے

۱۔ چاند کا حُسن جس وقت کہ وہ تکمیل کو پہنچ چکا ہو یعنی بد بن گیا ہو، اچھا ہے۔ لیکن اس سے میرا خورشید جمال معشوق یقیناً اسی طرح بہتر ہے جس طرح کہ خورشید ماہ سے بہتر ہے۔ بقول حالی وہ سب سے مصرع میں دعویٰ مستحسن دلیل ہے کہ معشوق کو میر خورشید جمال اس لئے کہا ہے تاکہ اس کو ماہ کامل پر ترجیح دینے کی وجہ پیدا ہو جائے۔ اسی یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ "کہ از ہر پر تو بود ماہ ماہ" ۲۔ کہتے ہیں دل کی قیمت بوسہ ہے، وہ تو دیتے نہیں اور ہر وقت دل اڑا لینے کی فکر میں ہیں اور جی میں کہتے ہیں کہ اگر یہ مال مفت میں یعنی بغیر قیمت (بوسہ) دیئے ہاتھ آجائے تو اچھا مال ہے (تمام مستحق)۔

بیخود لکھتے ہیں کہ وہ اس خیال سے دل کو مفت اڑا لینے کی فکر میں ہیں کہ یہ مال اگر مفت مل جائے تو خوب ہے۔ پھر کسی موقع پر بوسہ کو جان کی قیمت میں لگائیں گے۔

حالی : شاعر کے ذہن میں پہلے سے اپنی اپنی جگہ یہ باتیں ترتیب وار موجود تھیں کہ مٹی کا گوزہ ایک نہایت کم قیمت اور ارزاں چیز ہے۔ جو بازار میں ہر وقت مل سکتی ہے اور جام جمشید ایک ایسی چیز تھی جس کا بدل دُنیا میں موجود نہ تھا۔ اُس کو یہ بھی معلوم تھا کہ تمام عالم کے نزدیک جام سفال میں کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ جام جم جیسی چیز سے فائق اور افضل سمجھا جائے، نیز یہ بھی معلوم تھا کہ جام جم میں شراب پی جاتی تھی اور مٹی کے گوزے میں شراب پی جاسکتی ہے۔ اب تو تخیل نے اس تمام معلومات کو ایک نئے ڈھنگ سے ترتیب دے کر ایسی صورت میں جلوہ گر کر دیا کہ جام سفال کے آگے جام جم کی کچھ حقیقت نہ رہی اور پھر اس صورت میں موجود فی الذہن کو بیان کا ایک دلغریب پیرایہ دے کر اس قابل کر دیا کہ زبان اس

کو پرکھ کر متلذذ اور کان اس کو سن کر محفوظ اور دل اُس کو سمجھ کر متاثر ہو سکے۔
اس مثال میں وہ قوت جس نے شاعر کی معلومات سابقہ کو دوبارہ ترتیب دے
کر ایک نئی صورت بخشی ہے۔ وہ تخیل یا ایمجیشن ہے۔ اور اس نئی صورت
موجودہ فی الذہن نے جب الفاظ کا لباس پہن کر عالم محسوسات میں قدم رکھا
ہے اس کا نام شعر ہے۔ نیز اس مثال میں ایسی نیش کا عمل خیالات اور الفاظ
دونوں کے لحاظ سے برتہ غایت اعلیٰ درجہ میں واقع ہوا ہے کہ باوجود کمال
سادگی اور بے سادگی کے نہایت بلند اور نہایت عجیب انگیز ہے۔

جام سفال بمعنی مٹی کا کوڑہ۔ فرماتے ہیں۔ میرا مٹی کا پیالہ جام محمد
سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ہمارا پیالہ ٹوٹ جلتے تو ہم ہمارے اور لاشعور
ہیں۔ جام جم میں یہ بات کہاں ہے اس لئے وہ ہمیں پسند نہیں۔

۴۔ اگر اہل کرم بھکاری کو بے مانگے بھیک ملے تو اسے بہت زیادہ
خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ سوال کرنے سے اس کے جذبہ خودداری کو ٹھیس
لگتی ہے اور بقول بیخود سوال کی تلخی عطا کی شیرینی کو بد مزہ کر دیتی ہے۔ اس
لئے وہ گما جس کو سوال کرنے کی عادت نہ ہو اچھا ہے۔

بیخود اس شعر میں ردیف کی نشست ایسی زبردست واقع ہوئی ہے
کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

طبا طبائی: سوال کرنے کی مذمت کیا اچھی طرح سے کی ہے۔
۵۔ حالی: شاعر کو پہلے سے یہ بات معلوم تھی کہ دوست کے ملنے
سے خوشی ہوتی ہے اور بگڑی ہوئی طبیعت بحال ہو جاتی ہے، نیز یہ بھی
معلوم تھا کہ دوست کو جب تک عاشق اپنی حالت زار اور اُس کی جدائی
کا صدمہ نہ جتائے۔ دوست عاشق کی محبت اور عشق کا پورا پورا یقین نہیں

کر سکتا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ بعض وقت خوشی سے دفعۃً ایسی بشارت ہو سکتی ہے کہ رنج و غم اور تکلیف کا مطلق اثر چہرہ پر باقی نہ رہے اور ایجنشن نے اس تمام معلومات میں اپنا تصرف کر کے ایک نئی ترتیب پیدا کر دی یعنی یہ کہ عاشق کسی طرح سے اپنی جدائی کے زمانے کی تکلیفیں معشوق پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب تکلیف کا وقت ہوتا ہے اُس وقت معشوق نہیں ہوتا اور جب معشوق ہوتا ہے اُس وقت تکلیف نہیں رہتی۔ اس مثال میں ایجنشن کا عمل معناً اور لفظاً دونوں طرح بدرجہ غایت لطیف اور حیرت انگیز واقع ہوا ہے جیسا کہ ہر صاحب ذوق سلیم پر ظاہر ہے۔

۶۔ حالی : گویا معشوق کی تسلیاں ایسا مستغرق ہے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں۔ یہاں تک کہ پنڈت نے جو سال اچھا بتایا ہے تو اس کے اچھا ہونے کے یہی معنی سمجھتا ہے۔ کہ شاید اس سال معشوق عاشقوں پر مہربان ہو جائیں۔ نہ یہ کہ اس سال قحط نہیں پڑے گا۔ وہائیں نہ آئیں گی۔ لڑائیاں نہیں ہونگی وغیرہ وغیرہ۔

۷۔ انسان میں جس طرح کا کمال بھی ہو، وہ بہت اچھا ہے۔ کیونکہ کمال انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ فرماؤ ایک معمولی مزدور تھا۔ شیریں تنگ اس کا پہنچنا محال تھا۔ کیونکہ یہ مزدور تھا اور وہ شہزادی۔ مگر اُسے کوہ کنی اور تیشہ زنی میں کمال حاصل تھا اس لئے وہ شیریں تنگ پہنچا اور اس کو اپنی محبوبہ سے ہمکلامی کا مشرف حاصل ہوا۔ طباطبائی : پہلے مصرعہ میں تنجلیک ہے۔ دوسرے میں تنافر اور دونوں میں ربط بھی خوب نہیں اور مضمون بھی کچھ نہیں۔

آسی : اس اعتراض کی تردید کرتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ بہر حال

یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اوپر کے شعروں کے مقابل میں یہ شعر بہت کمزور اور کھسکا ہے۔

۸۔ اس میں مصنف نے قطرہ و دریا کی تشبیل کو نظم کیا ہے۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی شعروں میں ادا کر چکے ہیں مثلاً ۷
عشرتِ قطرہ میں ہے دریا کا فنا ہو جانا دریا کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
دل ہر قطرہ ہے ساز انا ابھر ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
صوفیائے گرام کا عقیدہ ہے کہ فنا فرع کو اصل سے ملاتی ہے اس
لئے ہر چیز اپنے مبداء سے انصال کے لئے کوشاں ہے۔ چنانچہ قطرہ
جب اپنے آپ کو دریا میں فنا کر دیتا ہے تو وہ قطرہ نہیں رہتا بلکہ دریا
ہو جاتا ہے اور چونکہ اس کا یہ کام لینے دریا میں فنا ہو جانا اچھا ہے۔ اس
لئے اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

آسی: اس میں مصنف نے ایک اخلاقی سبق دیا ہے۔
طبا طبائی: یہ مضمون کثرتِ استعمال سے متبذل ہو گیا ہے۔ جو شخص
اسے نظم کرتا ہے، شعری بد مزہ ہو جاتا ہے۔ ”ساز انا ابھر“ والے شعر
کی تعریف کرتے ہیں کہ محاورہ کی چاشنی نے پیچھے مضمون کو چٹ پٹا
بنا دیا ہے۔

۹۔ یہ شعر شہزادہ خضر سلطان فرزند بہادر شاہ بادشاہ متخلص
بہ ظفر کی مدح میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں، خداوندِ کریم خضر سلطان کو ہمیشہ مسوز
اور شاد کام رکھے کیونکہ گلستانِ شاہ میں یہ تو نہال بہت اچھا ہے۔ اس
شعر میں الفاظ نہایت مناسب ہیں۔ مثلاً ”خضر“ مسوز، باغ، تازہ نہال،
خاندانِ شاہی کو باغ اور فرزندِ شاہ کو تازہ نہال سے تشبیہ دے کر شعری

جان کمال دی ہے۔

۱۰۔ کہتے ہیں ہمیں جنت کی حقیقت معلوم ہے یعنی وہ کچھ بھی نہیں۔
محض "ناضموں کو ایک سبز باغ دکھایا ہے" بہر حال دل کو خوش رکھنے کے
لئے یہ خیال بہت خوب ہے۔

۱۷۵

نہ ہوتی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی ۱ امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
خار خوارِ المِ حسرت دیدار تو ہے ۲ شوقِ گل چین گلستانِ تسلی نہ سہی
ہے پرستانِ خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے ۳ ایک دن گزرتا تھا بزم میں ساقی نہ سہی
نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا ۴ گر نہیں شمعِ سیہ خانہ بلی نہ سہی
ایک ہنگام پر موقوف ہے گھر کی رونق ۵ زورِ غم ہی سہی، نغمہ شادی نہ سہی
نہ ستائش کی تمنا نہ صد کی پروا ۶ گر نہیں میں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
عشرتِ صحبتِ خواباں ہی غنیمت سمجھو

نہ ہوتی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی

۱۔ معشوق کو عاشق کے عشقِ صادق کا یقین نہیں آیا اور یہاں عاشق
امتحانِ محبت میں جان تک دے چکا ہے۔ عاشق اس حالت کو دیکھ کر کہتا
ہے کہ اگر میرے مر جانے سے تیری تسلی نہ ہوتی تو کچھ صدائقہ نہیں تو اور
امتحان لینا چاہتا ہے تو وہ بھی خوشی سے بے لے۔ میں بعد از مرگ بھی
بہ طیب خاطر مزید امتحان کے لئے تیار ہوں۔

سعید: "اگر یہ بات ہے تو امتحان کی خاطر میں نہیں مروں گا۔"

طباطبائی: اس شعر پر اگر غالب خدائے سخن ہونے کا دعویٰ کریں تو
خدا گواہ ہے کہ یہ سچ ہے۔ پھر دیکھئے تو نہ فنِ معانی کی کوئی خوبی ہے نہ فنِ بیان

کا کچھ حصہ ہے۔ نہ فنِ بدیع کے تکلفات ہیں۔

۲۔ اگر شوقِ گلستانِ تسلی کا گلچیں نہیں بنا تو نہ سہی۔ اس کے لئے حسرتِ دیدار کا رنجِ دغم ہی کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شوق کو تسلی حاصل نہیں ہوئی تو کیا ہوا، یہ کیا کچھ کم ہے کہ وہ حسرتِ دیدار کے رنج میں مصروف ہے۔

۳۔ اے مے پرستو اگر ایک دن بزم میں ساقی نہیں کہ وہ جام بھر کر پلائے تو نہ سہی۔ غمِ منہ سے لگا کر پی جاؤ۔ مطلب تو جی بھر کر پینے سے ہے۔ طباطبائی کو مے پرستوں کی جگہ ”مے پرستان“ اور ”لگائے ہی بنے“ لانے پر اعتراض ہے۔

۴۔ لطف اس شعر میں یہ ہے کہ سیلی کا رنگ کالا تھا اور وہ کالے خیمہ میں رہا کرتی تھی۔ اس لئے اس کے گھر کو سیاہ خانہ کہا ہے۔ بخود و طباطبائی لکھتے ہیں کہ مجنوں کو خیمہ لیلے میں بار نہ ملی، اس لئے اظہارِ نفرت کی خاطر اس کو سیاہ خانہ کہا ہے۔

نفسِ قیس جو اپنی شعلہ باری کے لحاظ سے چشم و چراغ صحرا بنا ہوا ہے۔ اگر وہ لیلیٰ کے سیاہ خانہ کی شمع نہ بنا تو نہ سہی، یہ کیا کم ہے کہ صحرا اس سے روشن ہے۔ اتنی سیاہ خانہ لیلیٰ سے لیلیٰ کا تاریک دل مراد لے کر معنی بیان کرتے ہیں۔ بقول حسرتِ غالب نے اس شعر میں عشق کے استغنا کا اظہار کیا ہے۔

۵۔ گھر کی رونق ایک ہنگامہ پر موقوف ہے۔ اگر نعمۂ شادی نہیں ہے تو نہ سہی۔ توجہ غم ہی سہی۔ کیونکہ ہنگامہ کے لحاظ سے غم اور شادی دونوں برابر ہیں۔ اس شعر میں کمالِ مجبوری اور انتہائی محرومی کا اظہار کیا ہے

بقول سچید ایسے شخص کی جو وہ غم اور غمزدگی میں تیر نہیں کر سکتا، بیش
راحت کی محرومی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یا بقول طباطبائی عارف کی نظر میں
شادی و غم دونوں کی ایک صورت ہے۔

۶۔ مرزا کے کلام پر عام طور پر اعتراض کیا جاتا تھا کہ وہ مہمل اور مشکل
ہوتا ہے کہتے ہیں نہ مجھے کسی سے داد لینے کی تمنا ہے اور نہ صلے کی پروا
یعنی جو کچھ کوئی دیتا ہو وہ شوق سے نہ دے۔ اگر میرے کلام میں معنی نہیں
اور وہ مہمل ہے تو ہوا کرے، کسی کو کیا؟

۷۔ خیال یہ ہے کہ عشق کے صدمات اور شدائد عاشقی کو عمر طبعی
تک نہیں پہنچنے دیتے، وہ گھلا گھلا کر پہلے ہی اسے ختم کر دیتے ہیں۔
غالب اگر تمہیں صدمات عشق نے گھلا گھلا کر عمر طبعی کو پہنچنے سے پہلے مار
ڈالا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ تمہاری جتنی عمر گزری وہ حسینوں
کی صحبت میں گزری، گو یا عشرتِ صحبتِ خرباں کو عمر طبعی پر ترجیح دیتے ہیں۔

۱۷۶

عجب نشاط سے جلاؤ کے چلم میں ہم آگے ۱ کہ اپنے سارے سرِ دل سے فراق
قضا نے تجا مجھے جا بجا خراب باؤ الفت ۲ فقط خواب لکھا بس زحل کے قلم آگے
غم زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی کستی ۳ وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے
خدا کے واسطے داد اس جھون شوق کی دینا ۴ کہ اس کے در پہ پہنچنے میں نامہ برے ہم آگے
یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے ۵ تمہارے آئوے طرہ ہائے خم بہ خم آگے
دل و جگر میں پراختاں جو ایک بو بخور ۶ ہم اپنے زعم میں کچھ ہوئے تھے اس کو آگے
قسم خانے پہ آنے کی میرے کھاتے میں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

۱۔ ہم قتل ہونے کی خوشی میں جلّاد کے آگے آگے جا رہے ہیں اور ہماری خوشی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ شوق شہادت میں ہمارے سر کا سایہ پاؤں سے بھی دو قدم آگے ہے۔ جب آفتاب چلنے والے کی پشت پر ہو تو اس کے سر کا سایہ ہمیشہ پاؤں سے آگے پڑتا ہے۔ مرزا نے اسی شاہد سے یہ مضمون پیدا کیا ہے۔

۲۔ روزِ ازل کا تب تقدیر نے مجھے خراب بادۂ الفت لکھنا چاہا تھا۔ لیکن اُس نے خراب لکھا تھا کہ اُس کا قلم آگے نہ چل سکا۔ گویا میں محض خراب و برباد ہی رہ گیا۔ خراب بادۂ اُلفت نہ ہو سکا۔

طباطبائی: یہاں مضمون کے ناتمام رہ جانے نے بڑا لطف دیا اور ہر ایک حالت کی ناتمامی کا بیان ہمیشہ لطف دیتا ہے اور قلم کے نہ چل سکنے کی وجہ سستی اور بے ہوشی ہے، جو لفظ خراب لکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ غم زمانہ نے ہماری نشاطِ عشق کی مستی کو جھاڑ دیا۔ یعنی غم دُنیا نے عشق کو بھلا دیا، ورنہ کبھی ہم بھی غمِ عشق کی لذت سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔

۴۔ خدا کے لئے ہمارے اس جنونِ شوق کی داد دینا کہ ادھر ہم یار کے نام خط لکھ کر نامہ بر کے حوالے کرتے ہیں اور ادھر جواب کے شوق میں یار کے دروازے پر نامہ بر سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔ یہی جنونِ شوق ہے کہ خط پہنچا نہیں اور اس کے جواب کے طالب پہلے سے کھڑے ہیں۔

۵۔ ”تمہارے آگے آئے“ بد دعا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں جو کچھ ہم نے کیا ہے ہمارے آگے آئے اور جو کچھ تم نے کیا ہے تمہارے آگے آئے۔ فرماتے ہیں۔ اے گیسرے اور جو کچھ تم نے کیا ہے تمہارے آگے آئے۔ فرماتے ہیں۔ اے گیسرے

خدا رب بار تمہاری بدولت جو ہم نے پریشانیوں اٹھائی ہیں خدا کرے وہ تمہارے
 آئیں مطلب یہ ہے کہ تم بھی ہمیشہ میری طرح پریشان رہو۔ شاعر
 نے یہاں بدو عائن و عاکا پہنو نکالا ہے۔ چونکہ پریشان ہونا زلف کی
 صفت ہے، اس لئے عاشق کی بدو عا و عابن گئی اور دُعا یہ ہے کہ خدا
 کرے تمہاری زلف میں یہی دلکشی رہے۔

۶۔ پُرافشاں .. جوشِ زن + موجِ طُحل .. خون کی موج + زغم
 .. گمان + دم .. سانس ۔

ہمارے دل و جگر میں جو ایک موجِ خون جوشِ زن ہے۔ اس کو پہلے
 ہم سانس خیال کرتے تھے۔ اب جبکہ عشق نے اسے لہو بنا کر بہایا تو ہمیں
 معلوم ہوا کہ یہ سانس نہیں، موجِ خون ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق نے یہ
 حالت بنا دی ہے کہ سانس کے ساتھ سینے سے لہو کٹ کٹ کر آ رہا
 ہے اور عاشق یہ خیال کرتا ہے کہ سانس ہی حقیقتاً لہو ہے۔ کیا معصوم
 استنباط ہے۔ اسی کو شاعری اور آرٹ کہتے ہیں۔

۷۔ قسم کھانا .. انکار کرنا + آگے .. پہلے ۔

یا تو ان کی یہ حالت تھی کہ پہلے وہ میری جان کی قسم کھایا کرتے تھے
 اور جان کی قسم اسی کی کھایا کرتے ہیں جس سے محبت ہٹا کرتی ہے۔ لیکن
 اب یہ حال ہے کہ ان کو میرے جنازے پر بھی آنے سے انکار ہے۔

۱۷۷

شکوہ کے نام سے بے مرخا ہوتا ہے ۱ یہ بھی مت کہہ کہ جو کہنے تو لگتا ہوتا ہے
 پہ ہوں میں شکوے سے یوں راک سے جیسے ۲ اک ذرا چھڑیے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے
 تو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو ۳ شکوہ بخود سے سرگرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخِ لکوکب کی چال ۴ سُست دجیے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے
 کیوں نہ ٹھہریں ہفتِ نادک بیدا کہ ہم ۵ آپ اٹھالائے ہیں اگر تیر خطا ہوتا ہے
 خوب تھا پہلے سے تھتے جہم اپنے بدخواہ ۶ کہ بھلا جانتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے
 نالہ جانا تھا پرے عرش سے میرا ادب ۷ لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے
 خامہ میرا کہ وہ ہے بارِ بزمِ سخن ۸ شاہ کی مدح میں یوں فقرہ سرا ہوتا ہے
 اے شہنشاہ کو اکب سپہ و مہرِ علم ۹ تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
 ساتِ اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے ۱۰ تو وہ لشکر کا تیرے فعل بہا ہوتا ہے
 ہر جینے میں جو یہ بد سے ہوتا ہے ہلال ۱۱ آستانِ پرتو سے مدنا صیہ سا ہوتا ہے
 میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں ۱۲ یہ بھی تیرا ہی کرمِ ذوقِ فزا ہوتا ہے
 رکبجو غالب مجھے اس تلخِ دوائی میں معاف

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

۱۔ اگر میں شکوہ کا نام بھی لیتا ہوں تو وہ بے مرخا ہوتا ہے۔ اس کی خفگی
 کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ ”وہ شکوے کے نام سے خفا ہوتا
 ہے“ تو یہ بھی وہ گلہ خیال کرتا ہے۔

طباطبائی: یہ بات بھی یعنی (جو کچھ تو گلہ ہوتا ہے) منہ سے نہ نکالو۔
 گلہ نہیں تو گلہ کا نام تو زبان پر آگیا (سعی و آستی)

۲۔ میں شکایتوں سے اس طرح بھرا ہوا ہوں جس طرح ماگوں سے باجہ
 بھرا ہوا ہوتا ہے۔ بس مجھے چھیرنے کی ذرہ ہے۔ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔
 اس مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے

ہوں سرا یا سارا ہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھوڑ دو مجھے
 ۳۔ وہ اپنی کم سنی یا سادگی کی وجہ سے میرے شکوں کا مطلب میں سمجھتا

لیکن اُس کی حُرینِ غلامی قابلِ داد ہے کہ شکوہ مجدد کرنے سے وہ اور بیدار چاہیں
کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ محبوب کو خیر نہیں کہ میں شکوہ مجدد سے مزید بچاؤں
کا طلبگار ہوں۔ پہلے کہہ چکے ہیں ۵

نالہ مجز حُسنِ طلب اے تم ایجاد نہیں ہے تقدیر کے جفا شکوہ بیدار نہیں
۴۔ چرخِ مگوکب .. کوکب ستارہ دار آسمان، ستاروں کو آبلوں سے
اور چرخِ مگوکب کو آبلہ سے تشبیہ دی ہے۔

عشق کی راہ میں ستارہ دار آسمان اس طرح سنبھل سنبھل کر اور رُک
رُک کر چلتا ہے، جیسے کوئی آبلہ یا شخص چلتا ہے۔

۵۔ ہدف .. نشانہ + ناوک .. تیر۔

معتوق کے ناوک بیدار کا نشانہ بننے کے ہم اس قدر آرزو مند ہیں کہ
اگر اس کا کوئی تیر خطا ہو جاتا ہے تو دوڑ کر ہم اُسے خود اٹھا لیتے ہیں اور
اس کو دیتے ہیں کہ وہ دوبارہ ہم پر چلاؤ۔ ایسی حالت میں بھلا ہم اس کے
ناوک بیدار کے ہدف کیوں نہ نصرتِ مطلب یہ ہے کہ انہیں تیر کھلنے کا
مجھ جیسا شوقین اور کہاں مل سکتا ہے ؟

۶۔ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ اگر ہم اپنا بھلا چاہتے ہیں تو ہمیشہ بُرا
ہوتا ہے۔ اگر یہ بات ہمیں پہلے معلوم ہو جاتی تو ہم اپنے بدخواہ بن جاتے
اور اپنی بدخواہی کرتے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلتا کہ ہماری بھلائی کی صورت پیدا
ہو جاتی۔ کیونکہ جو کچھ وقوع میں آتا ہے، وہ ہمیشہ ہماری خواہش کے
برخلاف ہوتا ہے۔

۷۔ پہلے میرے نالوں میں اس قدر زور تھا کہ وہ عرشِ سناٹے سے بھی
اُگے نکل جاتے تھے، لیکن اب کمزوری کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی نالہ

بہت ہی رسا ہوتا ہے تو وہ مشکل سے لب تک آتا ہے۔ ورنہ بیشتر نالے تو سینے میں رہ جاتے ہیں۔

۸۔ باربد .. ایک مشہور ایرانی گویئے کا نام ہے۔ جو بادشاہ ابراہن کا درباری گویا تھا۔ یہاں مراد مطرب۔

میرا قلم جو کہ بزم سخن کا باربد (مطرب) ہے بادشاہ کی مدح میں اس طرح نغمہ سرا ہوتا ہے۔

۹۔ کواکب سپہ .. جمع کوکب، بمعنی ستارہ یعنی وہ جس کی فوج آسمان کے ستارے ہوں۔ مراد لا تعداد فوج + ہر علم .. جس کا علم آفتاب ہو۔

اے شہنشاہ ستارے تیرا لشکر اور آفتاب تیرا علم ہے، تو اس قدر بڑا بادشاہ ہے کہ کوئی شخص تیرے انعام و اکرام کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

۱۰۔ سات اقلیم .. سات سلطنتیں مراد ساری دنیا + حاصل .. محصول + نفل بہا .. وہ روپیہ جو چھوٹی حکومتیں بڑی حکومت کو ادا کرتی ہے تاکہ وہ ان کی سرپرستی اور حفاظت کرے۔
اگر سات سلطنتوں کا محصول فراہم کریں تو وہ تیرے لشکر کا نفل بہا ہوتا ہے۔

۱۱۔ ہر مینے جو چاند بدر سے گھٹ کر ہلال ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تیرے آستانے پر اس قدر نامیہ فرسائی کرتا ہے کہ گھٹے گھٹے بدر سے ہلال بن جاتا ہے۔

۱۲۔ میں جو آئین غزنویانی میں گستاخی کرتا ہوں۔ یہ تیرے ہی کرم کا

اثر ہے کہ وہ میری آتش اشتیاق کو مشتعل کرتا ہے (سعید)
 بخود، میں جو آئین غزلخانی کو توڑ کر تیرا مدح سرا ہو جاتا ہوں تیرے
 کرم کی وجہ سے یعنی تیرا کرم ذوق مدح سرائی پر بھاتا رہتا ہے۔
 آتشی: میں جو گستاخانہ اور بے تکلفانہ اچھی اچھی غزلیں پر بھتا ہوں
 اس کی کوئی اور وجہ نہیں بلکہ کرم ہائے توہارا کردگستاخ۔
 ۱۳۔ اے غالب! میری تلخ نوائی سے درگزر کرنا۔ اس کی وجہ یہ
 ہے کہ آج میرے دل کا درد کچھ بڑھ گیا ہے اور ضبط کی تاب نہیں دی۔
 اس لئے زبان سے تلخ الفاظ نکل رہے ہیں۔ بخود تلخ نوائی سے اشعار پڑھ
 مراد لیتے ہیں۔ سعید تلخ گوئی سے سخت گوئی اور سخت سست کہنا سمجھتے ہیں۔

۱۴۸

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ۱ تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
 نہ شعلہ میں یہ کرشمہ، نہ برق میں لہذا ۲ کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تندہ کیا ہے
 یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے ۳ وگرنہ خوفِ بدآموزی عدو کیا ہے
 چپک رہا ہے بدن پر امو سے پرانا ۴ ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا ۵ کہہ دیتے ہو جوابِ راکھ، جنو کیا ہے
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں تکیں ۶ جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
 وہ پیر جس کے لئے ہم کو ہو بہشتِ عزیٰ ۷ سوئے ہادہ گفہامِ مشک ہو کیا ہے
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں ۸ پیشہ و قدح و کوزہ دبو کیا ہے
 رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی تو کس امید پہ کیجے کہ آرزو کیا ہے
 ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اترتا
 وگرنہ شہ میں غالب کی آبرو کیا ہے

۱۔ تم میری ہر ایک بات پر کہتے ہو کہ تیری حقیقت ہی کیا ہے تو اپنے آپ کو سمجھتا کیلئے، یا تو ہے کیا چیز، خدا کے لئے تمہیں بتاؤ کہ یہ طریقہ گفتگو کس قسم کا ہے یعنی تمہنے یہ کس قدر توہین آمیز طرز گفتگو اختیار کی ہے۔

۲۔ اگر میں اس کی تند خوئی کے سبب سے اسے شعلہ کہوں تو شعلہ میں وہ کرشمہ نہیں جو اس میں ہے اور اگر میں اس کی شوخی کی وجہ سے اس کو برق قرار دوں تو برق میں وہ تاز اور انداز نہیں جو اس میں ہے۔ پھر خدا کوئی مجھے یہ بتا دے کہ آخر میں اس شوخ تند خو کو کیا کہوں۔

۳۔ مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ دشمن تمہیں میری طرف سے ہدیمان کرتا اور تمہارے کان بھرتا ہے۔ مجھے تو رشک یہ ہے کہ وہ تم سے ہمکلام ہوتا ہے۔

۴۔ ہمارے گریبان کو اب رفو کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ لبوس بدن پر پیرا ہن چپک گیا ہے۔ اسی مضمون کو فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے

بہن چسپیدہ ہازم از نیم خونابہ پیرا ہن

خراش سینہ سطر سجیہ شد چاک گریبانم

طبا طبائی: اس شعر میں سستی یہ ہے کہ کوئی وجہ نہیں بیان کی کہ لڑکوں نے پتھر مار کر خون بہایا ہے یا خود سر پھوٹا الا ہے یا خون کے آنسو بہے ہیں یا چھاتی کو پیٹتے پیٹتے زخمی کر لیا ہے یا گریبان پھاٹکے میں ناخن سے نوچا ہے۔ یہ سب احتمال ہیں مگر تعین نہ کرنے سے بے لطفی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ خود دیکھتے ہیں کہ احتمالات تعین نہ کرنے سے زیادہ لطف پیدا ہو گیا ہے۔

۵۔ عاشق سوزِ عشق سے جل چکا ہے اور معشوق اس کی ناکہ کرید

رہا ہے۔ کہتے ہیں ارے نادان جسم کے ساتھ دل بھی جل گیا ہوگا۔ اب راکھ کرید کر دل کو کیا تلاش کرتا ہے۔

طبا طبائی: کریدنا بڑا ہے۔ دقیقہ منج لوگ ضرور کیٹے کیا معشوق مُرغی تھا۔ اُسی لکھتے ہیں کہ اعتراض آسان ہے۔ اس جگہ کوئی اور لفظ رکھا جائے تو حقیقت ٹھکے۔

۶۔ ہم اس لہو کو لہو نہیں مانتے جو رگوں میں دوڑتا پھرے۔ ہم تو اس کو لہو مانتے ہیں جو آنکھ سے ٹپکے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لہو نہیں جو آنکھ سے آنسو بن کر نہ ٹپکے۔

۷۔ وہ چیز جس کی وجہ سے ہمیں بہشت عزیز ہو سکتی ہے اسوائے بادۂ گلغام مشک بو کے اور کیا چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں بہشت اسی وجہ سے عزیز ہے کہ وہاں نہایت عمدہ شراب ملیگی اور مقدار کثیر ملیگی۔

۸۔ ہم اس قدر بلا نوش واقع ہوئے ہیں کہ قدر و شیشہ و کورہ و سبو کو کچھ چیز نہیں سمجھتے۔ ہاں اگر دو چار خم سامنے ہوں تو پھر شراب پیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ معمولی شراب پی کر طبیعت بے لطف نہیں کرنا چاہتے۔

۹۔ اوّل تو مجھ میں طاقت گفتاری باقی نہیں رہی اور اگر ہو بھی تو کس امید پر کہوں کہ میری کیا آرزو کیا ہے۔ کیونکہ اس سے آرزو پوری ہونے کی بالکل توقع نہیں رہی اور یہ ہمہ نا امیدی یہ ہے اس کے گزشتہ سلوک کا، کہ اُس نے کبھی کوئی آرزو پوری نہیں کی۔

۱۰۔ ذرا غالب کو دیکھنا! بادشاہ کے مصاحب بن کر اترتے پھرتے ہیں، ورنہ جو کچھ شہر میں ان کی آبرو ہے، وہ معلوم ہی ہے یعنی کچھ نہیں۔

کہتے ہیں ایک دن استاد ذوق کہیں پاکی میں بیٹھے جا رہے تھے کہ غالب

کی نظر پڑی۔ چونکہ اُن سے معاصرانہ چٹک تھی۔ مصرعہ اولیٰ فی البدیہہ کمکر پڑھا۔ استاد ذوق نے سُن لیا اور بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے غالب کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ نے کونسی غزل کہی ہے انہوں نے پوری غزل سُنائی اور مقطع میں یہ مصرعہ بھی شامل کر دیا۔

۱۷۹

میں انہیں پھیرٹوں اور کچھ نہ کہیں ۱ چل نکلتے جوئے پئے ہوتے
 قہر ہو، یا بلا ہو، جو کچھ ہو ۲ کاش کے تم میرے لئے ہوتے
 میری قسمت میں گر اتنا تھا ۳ دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے
 آہی جاتا وہ راہ پر غالب
 کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

۱۔ میں انہیں پھیرٹوں اور وہ کچھ نہ کہیں یہ بڑے تعجب کی بات ہے، اگر کہیں اس وقت وہ شراب کی ترنگ میں ہوتے تو میرے پھیرنے پر آفت برپا کر دیتے۔

۲۔ تم قہر ہو یا بلا ہو، خواہ کچھ ہی ہو۔ کاش کے تم میرے لئے مخصوص ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ میں کسی حالت میں بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ تم دوسروں کے لئے ہو۔ بقول طباطبائی قہر و بلا اپنے لئے گوارا کر لینا ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ معشوق کی شوخ مزاحی اور عریضہ جوئی اور شوق و حسرت وغیرہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔

۳۔ یارب اگر میری قسمت میں اتنا زیادہ غم لکھا تھا تو اُسے برداشت کرنے کے لئے دل بھی کئی ایک دیئے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قدر غم مجھے دیا گیا ہے وہ ایک دل کی برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ میرے

کاشکے دل دو تو ہوتے عشق میں ایک رکھتے ایک کھوتے عشق میں
۴۔ راہ پر آگیا .. کہا مان لینا۔

غالب وہ عنقریب راہ پر آجاتا اور تمہاری دلجوئی کرتا۔ تم بہت جلد
میاں ہو کر چل بسے۔ کوئی دن اور بچے ہوتے کہ لطفِ صحبتِ محبوب اٹھاتے

۱۸۰

غیر میں محفل میں بوسے جام کے ۱ ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ ۲ ہمتکنڈے ہیں چرخِ میلی فام کے
خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ۳ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
رات پی زمزم پرے اور صبح دم ۴ دھوئے دجے جامہٴ احرام کے
دل کو آنکھوں نے پھنسیا، کیا مگر ۵ یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
شاہ کی ہے غسلِ صحت کی خبر ۶ دیکھئے کب دن پھرین حمام کے
عشق نے غالب نکما کر دیا
درتہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۔ محفل سے مراد محفلِ معشوق ہے اور پیغامات مراد پیغامِ طلبِ تشنہ جام
کی رعایت سے لائے ہیں۔ اپنی حرماںِ نفسی کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہتے ہیں افسوس
کہ غیر تو محفلِ ریاض میں جام کے بوسے لیں۔ یعنی بے تکلف شربِ پیش اور پیغامِ طلب
سے بھی محروم رہیں یا ہماری کوئی بات بھی نہ پوچھے۔

۲۔ اپنی بربادی اور خستگی کا تم سے گلہ نہیں یہ سب فدا کج رفتار
کے ہمتکنڈے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم سے گلہ نہیں۔ اپنی تقدیر
سے شکوہ ہے۔

طبا طبائی لکھتے ہیں کہ میلی فام بھرتی کا لفظ ہے اس کو معافی میں نہیں۔

بتا دیں کہ سکتے ہیں کہ نیلا رنگ مخموس اور غم کی نشانی ہے۔

۳۔ چاہے خط لکھنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو، ہم نہیں برابر خط لکھے جائینگے، کیونکہ ہم تمہارے نام کے عاشق ہیں اس لئے ہمیں تمہارے نام خط لکھنے سے مطلب ہے۔

۴۔ زمزم۔۔ مگر منظر میں ایک کنواں ہے، جس کے پانی کو خانہ کعبہ کے قرب کی وجہ سے متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ رات کو ہم نے چاہ نہرم پر بیٹھ کر شراب پی اور صبح کے وقت اُسی کے پانی سے جامہٴ احرام کے جتے دھو ڈالنے یعنی پاک صاف ہو گئے۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے زندانِ شوخی دکھائی ہے کہ ہم حج کے موقع پر بھی شراب نوشی سے باز نہیں آئے۔ بلکہ چاہ زمزم پر بیٹھ کر شراب پیتے رہے اور پھر اسی متبرک پانی سے شراب کے جتے دھوئے۔

۵۔ مگر معنی شاید۔ میرے دل کو میری آنکھوں نے تمہارے عشق کے جال میں پھنسا یا ہے۔ شاید یہ (میری آنکھیں) تمہارے دام کے حلقے میں۔ چونکہ آنکھوں کی بدولت انسان عشق میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی آنکھوں کو مشوق کا حلقہٴ دام کہا، حلقہٴ چشم اور حلقہٴ دم میں مناسبت ہے۔

۶۔ اتواہ ہے کہ بادشاہ غسلِ صحت کرنے والے ہیں۔ دیکھئے حمام کی تقدیر کب پھرتی ہے۔ یعنی وہ کب حمام میں غسلِ صحت فرما کر اسے شرفِ تدرؤ میمنت لزوم بخشے ہیں۔

۷۔ غالب ہیں عشق نے کسی کام کا نہ رکھا، ورنہ ہم بڑے کام کے آدمی تھے۔

پھر اس انداز سے بہا ر آئی ہے ۱ کہ ہوئے ہر وہ تماشا

دیکھو اے ساکنانِ خطہ پاک ۲ اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
 کہ زمین ہو گئی ہے سبز ناسر ۳ روکش سطح چرخ بینائی
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی ۴ بن گیا روئے آب پر کائی
 سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے ۵ چشمِ زرگس کو دی ہے بینائی
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر ۶ بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب

شاہِ دیندار نے شفا پائی

پھر اس انداز سے بہا ر آئی ہے کہ ہر وہ اس کو بڑے شوق
 کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

۲۔ اے زمین کے رہنے والو دیکھو اے عالم آرائی کہتے ہیں۔

۳۔ روکش .. بد مقابل + چرخ بینائی .. سبز آسمان۔

زمین کثرتِ سبزہ و گل کی بدولت سبز آسمان کی بد مقابل بن گئی ہے
 یعنی آسمان بھی سبز ہے اور زمین بھی سبز ہے یا یہ کہ زمین آسمان سے
 بڑھ گئی ہے۔

۴۔ کثرتِ سبزہ و گل سے سبزہ کو جب روئے زمین پر جگہ نہ ملی تو
 وہ آخر کار سطحِ آب پر کائی بن کر ظاہر ہو گیا۔ کائی بھی سبز ہوتی ہے۔

۵۔ خداوند تعالیٰ نے سبزہ و گل کے نظارہ سے لطف اندوز ہونے
 کے لئے چشمِ زرگس کو بینائی دی ہے۔ یاد رہے چشمِ زرگس کو عام شعرا نابینا
 خیال کرتے ہیں۔ لیکن غالب نے اس خیال کو ترک کر کے نیا مضمون پیدا کیا ہے۔

۶۔ حالی ! یہ شعر بہار کی تعریف میں ہے اس میں بادِ پیمائی کے لفظ سے
 دو معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ بادِ پیمائی محبت کا نام کہنے کو کہتے ہیں پس ایک معنی

تو اس کے یہ ہیں کہ فصل بہار کی ہوا ایسی نشاط انگیز ہے کہ گویا اس میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو زیادہ نوشی محض بادہ سیائی یعنی فضول کام ہے۔ اس صورت میں بادہ نوشی مبتدا ہوگا اور بادہ سیائی خبر۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ بادہ سیائی کو مبتدا اور بادہ نوشی کو خبر قرار دیا جائے اور جس طرح بادہ سیائی کے معنی بادہ بخاری کے ہیں اسی طرح بادہ سیائی کے معنی ہوا کھانے کے لئے جائیں اس صورت میں مطلب یہ نکلے گا کہ آج کل ہوا کھاتی بھی شراب پی پی ہے (مستعید۔ بخیر) اتنی اور طباطبائی بھیجئے پہلے لکھے ہیں۔

۲۔ موسم بہار کو دنیا کی خوشی قرار دے کر کہتے ہیں کہ بھلا ساری دنیا خوش کیوں نہ ہو۔ بادشاہ سلامت نے شفا پائی ہے۔ چونکہ مصرعہ اولیٰ میں دنیا کا لفظ آیا تھا۔ اس لئے اس کی مناسبت سے دوسرے مصرعہ میں دین کا لفظ لائے ہیں۔ اس تناسب کو مد نظر رکھے بغیر دبندار اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

۱۸۲

تفاضل دوست ہوں میرا دماغ عجز خالی ہے ۱ اگر پہلو تھی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے
روا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے ۲ بھرے ہیں جن قدر جام و بونہ خانہ خالی ہے
۱۔ تفاضل دوست ہوں .. یعنی میں تفاضل کو پسند کرتا ہوں + دماغ عجز .. عجز کا دماغ مراد رتبہ عجز + پہلو تھی .. تفاضل + جگہ خالی کرنا .. جگہ اس شخص کے لئے خالی کی جاتی ہے جس کا احترام مقصود ہو۔

میں تفاضل پسند انسان ہوں۔ میرا دماغ عجز اس درجہ بلند ہے کہ اگر آپ مجھ سے پہلو تھی کریں تو میں اس پہلو تھی کرنے سے یہ سمجھونگا کہ آپ نے میرے لئے جگہ خالی کر کے مجھ پر خاص کرم فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تفاضل پسند ہونے کی وجہ سے تفاضل کو پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ تفاضل میں نکتہ بیہ ہے کہ

آپ مجھے عاشق سمجھتے ہوئے جان بوجھ کر مجھ سے گریز کرتے ہیں۔ ایک جگہ پہلے لکھ چکے ہیں۔

جان کر کیجئے تغافل کہ کوئی بات بھی نہ ہو۔ یہ نگاہ غلط انداز تو سمجھ ہے ہم کو
۲۔ حالی : یہ خیال شاید کسی اور کے دل میں بھی گزرا ہو، مگر تخیل نے اس کو بالکل ایک اچھوتا مضمون بنا دیا ہے اور شعر کو نہایت بلند کر دیا ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں اگر ہمت کا وجود ہوتا جو دنیا کو محض ناچہرہ سمجھ کر اس کی طرف التفات نہ کرتے تو دنیا ویران ہو جاتی۔ پس یہ جاننا چاہئے کہ عالم اسی سبب سے آباد نظر آتا ہے کہ اہل ہمت مفقود ہیں یعنی جس طرح میخانہ میں جام و سبو کا شراب سے بھرا رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ میخانہ میں کوئی میخوار نہیں ہے، اسی طرح عالم کا آباد و معمور ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس میں اہل ہمت معدوم ہیں (تمام متفق)

آئسی (۱) اگرچہ دنیا آباد ہے مگر اہل ہمت اس میں نہیں ہیں۔ گویا یہ ایک مے خانہ ہے جس میں شراب نادر ہے۔ جام و سبو بھرے پڑے ہیں۔

۲۔ حالی کے ہم خیال (۳) اہل ہمت کے نہ ہونے سے دنیا آباد ہے کہ جام و سبو جس قدر بھر بھر کر دیں گے میخانہ خالی ہو جائے گا یعنی یہ لوگ اگر میخانہ دنیا میں ہوتے تو دنیا کو لٹا دیتے اور ان کا وجود و کرم دنیا کو آباد نہ رہنے دیتا۔

کب وہ مست ہے کہانی میری ۱ اور پھر وہ بھی ربانی میری
خلش غمزدہ خوں بہ نہ چوچے ۲ دلچہ خوبا بہ فشانای میری

کیا بیاں کر کے مراد ٹینگے پار ۳ مگر آشفۃ بیانی میری
 ہوں نہ خود رفتہ بید کے خیال ۴ بھول جانا ہے نشانی میری
 متقابل ہے مقابل میرا ۵ رک گیا دیکھ روانی میری
 نقدِ سنگ سرور رکھتا ہو ۶ سخت انداز ہے گزافی میری
 گردِ بادِ رو بے تابی ہوں ۷ صرصر شوق ہے بانی میری
 دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا ۸ کھل گئی میچہ دانی میری
 کر دیا ضعف نے عاجز غالب

نگہ پیری ہے جوانی میری

۱۔ کہانی میری یعنی میرا قصہء عشق + شاعرین اس شعر کو تعریف
 سے مستغنی قرار دیتے ہیں۔ واقعی نہایت بے تحلف شعرواقع ہوا ہے۔
 کہتے ہیں وہ اقل تو میری کہانی کب سنتا ہے اور اگر سنے بھی تو
 میری زبانی سنانا ناممکن ہے۔

۲۔ عمرہ خونریز کی خلش کی کیفیت مجھ سے نہروچہ بلکہ میری خونناہ
 (خالص خون) نشانی دیکھ لے۔ اسے دیکھ کر تجھے عمرہ خونریز کی خلش کی
 کیفیت معلوم ہو جائیگی کہ اُس نے میرے سینے میں کیسے زخم ڈال دیئے ہیں
 جو خالص خون کے آنسو جاری ہیں۔

۳۔ جب کوئی عزیز مر جاتا ہے تو اقربا مرنے والے کی صفات بیان کر کے
 دوتے ہیں۔ کہتے ہیں میرے عزیز اور دوست مرنے کے بعد میری کیا صفات
 یاد کر کے روئیں گے؟ اس سوال کا خود ہی جواب دیتے ہیں کہ شاید وہ میری آشفۃ
 بیانی بیان کر کے روئیں گے۔ اس شعر میں شاعر اپنی آشفۃ بیانی کو ایسی
 ماہر الاتیاز صفت قرار دیتا ہے۔ جسے یاد کر کے اعوا کو رونا آئے گا۔

خوب شعر ہے۔

۴۔ بیدا .. صحرا + نشانی .. پہچان ۔

حسرت : میں صحرائے خیال کا از خود رفتہ ہوں اور از خود رفتگی ہی

میری نشانی یا پہچان ہے (سجید)

طبا طبائی : خیال سے احباب مراد ہے اور اسے میدان فرض کیا

ہے اور اپنے تبئیں اس میدان کا از خود رفتہ کہا ہے۔ یعنی خیال احباب

سے میں نکل جاتا ہوں اور احباب کا مجھے بھول جانا ہی میری نشانی ہے۔

(طبا طبائی ۔ پتھر ۔ آستی)

آستی (۲) میں خیال یار کے دشتِ ناپیدا کنار میں از خود رفتہ ہو گیا

ہوں اور میری گم گشتگی اور از خود رفتگی کا نشان یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گیا ہے۔

۵۔ ایک خط میں غالب نے اس شعر کی شرح خود لکھی ہے۔ تقدیل و

تضاد کو کون نہ جلنے گا۔ نور و ظلمت ، شادی و غم ، راحت و رنج و وجود و عدم

لفظ مقابل اس مصرع میں معنی مروج ہے جیسے کہ حریف کہ معنی دوست کے

بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خوشے و

عادات ضد ہمدگر ہیں۔ وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رک گیا (خود مندی)

حسرت : متقابل یعنی بہ تصنع مقابل ہے مطلب یہ ہے کہ حریف

میری روانی (روانی طبع) کو دیکھ کر درحقیقت قائل ہو گیا۔ لیکن ظاہر میں

محض اس بات کی ہنسی کے لئے یہ تصنع مقابلہ کئے جاتا ہے۔

۶۔ حالی : گرانی کے معنی بھاری پن کے ہیں اور بیش قیمت ہونے

کے بھی کہتا ہے کہ میری قدر اس پتھر کی سی ہے جو راہ کے سرے پر بڑا

ہو اور ہر شخص آتے جاتے اس پر پاؤں رکھ کر گزرے۔ یعنی ہوں تو گرانی مگر

اس پتھر کی طرح بے قدر ہوں۔ پس میری گرائی کس قدر ازاں ہے (سجیدہ - پنجد)
 ۷۔ گرد پاؤں ۰۰ بگولا + صرصر ۰۰ آندھی، ہوا اٹے تند + بانی
 ۰۰ بانی مانی -

میں راہ بیت بنی کا بگولا ہوں یعنی بگولے کی طرح بے قرار ہوں اور
 اس بیقراری کی بانی مانی صرصر شوق ہے۔ یعنی میں وہ بگولا ہوں جو شوق
 کی آندھی سے پیدا ہوا ہے۔

۸۔ معشوق کا دہن بیچ ہے۔ جو شخص بیچ نہ جانے وہ مجھدان ہے
 کہتے ہیں۔ جب اس کا دہن باوجود کوشش کے مجھے معلوم نہ ہوا تو میری
 مجھدانی ظاہر ہو گئی۔

۹۔ ننگ بمعنی عار + کہتے ہیں اگرچہ میں جوان ہوں لیکن ضعیف و
 نقاہت نے مجھے عاجز کر دیا ہے۔ مجھے ایسا ضعیف ہے کہ اگر
 بڑھاپے میں بھی کسی کو ہوتا تو ننگ پیری کہلاتا۔ مطلب یہ ہے کہ میری جوانی
 بڑھاپے کے لئے باعث ننگ و عار ہے۔

۱۸۴

نقشِ ناز بہت طناز یا غوشِ رقیب ۱ پائے طاؤس پئے خامہ مانی مانگے
 تو وہ بد خو کہ نخیر کو تماشا جانے ۲ غم وہ افسانہ کہ آشفتمانی مانگے
 وہ تب عشقِ تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع ۳ شعلہ تا نبض جگر ریشہ دوانی مانگے
 ۱۔ پئے بمعنی بچائے۔ مور کا تمام جسم خوبصورت مگر اس کے پاؤں
 بد صورت ہوتے ہیں۔ اسی طرح معشوق خوبصورت اور رقیب جس کی گود
 میں وہ بیٹھا ہوا ہے بد صورت ہے اس لئے جب اس معشوق سراپا نہ
 کی اس حالت کی تصویر ناز مصدق تیار کیوے تو مناسب ہے کہ وہ خامہ مانی

کی بجائے پائے طادس مانگے گا، تاکہ رقیب کی تصویر مور کے پاؤں کی طرح خراب بنے۔ یہ طرزِ تبدیل کا شعر ہے۔

آئسی: خونی اس شعر میں یہ ہے کہ یہاں خود مصنف نے یہ نہیں کہا کہ میں ایسا چاہتا ہوں بلکہ یہ کہا ہے کہ اس قسم کی تصویر کا یہ تقاضا ہے۔
۲۔ عالمِ حیرت میں خاموشی کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن تو ایسا بدحواس ہو جاتا ہے کہ میری حیرت اور خاموشی کو تماشا اور سامانِ تفریح خیال کرتا ہے۔ حالانکہ حیرت کی وجہ یہ ہے کہ ہم افسانہ غم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایسا افسانہ ہے جو اشفہ بیانی چاہتا ہے اور اشفہ بیانی کو تو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے ہم سخت کشمکش میں ہیں۔

آئسی: (۱) تو مجھ کو بھو تماشا سمجھتا ہے اور میرے غم کا افسانہ ایسا ہے جو چاہتا ہے کہ اشفہ بیانی بھی اس کے ساتھ ہو (۲) میری حیرت میرے لئے ایک تماشا ہے اور اگر اس سے اشفہ ہوں اور میرا غم مجھے مجبور کر دے تو تو اشفہ بیانی سمجھتا ہے۔ غرض دو گونہ عذاب ہے چپ رہوں تو مصیبت کچھ کموں تو آفت (باقی شارحین میرے خیال میں)

۳۔ نبض سے مراد رگ + ریشہ دوانی مانگے۔ یعنی سرایت کرے۔ مجھے ایسے تپ عشق کی تمنا ہے کہ جس کا شعلہ شمع کی طرح رگ جگہ تک سرایت کرے گویا تمام جسم کو جلا ڈالے۔ شمع سے مثال اس لئے دی ہے کہ جب اس کی بٹی کو آگ لگتی ہے تو شعلہ اس کے جگہ تک بٹیکے ذریعہ سے سرایت کرتا ہے ریشہ دوانی بھی اسی رعایت سے لائے ہیں۔

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے ۱ ہر غنچہ کا گل ہنما آغوش کشائی ہے

واں گنگرہ استغفار ہم سے بلند ہے پر ۲ یاں نالہ کو اور اُٹا دھوی رسانی ہے
 از بسکہ سکا تاپا ہے غم ضبط کے اندر ۳ جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے
 ۱۔ چونکہ گلستاں کو تیری ہم نشینی اور تیرا یا رانہ بہت ہی زیادہ مرغوب ہے
 اس لئے بارغ کی کلیاں کھلتی نہیں بلکہ جوش محبت میں تجھ سے بغلیگر ہونے
 کے لئے اپنی آغوش داکرتی ہیں۔

۲۔ گنگرہ استغفار .. باہم استغفار بے پروائی کا گنگورہ۔
 اُدھر یاد کے باہم استغفار کا گنگورہ ہر دم بلند ہوتا جاتا ہے اور اُدھر
 ہمارے نالہ کو اُٹا رسانی کا دھوئے ہے یعنی یاد تو ہر دم ہم سے بے پروا
 ہوئے جاتا ہے مگر ہمارے نالے کو دھوئے رسانی ہے غ
 بہیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

۳۔ داغ صوت میں آنکھ سے مشابہ ہے۔ کہتے ہیں غم میرا استاد
 بنا ہے اور وہ مجھے ضبط غم کی تعلیم دے رہا ہے۔ اس صوت میں مجھے جو
 داغ نظر آ رہا ہے وہ استاد کی چشم نمائی کا حکم رکھتا ہے۔ گویا زبانِ حال
 سے کہتا ہے کہ دیکھو نالہ و فریاد نہ کیجو۔

۱۸۶

جس زخم کی ہو سکتی ہو تیرا رفو کی ۱ لکھ دیکھو یا رب اُسے قسمت میں مدد کی
 اچھا ہے سر انگشتِ حنائی کا تصور ۲ دل میں نظر آئی تو ہے اک ہوند لبو کی
 کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے ۳ یاں تو کوئی سستا نہیں فریاد کو کی
 دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو ۴ خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
 صد جیٹ وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
 حسرت میں رہے ایک بُتِ عربہ جو کی

۱۔ جس زخم میں ٹانگے لگ سکتے ہوں، وہ مجھے ہر کار نہیں آئے خدا
بسا زخم دشمن کی قسمت میں لکھ دیجیو میں تو ایسا زخم چاہتا ہوں جس کا کوئی
ج ہی نہ ہو سکے۔ بقول حسرت اپنی ابتدا دوستی کا اظہار کیا ہے۔

۲۔ حالی: لفظ ”تو“ نے جو دوسرے مصرعہ میں ہے یہ معنی پیدا کر
دیئے ہیں کہ آنکھ سے اور روتے روتے دل میں خون کا ایک قطرہ باقی
نہ رہا۔ اس لئے دوست کے سراگشت حنائی کے تصور کو غنیمت سمجھتا
ہے کہ اس کی وجہ سے دل میں لہو کی ایک بوند تو نظر آتی ہے۔

۳۔ حالی: بے حوصلگی یعنی کم ظرفی۔ یاں سے مراد دنیا۔ معشوق
سے کہتا ہے کہ تو اس بات سے کیوں ڈرتا ہے کہ ہم عاشق لوگ تیرے
ظلم و جور سے تنگ اگر حاکم سے، با خدا سے تیری فریاد کریں گے کیونکہ اگر
ہم ایسا کریں بھی تو کوئی کسی کی فریاد نہیں سُنتا۔

۴۔ دشمن اور خنجر سے مراد ناز و انداز اور ظلم و ہمدرد معشوق۔ دشمن
نہ جنگ کو منہ نہ لگانا سے مراد جگہ کو ٹکڑے نہ کرنا اور خنجر کا گلو کی بات نہ چھپنا
۔ مراد اس کو نہ کاٹنا۔

اس ظالم معشوق کے دشمن نے جس عاشق ناکام کے جگہ کو منہ تک
نہ لگایا ہو اور اس کے خنجر نے کبھی اس مظلوم کے گلے کی بات تک نہ پوچھی
ہو، اُس کی حسرت دیکھا چاہئے۔ اسی اور طبیبی نے اس شعر کو مطلق
سے پہلے لکھا ہے۔ اس ترتیب سے شعر کا مفہوم بالکل صاف ہو جاتا ہے
۵۔ بہت عرصہ جو۔۔ معشوق جنگجو۔

غالب افسوس صد افسوس اس ناکام تمنا کی حالت پر جو ایک عمر
یعنی عرصہ دراز تک ایک بہت جنگجو کی حسرت ہیں یہ ہے اور اس کی

۱۷۸

سیما پست گرمی آئینہ ہے ہم ۱ حیراں کئے ہوئے ہیں دل بقرار کے
آغوش گل کشودہ برائے دوا ہے ۲ اے عندلیب چل کہ چلے دی ہمارے
۱۔ سیما ۲۔ پارہ ۳۔ پست گرمی ۴۔ پست بانی یعنی اعانت و

امداد۔ پہلا مصرعہ مثالیہ ہے اور ”ہم“ دوسرے مصرعہ کے ساتھ ہے۔
دل بقرار کو سیما سے اور اپنی حیرانی کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔
کہتے ہیں جس طرح شیشے پر پارہ چر مٹانے سے شیشہ آئینہ بن جاتا ہے
اور حیران کہلاتا ہے اسی طرح ہم دل بقرار کے حیراں کئے ہوئے ہیں۔
یعنی پہلے بقرار سیما ہمارے دل کے شیشے پر چڑھا ہے، پھر اس
میں حیرانی کی صفت پیدا ہوئی ہے (تمام متفق)

آسی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے۔ سیما کا کام یہ ہے کہ وہ آئینہ
کی مدد کرتا ہے اور اس کو چمکاتا ہے۔ برعکس اس کے ہمارے دل بقرار
نے ہم کو حیران بنا دیا اور پریشان کر دیا۔ یعنی ہم بیکار ہو گئے اور گویا یہ اس
سیما کی نئی تاثیر ہے۔

۲۔ پھول کھلنے کو آغوش گل کشودہ سے تعبیر کیا ہے۔ لطف یہ
ہے کہ پھول کا کھلنا اس کی فنا کی دلیل ہے۔ کہتے ہیں پھولوں نے رخصت
ہونے کے لئے اپنی آغوش وا کر دی ہے۔ اے عندلیب اس سے گلے
دل کر رخصت ہو کہ ہمارے دل ختم ہو گئے۔

۱۸۸

ہے وصل ہجر عالم تمکیں و ضبط میں ۱ معشوق شوق و عاشق دیوانہ چاہئے
اس لب سے دل ہی جا بجا ہو سبھی تو کا ۲ شوق فنول و جرات زندانہ چاہئے

- ۱۔ تمکین .. خودداری ۔ اگر وصل کی رات معشوق کے دل میں نکلتا اور عاشق کے دل پر ضبط و قرار کا عالم طاری ہو تو پھر وصل مہجر بن جاتا ہے ۔ دراصل وصل میں معشوق کو شوق و شنگ اور عاشق کو دیوانہ و گستاخ ہونا چاہئے تاکہ کسی قسم کا تکلف بے لطفی پیدا نہ کرے ۔
- ۲۔ اس کے لب کا بوسہ کہیں نہ کبھی مل ہی جائے گا ۔ ہاں اس کے لئے شوق فصول اور جُرأتِ رندانہ چاہئے ۔ بیخود ۔ ”شوق فصول“ کے معنی حد سے بڑھا ہوا شوق لکھتے ہیں اور اسی کہتے ہیں کہ بوسہ کے شوق کو شوق فصول اس لئے کہا کہ مصنف اس کو ابوالہوسی سمجھتا ہے نہ کہ عاشقی ۔

۱۸۹

- چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے ۱ یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے
 صحبتِ رنداں سے واجبِ ہذر ۲ جلے نے اپنے کو کھینچا چاہئے
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل ۳ بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہئے
 چاکِ مست کہ حیب بے ایام گل ۴ کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہئے
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی ۵ منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہئے
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو ۶ کس قدر دشمن ہے ؛ دیکھا چاہئے
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی ۷ یا رہی مہنگا مر آرا چاہئے
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ۸ ناامیدی اُس کی دیکھا چاہئے
 غافل ان رہ طلعتوں کے واسطے ۹ چاہئے والا بھی اچھا چاہئے
 چاہئے ہیں خوب رویوں کو آمد
 آپ کی صودت تو دیکھا چاہئے

۱۔ انسان دنیا میں جس قدر بھی محبت کرے وہ جینوں سے کرے اور اگر خوش قسمتی سے اس کے جواب میں وہ اسے چاہنے لگیں تو پھر کسی اور نعمت کی ضرورت نہیں۔

۲۔ شراب کشیدن .. شراب کھینچنا۔ اپنے کو کھینچنا.. پرہیز کرنا۔ کہتے ہیں میخواروں کی صحبت سے پرہیز کرنا واجب ہے بجلائے شراب کھینچنے (شراب پینے) کے اپنے آپ کو اس سے کھینچنا چاہئے یعنی پرہیز کرنا چاہئے۔
۳۔ تیرے عشق کو دل بالکل آسان بات سمجھتا تھا۔ اب اس سے ذرا پوچھنا چاہئے کہ تو نے عشق کو کیا سمجھا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ عشق بہت مشکل تھا۔ لیکن دل نے اُسے آسان سمجھ لیا تھا۔ (سعید)

بخود، طباطبائی و آتشی: دوسرے مصرعہ میں سمجھنا باز پرس کرنے کے معنی پر ہے۔ یعنی معشوق کو صلاح دیتے ہیں کہ ذرا اس کا مزاج بھی پوچھو کہ کیا سمجھ کر عشق کیا تھا۔

۴۔ حالی: پھول کے کھلنے کو چاک گریبان سے عموماً تشبیہ دی جاتی ہے، کتا ہے کہ ہر ایک کام نیچر کی ہدایت سے کرنا چاہئے پس جب تک پھول اپنا گریبان چاک نہ کرے تو بھی اپنا گریبان چاک مت کر۔ اس میں لطف یہ ہے۔ یمنوں کو ہمیشہ بہار میں جوش جنوں زیادہ ہوتا ہے۔

طباطبائی: یہاں چاک گریبان کے منع کرنے نے بہت لطف دیا کہ یہ بندش کا نیا انداز ہے۔

آتشی: جدت یہ ہے کہ فصل بہار میں گریبان چاک کرنا بہار کے لئے نہیں ہے بلکہ بقتضائے ایمائے قدرت ہے۔

۵۔ محبوب عاشق کے سامنے خاص طور پر اپنا منہ چھپاتا ہے، کہتے ہیں،

تم ہم سے یہ منہ چھپانا چھوڑ دو۔ جس طرح تم اوروں سے بے حجابانہ اور بے تکلفانہ ملتے ہو، اسی طرح ہم سے بھی ملو۔ اپنا منہ چھپا کر تم بیگانگی اور نادان واقفیت کا اظہار کرنا چاہتے ہو۔ لیکن دراصل اس طرح کی بیگانگی میں لگاوٹ پائی جاتی ہے۔ اس لئے دیکھنے والے فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ معاملہ دگرگوں ہے۔ برعکس اس کے اگر تم ہم سے منہ چھپانا چھوڑ دو اور بے حجابانہ ملو تو دیکھنے والوں کو تمہارے اور ہمارے دلی معاملات معلوم ہونے پائیں گے اور اس طرح سے بیگانگی، دوستی کا پردہ ہو جائے گی۔ اس مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے ۵

دہر پردہ انہیں غیر سے ہے ربط نہائی ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے
۶۔ مرزا پہلے لکھ چکے ہیں ۵

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
اس مضمون کو اب اس طرح لدا کرتے ہیں کہ ”محبوب میرا اس قدر دشمن ہے کہ رقیب نے اس کے سامنے میرے خلاف دہرا گلا اور وہ میرا ذکر نہیں ہی آگ بگولا ہو گیا۔ اس طرح دشمن کو میری وجہ سے نقصان پہنچا (سہا) غیر میری دشمنی میں سب کچھ بھول گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو معشوق کی بھی خبر نہیں، دیکھتے وہ ہمارا کس قدر دشمن ہے۔“

۷۔ اگر ہم اپنے تئیں رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش بھی کریں تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر بارہنگامہ آرا ہو تو رسوائی ہو سکتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ چلے تو ہمیں جلوہ دکھا کر رسوا کر سکتا ہے۔ جلوہ دکھانے میں رسوائی کی صورت یہ ہے کہ اس کی جلوہ آرائی سے بیتابی پیدا ہوگی اور بیتابی رسوائی کا باعث ہوگی۔

۸۔ جس شخص کی امید مرنے پر منحصر ہو، اس کی ناامیدی دیکھنے کے قابل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس درجہ مایوس ہے کہ موت مانگتا ہے لیکن وہ بھی نہیں آتی۔ طباطبائی لکھتے ہیں مرنے پر امید حاصل ہوتی تو کیا۔ ع
امید نیست کہ عمر گزشتہ باز آید

۹۔ اے غافل ان مردوں کو چاہئے والا بھی حسین و خوب رہونا چاہئے مطلب یہ ہے کہ آپ خوب نہیں ہیں اس لئے کامیاب نہ ہوئے۔

۱۰۔ دیکھنا اسد صاحب حسینوں کو چاہتے ہیں ذرا آپ کی صورت تو ملاحظہ کیجئے۔ یہ منہ اور منہ کی دار رہے منہ اور منہ کی (دل)

۱۹۰

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے ۱ میری رفتار سے بھاگے ہے بیابان مجھ سے
درس عنوان تماشا بتخلف خوشتر ۲ ہے نگہ رشتہ شیرازہ مژگاں مجھ سے
دشت آتش دل سے شب تنہائی میں ۳ صورت دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے
غم عشاق نہ ہو ساوگی آموز بیتاں ۴ کس قدر خانہ آئینہ ہے دہراں مجھ سے
اثر آبلہ سے جاوہ صحرائے جنوں ۵ صورت رشتہ گوہر ہے چراغان مجھ سے
یہ خودی بستہ تہیہ فراغت ہو جو ۶ پڑے سایہ کی طرح میرا شبستان مجھ سے
شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مائے ۷ ہونگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے
بکیسی مائے شب بھر کی ہشت ہے ۸ سایہ خورشید قیامت میں ہے پہناں مجھ سے
گردش ساغر صدمہ زمیں تجھ سے ۹ آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے
نگہ کرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد

ہے چراغان خس و خاشاک گلستاں مجھ سے

۱۔ میں بھاگ رہا ہوں تاکہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں لیکن ہر قدم پر

منزل کا راستہ بڑھتا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس قد میں آگے بڑھتا ہوں اسی قدر بیابان بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ منزل مقصود بیابان ہے یا بیابان سے آگے ہوگی۔

سعیۃ: بیابان میری رفتار مجنونانہ سے ڈر کر مجھ سے بھاگتا ہے۔
(ظاہر ہے یہاں یہ مفہوم نہیں)

۲۔ حسرت: ظاہر ہے کہ ”رشتہ شیرازہ مرثاں“ غیر محسوس ہوتا ہے۔ بس مطلب یہ ٹھہرا کہ کتاب یا رس کے دیدار کلاس یا (بحدف استعارات) محبوب کے دیدار کا لطف اسی حالت میں ہے کہ ہم اسے دیکھیں اور اسے ہمارے اس دیکھنے کی خبر نہ ہو (سعیۃ ہم خیال میں ہی شرح سب سے بہتر ہے)

طبا طبائی: میری نگاہ شیرازہ مرثاں کا رشتہ بن گئی ہے۔ حاصل یہ کہ تغافل پسند ہونے کے سبب سے نگہ آنکھ سے باہر نہیں نکلتی اور تماشائے دنیا سے درس لینا بھی تغافل ہے اچھا ہے اور عنوان کا لفظ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے لائے ہیں۔ یعنی سارا تماشائے تو ایک طور پر ہے اس کے دیکھنے کا کسے دماغ ہے۔ یہاں عنوان تماشائے بھی دیکھنے سے تغافل ہے۔

آسمی: عنوان تماشائے دوست کا درس حالت تغافل یا میں اچھا ہے تاکہ اس پر یہ ظاہر نہ ہو اور اس کے سوائے دوسروں پر بھی یہ راز نہ سکھے کہ نگاہ نے عنوان تماشاکا درس لیا۔ یعنی کسی کو دیکھا۔ اس وجہ سے نگاہ مجھ سے رشتہ شیرازہ مرثاں بنی ہوئی ہے۔ یعنی مجھ سے چھپی ہوئی ہے اور اس کا یہ فعل اس لئے ہے کہ اس کا راز معشوق

پر تو کیا، مجھ پر بھی نہ ظاہر ہو۔

بیخود: دُنیا کے تماشے سے عبرت کا سبق حاصل کرنا بھی تغافل کے ساتھ بہتر ہے۔ یعنی اُپ جُستی ہوئی نگاہ سے آغاز تماشا کو دیکھ لینا نتیجہ کمال لینے کے لئے کافی ہے اس لئے میری نگاہ شیرازہ مژگناں کا رشتہ بن گئی ہے۔ مطلب یہ ہے میں ایسا تغافل پسند ہوں کہ میری نظر بھی آنکھ کے پردے سے باہر نہیں نکلتی اور دُنیا کی نیزگیوں سے سبق حاصل نہیں کرتی۔

۳۔ شبِ فراق میں میرا سایہ میری آتشِ دل کی وحشت سے ڈر کر مجھ سے اس طرح بھاگتا ہے جس طرح آگ سے دُعوآں بھاگتا ہے حاصل یہ ہے کہ شبِ فراق میں میرا سایہ جو ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے میرا ساتھ نہیں دیتا۔ یہی مضمون اس طرح بھی ادا کیا ہے

سایہ میرا مجھ سے شل دو بھلے ہے آتشِ مجھ آتشِ بجاں کے کس سے ٹھہرا ہے؟
ہم۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غمِ عشاقِ حسینوں کو سادگی سکھا دے اور یہ لوگ عشاق کے غم میں ترکِ آرائش کر دیں۔ محض ایک میرے مرحلے سے خانہ آئینہ ویران ہو گیا ہے۔ کیونکہ اُس نے میرے سوگ میں آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے اگر غمِ عشاق میں تمام محبوب آرائش ترک کر کے سادگی اختیار کر لیتے تو خانہ آئینہ کا پوری طرح ویران ہو جانا یقینی ہے۔

آئینہ نے دو سرا مضمون غمِ عشاق کو مزاد ہی قرار دے کر لکھا ہے۔ یعنی اے غمِ عشاق تو معشوق کو سادگی نہ سکھاؤ دیکھ تو سہی۔ تیرے اس فعل سے آئینہ خانہ کیسا ویران معلوم ہوتا ہے یعنی میرے غم میں محبوب نے آرائش ترک کر دی ہے۔

۵۔ آبلے کو گوہر روشن اور جادہ صحرا کو رشتہ نگوہر سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں میوے پاؤں کے چھالوں کے اثر سے صحرائے جنوں کا رشتہ نگوہر کی طرح چمک رہا ہے اور وہ رشتہ نگوہر چراغاں کا سماں پیش کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے آبلوں میں سے جادہ صحرا پر برابر برابر خون کے قطرے ٹپکتے چلے گئے ہیں اور وہ چراغوں کی طرح روشن ہیں۔

آسی: دو سرا مفہوم۔ میوے آبلے ایسے پُر سوز ہیں کہ جن کے نقش تک جل کر چراغاں کا منظر دکھا رہے ہیں۔

۶۔ تمہید کے لغوی معنی بچھانے کے ہیں اور بچھانا بستر کے مناسبات میں سے ہے۔ تمہید کے اصطلاحی معنی ہیں ”کسی کام سے پہلے ایسی باتیں کہنا جن پر کام موقوف ہو۔“ اور یہی مصنف کا مقصود ہے۔ یعنی بے خودی حصول فراغت کی تمہید یا دیباچہ ہے۔ فراغت کے لغوی معنی خالی ہونے کے ہیں اور یہ پُر ہونے کے مناسبات میں سے ہے۔ اصطلاح میں راحت کے معنی ”پُر“ ہیں اور یہی مصنی یہاں مراد ہیں۔ ”ہو جو“ ہو جو کا مخفف ہے۔

کہتے ہیں خدا کرے میری بے خودی کو بستر تمہید فراغت بننا نصیب ہو۔ کیونکہ اس کی بدولت میرا شبستان (خواب گاہ) مجھ سے اس طرح بھرا ہوا ہے۔ جس طرح سایہ کا شبستان سائے سے پُر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری بے خودی کا بھلا ہو کیونکہ اس کے سبب سے میں اپنی خواب گاہ میں سایہ کی طرح بے حس و حرکت آرام سے پڑا ہوں اور میری خواب گاہ اس سایہ سے بھری بھری یعنی آباد معلوم ہوتی ہے اگر بے خودی نہ ہوتی تو میں خدا جلنے کہاں آوارہ اور دہمان پھرتا اور ادھر میری خواب گاہ میرے نہ ہونے سے

بالکل ویران ہو جاتی۔

۷۔ گردن مارنا .. سر کاٹنا + گل شمع .. شمع کا گل + اگر شمع کا گل کاٹ دیا جائے تو اس کے اجزا بکھر جلتے ہیں اور گل کاٹنے سے شمع کا شعلہ زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ گل شمع شعلہ شمع کو بھی کہتے ہیں۔

اگر شوق دیدار میں تو میرا سر قلم کر دے تو گردن کاٹ جلنے سے میرا شوق دیدار کم نہ ہوگا بلکہ میری نگاہ گل شمع کی طرح اور زیادہ روشن ہو جائیگی۔ اگر بکھر جانے کے معنی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میری نگاہ شوق دیدار میں گل شمع کی مانند بے نشان ہو جائیگی۔ گویا ایک نگاہ کی کئی نگاہیں بن جائیگی۔ ۸۔ شب بھری میں بے کسی کی وحشت اس قدر زیادہ ہے کہ میرا سایہ مجھ سے ڈر کر بھاگا ہے اور آفتاب قیامت کے سایہ میں جا کر چھپ گیا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ سایہ آفتاب سے بھاگتا ہے لیکن یہاں شاعر نے سورج کی روشنی سے سایہ غائب ہو جانے کو سایہ کا چھپ جانا قرار دیا ہے۔

آسمی: ہائے شب بھری میں مجھے وحشت ہوتی تھی تو سایہ مجھے کس کس طرح ڈرایا کرتا تھا۔ اس کی شرم اور ندامت کی وجہ سے قیامت کے دن خورشید قیامت میں سایہ مجھ سے پوشیدہ ہو رہا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے (یہ معنی قرین قیاس نہیں)۔

۹۔ صد جلوۂ رنگین .. یعنی جلوۂ حسن + دیدۂ حیران .. حیرت عشق۔ جلوۂ حسن کے ساغر کی گردش تیری بدولت ہے اور دیدۂ حیران کی آئینہ داری میرے سبب سے بغدول حسرت مطلب یہ ہے کہ جلوۂ حسن کا تعلق تجھ سے ہے اور حیرت عشق کا مجھ سے (مستعد و حسرت) طباطبائی: تیرا جلوۂ رنگین اس محفل میں گردش ساغر کا کام کر رہا ہے۔

اور میرا دیدہ حیراں آئینہ کا، جلوہ کو ساغر اس دجہ سے کہا ہے کہ وہ بھی مثل
ساغر ہو شراب ہے (آستی، یہ خود)

۱۰۔ اے استاد میری نگاہ گرم سے آگ برستی ہے اور اس آگ سے
خس و خاشاک گلستان میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یا چراغاں ہو رہا ہے گویا
گلستان میں یہ چراغاں میری نگہ گرم کی بدوم ہے۔

۱۹۱

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے ۱ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
میں بلاتا تو ہوں اس کو گمراہ جذبہ دل ۲ اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن گئے نہ بنے
کھیل بھجائے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جا ۳ کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
غیر پھرتا ہے لئے یوں تنہ خط کو کہ اگر ۴ کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے
اس نزاکت کا ثمر ہو وہ بھلے میں تو کیا ۵ ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ نہ لگائے نہ بنے
کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گرمی کس کی ہے ۶ پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ بنے ۷ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ لگے ۸ کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

کہ لگائے نہ لگے اور بھجائے نہ بنے

۱۔ میں اپنا غم دل اس کو سنائے نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ ہر بات میں تن میں
نکالنے کا عادی ہے بھلا میری تدبیر وہاں کیا کارگر ہو سکتی ہے۔ جہاں میں کوئی
بات نہیں بنا سکتا، بات کا بننا اور بن پڑنا۔ تدبیر نکالنا بات کا بنانا بھولا
بات بنانا اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے۔

آستی نے دوسرا مفہوم غم دل کو نکتہ چیں قرار دے کر لکھا ہے یعنی غم دل

اس لئے کہتے چینی کرتا ہے کہ تو اس پر مجھے اظہار نہیں کرتا اور ہم سے اس کو اپنا حال رعبِ حسن یا موقع نہ ملنے کی وجہ سے متنا یا نہیں جاتا۔ کہتے ہیں غم دل تو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے کہتے چینی میں مصروف ہے مگر وہاں کی رنگت کو یہ نہیں جانتا کہ وہاں کوئی بات بنائے تو بن نہیں سکتی۔ پھر بھلا کامیابی کیسے ہو سکتی ہے۔

۲۔ میں اس کو بولتا تو ہوں، لیکن امید نہیں کہ وہ آئے اے جذبہ و مدد کا وقت ہے، تو اپنے اثر سے اس کو اتنا مجبور کر دے کہ وہ آئے بغیر نہ رہے۔

۳۔ وہ ستارے کو ایک کھیل سمجھتا ہے، اس لئے مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ ستارہ چھوڑ دے اور بھول نہ جائے۔ کاش ایسا ہو کہ اُس کو ستارے بغیر چین ہی نہ آئے گویا اس کو ستارے کی عادت ہو جائے۔

۴۔ تو نے رقیب کو خط لکھا ہے اور وہ تیرے خط کو اس طرح اٹھلے بندوں لئے پھرتا ہے کہ اگر کوئی اس سے پوچھے یہ کیا ہے تو وہ اس کو چھپا نہیں سکتا بلکہ اس کو مجبوراً بتانا ہی پڑے گا کہ یہ فلاں کا خط ہے۔ گویا تم رقیب کو خط لکھنے سے ایک نہ ایک دن ضرور بدنام ہو جاؤ گے۔ کیونکہ اس کو تو ہمارا رسوائی کا مطلق خیال نہیں۔

۵۔ اس شعر میں نزاکت کی مذمت اور تعریف کی ہے۔ کہتے ہیں وہ بھلا ہیں تو کیا ہوا۔ مگر اس نزاکت کا بُرا ہو کہ ہماری مطلب براری ان سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر وہ حسن اتفاق سے ہاتھ آجائیں تو ہم ان کی نزاکت کی وجہ سے انہیں چھو بھی نہیں سکتے۔

۶۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کس کی جلوہ گری ہے۔ کیونکہ اس نے عالم اہل

پر اسباب کا ایسا پردہ ڈالا ہے کہ جسے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ رنگا رنگی اور کثرت کے پردے کو اٹھا کر کوئی کنہ حقیقت دریافت نہیں کر سکتا۔

۷۔ حسرت: موت کی راہ دیکھنے سے کیا فائدہ کہ وہ تو خواہ مخواہ آئے ہی گی۔ تمہاری خواہش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تم نہ آؤ۔ تو مجھے بلا تے بھی نہ بن پڑے۔

طبا طبائی: موت کی راہ کیوں نہ دیکھوں کہ وہ آئے بغیر نہ رہیگی۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا کہ تم سے کموں تم نہ آؤ کہ پھر مجھے بلا تے بھی نہ بن پڑتے یعنی اب میں آئے کو منع کروں تو بس منہ سے بلاؤں۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ تمہارے نہ آنے سے موت کا آنا بہتر ہے۔

نہ خود: موت کی میں کیوں راہ دیکھوں۔ اس کا آنا لازمی ہے۔ وہ بغیر تمہارے کے بھی اپنے وقت معیش پر آگمہ سیگی۔ تم کو چاہوں کہ اگر تم نہ آؤ تو ہمارا بلانا بھی ممکن نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے۔ تمہارا بلانا موت کے آنے سے دشوار تر ہے۔

آسمی نے چار مفہوم لکھے ہیں اور اس مفہوم کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔ ”یہ جو شب و روز موت کا انتظار کرتا ہوں۔ یہ فضول ہے۔ اس کو چھوڑ دینا چاہئے اور اس کی راہ مجھ کو نہ دیکھتی چلے۔ کیونکہ وہ تو خواہ مخواہ آئیگی اور اس کے یقینی ہونے کا اور ضروری آنے کا سبب اور اس کے بلائے کی تدبیر یہ ہے کہ میں یہ چاہوں یعنی اس بات کی خواہش کروں کہ تم نہ آؤ۔ تو اس خواہش کا لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ مجھ سے ناراض ہو جاؤ گے اور پھر میرا منہ نہ پڑیگا کہ میں تم کو بلاؤں اور پھر اس صدمہ سے لازمی مجھے موت آجائیگی۔“

سجیدہ: یعنی میرے اوپر شبِ انتظار میں حُکلفت ہے وہ صرف دو صورت سے رفع ہو سکتی ہے۔ یا تم آؤ یا موت، لیکن تمہاری کیفیت یہ ہے کہ اگر نہ آؤ تو میں بھلا بھی نہیں سکتا۔ اس لئے تمہاری آمد کو کیوں چاہوں اور موت ہی کا راستہ کیوں نہ دیکھوں کہ وہ اس تکلیف میں یقیناً آکر رہے گی۔

۸۔ میرے سر پر ہے وہ بوجھ گرا ہے کہ میں اٹھا نہیں سکتا اور ایسی گل میں پھنس گیا ہوں کہ کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتا۔ مطلب یہ ہے کہ میں ایسی سخت تشمکش میں مبتلا ہوں کہ کچھ بن نہیں پڑتا۔

۹۔ غالب! عشق پر کسی کا زور نہیں۔ یہ وہ آگ ہے کہ نہ لگائے لگ سکتی ہے اور نہ بجھائے بجھ سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق نہ اپنی خواہش سے پیدا ہوتا ہے اور نہ اپنی خواہش سے ترک کیا جاسکتا ہے۔

۱۹۲

چاک کی خواہش اگر چشتِ بربانی کرے ۱ صبح کے مانند زخمِ دل گریبانِ کرے
جلوہ کا تیوٹہ عالم ہے کہ گرے بجھے خیال ۲ دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے
ہے شکستن سے بھی دل نوید یارِ آفتاب ۳ آگیندہ کوہ پر عرض گراں جانی کرے
میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پائے شکست ۴ مونے شیشہ دیدہ ساعر کی مڑگانی کرے
خطِ عارضے لکھا ہے ہلف کو الفت نے عمدہ ۵ یک قلم منظور ہے جو کچھ بریشانی کرے
۱۔ اگر بربانی کی حالت میں میری وحشتِ گریبان چاک کرنے کی خواہش کھے تو صبح کی طرح میرا زخمِ دل گریبان بن کر چاک چاک ہو جائے مطلب یہ ہے کہ جب گریبان نہ رہے اور جنوں کو گریبان چاک کرنے کی خواہش ہو تو پھر میرے زخمِ دل کا گریبان اس طرح چاک ہو جیسے گریبانِ صبح

چاک ہوتا ہے۔

۲۔ تیرے جلوے کا وہ عالم ہے کہ اگر اس کا خیال کریں تو دیدہ حیرت کی ربارت گاہ بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا خیال کریں تو دیدہ دل حیرت گاہ بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محض تیرے جلوہ کے خیال سے دل کو سخت حیرانی ہوتی ہے۔

۳۔ اب تو شکستگی سے بھی ہمارا دل نا امید ہو گیا۔ حالانکہ معشوق سخت سنگدل ہے۔ لیکن پھر بھی شکستگی دل کی امید اس سے پوری نہیں ہوتی۔ یارب پہاڑ کے سامنے شیش کب تک اپنی گراں جانی کا اظہار کریگا اور کب تک پہاڑ اس کی مشکل حل نہ کرے گا۔ معشوق کو کوہ اور دل کو ابلیس سے تشبیہ دی ہے۔

۴۔ موٹے شیشہ .. شیشہ چٹخنے سے اس میں بال پڑ جاتے ہیں۔ مرزا گانی کرے .. پلکیں بن جاتے۔

اگر میکہ معشوق کی ست ناز آنکھوں سے شکست پائے تو اس شکست میں ساغر میں جو بال پڑیں گے، وہ دیدہ ساغر کے لئے پلکیں بن جائیں گے اور دیدہ ساغر چشم مست یار کو دیکھ کر حیران رہ جائے گا یا شرمندہ ہوگا۔

۵۔ یک قلم منظور ہے۔ یعنی سب منظور ہے۔ قلم کے لفظ میں دہری رعایت ہے۔ ایک تو رخساروں پر قلمیں ہوتی ہیں۔ دوسرے خط بھی قلم سے لکھا جاتا ہے۔

یار کے رخساروں پر جو خط نمایاں ہوا ہے۔ وہ خط نہیں ہے، بلکہ ایک عہد نامہ ہے۔ جو الفت نے زلف کو لکھ کر دیا ہے اور اس کا غوم

یہ ہے کہ میرے حق میں پریشانی کو جو کچھ کرنا ہو وہ بخوشی کرے مجھے
سب منظور ہے۔

۱۹۳

وہ اکے خواب میں تسکین اضطراب دے ۱ دل مجھے تیش دل مجال خواب تو دے
کرے ہے قتل لگا وٹ میں تیرا دینا ۲ تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
دکھا کے جنبش لب ہی تمام کرم کو ۳ نہ دے جو بوسہ تو نہ سے کہیں جواب دے
پلا دے لوگ سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے ۴ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے

کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

۱۔ یہ ممکن ہے کہ وہ خواب میں آئے اور مجھے اضطراب سے تسکین دے
لیکن مشکل یہ ہے کہ تیش دل (میترا دی دل) مجھے سونے ہی نہیں دیتی۔

۲۔ لگا وٹ یعنی محبت۔ محبت میں تیرا دینا دینا مجھے قتل کئے ڈالتا ہے۔
کیونکہ تیری آنکھوں میں آنسو جھلکنے سے ایسی چمک اور آب پیدا ہوتی ہے
کہ کوئی اور مشوق اس طرح اپنی تیغ نگہ کو آب نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے
کہ تیرا دینا مجھے قتل کئے ڈالتا ہے۔

۳۔ اگر بوسہ نہیں دیتے تو نہ دو، اپنے منہ سے (کارہی کر دو۔ ہم
تہا دی جنبش ہی سے تمام ہو جائیگے۔ پہلے یوں لکھ چکے ہیں ۵

مر گیا صدمہ یک جنبش لب سے غالب نا تو لانی سے حریف دم سے نہ ہوا
۴۔ اے ساقی اگر تجھے ہم سے نفرت ہے اور تو اپنے پیالے میں ہمیں

شراب نہیں پلانا چاہتا تو کچھ مضائقہ نہیں، ادک ہی سے پلا دے ہیں تو
شراب چاہئے۔ پہلے سے غرض نہیں۔

۵۔ اس شعر میں اپنی خوش بختی اور محروم القسسی دکھائی ہے کہ مجھے ان کے پاؤں دہانے کا موقع ملا تو خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گویا پھر بھی حظ واصل سے محروم رہا۔

۱۹۴

تپش سے میری قف کشمکش ہوتا بستر ہے ۱۔ مرا سر رنج بالیں ہے مرقن بار بستر ہے
سر شک سر بصر دادہ نور العین اس ہے ۲۔ دل بیدست پا افتادہ بر خودار بستر ہے
خوشا اقبال رنجوی عیادت کو تم آئے ہو ۳۔ فروغ قمع بالیں طالع بیدار بستر ہے
یہ طوفان گاہ جوش اضطراب شام تنہائی ۴۔ شعل آفتاب صبح محشر تار بستر ہے
ابھی آتی ہے برباش سے انکی لعل شکیں ۵۔ ہماری دید کو خواب زلیخا عار بستر ہے
کہوں کیا دل کی کیا حاجت ہے حجریا میں غالب
کہ میتابی سے ہر اک تار بستر عار بستر ہے

۱۔ میری تپش سے بستر کا ہر ایک تار بے چین ہے۔ میرا سر تکیہ کے لئے باعث ایذا اور میرا جسم بستر کے لئے وبال ہے۔ تپش یعنی تڑپ اور حرارت۔
۲۔ سر شک .. آنسو + سر بصر دادہ .. آوارہ دشت + نور العین .. آنکھ کا تارا + بیدست و پا افتادہ .. بے دست و پا پڑا ہوا + بر خودار .. عزیز۔ انس گرفتہ۔

میرا آنسو جو کثرت گریہ سے دشت میں آوارہ ہے یعنی بھتہ بھتہ صحرا میں جا پہنچا ہے۔ وہ میرے دامن کی آنکھ کا تارا ہے۔ گویا میرے دامن کے لئے باعث فخر و ناز ہے اور میرا دل جو بستر پر بیدست و پا پڑا ہوا ہے، وہ بستر سے فایت درجہ انس رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر بر خودار بستر ہے نور العین اور بر خودار مقابلے کے الفاظ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میرے وہ اشک جو

ذوالعین دامن ہیں۔ بہتے بہتے صحرائیں جا پہنچے ہیں اور میل دل جو بر خود را بستر ہے۔ ایسا بے دمت و پا ہوا ہے کہ نہ ہر وقت بستر پر پڑا رہتا ہے۔
 آسمی: ”ذوالعین دامن“ سے صحرا کے دامن کا ذوالعین مراد لیتے ہیں۔
 طباطبائی: آنسو دامن کی آنکھ کا تار ہے اور دل بستر مرصن کا مرادوں والا ہے۔ یعنی آنسو ہمیشہ دامن میں رہتا ہے اور دل بیمار کو بستر پر پڑا رہنے سے اُٹھ ہو گیا ہے (لہٰذا خود)

سجید: مجھ رفتہ صحرا فردی کا آنسو دامن کا ذوالعین ہے اور مجھ عاجز کا دل بستر کا بر خود را ہے۔ یعنی یہ آرزوئے صحرا فردی میرے ہمیشہ روتے رہنے سے دامن کو آنسوؤں سے اور میری بیمارگی اور عاجزی کی وجہ سے ہمیشہ پڑے رہنے سے بستر کو دل سے غایت انیمت ہو گئی ہے اپنی کثرتِ پاس و محرومی کا اظہار کیا ہے۔

۳۔ رنجوری .. بیماری + عیادت .. بیمار پرسی + بالیں .. سر بانہ + طالع بیدار .. جاگی ہوئی قسمت -

میری بیماری کا نصیبہ کیسا اچھا ہے کہ تم عیادت کو آئے ہو۔ ورنہ تم کہاں اور ہم کہاں! تمہاری تشریف آوری سے میرا طالع بیدار بسترِ رض کے لئے شمع بن گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے آنے سے میری تقدیر اس شمع کی طرح روشن ہو گئی ہے، جو بیمار کے سر بانہ جلائی جاتی ہے (آسمی)
 نیخود: تمہارے قدم رنجہ کرنے سے شمع بالیں کی روشنی طالع بیدار بستر بن گئی ہے۔

سجید: تمہارے آنے سے طالع بیدار بستر (زود) فروغِ شمع بالیں حسرت: تمہارے آنے کی وجہ سے طالع بیدار بستر فروغِ شمع بالیں

ہے یعنی طالع بیدار کی درخشندگی شمع ہالیں کی روشنی سے بھی بر لو گئی ہے۔
 ۴۔ شامِ فراق، جوشِ اضطراب کی وجہ سے ایک طوفانِ گاہ بن گئی ہے
 اور اس طوفانِ اضطراب اور تاریکیِ شبِ فراق کی وجہ سے ہر تارِ بستر شعلہ
 آفتابِ قیامت بنا ہوا ہے۔ قیامت کے دن سورج سوانیرے پر
 آجائیکا اور اس کی شعاعیں ناقابلِ برداشت ہوں گی۔

طبا طبائی: پچھلے مصرعہ میں پے در پے چار اضافتیں بے لطفی
 پیدا کرتی ہیں۔

آسی: چونکہ یہ ثقالت پیدا نہیں کرتیں۔ اس لئے ان پر اعتراض
 کرنا درست نہیں۔

۵۔ یالش.. تکیہ + خارِ بستر.. بستر کے لئے باعثِ ننگ و عار۔
 ابھی میرے تکیے میں سے معشوق کی زلفِ مشکیں کی خوشبو آرہی
 ہے۔ گویا شبِ وصل کو گزرے ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ زلیخا
 کی طرح یوسف سے محض خواب میں ملاقات کرنا ہماری دید اور بستر کے لئے
 باعثِ ننگ و عار ہے۔ مطلب یہ ہے ہم عالمِ خواب میں وصل حاصل کرتے
 موجبِ عار خیال کرتے ہیں۔

۶۔ غالب میں کیا بیان کروں کہ بھریا میں میرے دل کی کیا حالت
 ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میرے بستر کا ہر ایک تار کاٹا بنا ہوا ہے۔ گویا میں
 بستر پر نہیں لیٹتا۔ کانٹوں پر لوٹتا ہوں۔

بیخود: تر پتے تر پتے میرے بستر پر اس قدر
 سلوٹیں پر ڈگئی ہیں کہ ایک ایک تارِ بستر چھ جانے کے لئے خارِ بستر
 بن گیا ہے۔

۱۹۵

خطرے رشتہ اُلفت رگ گردن نہ ہو جائے | غریب دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے
 سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشوونما غالب
 اگر گلی سرو کے قامت پر پیرا ہن نہ ہو جائے
 ۱۔ رگ گردن .. مراد غرور۔ رگ گردن کبر و غرور کی حالت میں پھول
 جاتی ہے۔

کہتے ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ میرا رشتہ اُلفت کہیں رگ گردن نہ ہو جائے۔
 گویا کہیں میں تیری دوستی پر غرور کرنے لگوں اور تجھے میرے اس غرور پر غصہ
 آئے کہ ہیں یہ اور سیری دوستی پر غرور کرتا ہے بغرض مجھے خوف ہے کہ مبادا اس
 بنا پر تو مجھے بگڑیٹھے اور میرا دشمن ہو جائے (آستی)
 باقی شاعریں نے یہ شرح لکھی ہے کہ ”معشوق کو میری دوستی اور رشتہ
 محبت پر غصہ کا غرور ہوا۔ اس سے مجھے یہ خطرہ ہو گیا ہے۔ کہیں یہ دوستی
 دشمنی سے نہ بدل جائے۔ کیونکہ غرور دوستی آفت ہے۔“ اس شرح میں خرابی
 یہ ہے کہ معشوق کو عاشق کی دوستی پر کبھی غرور نہیں ہوتا۔

سچید نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے، رشتہ اُلفت رگ گردن کی طرح
 کٹ نہ جائے کیونکہ دوستی کا گھنٹہ بڑا فتنہ ہے جس سے اندیشہ ہے کہ تو
 دشمن ہو جائیگا اور اس کے باعث رشتہ اُلفت منقطع ہو جائیگا۔

۲۔ اگر اس فصل بہاری میں اس قدر زیادہ پھول نہ ہوں جو سرو کے قامت
 کو ڈھانک لیں تو سمجھ لو کہ بہار کی قوت نشوونما میں کمی ہے۔ گویا اگر یہ کمی نہ ہوتی
 تو اس قدر پھول ہوتے کہ سرو کے قامت پر پھولوں کا پیرا ہن چڑھ جاتا۔
 آستی: فصل بہار میں سبزہ کی نشوونما کی یہ شان ہونا چاہئے کہ سرو

جس پر پھول نہیں آتے اس پر بھی پھول آجائیں اور اس قد آئیں کہ پیرا ہن
سرو ہو جائیں۔

۱۹۶

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے ۱ نالہ پابند نے نہیں ہے
کیوں بوتے میں باغبان تو بنے ۲ گر باغ گدائے نے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے ۳ پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیو مست فریب ہستی ۴ ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے
شادی سے گزر کہ غم نہ ہو دے ۵ اُدوی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے
کیوں رو قدح کی ہے زاہد ۶ مے ہے یہ نگس کی تے نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب

آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

۱۔ فریاد کرنے کے لئے کسی نے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح کوئی
چلے فریاد کرے، نالہ نے کا پابند نہیں۔ یعنی اسے قصے سے کچھ لگاؤ نہیں۔
جربات دل سے نکلتی ہے اُس میں اثر ہوتا ہے۔

۲۔ توہوں۔ سے کشا گول گدائی اور کدو شے شراب بنایا جاتا ہے کہتے
ہیں۔ اگر باغ شراب باغ کی بھیج نہ مانگتا تو پھر باغبان باتوں میں تو بنے
کیوں بوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان توہوں سے باغ ضرور شراب کی بھیج
مانگتا ہے۔ ورنہ باغبان ہرگز تو بنے نہ بوتے۔

۳۔ یہ شعر تصوف میں ہے کہتے ہیں باوجود اس کے کہ ہر شے میں تو
جلوہ گر ہے، مگر تیرے مانند کوئی شے عالم جسمانی میں نہیں یعنی تیری ذات
”باہمہ اور بے ہمہ“ کے مصداق ہے۔

۴۔ دیکھنا۔ خبردار تم ہستی کا قریب نہ کھانا، ہر چند سب کہیں گے کہ ”لیکن تم یہی سمجھنا کہ نہیں ہے۔ کیونکہ قریب ہستی میں پھنس کر انسان ظالم و نام میں گرفتار اور جلوہ حقیقت سے محروم رہ جاتا ہے۔

۵۔ اردی .. ماہ بہار + دے .. ماہ خزاں۔
اگر تو غم سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو خوشی کو ترک کر دے پھر تجھے کبھی غم نہ ہوگا۔ کیونکہ تیرے لئے خوشی اور غم برابر ہو جائیگا اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ اگر بہار کا موسم نہ ہو تو خزاں بھی نہ ہو، گویا ایک سی حالت رہے۔
۶۔ خالی : گس کی قے، یعنی شہد۔

زاہد جو شہد چنے کو خواب جانتا ہے اور شراب سے نفرت کرتا ہے۔ شاعر اس کو شراب پینے کی ترغیب دیتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ نفرت کی چیز شراب نہیں ہے، بلکہ وہ چیز ہے جو گس کی قے کہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ شہد وہ چیز ہے جسے زاہد پسند کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جنت میں ملے گا۔

۷۔ ریاض غزل میں ”نہیں ہے، نہیں ہے“ بار بار آیا ہے، ریاض کو ایک نئے ڈھنگ سے صرف کرنے کے لئے غالب نے ازراہ شوخی اپنا نام ہی ”نہیں ہے“ رکھ لیا ہے۔ چنانچہ دریافت کرتے ہیں کہ جب ہستی کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ ”نہیں ہے“ اور عدم کے بارے میں بھی تمہارا یہی قول ہے کہ وہ ”نہیں ہے“ تو اسے ”نہیں ہے“ یہ بتلائیے کہ آپ ہیں کیا؟

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی

وہ اک نگہ کی بظاہر نگاہ سے کم ہے

۱۔ جراحت بمعنی زخم + مجھ سے زخم دل کے مرہم کا نسخہ نہ پوچھ کیونکہ اس میں سب سے زیادہ بڑا ریزہ الماس کا ہے۔ ریزہ الماس سے زخم اور بھی زیادہ بڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ زخم کو بُری طرح سے کاٹتا ہے بقول حضرت ریزہ الماس کو زخم دل کا مرہم کہہ کر اپنی ایندادِ دوستی کا اظہار کیا ہے۔

۲۔ بہت دنوں میں تغافل نے تجھ میں یہ بات پیدا کی کہ کبھی کبھی تو ایک جھٹکی ہوئی نگہ ہم پر ڈال لیتا ہے۔ یعنی پہلے تغافلِ نادانستہ تھا۔ کیونکہ تو ہمیں جانتا ہی نہ تھا۔ لیکن اب تغافلِ دانستہ ہے جس کو درحقیقت التفاتِ معشوقانہ کہنا چاہئے۔ اگرچہ بظاہر ہم اس کو ایسا نہیں کہہ سکتے۔ اس میں لطیفہ یہ بھی ہے کہ ”نگہ“ ”نگاہ“ سے بقدر ایک الف کم ہے۔

۱۹۸

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے ۱ مرتے ہیں دے ان کی تمنا نہیں کرتے
دردِ پردہ انہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی ۲ ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

یہ باعثِ نومیدی اربابِ ہوس ہے

غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

۱۔ ہمارا رشک اس قدر بڑھتا ہے کہ ہم اپنے رشک کو بھی گوارا نہیں کرتے، حالانکہ مرے جاتے ہیں مگر اس کی تمنا نہیں کرتے کہ تمنا کریں گے تو اپنے پر رشک آئے گا جو ہمیں کسی طرح گوارا نہیں، اسی مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے ۵

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے رشک آجائے ہیں اُسے رکھوں مگر لکھنے سے رکھا جائے ہے

۲- درپردہ .. پوشیدہ طور پر + ربط نہائی .. پوشیدہ تعلق -

شاعر بطور شکایت کہتا ہے کہ وہ جو غیر سے بے تکلفانہ ملتے ہیں اس میں ایک بھید ہے - اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے کہ ان کے رقیب کے ساتھ خاص انخاص تعلقات ہیں - گویا ان کا غیر سے پردہ کرنا ایک قسم کا پردہ ہے جس کی وجہ سے ان کے وہ تعلقات پوشیدہ رہتے ہیں جن کو شاعر ربط نہائی کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا ہے دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا، ہم سے چھوڑا چلے

۳- غالب تمہارا عاشق صادق ہے اور تم اس کو بُرا کہتے ہو یہ اچھا نہیں کہتے - کیونکہ اس طرح سے اربابِ ہوس (رقیب) نا امید ہو جائیں گے یہ سوچ کر جب تم غالب جیسے عاشق صادق کو بُرا کہتے ہو تو ان کا کیا حشر ہو گا جن کا عشق محض ہوس پر مبنی ہے -

۱۹۹

کرے ہے بادہ تم سے لبے کسبِ گلِ ترغ ۱ خطِ پیالہ سرا سر نگاہِ گلچین سے ہے
کبھی تو اس بلِ شوریدہ کی بھی داد ملے ۲ کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالین سے
بجھا ہے گرنے نئے نالہ ملتے بیل زار ۳ کہ گوشتِ گلِ نمِ شبنم سے پنبہ آگیاں ہے
اتسار ہے نوعِ میں بلِ یو فابراٹے خدا

مقامِ تزکِ حجاب و دواغِ تمکین ہے

۱- کسب .. حاصل کرنا + خطِ پیالہ کو نگاہِ گلچین سے مشابہ کیا ہے -

شراب تیرے سُرخ سُرخ ہونٹوں سے رنگ اور چمک حاصل کرتی ہے اور جامِ پر جو خطِ بڑے ہوئے ہیں وہ سرا سر نگاہِ گلچین ہیں - جو تیرے پُھول جیسے ہونٹوں کی گلچینی کہہ رہے ہیں یا کسبِ رنگ سے لطف اندوز

ہو رہے ہیں۔

۲۔ دیوانے کو نیند نہیں آتی۔ تمام رات بے قراری اور وحشت میں گزر جاتی ہے۔ کہتے ہیں کبھی تو اس دل شوریہ کی بھی داد ملے۔ کیونکہ یہ ایک عرصہ دراز سے تکلیف پر سر رکھنے کی حسرت میں مبتلا ہے۔ بقول یخوذ مطلب یہ ہے کہ وصل میں سودائے عشق میں کمی ہو کر سر تکید سے آشنا ہو جائے گا اور نیند بھی آجائے گی۔

آہی: کبھی تو میرے دل شوریہ پر رحم کر۔ ایک مدت سے کم طاقتی کی وجہ سے بالیں پر پڑا رہتا ہے اور اپنی حسرت شوریہ کی یعنی دیوانگی اور مہمان گمردی کو دبا کر رکھتا ہے تو کم از کم کبھی تو ایسا کر کہ اس میں یہ طاقت آجائے کہ اپنی حسرتوں کو بھلا کر سکے اور اپنی صفت شوریہ کی سے متصف ہو۔

طیبا طبائی: ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہونا دو معنی رکھتا ہے۔

ایک تو یہ کہ مدت سے بالیں پر سر رکھنے کی حسرت ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسی ناتوانی ہے کہ بالیں سے سر نہیں اٹکھ سکتا اور اس صورت میں عجب نہیں کہ دل کا لفظ غلط کتابت ہو اور مصنف نے سر شوریہ کہا ہو۔ مگر معنی شعر بطرح سے ظاہر ہیں۔

۳۔ زم زم کو اس کی سفیدی کی وجہ سے پنبہ کہا ہے۔ کہتے ہیں۔ اگر گوش گل نالہ ہائے بیل زار نہ سنے تو بجاہے۔ کیونکہ اس کے کان میں زم زم کا پنبہ ہے۔

۴۔ اے بے ونا اس وقت اسد حالت نزع میں ہے۔ خدا کے لئے چل رہا ہے۔ ایسا وقت ہے کہ سچے اس وقت تمکین و خودداری اور حجابِ مشرم ترک کر دینا چاہئے۔

۲۰۰

کیوں نہ جو چشم بتاں محو تغافل کیوں نہ ہو ۱ یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے
مرتے مرنے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی ۲ واسطے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے
عارض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوشش فصل بہاری اشتیاق آگیز ہے

۱- معشوقوں کی آنکھ کو شرعاً چشم بیمار باندھا کھاتے ہیں۔ کہتے ہیں معشوقوں
کی آنکھ محو تغافل کیوں نہ ہو۔ یعنی اُسے ضرور محو تغافل ہونا چاہئے کیونکہ وہ ایک
بیمار ہے اور اس بیمار کو نظارے سے پرہیز بتایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ
تغافل شعاری اس نے اپنا دھڑ بٹا لیا ہے تاکہ یہ پرہیز نہ ٹوٹنے پائے۔
۲- امید بہ تھی کہ جب وہ قتل کر گیا تو ہم جی بھراے دیکھ لیں گے۔ لیکن
واسطے ناکامی اُس کافر کا خنجر تیز ہے، وہ ہمیں قتل کر دے گا اور مرتے
مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی۔ اگر اس کا خنجر کند ہوتا تو گلا کٹنے میں دیر لگتی
اور ہم اپنی حسرت دیدار نکال لیتے۔

۳- عارض گل اور روئے یار میں بدرجہ اتم مشابہت ہے، کہتے ہیں
عارض گل دیکھ کر مجھے روئے یار یاد آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فصل بہاری
کی جوشش دل میں جوش اشتیاق برانگیختہ کرتی ہے۔ جوشش اشتیاق سے
مراو جذبہ عشق و محبت ہے۔

۲۰۱

جہاں دل اگر اس کو، بشر ہے، کیا کہئے ۱ ہوا قریب تو ہو، نامہ برد ہے، کیا کہئے
یہ منہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ ہے ۲ قتلائے شکوہ ہیں کس قد سے کیا کہئے
ہے ہے یوں گرد و میگہ کہ کوئے دوست کو اب ۳ اگر نہ کہئے کہ دشمن کا گھر ہے، کیا کہئے

زے کرشمہ کہیں دئے کھلے ہم کو فریب ۴ کہن کہی نہیں سب خبر ہے کیا کئے
 بھگتے کہتے ہیں بازار میں ہو کر مش مال ۵ کہ یکے کہ سرور بگڑ ہے کیا کئے
 تمہیں نہیں ہے سرشتہ وفا کا خیال ۶ ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کئے
 انہیں سوال پر زعم جنوں ہے کیا لڑیٹے ۷ ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کئے
 حمد سزائے کمال سخن ہے کیا کئے ۸ ستم بدائے متلاع ہنر ہے کیا کئے
 کہا ہے کس نے کہ غالب تجرا نہیں یکن

سوائے اس کے کہ آشفہ سر ہے کیا کئے

۱۔ اگر نامہ رنے اس کو دل دیا اور وہ اس پر عاشق ہو کر میرا رقیب بن گیا
 تو میں اسے کیا کہوں۔ وہ بھی میری طرح کا انسان ہے۔ فرشتہ نہیں مطلب
 یہ ہے کہ اس کا حق اس قدر و لغریب ہے کہ نامہ بر کو تصور دار نہیں ٹھہرا سکتے۔
 دوسرا مفہوم: وہ ہمارا نامہ بر ہے اور ہمارے اوپر اس کی خدمات
 نامہ بری کا احسان ہے۔ اس لئے اسے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ نیز یہ کہ وہ
 انسان ہے اور انسان سے غلطی ہوا ہی کرتی ہے۔

۲۔ آج ہمیں موت کی سخت ضرورت ہے تاکہ الام عشق جو ناقابل برداشت
 صحت اختیار کر چکے ہیں، ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں اور ہماری خلاصی ہو
 ہمیں معلوم ہے کہ قضا آئے بغیر نہیں رہے گی۔ ایک نہ ایک دن ضرور آئے گی۔
 لیکن صند کی وجہ سے آج نہیں آئیگی۔ قضا کی اس صند کی وجہ سے ہمیں اس سے
 جس قدر شکوہ ہے وہ ہم بیانی نہیں کر سکتے۔

۳۔ گہ و بیکہ .. وقت بیوقت یعنی ہر وقت۔ رقیب کوٹے دوست
 میں ہر وقت پڑا رہتا ہے۔ وقت بیوقت جس وقت دیکھو وہیں موجود ہے۔
 ایسی صحت میں اب ہم کوٹے بار کو دشمن کا گھر نہ کہیں تو کیا کہیں۔

۴۔ کرشمہ .. ناز معشوقانہ۔

اس کی کرشمہ سازی تعریف سے مستغنی ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس نے ہمیں یہ دم دے رکھا ہے کہ ہمیں تیرا حال کئے بغیر ہی معلوم ہے۔ اس فریب میں اگر میں اس سے اپنا حال بھی نہیں کہہ سکتا گویا یہ سمجھتا ہوں کہ جب اسے معلوم ہی ہے تو پھر میں کیا کہوں۔

۵۔ وہ ایسا عیار ہے کہ جان بوجھ کر سربازِ ارجمند میرا حال پوچھتا ہے تاکہ میں کچھ نہ کہہ سکوں اور یہ سمجھ کر خاموش ہو جاؤں کہ سربازِ گزشتہ کیا کئے یا بقول سقیدان سے یہ کہہ دوں کہ سربازِ گزشتہ ہے راستہ میں رہا ہے۔ یہاں کیا بیان کہوں۔

آئسی: اس شعر سے مرزا کی وضع داری کے ساتھ ساتھ گزشتہ تہذیب کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے کہ پہلے شرقِ بازار میں باتیں کرنا بھی عیب سمجھتے تھے۔

۶۔ عاشق معشوق سے کہتا ہے کہ تم بیگانہ وفا ہو اور تمہیں سرِ رشتہ وفا کا مطلق خیال نہیں، پھر اپنی مٹھی بند کر لیتا ہے اور محبوب سے پوچھتا ہے کہ اچھا اگر یہی بات ہے تو بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ حالانکہ پہلے مصرعہ میں اس نے سرِ رشتہ وفا کا نام ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن معشوق پھر بھی نہیں بتا سکتا مطلب یہ ہے کہ محبوب وفا سے اس درجہ بیگانہ ہے کہ دوباؤ بتا دینے کے یہ نہیں جانتا کہ ہمارے ہاتھ میں سرِ رشتہ وفا ہے (تمام متفق) آئسی ان معنوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ تاویل ہے۔ جو طبعِ سلیم پر گہراں گزرتی ہے۔ صاف صاف معنی یہ ہیں کہ تم وہ تغافل شعار جفاکار ہو کہ تمہیں سرِ رشتہ وفا کا ذرا بھی خیال نہیں اور تم اس کو چھوڑ چکے۔ البتہ یہ

سرشتہ ہمارے ہاتھ میں ابھی کچھ کچھ باقی ہے، اگرچہ کچھ کچھ ہے، مگر ہے ضرور۔ اب ہم تم سے کیا کہیں۔

۷۔ زعم یعنی گمان + انہیں ہمارے سوال پر جنون کا گمان گزرتا ہے جب وہ ہمیں دیوانہ سمجھتے ہیں تو ہم اُن سے کیا لڑیں۔ لہذا ہم نے ان سے جواب کی امید بھی منقطع کر لی ہے (تمام متفق)

آئسی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے۔ انہیں ہمارے سوال پر ہمارے جنون کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

۸۔ کیا کیجیے اور کیا کہئے۔ عاجز ہونے کے مقام پر بولے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ جس شخص میں کمال سخن ہوتا ہے زمانہ اس کے ساتھ محدود کرنے لگتا ہے۔ گویا کمال سخن کی سزا حسد ہے اور جس شخص میں کوئی ہنر ہوتا ہے تو ہنر کے حصے میں اس پر ستم توڑے جاتے ہیں۔ گویا ستارح ہنر کی قیمت ستم ٹھہری اس شعر میں شاعر نے زمانے کی ناقدر دانی کا اظہار کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا ہے کہ زمانہ کا یہ برتاؤ ہمارے ہی ساتھ نہیں بلکہ ہر ہنرمند اور کمال سخن زمانے کے ہاتھوں مصیبتوں میں مبتلا ہے۔

۹۔ یہ کس نے کہا ہے کہ غالب بُرا نہیں، وہ ضرور بُرا ہے۔ لیکن صرف اتنا ہی کہ وہ دیوانہ ہے اور جو دیوانہ ہو اُس کا کناہی کیا۔ یعنی دیوانے کو کچھ سنا بیکا رہے۔

۲۰۲

دیکھ کر صبرِ مدہ گرم دامن افشانی مجھے ۱ کر گئی وابستہ، تن میری عربانی مجھے بن گیا۔ تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فدا ۲ مرجا میں کیا مبارک ہے گلابخانی مجھے

کیوں نہ ہو بے اتفاقی اسکی خاطر جمع ہے ۳ جانتا ہے مجھ پر کس بلے پہناتی مجھے
 میرے غمخونے کی قسمت جب رقم ہونے لگی ۴ لکھ دیا منجھڑ اسباب ویرانی مجھے
 بدگماں ہوتے ہوئے کافر نہ ہوتا کاشکس کے ۵ اس قدر ذوق تو اسے مرغستانی مجھے
 دے دے داں بھی شوخ محشر نے نہ دم لینے دیا ۶ لے گیا تھا گد میں ذوق آسان مجھے
 وعدہ آگے کا وفا کیجے یہ کیا امان ہے ۷ تہہ کیوں سبزی ہے میرے گھر کی دہانی مجھے
 ہاں نشاطِ آبِ فصل بہاری داہ دا ۸ پھر تھاپے تازہ سودے غرغرونی مجھے

دی سب بھائی کو حق نے از سر نو زندگی

میرزا یوسف ہے غالب یوسف گانی مجھے

۱۔ دامن افشانی .. ترک لباس .. مراد ترک تعلق دُنیا۔

جب میری عریانی نے یہ دیکھا کہ میں وہ پردہ ترک لباس کر کے عریاں یعنی
 آزاد ہونا چاہتا ہوں تو اس نے مجھے وابستہ تن کر دیا۔ جب میں وابستہ تن ہوا
 تو مجبور ہو گیا، اب میں جسم کی قید سے کسی طرح آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔ مطلب یہ ہے
 ترک تعلقات دُنیا کسی طرح ممکن نہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ ترک لباس کر کے میں
 تعلق لباس سے آزاد ہو جاؤں گا۔ لیکن ترک لباس کرنے کے باوجود جسم کی پابندی
 باقی رہی اور حقیقی آزادی جس کا میں خواہشمند تھا پھر بھی حاصل نہ ہو سکی۔

۲۔ سنگِ فساں .. وہ پتھر جس پر تلوار کی سان رکھی جاتی ہے ہلکے ٹھانی
 سخت جاتی ..

میں اپنی سخت جانی کی بدولت تیغ نگاہ یار کا سنگِ فساں بن گیا۔ اب
 ہر وقت وہ مجھ پر تیغِ نظریہ زکیم ہے۔ آفرین ہے تجھ پر اے گرا بخانی! (ویرے
 لئے کس قدر مبارک ثابت ہوئی ہے۔)

طباطبائی: دوسرا مصرع بطور طعن کہا ہے ممکن ہے شاعر نے اس

واقعہ پر اظہارِ مسرت کیا ہو۔ کیونکہ عاشقوں کو تکلیف مرغوب ہوتی ہے۔
۳۔ میر شہنائے پنهانی .. بقول سعید وہ پرکشش جو درپردہ
کی جائے۔ باقی شارحین متفق ہیں کہ اس سے مراد پرکشش ہے جو خواہش
خیال میں کی جاتی ہے۔

کہتے ہیں، اس کی طرف سے بے التفاتی کیوں نہ ہو۔ اس کی خاطر جمع ہے
کہ میں پرکشش شہنائے پنهانی میں محو ہوں۔ اس لئے محبوب کی بے اعتنائی
مجھ کو ناگوار معلوم نہ ہوگی۔

۴۔ جب کا تب تقدیر نے میرے غمان کی قسمت لکھی تو مجھ کو اسباب
دیرانی کے میری ذات کو بھی اپنے گھر کی دیرانی کا ایک سبب قرار دیا۔ مطلب
یہ ہوا کہ میں خود اپنی خانہ دیرانی کا سبب ہوں۔

حسرت : اسباب کے بجائے مجھ کو اسباب دیرانی ملا۔

۵۔ مجھے نوائے مرغ چمن گننے کا بہت شوق ہے۔ کیونکہ مرغ بہت
میرا ہم پیشہ ہے۔ لیکن معشوق میرے اس شوق کو دیکھ کر مجھ سے بدگمان
ہوتا ہے۔ گننے میں کاش کے بجائے یہ شوق نہ ہوتا۔ پھر معشوق بھی
مجھ سے بدگمان ہوتا ہے۔

۶۔ میرا خیال تھا کہ قبر میں میرے جسم و جان کو آرام ملے گا، اس لئے
میں نے گور میں جانا یعنی مرنا پسند کیا تھا۔ لیکن انسوؤں کے شور و محشر نے مجھے
وہاں بھی آرام کا سانس نہ لینے دیا۔

۷۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے گھر آؤں گا، میں جب سے آپ
کے انتظار میں درہ ازہ پر کھڑا ہوں، نہ کہیں آسکتا ہوں نہ جاسکتا ہوں۔ یہ
کیا انداز ہے کہ آپ نے مجھے میرے ہی گھر کا دربان مقرر کر دیا ہے۔ مہربانی

فرما کر وعدہ دفا کیجے اور مجھے اس تکلیف انتظار اور فرض دریانی سے نجات دیکھے۔

بقول حالی وفا ثئے وعدہ کے انتظار میں گھر سے کہیں نہ چلنے کو اس طرح بیان کننا کہ تم نے میرے گھر کی دریانی مجھے سوپ دی ہے۔ بالکل نیا پیلاہ بیان ہے۔

۸۔ ہاں اسے آمد فضل بیماری کی مسرت سبحان اللہ۔ میں بالکل مردہ ہو گیا تھا اور سوداے غزنو خانی بالکل ٹھلا بیٹھا تھا۔ لیکن تیری آمد آمد سے پھر سوداے غزنو خانی میرے دل میں تازہ ہو گیا ہے۔

۹۔ میرزا یوسف علی خاں غالب کے بھائی تھے۔ وہ تیس برس تک دیوانے ہے۔ غالب کو ان سے بہت محبت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحت یاب ہوئے ہیں۔ ازراہ محبت یہ مسرت اس شعر میں ظاہر ہو گئی ہے۔ کہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے میرے بھائی یوسف علی خاں کو از سر نو زندگی عنایت فرمائی۔ میرزا یوسف میرے لئے دوسرے یوسف ہیں۔ کیونکہ خدا نے ان کی جان بچائی ہے یا یہ کہ میری نظروں میں ایسے ہی عزیز ہیں، جیسے حضرت یوسف تھے۔

۲۰۳

یاد ہے شاہی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے ۱ سبوح زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے
ہے کشاد خاطر دابستہ درمیں سخن ۲ تھا طلسم قتل بعد خانہ مکتب مجھے
یارب اس آشفنگی کی داد کس سے چاہئے ۳ رشک آسائش پسے زندانیں کی بجائے
طبع سے مشتاق نہ تھے حسرت کیا کہوں ۴ آندو سے ہے شکست آرزو طلب مجھے
دل نکلا کہ اب بھی غالب مجھ سے ہو گئے ۵ محض سے آندو سے مانع مرزا مہاراجے

۱۔ آنسی: عالم خوشی میں بھی بار بار یارب پکار اٹھتا ہوں۔ گویا میرا مننا میرے لئے کیسیج زاہد کا کام دے رہا ہے کہ ہنستا ہوں اور یارب کہتا ہوں۔ قاعدہ ہے کہ شادی ہو یا غم ہو، ہر حالت میں دل میں ایک کیفیت سی پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی زبان سے ایسا خیر یا اللہ، یارب وغیرہ ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں اور اسی سے مصنف کی یہاں مراد ہے۔ خندہ زیر لب سے مراد وہ خندہ ہے کہ ازراہ غم میں انسان ٹسکتا ہے اور سانس لے کر ایسے الفاظ کہہ اٹھتا ہے۔ ارے میرے اللہ! ارے میرے مالک! انسی کو مصنف مراد لیتا ہے کہ بظاہر خوشی کی صورت ہے۔ لیکن یہ منہ سیج زاہد ہے جس سے مجھ کو بس خدا ہی یاد آ رہا ہے فارسی میں اسی خیال کی دوسرے الفاظ پر بنا رکھی ہے۔

مبادا ہجر مار سجد از ہم بسلد غالب نفس با این ضعیفی برتابد شود یاربہا طباطبائی: یارب کے معنی فارسی محاورہ میں خدا کی دہائی ہے اور سجد زاہد سے وہ ذکر خفی مراد ہے جو چپکے چپکے ہونٹوں میں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شادی میں بھی مجھے شور یارب نہیں بھولا ہے۔ میرا خندہ زیر لب گویا زاہد کا ذکر خفی ہے (تجود۔ سعید)

حسرت: جس طرح دانہ ہائے کیسیج سے صورت خندہ نمایاں ہوتی ہے، لیکن ان پر ذکر یارب ہوتا ہے اسی طرح مجھے شادی میں بھی ہنگامہ فریاد رہتا ہے۔ یارب کے لفظ میں ایہام ہے (سعید)

۲۔ قفل ابجد: یہ ایک قسم کا قفل ہے، اس میں بہت سی پھرکیاں ہوتی ہیں۔ جن پر مختلف حروف کندہ ہوتے ہیں۔ قفل کھولنے کے لئے صنایع ایک منظم مقرر کرتا ہے۔ ان حروف کو جوڑ کر یہ لفظ بناتے ہیں جس

جونہی یہ لفظ ترتیب پاتا ہے قفل چل جاتا ہے۔

کہتے ہیں طلسم قفل ابجد میرے لئے ایک مکتب خانہ تھا میں نے اس مکتب میں یہ سبق پڑھا ہے کہ جس طرح سے قفل ابجد کا اٹھنا لفظ مقررہ کے مرتب ہونے پر معنی ہے (یعنی رہن سخن ہے) اسی طرح سے میری خاطر وابستہ کا اٹھنا رہن سخن ہے۔ گویا میری گرفتہ خاطر ہی اور انقباض طبع کا علاج شہل شعر و سخن ہے (تمام متفق)

آجسی نے مکتب کے لغوی معنی مراد لئے ہیں۔ یعنی وہ مقام جس جگہ بیٹھ کر لکھیں۔ کہتے ہیں میری خوشی دل فیکر شعر پر منحصر ہے۔ خانہ مکتب یعنی جہاں بیٹھ کر میں لکھتا ہوں۔ طلسم قفل ابجد کا حکم رکھنا ہے کہ جیسے ادھر اس کے حمد و معینہ کو لکھا گیا اور ادھر وہ کھلا۔ ایسے ہی ادھر میں اپنے لکھنے کی جگہ پر بیٹھا، ادھر میری طبیعت کو کشادگی حاصل ہوئی اور شعر کہنے شروع کئے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی تاویلی ہیں۔ اصل مطلب وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔

۳۔ زندانی یعنی قیدی + یارب میں اس جنون کی داد اس سے طلب کرتا کہ جب میں زندان میں تھا تو صحرانوردی کو اچھا جانتا تھا اور جب صحرا میں ہوں تو اہل زندان کی آسائش و آرام پر مجھے رشک آتا ہے۔

۴۔ میں کیا کروں میری طبیعت حسرتوں کی لذت کی مشتاق ہے۔ اسی سے ہر آنزو سے میرا مطلب شکستِ آنزو ہوتا ہے۔ کیونکہ شکستِ آنزو میں مجھے لذت حاصل ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں ہر آنزو اسی نیت سے کرتا ہوں کہ وہ ٹوٹ جائے اور مجھ کو حسرتِ لذت اٹھانے کا موقع ملے۔

۵۔ بطورِ لہجہ کہتے ہیں کہ آپ تو ہمیں عشق کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ اب دل لگا کر آپ کی بھی میوے جیسی حالت ہو گئی۔

۲۰۴

حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے ۱ جن میں خوش نوایانِ جہنم کی آزمائش ہے
 قد و گیسو میں قیس کوہ کن کی آزمائش ہے ۲ جہاں ہم میں ہاں دار و سن کی آزمائش ہے
 کرینگے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر ۳ ہنوز اس فتنے کے نیشے تن کی آزمائش ہے
 نسیم صبر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی ۴ اُسے بوسفت کی بوسہ پیر تن کی آزمائش ہے
 وہ آبا بزم میں دیکھو نہ کیو بھر کر غافل تھے ۵ شکیب و صبر اہل اسلمن کی آزمائش ہے
 رہے دل ہی میں تیرا چھا، جگر کے پار ہو بستر ۶ غرض شست بہت ناوک فلن کی آزمائش ہے
 نہیں کچھ سمجھ و زناد کے پھن سے میں گزائی ۷ وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
 پڑا رہ اسے دل وایتہ بتائی سے کیا قاتل ۸ مگر بھرتاب زلف پر خشک کی آزمائش ہے
 رگ پے میں جب اتنے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو ۹ ابھی تو غمی کام وہ ہن کی آزمائش ہے
 وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب

نئے فتنوں میں اب ہر رخ کن کی آزمائش ہے

۱۔ اس طرح ہر قلعہ میں ایک مشاعرہ ہوا تھا کہتے ہیں آج بادشاہ کے
 دربار میں شعراء کی آزمائش ہے۔ گویا بادشاہ کا دربار ایک جہنم ہے اور اس جہنم
 میں خوش نوایانِ جہنم (شعر) کا امتحان ہے کہ دیکھیں وہ کس کس انداز سے اپنے اپنے
 نغمے سناتے ہیں۔

۲۔ قیس .. مجنوں + کوہکن .. فریاد۔

قیس اور فریاد کی آزمائش تو قد و گیسو سے لی جاتی ہے، لیکن جس مقام عشق
 پر ہم ہیں وہاں عشاق کی آزمائش دار و سن سے ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ہمارا امتحان
 عشق سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

۳۔ ابھی تو کوہکن کی محض طاقت جسمانی کا امتحان ہو رہا ہے کہ اس سے پہلا

کھود کرنے نہ نکالنے کو کہا گیا ہے۔ جب طاقت جسم کی آزمائش ہو جائیگی تو پھر اس کے حوصلہ کا امتحان لیا جائیگا۔ یعنی ایک بر لچیا کو یہ پیغام دے کر بھیجا جائیگا کہ مشیروں مرثی۔ اس آزمائش میں وہ رہ جائیگا اور سرسبز شدہ مار کر اپنا خاتمہ کرے گا۔
۴۔ پیر کنعان۔ حضرت یوسفؑ کے والد حضرت یعقوبؑ۔

نسیم مصر جو حضرت یوسفؑ کے پیرا بن کی خوشبو اڑا کر لائی ہے، اس کو اس فعل سے حضرت یعقوبؑ کی خیر خواہی مقصود نہیں، بلکہ وہ حضرت یوسفؑ کے پیرا بن کی خوشبو کا امتحان لینا چاہتی ہے کہ کیا حضرت یعقوبؑ پر اس کا کچھ اثر ہوتا ہے یا نہیں، یا یہ کہ بونے پیرا بن میں کس قدر تاثیر ہے۔

۵۔ دیکھو وہ غار تگر صبر و شکیب بزم میں آ رہا ہے، پھر نہ کہنا کہ میں غافل تھا اور غفلت کی حالت میں وہ متاع صبر و شکیب لوٹ کر لے گیا، ہم یہ پہلے سے بتائے دیتے ہیں کہ یہ اہل بزم کے صبر و شکیب کی آزمائش کوئے آ رہا ہے۔
۶۔ شست۔ نشانہ + ناول فگن۔ تیر انداز۔

اگر تیر دل میں رہ جائے تو اچھا ہے اور اگر جگہ کے پار ہو جائے تو اور بھی زیادہ اچھا ہے۔ غرض ان دونوں صورتوں میں کوئی نہ کوئی صورت ضرور ہونی چاہئے۔ پھر ہم اس کے نشانہ کے قابل ہو سکتے ہیں۔

۷۔ گیرائی۔ بگرفت + تسبیح شیخ اور زنا بربہ میں کوئی گیرائی نہیں۔ جس نے ان کو گرفتار کر رکھا ہو۔ بلکہ ان سے شیخ و بربہ کی وفاداری کی آزمائش مقصود ہے۔ یعنی دیکھنا یہ ہے کہ وہ کب تک اپنی وضع کو نبھاتے اور وفادار رہتے ہیں۔

۸۔ اے دلِ دابستہ (قیدی) تو پہلے زلف پر شکن کا امتحان کئی مرتبہ کر چکا ہے اور آزاد نہیں ہو سکا۔ اب تجھے ترپتے سے لیا حاصل ہو گا۔

اس لئے مناسب یہ ہے کہ تو اسی طرح پڑا رہے۔ کیا تو بھر زلف پر شکن کی طاقت آزمانا چاہتا ہے۔

۹۔ جب زہر غم ہر رگ و پے میں اترے گا تو پتہ نہیں کیا ہوگا۔ ابھی تو زہر غم میرے کام و دہن تک ہی پہنچا ہے، مطلب یہ ہے کہ آغازِ عشق ایسا سخت ہے تو خدا جلنے انجام کیسا ہوگا۔

۱۰۔ وہ میرے گھر سرگز نہیں آئینگے، وعدہ کیسا؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو رخ کن ان کے نہ آنے سے ہمیں کس کس نئی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ نیا قلم سے مراد ان کے آنے کا قلم ہے۔ اتنی کہتے ہیں کہ نیا قلم اس وجہ سے کہا ہے کہ اول تو وہ وعدہ ہی نہ کرتے تھے اب وعدہ کیا تو وعدہ خلافی کا صدمہ میرے لئے نیا صدمہ ہے، دیکھتے کیا ہوگا۔

۲۰۵

کبھی نیکی بھی اسکے جی میں گر جائے مجھ سے ۱ جھائیں کوکے اپنی یاد شر جائے مجھ سے
خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر الٰہی ہے ۲ کہ جتنا کھینچتا ہوں اور چھڑتا جائے مجھ سے
وہ بدخواہ میری داستانِ عشق طولانی ۳ عبارت مختصر قلم بھی گھبرا جائے مجھ سے
اُدھر یہ بدگمانی ہے، اُدھر یہ ناتوانی ہے ۴ نہ چھڑ جائے اس سے نہ بولا جائے مجھ سے
سنبلے سے مجھے لئے ناپسندی کیا قیامت ہے ۵ کہ لہانِ خیال یا رچھوٹا جائے مجھ سے
تکلفِ بے طرفِ تقارُّگِ میں بھی سہی لیکن ۶ وہ دیکھا جائے کب نظامِ کیمیا جائے مجھ سے
ہوس میں پاؤں ہی پہلے نہرِ عشق میں زخمی ۷ نہ بھاگ جائے مجھ سے نہ ٹھہر جائے مجھ سے
قیامت ہے کہ ہوسے مدعی کا ہم سفر غالب

وہ کافرِ خدا کو بھی نہ سونپا جائے مجھ سے

۱۔ اگر کبھی میرے ساتھ نیکی کرنے کا خیال اس کے جی میں آجاتا ہے تو اس بنا پر

کہ تمام عمر تو مجھ پر ظلم کئے ہیں اب تھوڑی سی نیکی کرنے سے ان کی کیا تلافی ہو سکتی ہے، وہ میرے ساتھ نیکی نہیں کرتا۔

۲۔ خدایا شاید میرے جذبہ دل کی اُلٹی تاثیر ہے کہ اس کو میں جس قدر اپنی طرف کھینچتا ہوں وہ اُلٹا مجھ سے کھینچتا ہے۔ یعنی جتنا میں اس کو اپنے قریب لانا چاہتا ہوں اتنا ہی وہ دُور ہوتا جاتا ہے یا کھینچتا جاٹے ہے یعنی آزرده اور کشیدہ خاطر ہوتا جاتا ہے۔

۳۔ وہ سے مراد معشوق، عبارت مختصر یعنی قصہ مختصر۔

معشوق بدخوا اور بد مزاج ہے اور میرا افسانہ بہت طولانی ہے۔ مختصرات یہ ہے کہ میرا قصہ بھی اُسے سن کر گھبرا جاتا ہے کہ میں اتنا نیا افسانہ اس بدخو سے کیسے کہوں گا اور اگر کہوں گا تو میری معنی میں شامت آجائے گی عجیب نصیب میں مبتلا ہوں۔

۴۔ ادھر ایسی بدگمانی ہے کہ وہ میرے دعویٰ محبت کو بھی جھوٹ سمجھتا ہے اور اس بدگمانی کے سبب سے وہ کچھ نہیں پوچھتا اور اذہرا اس قدر ناواقف ہے کہ کمزوری کے سبب سے میں بول بھی نہیں سکتا کہ اس کی بدگمانی کو دور کر دوں۔ لہذا عجیب نصیب میں مبتلا ہوں کہ یہ غلط فہمی کیسے دور ہو۔ بقول طباطبائی شعر میں ترکیب کے تشابہ اور تقابل ہے عجیب لطف پیدا ہو گیا ہے۔

۵۔ خیال یار کا دامن ہاتھ میں تھا، لیکن ناامیدی نے مجھے ایسا گرایا ہے کہ اب دامن خیال یار بھی ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قدر ناامید ہو گئے ہیں کہ خیال یار بھی دل سے نکلا جاتا ہے، اس لئے ناامیدی کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

۶۔ بیشک میں بھی اس کے دیکھنے والوں میں شامل ہوں، لیکن یہ ظلم مجھ سے ہرگز دیکھا نہیں جاتا کہ وہ دیکھا جائے یعنی کوئی اُسے دیکھے مطلب یہ ہے کہ رشک کی وجہ سے مجھے گوارا نہیں کہ کوئی اُسے دیکھے۔ یہی مضمون پہلے اس طرح لکھ چکے ہیں۔
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے

میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

۷۔ حالی، اس میں وجدانی کیفیات کی تشریح محسوسات کے ساتھ دی گئی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ قویٰ جن سے عشق کے ترک کرنے یا اس کے شدید تحمل کرنا کی قدرت ملتی۔ ابتدائے عشق میں انہی کو صدمہ پہنچا پس اب نہ عشق ترک ہو سکتا ہے اور نہ اس پر صبر و تحمل کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ مدثی یعنی رقیب جس کو بدگمانی کی وجہ سے ہم خدا کے حوالے بھی نہیں کر سکتے یعنی وقتِ رخصت یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جاؤ سد عارو۔ تمہیں سپرد خدا کیا۔ قیامت ہے کہ وہ میرے رقیب کا مسافر ہو، گویا میں اس کو رقیب کے حوالے کر دوں۔

۲۰۶

زبسکہ مشقِ تماشاجوں علامت ہے ۱ کشادہ بستانِ مشرہ سلیٰ ندامت ہے
نہ جانوں کیونکہ مئے داغِ طعن بدعمری ۲ تجھے کہ آئینہ بھی درطہ علامت ہے
بیچ و تابِ ہوس سدا کا فیت مت تو ۳ نگاہِ حجز سرِ شستہ سلامت ہے
وفا مقابلِ ودغوئے عشق بے بنیاد
جنوںِ ساخته و فصلِ گلِ قیامت ہے

۱۔ کشادہ و بستانِ مشرہ ۲۰ پلوں کا بار بار کھلنا اور بند ہونا + سلی ۲۰
طمانچہ۔ تھپڑ + تماشہ سے مراد تماشائے دنیا یا تماشائے حسن۔

کہتے ہیں چونکہ تماشائے حسن کی بہت زیادہ مشق کرنا جنوں کی علامت ہے۔ اس لئے تماشائے حسن کے وقت پلکوں کا بار بار بند ہونا اور کھڈنا طمانچہ ہائے ندامت کا پریژن ہے جو آنکھوں پر لگائے جاسکتے ہیں۔

۲۔ خدا جانے طبعی بد عہدی کا وجہ کیا کیونکر ملے گا، تو لاکھ آرائش کرے، مگر اس داغ بد عہدی کی موجودگی میں جب تو آرائش کے لئے آئینہ دیکھتا ہے تو آئینہ تیرے لئے ورطہ ملامت بن جاتا ہے، کیونکہ آرائش غیروں کو دکھانے کے لئے ہوتی ہے، جو عین بد عہدی ہے۔ اس لئے آئینہ دیکھ کر تو گرواہ ندامت میں غرق ہو جاتا ہے۔ آئینہ کو ورطہ سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ ہوس کے پیچھے دے دے کر عافیت اور سلامتی کی سلک (رٹھی) نہ توڑ کر کیونکہ نگاہ عجز یعنی ترک ہوس سرشتہ سلامتی ہے بطلب یہ ہے کہ سلامتی اور عافیت عاجزی اور کم ہوسی میں ہے۔ ہوس کے ساتھ سلامتی اور عافیت ممکن نہیں۔

۴۔ حسرت: محبوب اور قیب کے معاملہ کا ذکر بطور طعن کرتا ہے، کہتا ہے بڑا ستم ہے کہ محبوب تو آمادہ وفا ہوا اور دعویٰ عشق جھوٹا ہو یہ تو اسی ستم کی بات ہے کہ بہار تو واقعی آئی ہو لیکن جنوں میں بناوٹ ہو۔

۲۰۶

لاغر آنتا ہوں کہ اگر تو نرم ہو جاؤ مجھے ۱ میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلائے مجھے
کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رحم ۲ واں تلک کوئی کسی جیل سے پہچانے مجھے
نہ نہ دھلائے نہ دھلا، پر بہ اندازِ حجاب ۳ کھول کہ پلہ ذرا آنکھیں ہی دکھلائے مجھے
یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہیں ۴ زلف گرین ہلاؤں تو شائیں ابھائے مجھے
۱۔ میں عشق میں مغل مغل کھل کر اس تقد لاغر ہو گیا ہوں کہ اگر تو اپنی بزم میں مجھے جگہ

دے تو میں اسی بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ کوئی مجھے دیکھ کر بتلا نہ سکے گا کہ یہ فلاں شخص بیٹھا ہے یا یہ کہ کوئی مجھے دیکھ ہی نہ سکے گا۔ پھر خوف کیا ہے مجھے اپنی برہم میں جگہ دیدے۔

۲۔ اس میں کوئی تعجب نہیں، اگر اسے میری شراب حالت دیکھ کر رحم آجائے کوئی میرے حال پر اس قدر کرم کرے کہ مجھے وہاں تک پہنچا دے۔

۳۔ اگر تو اپنا حسین چہرہ نہیں دکھاتا تو نہ سہی۔ مجھے یہ بھی منظور ہے لیکن اتنا تو کر کہ چہرے پر ہر وہ ہٹا کر اپنی خشم آلود آنکھیں ہی دکھلا دے۔

۴۔ شانہ یعنی کنگھی۔ میری گرفتاری سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اگر میں اس کی زلفت بن جاؤں تو وہ مجھے کنگھی میں الجھا دے، مطلب یہ ہے۔

مجھے تکلیف پہنچانے میں اگر اس کو تکلیف پہنچے تو وہ اس کی مطلق پروا نہیں کرے گا۔

۲۰۸

بارہ بیچ اطفال ہے دنیا مرے آگے ۱ ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اک تھیل ہے لوزنگ ملیاں مکے نزدیک ۲ اک بات ہے اعجازِ میحمارے آگے
جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور ۳ جز وہم نہیں مستیِ اشیا مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گدڑیں صحرا مرے ہوتے ۴ گھستا ہے جیس ناک پہ دیار مرے آگے
مرتا ہے بچہ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے ۵ تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
سچ کہتہ خود میں خود آرا ہوں نہ بول ہوں ۶ بیٹھا ہے بُتِ آئینہ میحمارے آگے
پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار ۷ بکھوے کوئی پیمانہ و صہبائے آگے
نفرت کا گناں گیشے ہے میں خشک سے گزرا ۸ کیونکر کموں لوناں نہاں کا مرے آگے
ایہاں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر ۹ کہ برے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں، پر محشوق فوری سے مرا کام ۱۰ مجنوں کو بُرا کہتی ہے یہ سلا مرے آگے
خوش ہوتے ہیں پر دوسل میں یوں فریشتے ۱۱ آئی شب بچوں کی تمارے آگے
ہے موزوں اک قلم نوح کا شہی ہو ۱۲ آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے
گونا گونا خوش نہیں انکھوں میں تو دم ہے ۱۳ دہنہ دو ابھی ساغر دینا مرے آگے

ہم پیشہ وہم مشرب وہم راز ہے میرا
غالب کو بُرا کیوں کہو، چھامرے آگے

۱۔ بازیچہٴ اطفال یعنی ”بچوں کا کھیل“۔ میری نظروں میں دُنیا بچوں کا
کھیل ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے سامنے شب و روز ایک تماشا ہو رہا ہے
مطلب یہ ہے کہ میں حادثاتِ دُنیا کو بچوں کا کھیل سمجھا ہوں اور اسے دیکھ کر
خوش ہوتا ہوں۔

۲۔ اورنگ یعنی تختہ۔ تختِ سلیمان آسمان پر اُڑا کر بنا تھا، عجائزِ مسیح
پر تھا کہ وہ تم کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ فرماتے ہیں: میں تختِ سلیمان
کو ایک کھیل سمجھتا ہوں اور عجائزِ مسیح میرے نزدیک ایک معمولی سی بات
ہے۔ بقول طباطبائی دوسرے مصرع میں ”ایک بات“ نے دوسرا لطف پیدا
کر دیا۔ مطلب یہ ہے دُنیا اور اہل دُنیا کا اقبال و کمال میری نظر میں
یہی ہے۔

۳۔ میں صورتِ عالم کو محض نام ہی خیال کرتا ہوں، یا اس سے آگے
کچھ نہیں مانتا اور ہستیِ اخیانہ کو ایک وہم سمجھتا ہوں اور وہم اس کو کہتے ہیں
جس کا کوئی وجود نہ ہو۔ حاصل شعر یہ ہے کہ ذاتِ خداوند تعالیٰ کے سوا میں
کسی چیز کو موجود نہیں سمجھتا۔

۴۔ میں صحرانوردی میں اس قدر خاک اُڑاتا ہوں کہ صحرا گرد میں چھپ جاتا

ہے اور مجھ سے پناہ مانگتا ہے۔ میں آنکھوں سے اس قدر اشک بہاتا ہوں کہ دریا ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو ہیچ سمجھتا ہے اور میرے سامنے اظہارِ عجز کے لئے اپنا ماتھا زمین پر گر گزرتا ہے۔

بیخود: میں آنکھوں سے اس قدر اشک بہاتا ہوں کہ دریا میرے آگے بہ نکلتا ہے۔ پانی کے نور کو جس رگڑنے سے تعبیر کیا ہے طباطبائی نے بھی دوسرا مفہوم ہی لکھا ہے۔

۵۔ مجھ سے مت پوچھ کہ میرا تیرے پیچھے کیا حال ہے، بس یہ مجھ لے کہ جس طرح تو میرے آگے جبا اور شوخی سے دل تنگ اور مشوایا ہوا رہتا ہے اسی طرح میں تیرے پیچھے (تیری جدائی) میں بیقرار اور مضطرب رہتا ہوں۔ آگے اور پیچھے کے لفظوں نے شعر میں عجب کیفیت پیدا کر دی ہے۔

طباطبائی و اسی نے دوسرا مفہوم یہ نکالا ہے۔ ”تو اپنی بے اعتنائی یا حسن کو میری آنکھ سے دیکھ اور اسی پر قیاس کر لے کہ تیری مفارقت میں میرا کیا حال ہوتا ہو گا۔“

۶۔ تم یہ سچ کہتے ہو کہ میں خود ہیں و خود آنا ہوں۔ بھلا جب تم جیسا امتیاز معشوق میرے سامنے بیٹھا ہو تو پھر میں کیوں نہ خود ہیں و خود آرا ہوں مطلب یہ ہے کہ تمہارے حسن نے مجھے مغرور و متکبر بنا دیا ہے۔

۷۔ کوئی میرے سامنے ساغر اور شیشہ رکھ دے، پھر دیکھے میرے منہ کیسے بھول جھڑتے ہیں۔

بیخود: سنا گیا ہے کہ میرزا صاحب شام کے وقت شراب پیتے اور شب کو سرخوشی کے عالم میں عجب پر لطف باتیں کیا کرتے تھے۔

۸۔ اگر کوئی شخص تیرا نام میرے سامنے لیتا ہے تو رشک کی وجہ سے مجھے

سخت ناگوار گزارتا ہے۔ مشکل یہ آپڑی ہے کہ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تیرا نام میرے سامنے نہ لے کیونکہ ایسا کہنے سے شے والوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ مجھے تیرے نام سے نفرت ہے۔ لہذا میں ایسے رخسے سے باز آیا جس سے نفرت کا لگان نہ لے۔

۹۔ کلیسا۔۔ گر جا۔ میں عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں۔ ادھر کعبہ ہے کدھر کلیسا ہے۔ اگر کفر مجھے اپنی طرف لے جاتا ہے تو ایمان مجھے ادھر ملنے سے روکتا ہے۔ بقول طباطبائی کعبہ بچھے پڑ کر دیکھتا ہے کہ ادھر نہ جا اور سامنے کلیسا کھینچ رہا ہے کہ ادھر چل۔

آتشی : بے مثل شعر کہتا ہے۔ خصوصاً مصرعہ ثانی اگر دیوان کے دیوان اس پر سے صدقے کر دیتے جائیں تو بجا ہے۔

۱۔ عاشق ہونے کی حیثیت سے مجھے معشوقوں کے فریب میں آجانا چاہیے تھا۔ لیکن میں ایسا عاشق ہوں جو معشوقوں کے فریب میں نہیں آسکتا بلکہ انہیں انہی کو فریب دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ میری معشوق فریبی کا نتیجہ ہے کہ میں مجنوں کو میرے سامنے بُرا کرتی ہے گویا مجھے اس سے اچھا جانتی ہے۔

۱۱۔ کہتے ہیں شب وصل میں سبھی خوش ہوا کرتے ہیں۔ لیکن میری طرح شادی مرگ نہیں ہو جاتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شب ہجر میں جو میں اکثر مرنے کی دعائیں مانگا کرتا تھا۔ وہ شب وصل میں میرے لئے آتش (تمام متفق)

آتشی کہتے ہیں کہ شب ہجر میں کس یہ دعا مانگا کرتا تھا، یا اللہ اگر مرنے تو شب وصل میں مرنے، ہجر میں ناکام مرنے تو بُرا ہے۔ لہذا آج شبِ فصل وہ مراد پوری ہو گئی۔

طباطبائی : وصل کی خوشی میں مرجانا اور لوگ بھی باندھا کرتے ہیں۔ مگر یہ

بات ہی اور ہے۔ ساری کرامات محاذہ اور زبان کی ہے جس نے مرنے کے مضمون کو زندہ کر دیا ہے۔ فکر غالب کے کارناموں میں یہ شعر بھی شمار کرنا چاہئے۔

۱۲۔ میرے دل میں ایک دریائے خون موجزن ہے۔ کاش اسی پر اکتفا ہو۔ گویا دریائے خون آنکھوں سے بہ کر میری مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے۔ دیکھئے ابھی میرے آگے کیا کیا آتا ہے اور یہ عشق کیا کیا دکھاتا ہے۔

۱۳۔ آخری وقت آگیا ہے۔ ضعف اس قدر ہے کہ ہاتھوں میں ہاتھ طاقت نہیں رہی۔ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ کہتے ہیں۔ اگر ہاتھوں میں قوت نہیں تو کیا ہوگا۔ آنکھوں میں تو دم موجود ہے۔ شراب و ساغر کو میرے سامنے سے کیوں اٹھاتے ہو، میرے سامنے ہی پڑا رہنے دو تاکہ میں دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دوں۔

طبا طبائی: یہ شعر بھی مصنف کے چیدہ اشعار میں مشہور ہے۔ مگر تنا دالے شعر کو نہیں پہنچتا۔ حقیقتاً خوب شعر کہا ہے۔ سقید لکھتے ہیں شراب کی مذمت کی ہے۔ یعنی شراب ایسی چیز بڑی چیز ہے۔ اگر اس کی عادت پڑ جائے تو آخر وقت تک نہیں چھوٹ سکتی۔ یا اپنی کثرت شراب نوشی کا اظہار کیا ہے۔

۱۴۔ چونکہ غالب میرا ہم پیشہ ہم نوالہ، ہم پیالہ اور ہمارا ہے۔ اس لئے آپ میرے سامنے اُسے بُرا کیوں کہیں گے۔ غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے۔

آہی: آپ اُس کو بُرا کہتے ہیں تو گویا مجھے بُرا کہتے ہیں۔ اسی طرح آپ مجھے بھی بُرا سمجھتے ہوں گے۔

طباطبائی: معلوم ہوتا ہے معشوق کی طرف خطاب کیا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ غالب ہی ہے (بیخود)

۲۰۹

کموں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہئے ۱۔ تمیں کہو کہ تم یوں کہو تو کیا کہئے
 نہ کیسویطعن سے پھر تم کہ "ہم ستمگر ہیں" ۲۔ مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے
 وہ نیشتر سی، پردل میں جب اتر جائے ۳۔ نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہئے
 نہیں ذریعہ راحت جراتِ بیکار ۴۔ وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دلکش کہئے
 جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنئے ۵۔ جو نامسزا کہئے اُس کو نہ نامسزا کہئے
 کہیں حقیقتِ جانکاہی مرصع نہ کہئے ۶۔ کہیں مصیبتِ ناسازی دوا کہئے
 کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں نہ کہئے ۷۔ کبھی حکایتِ صبرِ گرہِ زیا کہئے
 رہے نہ جان تو قاتل کو خونہا دیجئے ۸۔ کہئے زبانی تو خنجر کو مرجا کہئے
 نہیں نگار کو الفت نہ ہونگار تو ہے ۹۔ روانیِ روش و سستی ادا کہئے
 نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے ۱۰۔ طراوتِ چمن و غریٰ ہوا کہئے
 سفینہ جب کہ کتا ہے پہ آگِ غالب

خدا سے کیا ستم و جوہرِ نا خدا کہئے

۱۔ جب میں تم سے اپنا حال کہتا ہوں تو تم ہمیشہ ہی کہتے ہو کہ آخر تمہارا مطلب کیا ہے؟ اپنا مطلب بیان کرو۔ تم ہی بتاؤ اگر تم ہی اس طرح سے کہو تو پھر بھلا میں کچھ کہنے کی غمراہ کیسے کر سکتا ہوں مطلب یہ ہے کہ تم میرے حال سے اچھی طرح واقف ہو، مگر جان جان کر پوچھتے ہو کہ تمہارا مطلب کیا ہے، میں ایسی صورت میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

۲۔ مجھے آپ کی ہر بات پر "بجا و درست" کہنے کی عادت ہو گئی ہے،

اس لئے ہر بانی کے پھر دوبارہ طعن سے یہ نہ کہنا کہ ہم مستحکم ہیں۔ میری زبان سے حسبِ عادت ”بجا و درست“ نکل جائیگا۔ یعنی میں کہہ بیٹھوں گا کہ ہاں واقعی آپ مستحکم ہیں اور یہ بات آپ کو ناگوار نہ لگی۔ کیا عجب ہے کہ یہ سن کر مزاجِ ناز پر ہم ہو جائے اور میری گفت میں شامت آئے (اکھی) باقی شاہین کا خیال ہے کہ معشوق نے طعن سے کہا تھا کہ ہم مستحکم ہیں اور ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ بجا و درست، اس پر معشوق کو غصہ آگیا۔ اب یہ اپنی صفائی پیش کر کے کہتے ہیں کہ دیکھنا اب یہ بات ہم سے نہ پوچھنا۔

۳۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نگاہ یا رنشر ہے اور نشر کسی کا ہمدرد اور آشنا نہیں ہوتا، لیکن جب وہ دل میں اتر جائے اور دل کے قبول کرے تو پھر نگاہ ناز کو آشنا اور دوست کہنے میں کیا ہرج ہے۔

۴۔ جراحات یعنی زخم۔ پیکان کے زخم سے میرے دل کو تسلی اور سکین نہیں۔ وہ زخم تیغ ہے جو میری دلکشا کی اور تسلی خاطر کا باعث ہوتا ہے۔ لفظ دلکشا میں ایہام ہے۔ زخم تیرے دل میں محض ایک خطہ دل دیتا ہے اور زخم نوا بہت کشادہ ہوتا ہے اس لئے زخم تیغ کو دلکشا کہا ہے۔

۵۔ مدغمی یعنی دشمن۔ جو شخص کہ دشمن بن جائے اور دشمنی کرے تو اس کے ساتھ دشمنی نہ کرنی چاہئے۔ اسی طرح جو شخص بُرا کہے اس کے جواب میں اس کو بُرا نہیں کہنا چاہئے۔

۶۔ ہمارا تو یہ حال کہ ہمیں اپنے مرض کی حقیقت جانکا ہی لکھتے ہیں کہ مرض نے جان کو گھلا ڈالا ہے اور کہیں دوا کی ناسازمی اور ناموافقت کا رونا رونا دہکتے ہیں کہ کوئی دوا خبیثت کے موافق نہیں آتی۔

۷۔ صبر گر بڑا یعنی وہ صبر جو بہت جلد جاتا رہے۔ فرماتے ہیں کبھی شدائدِ آلام و مصائب کی شکایت کرتے ہیں اور کبھی پیمانہ صبر کے بار بار چھلک جاتے کا دکھ اڑاتے ہیں۔

۸۔ خن بہا.. قدیر، وہ قیمت جو خون کے بدلے ادا کی جاتی ہے۔ اگر جان پاس نہ ہو اور وہ جاتی رہے تو پھر قاتل کو اس کا خون بہا دیا کیجئے۔ کہ جان نہیں دے سکتے تو یہ حاضر ہے اور اگر زبان کٹ جائے تو خنجر کو مرجھا دو آفرین کہئے (اُسی)

باقی مشاہین پہلے مصرعہ کی یہ شرح بیان کرتے ہیں: ”اگر جان جاتی ہے تو قاتل کو بخش دیجئے“

۹۔ اگر محبوب کو محبت نہیں تو کیا ہوا۔ اس سے اس کی شان مجبوزی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ اس کی اس کوتاہی کو صرف نظر کر کے اس کی خوش خرامی اور مستی ادا کی تعریف کیجئے۔

۱۰۔ اگر بہار کو فرصت قیام نہیں تو کیا ہوا۔ آخر وہ بہار تو ہے پس اس صورت میں شادابیِ حین اور خوبیِ ہوا کی تعریف کرنی لازم ہے۔

۱۱۔ سفینہ یعنی کشتی۔ اے غالب جبکہ کشتی کنارے ہی پر آگئی تو اب خدا سے نا خدا کے ظلم و ستم کیا کہوں، وقت گزر گیا، غنیمت ہے گزشتہ مصفا یاہ کر کے مصیبتوں کا تادہ کرنا بیکار ہے۔

طباطبائی: لقمان نے چار باتوں پر حکمت و اخلاق کو مختصر کر دیا ہے۔ موت اور خدا کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے اور اگر کسی پر کچھ احسان کیا ہو، یا کسی نے کچھ بُرائی کی ہو تو اُسے بمحلول جانا چاہئے

۲۱۰

رونے سے اور عشق میں مینا پاک ہو گئے ۱ دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے
 صرف بہائے ہوئے آلات مے کشی ۲ تھے یہ ہی دو حساب سوہوں پاک ہو گئے
 رسوائے دہر گو ہوئے آوازی سے تم ۳ بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
 کہتا ہے کون نالہ بیل کو بے اثر ۴ پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
 پوچھے ہے کیا وجد و عدم اہل شوق کا ۵ آپ اپنی آگ کے خن خاشاک ہو گئے
 کہنے لگے تھے اُس سے تغافل کا ہم گلہ ۶ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
 اس نکتہ آٹھائی کل اُس نے مسد کی نصن
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے

۱۔ حال کی: دھویا جانا.. بے شرم و مینا پاک ہونا.. آزاد یا شہداء
 مطلب یہ ہے کہ جب تک آنکھوں سے آنسو نہ نکلے تھے تو اس بات
 کا پاس اور لحاظ تھا کہ عشق کا ماز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے، مگر جب
 رونا ضبط نہ ہو سکا اور ہر وقت آنسو جاری رہنے لگے تو اخلاقی ماز عشق
 کا خیال جاتا رہا اور ہم ایسے بے شرم و بے حجاب ہو گئے کہ آزادوں اور شہداء
 کی طرح گل کیلے۔ اس مطلب کو ان الفاظ میں ادا کرنا کہ روئے سے ایسے دھوئے
 گئے کہ بالکل پاک ہو گئے، بلاغت اور حسن بیان کی انتہا ہے۔

۲۔ ہمارے دو حساب تھے، اول یہ کہ شراب کی قیمت کہاں سے
 آئے جو ادا کر کے شراب مینا کی جائے، دوسرے آلات مے کشی کے
 حساب و شمار کا جھگڑا کہ ان کو کہاں کہاں باندھے پھریں اور کب تک ان
 کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کریں۔ سو ان دونوں حسابوں کا جھگڑا اس طرح
 پاک ہوا کہ ہم کلامت میکشی بیچ کر شراب پی گئے۔ بقول طباطبائی زندوں کا سلف

اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جھگڑوں سے بھی چھوٹے اور شراب بھی مل گئی۔

۳۔ اگرچہ تم آوارگی سے سارے زمانے میں بدنام ہو گئے۔ لیکن اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ تم طبیعت کے چالاک ہو گئے۔ گویا اب تم کسی کے دھوکے میں نہ آؤ گے کیونکہ کافی محسوس کریں کھانچکے ہو۔

۴۔ نالہ بیل کو کون بے اثر کرتا ہے۔ اس کے اثر سے لاکھوں گلوں کے جگر چاک ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ پھول ٹھٹھکتے نہیں بلکہ نالہ بیل کے اثر سے ان کے جگر چاک ہوتے ہیں۔

۵۔ اہل شوق .. اہل عشق + اہل شوق کا وجود عدم تو کیا پرچلتا ہے، وہ تو اپنی آگ (آتش شوق) میں خس و خاشاک کی طرح جل بن گئے ہیں اور اب نہ اُن کا وجود ہے اور نہ عدم ہے، گویا وہ فنا فی الشوق ہو چکے ہیں۔

۶۔ حالی : شہرِ خفیی کا جو معاملہ غیر عشاق کے ساتھ ہے، اس کو تغافل کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ صحابی کہتا ہے۔

اے زائدو عاشق ز تو در نالہ آہِ قُدر تو ز نزدیک تر احوال تباه
کس نیست کہ جان از تو سلامت ببرد آں را بہ تغافل کشی ایں را بہ نگاہ
پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے تغافل سے تنگ آ کر شکایت کی تھی اور اس کی توجہ کے خواستگار ہوئے تھے۔ جب اس نے توجہ کی تو ایک ہی نگاہ میں ہم کو فنا کر دیا۔

۷۔ کل اس نے اسد کی لاش کچھ ایسے رنگ سے اٹھائی کہ دشمنوں کے دل بھی رشک کی وجہ سے غمناک ہو گئے۔ دوسرا مفہوم مختصر یہ ہے کہ اس نے

اس ذلت و تخفیر کے ساتھ اس کی لاش اٹھائی کہ اسے دیکھ کر دشمنوں کو بھی رنج ہوا۔

۲۱۱

نشد ہا شاداب رنگ ساز با مست طرب ۱ شیشہ سے سرو سبز جو ثیابِ نغمہ ہے
ہم نشین مت کہہ کر ہم کہ نہ ہزم عیش دوست ۲ وہاں تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے
۱۔ رنگ سے مراد رنگ محفل۔ نغمہ کو باعتبارِ روانی جو ثیاب سے تشبیہ دی ہے
اور شیشہ سے کو باعتبارِ سبزی جو ثیابِ نغمہ کا سرو سبز کہا ہے۔ رنگ محفل سے
نشد شاداب و سرو سے ساز موسیقی نشہ طرب سے مست ہے اور شیشہ سے
رنگینی شراب سے نغمہ جو ثیاب کا سرو سبز معلوم ہوتا ہے۔ صنف نے بہار
اور شراب کی کیفیت دکھائی ہے۔

۲۔ اے ہم نشین مجھے یہ مت کہو کہ نالہ کشی اور آہ فریاد سے دوست کی
محفل عیش میں کچھ پریشان نہ کر۔ کیونکہ اس کی محفل عیش و نشاط میں جا کر میرا نالہ بھی نغمہ بن جاتا ہے
جب میرا نالہ نغمہ بن گیا تو اس محفل عیش میں کیسے خلل پڑ سکتا ہے نالہ کے نغمہ بننے سے
دوسرا مضمون یہ بھی پیدا ہوتا کہ وہ میرے نالے سے کس کر سرو رہتا ہے پہلے مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے
درد چشم بدتری ہزم طرب سے دامن نغمہ بن جاتا ہے گر نالہ بھی میرا جائے ہے

۲۱۲

عرض ناؤ شوقی دندان برائے خند ہے ۱ دعویٰ جمعیتِ احباب جاتے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ محو حیرتِ انجام گل ۲ یک جہاں ناؤ تا مل دقفلے خندہ ہے
کلفتِ انس و کی کو عیش بے تابی حرام ۳ درد دندان مدول افشردنِ شائے خندہ ہے
سوزِ باطن کے ہیں احباب منکر و نہیاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

۱۔ دانتوں کی شوخی ناز کا اظہار منہ سے لے کر ہوا کرتا ہے، یعنی دو منہ سے کے وقت اپنی شوخی اور چمک دکھاتے ہیں اور چونکہ دانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے ان کو جمعیتِ اجاب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ کہتے ہیں بالکل اسی طرح سے اجاب کا دھوئے جمعیت جائے خندہ ہے۔ کیونکہ یہ جمعیت بالکل عارضی ہے۔

۲۔ بخود کہتے ہیں کہ جس طرح بڑھاپے میں دانت ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں، اسی طرح دوستوں میں بھی جدائی ہو جایا کرتی ہے۔

۳۔ عدم میں اس لئے کہ کھلنے کے بعد غنچہ معدوم اور گل پیدا ہو گیا۔ ایک جہاں زانو تامل یعنی بیحد فکر و تامل کے وقت انسان سرسزا نو ہو جاتا ہے۔ اس ترکیب سے مطلب فکر و تامل بچھڑا + در فغلتے خندہ ... کھل جانے کے بعد۔

غنچہ جب کھل گیا تو معدوم ہو گیا اور گل آموجد ہوا۔ اب عدم میں غنچہ محو حیرت سے کہ میرا انجام بھی وہی ہوگا جو اور پھولوں کا ہوا ہے، اس لئے وہ کھل جانے کے بعد ہمت زیادہ فکر و تردد میں ہے۔ (تمام متفق)

۴۔ بخود نے ایک جہاں زانو تامل کی شرح میں اختلاف کیا ہے۔ لکھتے ہیں جس فکر و تامل میں غنچہ مبتلا ہے اس کی مقدار مہلت زانو بد لے تک کی مدت ہے یعنی فکر اور سوچ کے وقت انسان سرسزا نو ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر میں تھک جانے کے بعد زانو بد لے آتا ہے اور سر کو زانو پر سے اٹھا لیتا ہے گویا اتنی سی دیر میں پھول کو اپنا انجام نظر آ جاتا ہے اور وہ کھلا جاتا ہے یا جھڑ جاتا ہے۔

آہی: یعنی مہوز عدم میں ہے ہستی میں نہیں ظاہر ہوا۔ مگر انجام گل

کی ہستی پر محو ہو رہا ہے اور وہ غنچہ سوچتا ہے کہ خندہ کے پیچھے بہت سا فکر پوشیدہ ہے۔ دوسرا مفہوم وہی لکھلے جو میں لکھ چکا ہوں۔

۳۔ کلفتِ افسردگی .. افسردگی کی تکلیف، مایوس احوال، عیشِ بے تابی .. بے تابی کی راحت، وہ آرام جو بیتابی میں حاصل ہوتا ہے، دندانِ دردِ دل، فشرط .. دل میں دانت گڑو دینا۔ بیتاب ہو کر دل کو چبا ڈالنا۔ گویا تکلیف برداشت کرنا۔

کلفتِ افسردگی کی حالت میں عیشِ بیتابی حرام ہے۔ اس لئے عالمِ فزنگی میں ہم بیتابی کے لطف حاصل نہیں کرتے، ورنہ ہم دل کو چبا ڈالیں اور اس ترکیب سے عیشِ بیتابی کے مزے اڑائیں۔ مطلب یہ ہوا کہ دل کو دانتوں سے زخمی کرنے سے زخم پیدا ہو جائیگا۔ زخم کے لئے خندہ لازم ہے اور خندہ لوازماتِ عیش میں سے ہے (طباطبائی۔ بخود۔ آئسی)۔

آئسی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے ہم افسردگی سے مجبور ہیں۔ جس کے ذریعہ میں عیشِ بیتابی حرام ہے، ورنہ اپنے دل کو زخمی کرنا اور خون پینا یہ تو عین خوشی کی جگہ ہے اور اس پر فخر کرنا چاہئے (حسرت۔ سجید)۔

۴۔ اجاب سوزشِ باطن کے قابل نہیں ہیں، ورنہ میری حالت یہ ہے کہ دل پر گریہ ظاہری ہے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ اور ہنسی ہے یعنی بظاہر میں خوش نظر آتا ہوں، لیکن میرا دل مبتلائے رنج ہے۔ آشنا کا لفظ محیط کے مناسبات میں سے ہے، آشنا پیراک کو کہتے ہیں۔

۲۱۳

حسن بے پردا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے ۱ آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے
تا کجا اسے آگئی رنگِ تماشا با ختن ۲ چشمِ داگردیدہ آغوشِ دورِ جلوہ ہے

۱- اگرچہ حسن بے پروا اور بے نیاز ہے لیکن پھر بھی وہ متاع جلوہ کا خریدا ہے اور اس کی خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ اس خواہش کی وجہ سے آئینہ اس کا زانوئے فکر بن گیا ہے یعنی وہ ہر وقت آئینہ دیکھتا رہتا ہے تاکہ اُسے دیکھ دیکھ کر کوئی نئی ایجاد جلوہ میں کرے۔

۲- آگہی .. ہوشیاری + رنگ باغلق .. رنگ بدلنا + چشم داگردیدہ .. کھلی ہوئی آنکھ آغوش سے مشابہ ہے + تماشا .. جلوہ بظاہر۔
اسے آگاہی تو کب تک جلوہ ظاہر کے تماشے میں مصروف و محو رہے گی۔
کھلی ہوئی آنکھ یعنی چشم تماشا جو جلوہ ظاہر کو دیکھنے کے لئے حیرت سے کھلی ہوئی ہے۔ وہ جلوہ کے لئے آغوش و دارع ہے جو اس کو فرصت کے لئے وا ہوئی ہے۔ غرض مطلب یہ ہے کہ جلوہ عالم اس قدر بے ثبات و ناپائیدار ہے کہ اس کے لئے چشم کشادہ ہی آغوش و دارع ہے۔

۲۱۲

جب تک وہاں زخم نہ پیدا کرے کوئی ۱ مشکل کہ تجھ سے راہ سخن واکرے کوئی
عالم غبار و حشت مجنوں ہے سرسبز ۲ کب تک خیال طرہ ییلے کرے کوئی
افسردگی نہیں طرب افشلتہ التفات ۳ ہاں دردین کے دل میں مگر جاگے کوئی
روئے سے اسے ندیم طامت نہ کر مجھے ۴ آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
چاک جگر سے جب وہ ہوش نہ ہوئی ۵ کیا فائدہ کہ جب کورسوا کرے کوئی
نوبت جگر سے ہے رگ ہر خار تلخ گل ۶ تا چند باغبانی صبرا کرے کوئی
ناکامی نگاہ ہے برقی نظارہ سوز ۷ تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
برسنگ دشت ہے صدف گوہر گشت ۸ نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
سرور ہوئی نہ وعدہ صبرا زما سے عمر ۹ فرصت کہاں کہ تیری تماشا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعت ایسا دیاس خیز ۱۰ یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
 بیکاری جنوں کو ہے سریشٹے کا شغل ۱۱ جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی
 حسنِ فروغِ شمع سخنِ دُور ہے اس
 پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۱۔ حالی : صوفیا کی اصطلاح میں محاورت اور مسافرت (یعنی عہد و
 معبود کے درمیان گفتگو ہونی) کے دو مرتبے ہیں، جو کالمین اور عرفا کو حاصل
 ہوتے ہیں۔ کتا ہے کہ شاید حقیقی کے ساتھ اس معمولی لب و دہن سے
 بات چیت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے لئے وہاں زخم پیدا کرنا چاہئے یعنی
 جب تک دل تیغِ عشق سے مجروح نہ ہو، یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ تمام عالمِ وحشتِ مجنوں کا خیال ہے، کب تک اسے کوئی طرہ لیلیٰ
 سمجھتا رہے مطلب یہ ہے کہ تمام عالم ایک دھوکہ ہے، اس لئے کوئی کب تک
 اس کو طرہ لیلیٰ کی طرح خیال کرے گا۔ طرہ زینت و آرائش کی چیز ہے اور عشق
 کو مرغوب ہے۔ وحشتِ مجنوں اور طرہ لیلیٰ میں تناسب ہے۔

گہستی نے اس کے علاوہ دو معنی اور لکھے ہیں۔ لیکن زبردستی کے ہیں
 ملاحظہ ہوں۔ (۱) دُنیا میں خیالِ وحشتِ مجنوں اُڑ رہا ہے۔ آخر کسے کوئی کب
 تک نہ دیکھے اور لیلیٰ کا کوئی کہاں تک خیال کرے یعنی متبادلہ حسنِ لیلیٰ کے
 عشقِ مجنوں زیادہ قابلِ دید ہے (۲) مجنوں کی اس درجہ پریشانی اور وحشت
 پر نگاہ نہ ڈالنا اور اس خیال سے آلودگی طرہ لیلیٰ کا لحاظ کرنا ظلم ہے۔

۳۔ طرب افشائے التفات .. التفاتِ معشوق کی خوشی پیدا
 کرنے والی + افسردگی .. غمزدگی۔

افسردگی سے التفاتِ معشوق کی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر

کوئی سرا یا درد نہ جائے تو ممکن ہے کہ معشوق کے دل میں جگہ پیدا ہو سکے۔
(حسرت - تنہید - بخود)

طباطبائی (۱) میری تنگدلی ایسی نہیں کہ التفات کر کے خوش ہو۔ یعنی کسی کے التفات کرنے سے میری گڑھی خاطر رفع نہیں ہوتی۔ ہاں درد نہ کر دل میں کوئی جگہ پیدا کرے تو کرے مگر تنگدلی دل کی یہ حالت ہے کہ درد کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہے (۲) میرے ہم خیال۔

آسی نے تیسری شرح یہ بھی لکھی ہے۔ افسردگی سے التفات معشوق کو خوشی نہیں ہو سکتی۔ البتہ کوئی سرا یا درد نہ جائے تو اس کے التفات کو خوش کر سکتا ہے۔ طباطبائی اور آسی کا خیال ہے کہ محقق نے یقیناً طرب انشائی کہا ہے۔ کیونکہ طرب اور اخشا دونوں لفظ عربی ہیں اور ترکیب فارسی ہے۔ غالب سے یہ غلطی ممکن نہیں۔

۴۔ اے نعیم (ہم نشین) رونے پر مجھے علامت دکرا کیونکہ آخریت تک کوئی اپنے دل کی بھڑاس نہ نکالے، اور منقبض خاطر بیٹھا ہے۔

۵۔ ہم نے اس خیال سے اپنا جگر چاک کیا کہ وہ ہمارے حال کی پریش کریں۔ مگر جب چاک جگر سے یہ بات حاصل نہ ہوئی تو اب گریبان چاک کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ سوائے اس کے ہم گریبان چاک کرنے کے۔ سوائی گریبان کے موجب بینیں۔ گویا یہ کنوئیں کہ گریبان چاک ہونے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا (رجعید)

آسی، بخود اور طباطبائی نے یہ مضمون لیا ہے کہ گریبان بھاڑ کر اپنے آپ کو درد سوا اور بدنام کرنے سے کیا فائدہ۔

۶۔ میرے جگر کے ٹکڑے صحرائے ہر فار میں بندھے پڑے ہیں۔ ان

کی رنگینی نے ہر خارِ شاخ گل بن گیا ہے اور ہر خارِ صحرا چین کا منظر پیش کرتا ہے۔
ظاہر ہے کہ لختِ جگر عاشق کے بکثرت خون رونے اور صحرا دوری کوئے سے
ہر خار پر چپکے ہیں اس لئے کہتا ہے کہ کب تک کوئی صحرا کی باغبانی کرے۔
یاد ہے باغبان کے فرائض میں آبیاری کرنا اور پھول لگانا شامل ہے (سجید
آستی۔ حسرت)

طبا طبائی اور بخود : اب صحرا کی بہار میں کیا بات باقی رہی ہے جو
کوئی باغبانی کیا کرے۔

۷۔ قودہ ذات ہے جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا، کیونکہ نگاہ کی ناکامی
برقِ نظارہ سوز ہے، مطلب یہ ہے اگر کوئی تیرا جلوہ دیکھنے کی کوشش کرتا
ہے تو ناکامی نگاہ برق بن کر گرتی ہے اور قوتِ دید کو سلب کر دیتی ہے۔ یہ
مفسرینِ مصنف نے مختلف پیراؤں سے باندھا ہے۔

نظان نے بھی کام کیا وہاں نقاب کا مستی سے ہر گاہ توے رخ پر بھڑکی
جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ حرمِ نیروز آپ ہی ہونظان سود پر دینے میں نہ چھپے کیوں
۸۔ سنگ و خشت .. رنٹ پتھر + صدف .. سیلی + شکست

سے مراد منرب سنگ ۔

اگر کوئی شخص جنون سے سودا کرے تو اس سودے میں اُسے کچھ
نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ ہر سنگ و خشت جو لڑکے دیوالے کو مارتے ہیں
وہ ایک صدف ہے، جس میں سے گوہرِ شکست حاصل ہوتا ہے ظاہر
ہے وہ سودا جس میں موتی حاصل ہوں فائدہ سے خالی نہیں۔

۹۔ تیرا وعدہ بڑا صبر آزما ہے۔ میری ساری عمر ایفائے عہد کی
امید میں بسر ہو گئی۔ مگر پھر بھی تیرا وعدہ پورا نہ ہوا۔ گویا ہم انتظار ہی میں

مر گئے اور تیری تتا کرنے کا وقت ہی نہ آنے پایا۔ پھر تیری تتا کس وقت کی جاتی۔

۱۔ طباطبائی: معنی آفرینی اور اخلاقی مضامین و ایجاد و اختراع لطیف
ایسا وحشی فن ہے، جس سے یاس پیدا ہوتی ہے۔ پھر بھی سب اس مرض میں
بتلا ہیں۔ ایجاد کے مناسبات سے ”پیدا کرنا“ اور درد کو پیدا کرنا جس کے لئے
پیدائی نہیں، لطف سے خالی نہیں (بیخود)

حسرت: ایجاد کی طبیعت میں جو وحشت ہے وہ یاس خیز ہے یعنی
ہم وحشی لوگ یاس کو ایجاد کیا کرتے ہیں اور اس طرح پر گویا یاس
ہونے پر مجبور ہیں۔

سعید: درد عشق وہ درد نہیں، جس کو کوئی پیدا کر سکے۔ اس میں
کسی کو شمش اور اختراع و ایجاد کا نتیجہ ہمیشہ یاس کن ہوتا ہے۔ مرنا
پہلے لکھ چکے ہیں۔

عشق پر نور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے
آتش: ایجاد سے مراد غالباً عالم ایجاد ہے۔ اس صورت میں یعنی پیدا
ہوتے ہیں کہ عالم ایجاد کی طبیعت ہی میں وحشت ہے اور یہ وحشت یاس خیز
اور مایوس کن، بلکہ یہ یاس ایک درد ہے جو ہر ساکن عالم ایجاد کے
دل میں پیدا ہونا ضروری ہے۔

سہما: اس عالم ایجاد کی طبیعت میں یا ممکنات کے خاصہ میں سخت
بیگانگی ہے اور اس سے توقع رکھنی عبث ہے اور یہ وحشت و بیگانگی ایسا
درد نہیں جو کوئی پیدا نہ کرے۔

۱۱۔ مجنوں کا کام یہ ہے کہ اپنے لباس کو پھاڑے جب جسم پر لباس

نہ رہا تو دیوانہ بیکار ہو گیا، کہتے ہیں لباس پہنارنے کے بعد بیکاری جنوں کا کام
 بیسے کہ وہ اپنے سر کو پیٹے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب سر کو پیٹتے پیٹتے ہاتھ
 ٹوٹ جائیں تو پھر دیوانہ کیا کرے۔ کیونکہ جنوں میں بیکاری بیٹھا نہیں جاتا۔
 ۲۔ فروغ شمع سخن بہت مشکل ہے۔ یہ خصوصیت پیدا کرنے کے
 لئے ضروری ہے کہ پہلے کوئی دل گداختہ پیدا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ
 بغیر دل درد مند کے فروغ سخن ممکن نہیں۔

۲۱۵

ابن مریم ہوا کرے کوئی ۱ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
 شرع و آئین پر مدارسی ۲ ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
 چال جیسے کڑی کمان کا تیر ۳ دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
 بات پرواں زباں کتنی ہے ۴ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
 یک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ ۵ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
 نہ سُنو گر بُرا کہے کوئی ۶ نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
 روک لو، گر غلط چلے کوئی ۷ بخش دو گر خطا کرے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند ۸ کس کی حاجت روا کرے کوئی
 کیا کیا خضر نے سُنندے سے ۹ اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اُمید گئی غالب

کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

۱۔ ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ، جن کا معجزہ مردوں کو زندہ اور بیماروں
 کے دکھ دور کرتا تھا۔ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی عیسیٰ ہے تو ہوا کرے۔ میں تو
 جب جانوں کہ کوئی میرے دکھ دور کرے (شاید بیماریِ عشق کو حضرت عیسیٰ

بھی اچھا نہ کر سکتے ہوں۔ کیونکہ یہ کوئی مرض نہیں بلکہ ایک قسم کا دہم ہے۔

۲۔ مشرع و آئین .. قانون دین و دنیا۔

میں نے مانا کہ دنیا کا مدار قانون پر ہے اور قاتل کو قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ لیکن کوئی ایسے قاتل کو کیا سزا دے سکتا ہے جو بغیر تلوے کے قتل کر ڈالتا ہے۔

حسرت نے دوسرا مضمون یہ لکھا ہے کہ جس پر یہ سبب نزاکتِ حُسن کوئی حدِ شرعی کا جاری کرنا گوارا نہ کرتا ہو۔ انہ

۳۔ کڑی کمان یعنی سخت کمان، جس قدر کمان سخت ہوتی ہے، اُسی قدر تیر میں بھی زیادہ زور ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں اس کی چال ایسی ہے، جیسے کڑی کمان کا تیر ہوتا ہے یعنی بے محابا اس کی خوش خواسی تیر کی طرح سینے کے پار ہوتی ہے، ایسے کے دل میں کوئی جگہ پیدا کرے تو بات ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے کے دل میں کوئی جگہ پیدا کرنے کی بہت مشکل ہے۔

۴۔ اگر ان کے سامنے ذرا بھی بات کی جائے تو وہ زبان کاٹ ڈالتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کے دل میں آئے، وہ کہے جائیں اور ہم خاموش بیٹھے سنا کریں۔

۵۔ خدا جلنے جوش و خشت میں میں کیا کیا پاک رہا ہوں، خدا کرے کوئی میری باتوں کو نہ سمجھے مطلب یہ ہے کہ رازِ عشقِ فاش نہ ہو جاتے۔

۶۔ اگر تمہیں کوئی بُرا لکے تو سنی اُن سنی کر دو اور اگر کوئی بُرا کرے تو چشم پوشی کر۔ یعنی عیب چینی نہ کرو۔ قسمت برداشت پیدا کرو۔

۷۔ اگر کوئی غلط راستے پر چلے تو اُس کو دھک لو، اور اگر کوئی غلط کہے

تو اُس کو فراخ دلی سے معاف کر دو۔

۸۔ دُنیا میں کون شخص ہے جو حاجت مند نہیں ہے، کوئی کس کس کی حاجت روا کرے۔ اگر کوئی تمہاری حاجت روا نہ کرے تو شکایت زبان پر نہ لادو، کیونکہ ہر شخص کی اپنی اپنی ضرورتیں ہیں۔

۹۔ حضرت راہنماؒ نے ہوئے سکندر کو چشمہٴ آبِ حیات پر لے گئے تھے لیکن سکندر نے یہ دیکھ کر کہ چشمہٴ آبِ حیات کے گرد بہت سے بوڑھے بوڑھے ہوئے سسک رہے ہیں، آبِ حیات نہ پیا اور بونہی واپس آگیا۔ کہتے ہیں دیکھ لو سکندر کے ساتھ حضرتؒ کیا کیا، رہنما بنا اور پھر بھی آبِ حیات نصیب نہ ہوا۔ حضرتؒ خضر سے بڑھ کر دردِ دل کون ہو سکتا ہے۔ (ایسی حالت میں اب کوئی کس کو رہنما بنائے۔

۱۰۔ جب کوئی توقع ہی نہیں رہی تو پھر کس برتنے پر کسی کا گلہ شکوہ کیا جائے۔ گلہ کرنے کا اس وقت فائدہ ہو سکتا ہے، جب مطلب برائی کی امید ہو۔ ظاہر ہے جب توقعات منقطع ہو جائیں تو گلہ کرنے سے نفرت اور دشمنی بڑھتی ہے۔

۲۱۶

بہت سے غم گیتی شراب کم کیا ہے ۱ غلامِ ساقی کو تر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
تمہاری طرزِ روش جانتے ہیں ہم کیا ہے ۲ رقیب پر ہے اگر لطف، تو قسم کیا ہے
سخن میں خامہٴ غالب کی آتش افشانی
یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے
ار غم گیتی .. غم دُنیا + ساقی کو تر .. حضرت علیؑ
میں نے مانا غم دُنیا بہت زیادہ ہے، لیکن کیا ہوا غم کو دور کرنے

کے لئے میوے پاس شراب بھی تو بہت ہے۔ شراب بہت اس لئے ہے کہ
میں ساقی کو ٹرکا غلام ہوں وہ کبھی مجھ کو تشنہ نہ رہنے دیں گے۔

سجید: یہی اس شراب پینے کے گناہ کی سزا سو اس کی بھی ہم کو فکر نہیں
کیونکہ میں ساقی کو ٹرکا غلام ہوں وہ اپنے غلام کی شفاعت خود کریں گے۔

۲۔ ہم تمہاری طرز و روش کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کیا ہے کہنے کو
تو مجھ پر ظلم و ستم نہیں کرتے لیکن رقیب پر جو تمہارا لطف و کرم ہے، وہی میرے
لئے ستم ہے اور ستم اس کو کہتے ہیں (حسرت۔ طباطبائی: ج ۱)

آسی: تم کسی پر مہربان بھی ہوتے ہو تو ظلم کرنے کے لئے ہوتے ہو۔
لہذا اگر رقیب پر مہربان ہو تو کیا ستم ہے، وہی اُس پر ظلم کرتے ہو گے۔

سجید: تمہارا جو ہمارے ساتھ برتاؤ ہے ہم اُس کو خوب جانتے ہیں
یعنی بُرا ہے پس جب تم رقیب پر مہربانی کرتے ہو تو ہماری شکایت بحث ہے۔

۳۔ ہم شاعری میں قلم غالب کی آتش افشانی کا حقین رکھتے ہیں، لیکن اب
اس میں دم ہی کہاں باقی رہا ہے۔

۲۱۶

بارغیا کر خفغانی یہ ڈراتا ہے مجھے ۱ سایہ شاخ گل افغی نظر آتا ہے مجھے
جو ہریش بہ سرچشمہ دیگر معلوم ۲ ہوں وہ میں بسوز کہ نہ ہر آب اگلے مجھے

معا جو تماشا لئے شکستہ دل ہے ۳ آئینہ فلنے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے
نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کفر خاک ۴ آسماں بیضی قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھاتے تھے ۵ دیکھوں اب مرے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

۱۔ خفغان میں ڈر مت لگا کرتا ہے اور خفغانی ہر وقت توہمات سے
مغلوب رہتا ہے۔ کہتے ہیں، 'بلوغ نے مجھ کو خفغانی کھ لیا ہے' اس لئے وہ مجھے

ہر وقت ڈاندار ہوتا ہے۔ اس کی ہر شاخ گل کا سایہ خفائی ہونے کی وجہ سے مجھے اتنی معلوم دیتا ہے اور میں سمجھا جاتا ہوں۔

۲۔ جو ہر تیغ سبزی ناکل ہوتا ہے اور وہ تلوار کو زہر آب میں بکھانے سے نمودار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں جس طرح سبزہ جو ہر تیغ سوائے زہر آب کے کسی دوسرے سرشت پر نہیں اگتا۔ اسی طرح میں وہ سبزہ ہوں کہ مجھے بھی زہر آب (غم) ہی اگاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری سرشت غم و غصہ سے ہے۔

۳۔ مدعا حاصل نہ ہونے سے میرا دل ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ چونکہ میرا دل آئینہ تھا، اس لئے ٹوٹ جانے سے آئینوں کے بہت ٹکڑے ہو گئے۔ اب ان آئینوں میں مدعا شکستِ دل کا تماشا دیکھنے میں محو ہے۔ چونکہ ان ٹکڑوں میں ہر طرف شکستِ دل کا تماشا نظر آ رہا ہے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے جس طرح کوئی مجھے آئینہ خانہ میں نے کہا ہے (تمام متفق) اسی نے ایک مفہوم یہ بھی تراشا ہے۔ کوئی مجھے آئینہ خانہ میں لئے جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں میرا دل ٹوٹے اور میں اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے تماشے میں محو ہوں اور میرا دل ٹوٹنا اس پر منحصر ہے کہ میں حیران ہوں گا اور اس سے میرا دل ٹوٹے گا۔

۴۔ میں نادر کو سرمایہ دُنیا اور دُنیا کو ایک مسقی بھر خاک سمجھتا ہوں اور میری نظروں میں آسمان ایک بیضہ قمری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میری نظروں میں بچھ ہے۔ کیونکہ اس کا حامل سوائے مرغ و مچھ کے اور کچھ نہیں۔ آسمان اور بیضہ قمری میں بلحاظ رنگ مشابہت ہے۔

طہا اطمہانی؛ آسمان پر بیضہ قمری کی پھبتی کہی ہے کہ جس میں کفِ خاک کے

سوا کچھ نہیں اور اس مٹی بھر خاک کی قسمت میں عمر بھر کی نالہ کشی لکھی ہے، اور بیضہ قمری اس لئے کہا کہ قمری نالہ کشی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ چونکہ قمری کا رنگ خاکی ہوتا ہے اس لئے بھی آسمان کو بیضہ قمری قرار دینا خالی از لطف نہیں۔
 ۵۔ حالی: ”کون اٹھاتا ہے مجھے“ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں تو مجھے محفل سے اٹھا دیتے تھے، اب مرنے کے بعد بیکمیں مجھے وہاں سے کون اٹھاتا ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ محفل سے تو اٹھا دیتے تھے۔ دیکھوں اب میرا جنازہ کون اٹھاتا ہے۔

۲۱۸

روندی ہوئی ہے کوکبہ شہریارہ کی ۱۔ اترائے کیوں نہ خاک سر ہر ہزار کی جب اُس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ ۲۔ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے ۳۔ کیونکہ نہ گھائیے کہ ہوا ہے بہار کی ۱۔ کوکبہ شہریارہ یعنی وہ سوار جو بادشاہ کی اردل میں رہیں کہتے ہیں۔ راستے کی خاک بھلا کیوں نہ اترائے، اس کا اترانا بچا ہے کیونکہ بادشاہ کے پاس ہی کوروندتے ہوئے گزرے ہیں۔ بقول آتشی جب بادشاہ کے اردلیوں کے روندنے سے خاک کو یہ فخر ہے، تو زہے نصیب اس کے جس پر بادشاہ حیران ہو۔
 ۲۔ نمود۔ یعنی شہرت۔ جس لالہ زار کو دیکھنے کے لئے بادشاہ خود تشریف لائیں تو بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ اس لالہ زار کی نوگوں میں شہرت اور مقبولیت نہ ہو۔

۳۔ ہم سیر گلستاں کے بھوکے نہیں ہیں، مگر ہوائے بہار میں ایسی کشش ہے کہ وہ خود بہ خود ہمارا دل اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اس لئے ہم اس سے کیوں نہ خط حاصل کریں۔

ہزاروں خواہشیں سی کہ ہر خواہش پور ہو سکے ۱ بہت کچھ مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
ڈرے کیوں میرا قاتل کیا یا رنگا اس کی گردن پر ۲ وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر پوں دم بہم نکلے
نکلنا غلہ سے آدم کا سنتے تھے میں لیکن ۳ بہت بے ابرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی زندگی ۴ اگر اس طرح ہر سو زخم کا بیج و ختم نکلے
مگر لکھوائے کوئی اُس کو خطا تو ہم سے کھوائے ۵ ہوتی صبح اور شمس کا پیڑھ کر قلم نکلے
ہوتی اس نور میں منسوب مجھ سے بادۂ آسماں ۶ پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جم نکلے
ہوتی جن سے توقع خشکی کی داد پانے کی ۷ وہ ہم سے بھی زیادہ کشتہ تیغ ستم نکلے
محبت میں نہیں ہے فرق جیسا دھونے کا ۸ اُسی کو دیکھ کر جینے میں جس کا فریہ دم نکلے
کہاں سیخا نہ کا دوا نہ غالب اور کہاں لفظ ۹ پر آنا جلتے میں کل یہ جانا تھا کہ تم نکلے
۱۔ حالی : "خواہش پر دم نکلنا" اس کے بعد سے ہونے کے لئے جلدی کرنا
چنانچہ کہتے ہیں۔ کیوں دم نکلا جاتا ہے یا کیوں مرے جاتے ہو یعنی کیوں جلدی کرتے
ہو۔ پہلے مصرعہ میں مقتضائے مقام یہ الفاظ کہ "دل میں باقی ہیں" مفہوم دینے جا رہے ہیں
یعنی ہمارے دل میں ہزاروں ایسی خواہشیں باقی ہیں کہ جن میں سے ہر خواہش کے لئے ہم
مرے جلتے ہیں ہمارے ارمان بہت نکل چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی باقی ہیں۔
۲۔ میرزا قاتل اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر میں اس کو قتل کر دوں گا تو اس کا
خون میری گردن پر لگے گا۔ اس کا اس بات سے ڈرنا بیکار ہے کیونکہ وہ خون جو
چشم تر سے عمر بھر بہتا رہا اور کبھی نہ سٹھا، وہ اس کی گردن پر کیا ٹھہر گیا یعنی
رجم میں نہیں رہتا تو گردن پر کیا رہے گا۔
۳۔ کوچہ یا رکوس خوبی سے بہشت کہا ہے۔ ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں کہ
حضرت آدم بہشت سے نکالے گئے تھے، لیکن جس بے پروائی کے ساتھ

ہم تیرے کوچہ سے نکلے ہیں وہ اس طرح نہ نکلے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے زیادہ بے آبرو اور بے عزت کئے گئے ہیں۔

۴۔ بھرم یعنی حقیقت اور اصلیت۔ تیرے قامت کی دراڑی کی لوگ بہت تعریف کرتے ہیں، لیکن یہ تعریفیں اسی وقت تک ہیں جب تک تیری زلفیں پٹی ہوئی ہیں جس وقت ان کے پیچ و خم نکلیں گے تو قامت کی دراڑی کی حقیقت کھل جائیگی۔ مطلب یہ ہے کہ تیری زلفیں تیرے قدم سے بھی زیادہ دراڑ ہیں۔

۵۔ عاشق کو شبہ یہ ہے کہ تمام مشرد والوں کی میرے معشوق سے خط کتابت ہے۔ اس لئے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کون کون ان سے خط کتابت کرتا ہے اور اسے کیا کیا لکھواتا ہے۔ اس نے خط نویسی کا پیشہ اختیار کیا ہے۔ صبح ہوتے ہی کلاں دھام کا گھر سے نکل جاتا ہے اور گلی کوچوں میں پھرتا ہے کہ لوگ منشی سمجھ کر اسے بلا لیں اور خط لکھوائیں۔ اسی لکھنے میں کہ ہم اس کا نام لکھنے کے عاشق ہیں اس لئے ہم نے یہ ترتیب نکالی ہے۔ لیکن یہ معنی کچھ لطف نہیں دیتے۔

۶۔ بادہ آشامی یعنی شراب نوشی جیسا کہ مشہور تھی۔ گویا پھر وہ نہانہ آگیا ہے کہ جام جم نکلے اور اس کو میرے نام سے مشرت ہو۔ کیونکہ جمشید تو رہا نہیں اب میں جام جمشید کا حریف ہوں۔ جام جم کے متعلق مشہور ہے کہ جمشید نے ایجاد کیا تھا۔ اس میں تمام عالم کی سیر ہوئی تھی وہ اس میں شراب بھر کر پیا کرتا تھا۔ نیز شراب کو بھی جمشید کی ایجاد کہا جاتا ہے۔

۷۔ جن لوگوں سے ہمیں امید تھی کہ وہ ہماری خستگی اور درد مندی کی داد دیں گے رجب ہم نے اپنا درد ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے اپنی درد بھری

داستان سنائی جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہم سے بھی زیادہ فلک زدہ اور ستم رسیدہ ہیں ع
نختہ را خفتہ گئے گند بیدار

آسی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے اور اس کو ہمارے مفہوم پر تیسرے ہی
ہے کہتے ہیں ہم نے جس کسی سے خشکی کی داد ملنے کی توقع کی جس کے سامنے
اس بات کا اظہار فخر یہ کرنا چاہا کہ ہم نے اتنے ستم سے ہیں وہ لوگ ہم سے
بھی زیادہ تیغ ستم یار کے دل خستہ تھے۔

۸۔ محبت میں مرنے اور جینے کا امتیاز اٹھ گیا۔ کیونکہ جسے دیکھ کر جیتے ہیں
اسی کا فریہ مرتے ہیں۔ بقول تجود حاصل زمین یہی شعر ہے۔

۹۔ شراب انہی چیز ہے کہ اسے واعظ بھی چھپ چھپ کر پیتے ہیں۔
کہتے ہیں۔ کہاں سے خانہ کا دروازہ اور کہاں حضرت واعظ، کل کی بات ہے
کہ ہم میخانہ سے شراب پی کر نکل رہے تھے کہ حضرت واعظ داخل ہوئے گویا
ہم نے انہیں میخانے میں جلتے ہوئے دیکھ لیا۔

۲۲۰

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے ۱ بے تکلفی سے شراب جیتے کیا ہو جائیے
بیضہ آسانگ بال بڑے یہ کچھ قفس ۲ از سر نو زندگی ہو گئے رہا ہو جائیے
۱۔ شراب سے پوچھتے ہیں کہ اگر ہم صدا بن جائیں تو پہاڑ کے لئے بارِ خاطر
ہوں کیونکہ جو آواز پہاڑوں سے نکلتی ہے وہ گونج بن کر واپس آجاتی ہے اور اس
بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ پہاڑ پر بارِ خاطر تھی اس لئے پہاڑ نے اسے واپس لوٹا دیا۔
کہتے ہیں۔ اسے شراب جیتے پھر آخر ہم کو کیا ہونا چاہئے۔ بقول حسرت اسی انداز سوال
سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ میں بھی شراب کی مانند بے تکلف ہم بھر میں جل کر فنا
ہو جانا چاہتا ہوں (سعید حسرت)

طباطبائی : شراب کی از خود خلی اور بے تکلفی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ تیری طرح بھلا ہم کیا بے تکلف ہو جائیں اور کیونکر ضبط کو ہاتھ سے دیں۔ یہاں تو جال یہ ہے کہ اگر صد اکی طرح سبک و لطیف بن کر تڑپیں تو بھی کوہ ایسے سنگین و ترنگیں جنیم کے بارِ خاطر ہو جائیں۔ غرض یہ کہ جلا تک ہو سکے ضبط کرنا اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہئے۔ ورنہ مناسبت اس شعر میں یہ ہے کہ شراب پتھر سے نکلتا ہے۔ اور صد پہاڑ سے نکل کر پلٹ آتی ہے یعنی اس کی بارِ خاطر ہوتی ہے اور اسی سبب سے وہ اسے یاد کرتا ہے (آئنی - دیخود)

۲۔ میرا کچھ قفس بیضہ کی طرح ہے جو بال دہر کے لئے باعث ننگ عالم ہے۔ اگر میں اس کچھ قفس سے آزاد ہو جاؤں تو بھس گام مجھے از سر نو زندگی حاصل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اندھے سے بچہ نکلنے کے بعد نئی زندگی شروع کرتا ہے اسی طرح قفس سے آزاد ہونے کے بعد نئی زندگی شروع ہوگی بقول طباطبائی اگر فلک سے بیضہ فلک مولا میں تو عالم ارواح میں نئی زندگی شروع ہوگی

۲۲۱

مستی بدوق غفلت ساقی ہلاک ہے ۱ موج شراب یک مژہ خوابناک ہے
بجز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو ۲ جیب خیال بھی تیرے ہاتھوں سے چاک ہے
جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد ۳ صحرا ہماری آنکھ میں ایشیت خاک ہے
۱۔ ساقی کی ادائے غفلت پرستی شراب تک ہلاک ہے۔ شراب اس کی غفلت کے فوق میں ایسی بخود ہوتی ہے کہ موج شراب چشمِ ساغر کی مژہ خواب آلود معلوم ہوتی ہے۔

بقول حسرت موج شراب کو چشمِ ساغر کی مژہ قرار دیا اور اس کی خوابناکی کا یہ سبب بتایا کہ مستی شراب کو بھی ساقی کی ادائے تغافل نے مست و بخود

بنارکھا ہے۔

۲۔ میرے دل میں سوائے زخم تیغ ناز کے اور کوئی آرزو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جیب خیال بھی تیرے ہاتھوں سے چاک ہے۔ "بھی" سے پتہ چلتا ہے گریبان پھٹے سے چاک تھا۔

طباطبائی، جیب خیال سے دل مراد ہے اور جیب دل میں زخم تیغ ناز ہوا تو جیب خیال چاک ہوئی۔ پھر اس میں آرزو کیونکر رہ سکے۔

۳۔ جوش جنوں نے وسعتِ نظر کو بڑھا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہر چیز بے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ صحرا باد جو اپنی بہنائی کے ہماری نظروں میں ایک مشت خاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا (آسی مستجد) طباطبائی۔ بخود: صحرا کو دیکھ کر ایسا جوش جنوں پیدا ہوا ہے کہ اب سوچتا نہیں۔ گویا صحرا میری آنکھوں کے لئے مٹی مٹی بھر خاک مٹی اور جس آنکھ میں خاک جھونک دی جائے اسے کیا سوچھے گا۔

۲۲۲

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گوارہ جنبانی ۱ قیامت کشتہ لعل بتاں کا خواب گیس ہے

۱۔ لب عیسیٰ میں یہ تاثیر مٹی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ کہتے ہیں کشتہ لب لعل بتاں ہے عیسے کا یہ جادو نہیں چلتا، بلکہ لب عیسے کی جنبش ان کشمکش کے حق میں لوری کا کام دیتی ہے۔ جس طرح کوئی بچے کو سلانے کے لئے پنگھوڑے کو جنبش دیتا ہے اور اس جنبش سے نیند اور زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔ یہاں یہی حال جنبش لب عیسے کا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کشمکش لب لعلیں کی نیند قیامت کی گہری نیند نہیں ہے۔ بلکہ لب عیسیٰ کی جنبش سے وہ اور بھی زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔

۲۲۳

آدمی سلاب طوفان صدمے آب ہے ۱ نقش پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جاوہ
 بزمِ مے و خشت کدہ ہے کس کی چشم مست کا ۲ شیشے میں نبض پری پنہاں ہے موجِ بادہ
 ۱۔ نقش پا کی بصورت کان سے اور جاوہ کی انگلی سے مشابہت ہے کہتے
 ہیں طوفانِ آب کی آواز آرہی ہے۔ اسے سن کر نقش پا نے اپنے کان میں جاوہ
 کی انگلی رکھ لی ہے تاکہ طوفانِ آب کی آواز سے وہ خوفزدہ نہ ہو۔ خوف پیدا ہونے کا
 سبب یہ ہے کہ طوفانِ آب کا تو نقش مٹ جائیگا۔
 طباطبائی نے اس شعر کو بے معنی لکھا ہے۔

۲۔ بادہ کو نبض پری سے مشابہت دی ہے، پھر اس کی وحشت کو ظاہر
 کیا ہے۔ کہتے ہیں کس کی چشم مست نے بزمِ مے کو وحشت کدہ بنا دیا ہے کہ
 وحشت کے مارے شیشے میں بصورتِ موجِ بادہ گویا نبض پری پنہاں ہے۔
 (موجِ بادہ سے یعنی بصورتِ موجِ بادہ)

۲۲۴

ہوں میں بھی تماشا ئی نیزنگ تما ۱ مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی آئے
 تما کرنے سے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ تما بھری ہو بلکہ میں تما کی طلسم کاری
 کا تماشا ئی ہوں۔ گویا یہ دیکھتا ہوں کہ تما کیسے کیسے رنگ اور تماشے
 دکھاتی ہے۔

۲۲۵

سیاہی جیسے گر جلے ہم تحریر کا غنہ ۱ میری قیمت میں ان تعویذ جھٹکے بھراں کی
 قیمت سے قیمت نامر مراد ہے اور غرض یہ کیا ہے کہ خطِ تقدیر کے سب حروفِ تصدیق
 کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔ زمانہ قدیم میں جب فنِ تحریر ایجاد نہ ہوا تھا تو اظہارِ مطلب

تصویریں کھینچ کر کیا جاتا تھا۔ میرے قسمت نامہ میں شب ہائے فراق کی تصویر اس طرح کھینچی گئی ہے جیسے لکھتے وقت کاغذ پر سیاہی گر جائے اور وہ کاغذ بالکل سیاہ ہو جائے۔

۲۲۶

ہجوم نالہ صیحت عاجز صیحت ایک افغان ہے ۱ خموشی ریشہ مصدیتاں سے جس بدنلا ہے
تکلف بر طرف ہے جانستل لطف بدخویا ۲ نگاہ بے حجاب ناریخ تیز عریاں ہے
ہوتی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت خلوی ۳ کہ صبح عید مجھ کو بدتر از چاک گریباں ہے
دل دین نقد لا ساقی سے گر سودا کیا پایا ہے ۴ کہ اس بازار میں مسافر متاع و ست گرداں
غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق ۵ چرخِ روشن اپنا فلک مہر کا مچاں ہے
۱۔ حسرت: صیحت عاجز، یعنی عاجز صیحت، ہجوم نالہ اس بات سے عاجز
ہے کہ صیحت کی وجہ سے آہ و فغاں ناممکن ہے۔ چنانچہ خموشی جو لازم صیحت ہے،
اس مجھو کا اظہار کر رہی ہے جس بدنلا ہونے سے اظہارِ عمر مراد ہے اور ریشہ نیستاں
اس لحاظ سے آیا ہے کہ نیستاں کی بھی عینہ یہی حالت ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس سے
بائسلیاں بن سکتی ہیں اور اس لئے اس کو لاکھوں نالہائے ناکشیدہ کا مجموعہ کہہ سکتے
ہیں اور خموشی نیستاں جس بدنلا نظر آتی ہے (سعید)

طباطباتی: میدان جنگ میں جب کوئی گروہ مغلوب ہو جاتا ہے تو اظہارِ غم
کرنے کے لئے گھانٹ پھونک وغیرہ منہ میں دبا کر دکھاتے ہیں کہ لڑائی موقوف
کر دو۔ یہاں ہجوم نالہ نے لشکر کشی کی ہے اور صیحت ایک نالہ کہنے میں بھی عاجز ہے
اور اسی مجھو کا اظہار کرنے کے لئے مع خموشی ریشہ مصدیتاں سے جس بدنلا ہے
لیکن جس بدنلا ہونے کے لئے ریشہ نیستاں کی کیا تخصیص ہے یہ کہ
وہ نالہ و فریاد کی جڑ ہے۔ یہ کہ ریشہ سے نہ پیدا ہوئی ہے اور نہ سے نالہ

اور حالت ضبط میں نالے چھپے ہوئے ہیں۔ جس طرح ریشہ نیستاں میں پنہاں ہو رہے ہیں۔ حرف نذر محذوف ہے۔ یعنی اسے ہجوم نالہ مراد ہے۔ فقط ہجوم نالہ کو معنی طلب کر کے مصنف نے ریشہ صد نیستاں کہنے کا باعث بنا دیا (اسی۔ بخود)

مولوی ابوالکمال امید: اسے ہجوم نالہ میں حیرت کی وجہ سے ناکرشی سے مجبور ہوں۔ میری غموشی سے خفا نہ ہو بلکہ اس کو ریشہ نیستاں سمجھ کہ اس سے میرے غجز کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ میں سراسر نالہ ہوں۔ ایک جگہ ریشہ نے کو اسی طرح اور بھی باندھ چکے ہیں نہ آئی سطوتِ قاتل بھی نالہ میر نکالوں گو لیا دانتوں میں جو تنکا بنا ریشہ نیستاں کا بخود: باوجود ہجوم نالہ کے حیرت نے عرض فغاں سے عاجز کر دیا ہے۔ گویا خاموشی نے نیستاں کو جس میں سینکڑوں بانسریاں موجود ہیں شمس بنہاں کر رکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ باوجود قوت گویائی کے مازداری کے لحاظ نے لب سی دیئے ہیں۔

۲۔ بدخویاں، جمع بدخو کی یعنی معشوق + جانتاں تر: زیادہ قاتل۔ تکلف بر طرف بدخو معشوقوں کا لطف و کرم اور بھی زیادہ قاتل اور ہلاک کن ہے۔ کیونکہ نگاہ ناز تیغ ہے، اس لئے نگاہ ناز بے حجاب کو جانتاں تر کہا ہے۔

۳۔ کثرت غم سے خوشی کی کیفیت اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ صبح عید جو ہر کس و ناکس کے لئے بے انتہا خوشی کا باعث ہوتی ہے مجھ کو چاک گریبا سے بھی بدتر معلوم ہوتی ہے۔ گریبان کا چاک ہونا انتہائی رنج و غم کی علامت ہے۔

۴۔ متاعِ دست گرداں یعنی وہ چیز جو نقد قیمت پر بکے۔ اس شعر کے متعلق طباطبائی لکھتے ہیں کہ ساغر کو متاعِ دست گرداں کہنا ایسا بطف رکھتا ہے کہ دل و دین نیا نہ مصتف کرنا چاہیے۔ اگر تو ساقی سے سودا کرنا چاہتا ہے اور شراب خریدنے کا ارادہ ہے تو نقدِ دل و دین اس کے حوالے کر اور شراب خرید لے۔ یہاں ادھا سے کام نہیں چلتا۔ یاد رہے متاعِ ساغر وہ جنس ہے جو ہمیشہ نقد قیمت پر بکتی ہے۔ بقول سعید اپنے دین و ملت کو خیر باد کہہ۔ ماسوائے دل ہٹا۔ پھر اس کی خواہش کر۔

۵۔ آغوشِ بلا .. مصیبتوں کی گود + قلزم .. سمندر + صرصر .. ہوا سے تند و تیز + مرجان .. مونگا۔

مرجان سمندر میں پرورش پاتا ہے اور اس کا رنگ سُرخ ہوتا ہے اس لئے چراغ کو مرجان سے مشابہ کیا ہے۔ غمِ عشق عاشق کو آغوشِ بلا میں پالتا ہے۔ گویا اس کی تمام زندگی مصائب و آلام میں بسر ہوتی ہے۔ اپنے تپ کو عاشق کچھ رکھتا ہے کہ ہمارا جلی طوفانِ مرمرین سی طحی روشن رہتا ہے جیسے مرجان کا جلیغ طوفانِ سمندر میں ہوتے تیز و تندیں چراغ کچھ جلتا ہے، لیکن غمِ مصائب کا عادی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا چراغ باوجود طوفانِ بلا کے روشن رہتا ہے۔ اس کی مثال یہ دی ہے کہ مرجان سمندر کے طوفان کا عادی ہے، اس لئے باوجود طوفانوں کے وہ پرورش پاتا ہے۔

۲۲۷

خوشیوں میں تماشا ادا نکلی ہے ۱ نگاہِ دل سے ترے سر پر سا نکلتی ہے
فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم ۲ صبا جو غم کے پردے میں جا نکلتی ہے

نہ چھ سینہ عاشق سے آپ تیغ نگاہ ۳ کہ زخم بوزن درے ہوا نکلتی ہے
 ۱۔ تماشا ادا .. تماشا دکھانے والی۔ تماشا ادا نگاہ کی صفت ہے۔
 سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے۔ اسی سے فائدہ اٹھا کر مصنف نے سرمہ
 اودھا موسیٰ کو ایک چیز بتلایا ہے۔ کہتے ہیں خاموشی کی وجہ سے تیری نگاہ جو
 انداز تماشا دکھانے والی ہے، تیرے دل سے سرمہ آلود ہو کر نکلتی
 ہے (حسرت۔ سعید)

طبا طبائی: خاموشی میں تیری نگاہ تیرے دل ہی سے سرمہ آلود ہو کر نکلتی
 ہے یعنی تیری خاموشی ہی نگاہ کو سرمہ آلود کر دیتی ہے یعنی بہ سبب ملاشت کے
 خاموشی اور سرمہ ایک ہی چیز ہے۔

آئسی: نگاہ تماشا ادا سے معشوق میں اور کوئی سرمہ نہیں لگاتی بلکہ وہ
 اس کے دل ہی سے سرمہ سا ہو کر نکلتی ہے اور خاموشی ہی اس کو زینت دیتی ہے۔
 یعنی اس میں سرمہ لگاتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب تو خاموشی کی حالت میں
 تماشا بزم کرتا ہے تو تیری نگاہ پیاری اور سرمہ سا معلوم ہوتی ہے۔
 بیخود: سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ تیری
 خاموشیوں میں بھی ایک اداسے اظہار پائی جاتی ہے گویا تیرے دل کے
 ارادے سے جو نگاہ نکلتی ہے، وہ سرمہ سا نکلتی ہے یعنی آواز بے صوت
 ہوتی ہے۔

۲۔ فشار بمعنی بھیچنا۔ جب کبھی صبا غنچہ کے پدمے میں جا نکلتی
 ہے تو غنچہ اس کو اکیلا پا کر اپنی آغوش میں خوب بھیچتا ہے۔ صبا شرم سے
 پانی پانی ہو جاتی ہے۔ یہی عرق شرم شبنم ہے۔ گویا شبنم اس طرح سے
 بنتی ہے (آئسی۔ طبا طبائی۔ بیخود)

ستید و حسرت لکھتے ہیں کہ غمپے کو تنگی خلوت کے فشار سے جو پسینہ آجاتا ہے، وہی شبنم ہے۔

۳۔ معشوق کی تیغ نگاہ کی آبداری اور تیزی کی کیفیت سینہ عاشق سے نہ پوچھو کہ وہ کیسی ہے بلکہ روزِ دل در کے زخم کو دیکھو وہ اتنے بڑے ہیں کہ ان میں سے ہوا نکلتی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ نظر جس نے دروازے کے کواڑوں میں اتنے بڑے بڑے سوراخ ڈال دیئے کہ ان میں سے ہوا نکلتی ہے اگر سینہ عاشق پہ در کر گئی تو ظاہر ہے کہ اس کی کیا کیفیت ہوگی جس زخم سے ہوا نکلتی ہے وہ صمک ہوتا ہے، اس لئے سینہ عاشق کے زخم جو ان کی نگاہ نے ڈالے ہیں سخت صمک ہیں اور زخم روزِ دل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق دروازہ میں سے جھانکتا ہے اور اس کے دروازے میں جو سوراخ ہیں، وہ اس کی تیغ نگاہ کے زخم ہیں۔

۲۲۸

جس جا نیم شانہ کش زلفِ یار ہے ۱ نافہ دماغ آہوئے دشتِ تبار ہے
کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو لے خدا ۲ آئینہ فرشِ مشش جتِ انتظار ہے
ہے ذہ ذہ تنگی جائے غبارِ شوق ۳ گردِ دام یہ ہے وسعتِ صحرایِ شکار ہے
دلِ مدعی و دیدہ بہت بادِ عالیہ ۴ نظارہ کا مقدمہ پھر رو بکار ہے
چھر لے ہے شبنم آئینہ برگِ گل پر آب ۵ اے عنزیب وقتِ و دارِ بہار ہے
تجِ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے ۶ وہ گئے یا نہ آئے چہ یاں انتظار ہے
بے پردہ سوئے وادیِ مجنوں گز نہ کر ۷ ہر ذرے کے نقاب ہیں دلِ بیقرار ہے
اے عنزیب یک کفِ خن بہرِ اشیاں ۸ طوفانِ آمد آمد فصلِ بہار ہے
دلِ مت گنوا خبر نہ سی سیر ہی سی ۹ اے بے دماغ آئینہ تمثالِ دار ہے

غفلتِ خلیلِ عمر و اسدِ رضا میں نشاط
اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

۱۔ شانہ بمعنی لنگھی جس جگہ نسیم زلفِ یار میں شانہ کرتی ہے، یعنی زلفوں کو سنوارتی ہے، وہاں زلفِ یار کی خوشبو اس قدر پھلتی ہے کہ تمام فضا کو مغط کر دیتی ہے اور یہ خوشبو آہوئے دشتِ تنار کے دماغ میں اس قدر بس جاتی ہے کہ اس کا دماغ بھی نافذ بن جاتا ہے۔ گویا نافذ میں تو خوشبو ہوتی ہی ہے آہوئے تنار کے دماغ میں بھی اس قدر خوشبوئے زلف مشکیں بس جاتی ہے کہ وہ بھی نافذ کی طرح خوشبو دینے لگتا ہے۔

۲۔ حیرت کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں اسے خدا حیرت کس کے جلوے کا سراخ لگانا پامتی ہے کہ اس کے انتظار میں حیرت نے ہر طرف آئینہ کا فرش بچھا دیا ہے۔ یعنی ہر طرف آئینے ہی آئینے لگا دیئے ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ سراغِ راساں لوگ گم شدہ چیز کا عکس دیکھنے کے لئے ہر طرف بٹے بڑے آئینے لگا دیتے ہیں تاکہ مدعا جہاں کہیں ہو نظر آجائے۔

۳۔ تنگی جاکو وجہ سے میرا شوق پس گیا، پس کرمفقہ ذہ ہو کر غبار بن گیا۔ غبار بن کر فضا میں پھیل گیا اور اُس نے دام کی صورت اختیار کر لی۔ کہتے ہیں۔ اگر میرا یہی دام ہے تو سمجھ لو کہ تمام وسعت صحرا کو یہ دام شکار کر لے گا مطلب یہ ہے کہ میرا غبار شوق تمام صحرا پر چھا جائیگا۔

۴۔ رو بکار یعنی پلٹنی، تار و نخ۔ دل مدعی بنا ہے اور اُس نے آنکھ پر دھوئے کیا ہے، گویا آنکھ مدعا علیہ ہے۔ دعوئے یہ ہے کہ آنکھ نے نظارہ کیا اور دل کا خون ہو گیا، اس لئے دل کے نقصان کی تلافی کی جائے۔ آج اس نظارہ کے مقدمہ کی پھر پیشی ہے ۵

دل و دھڑکوں کا جو مقدمہ تھا آج پھر اُس کی دوبکاری ہے
 ۵۔ آب چھڑکنا ایران میں ایک رسم ہے جب کوئی سفر کو جاتا ہے تو
 آئینہ پر پانی چھڑکتے ہیں، تاکہ مسافر بخیریت واپس آئے اور ملتے میں لے
 کوئی تکلیف نہ ہو۔

ببل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ شبنم آئینہ برگ گل پر پانی چھڑک رہی
 ہے، گویا وہ بہار کو رخصت کر رہی ہے کہ خیریت سے چلے اور خیریت سے
 واپس آئے (طباطبائی و بیخود)

سفید نے ایک اور بات پیدا کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ جغرافیہ طبعی کا یہ
 اصول ہے کہ اوس ہمیشہ اس روز پڑتی ہے جس روز ابر نہ، اس لئے اوس
 کل پڑنا یعنی مطلع کا صاف رہنا رخصت برسات (موسم بہار) کی علامت ہوتی
 ۶۔ ہمیں اس بات کی کچھ آپڑی ہے۔ یعنی ہمیں اس بات کا نباہنا
 ضرور ہے۔

معشوق نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔ مجھے اس کے وعدہ کی کچھ آپڑی
 ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ معشوق کے وعدہ کا انتظار نہ کیا۔ اس لئے وہ
 آئیں یا نہ آئیں میں اُن کا انتظار ضرور کروں گا۔ بقول پنجویہ شعر بیت الغزل ہے۔
 ۷۔ دُھوپ کی چمک سے ذرے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی چمکتا
 ذرہ کا تکرینا ہے اور دل بے قرار سے مشابہ کرنے کا موجب۔

ببل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ وادی مجنوں میں سے بے بہہ مت گزرو
 کیونکہ وہاں کا ہر ذرہ ذرہ نہیں بلکہ وہ دل بے قرار ہے، جو ذرہ کے پردے میں
 بیتابی مجنوں کا آئینہ دار ہے۔ وادی مجنوں میں جانے سے روکنے کی یہ وجہ
 معلوم ہوتی ہے کہ مجنوں کے دل کی بے تابی لیلے کے دل پر اثر انداز نہ ہو۔

۸۔ یک کفِ خس یعنی مٹھی بھرتی کے + فرماتے ہیں اسے عندلیب اپنے
آشیانہ کے لئے جو بھی چار تنکے جمع کرنے ہیں کر لے۔ فصل بہار کی آمد آمد کا
غفلہ مچ رہا ہے، جب طوفان بہار اگیا ہے تو پھر تنکا بھی نہ مل سکے گا۔
کیونکہ اثر بہار سے خشک تنکے سبز ہو جائیں گے۔

۹۔ اسے بے دماغ اپنے دل کو اس لئے ضائع نہ کر کہ وہ جلوہ معرفت
نہیں دکھاتا۔ اگر وہ آئینہ معرفت نہیں، نہ سہی، آئینہ تصویر تو ہے جب
وہ آئینہ تصویر ہوا تو یقیناً اس میں تضاد و نظر آئینگی اور سیر ہوگی۔ آئینہ
تمثال دار سے مطلب یہ ہے کہ اس میں معشوق کا عکس نظر آتا ہے اور
معشوق کا عکس نظر آنا معرفت کے خلافت سے۔ اصل میں دل کعبہ ہے،
اس لئے اس میں سے بتوں کو نکالنا چاہئے یہی وجہ ہے کہ بے دماغ اپنے دل
کو ہرباؤ کرنا چاہتا ہے، لیکن شاعر اسے روکتا ہے کہ اگر دل کعبہ نہ بن سکا تو
بت خانہ سہی، کیونکہ اس میں بھی ایک قسم کی کیفیت ہے۔

۱۰۔ کفیل یعنی ضامن۔ شاعر کا عقیدہ ہے کہ جو شخص غفلت اور بھڑی میں
عمر بسر کرے اور موت کو بھول رہے، اسے ناگہانی موت آجاتی ہے۔ کہتے ہیں
ہماری حالت یہ ہے کہ غفلت نے ہماری عمر کا ٹھیکہ لیا ہے اور ہم
نشاط و مسرت کے ضامن بن گئے ہیں۔ یعنی ہمیشہ غافل ہیں اور یہ سمجھتے
ہیں کہ سدا عیش و آرام سے گزرے گی، اس لئے اسے مرگ ناگہاں جب تیرے
آنے کے اسباب موجود ہیں تو پھر تجھے کس بات کا انتظار ہے۔ آجا۔

بقول آستی حاصل اس شعر کا نہایت اچھا ہے یعنی انسان اسی فکر میں
رہتا ہے کہ ہمیشہ عیش و عشرت سے بسر ہوگی اور اسی میں اس کی غفلت
بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔

۲۲۹

آئینہ کیوں نہ دلوں کہ تماشہ کہیں جسے ۱ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
 حسرت نے لا رکھا تیری بزمِ خیال میں ۲ گلدستہ نگاہِ سویدا کہیں جسے
 پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خلد ۳ افسوں انتظارِ تمنا کہیں جسے
 سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالے ۴ وہ ایک مشت خاک کہ صحران کہیں جسے
 ہے چرخِ تریں حسرتِ دیدار سے نہاں ۵ شوقِ غناں گیسختہ دریا کہیں جسے
 دکھا رہے شگفتنِ گلہائے عیش کو ۶ صبح بہارِ پنہ مدینا کہیں جسے
 خالِب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

ایں ایسا حسین کہاں سے لاؤں جسے لوگ تجھ سا کہیں اور تو بھی قائل
 ہو جائے کہ واقعی یہ مجھ جیسا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ میں تیرے سامنے آئینہ
 پیش کر دوں کہ تجھ جیسا حسین جیسا ہو جائے اور تو اس کو دیکھ کر حیران رہ جائے
 اور تیرا حیران ہونا لوگوں کا تماشہ ہو جائے
 بجز اس طریق کے غیر ممکن ہے کہ تجھ جیسا معشوق میں تجھ کو
 دکھا کر تجھے قائل کر سکوں۔

۲۔ تیری بزمِ خیال سے مراد میرا دل ہے + سویدا .. وہ سیاہ داغ جو
 دل میں ہوتا ہے۔

حسرت نے تیری بزمِ خیال (یعنی میرے دل) میں تیری رنگین نگاہوں کا
 ایک گلدستہ لا رکھا ہے، جسے سب لوگ سویدا کے نام سے پکارتے ہیں۔
 ظاہر ہے کہ گلدستہ بزم کے لئے باعثِ زینت ہوتا ہے مطلب یہ ہے
 کہ میرے دل میں جو خیال سویدا ہے، وہ تیری حسرت بھری نگاہوں کا گلدستہ

ہے۔ اپنے دل کو معشوق کی بزمِ خیال اس لئے کہا ہے کہ اس میں معشوق کا خیال جلوہ گر رہتا ہے۔

۳۔ اے خدا گوشتِ محبت میں افسونِ انتظار چسے لوگ تما کتنے ہیں کس نے پھونکا ہے۔ تماشے معشوق کو افسونِ انتظار کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت پیدا ہوتے ہی تماشے معشوق کیسے پیدا ہو گئی۔

۴۔ غریبی یعنی بے وطنی۔ غم بے وطنی نے میرا ایسا حال بنا دیا ہے کہ جی چاہتا ہے اپنے سر پر ایک منہی بھر خاک ڈالوں۔ لیکن وہ مشتِ خاک ایسی ہو کہ لوگ یہ کہیں اس نے ایک صحرا کی خاک اپنے سر پر ڈالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غربت میں جی بھر کے خاک اڑانی چاہئے (آہستی۔ بخود) سنجیدہ لکھتے ہیں کہ کثرتِ درد غریبی سے تنگ آکر صحرا نوردی اختیار کیجئے۔ غریبی میں ایسا م ہے۔

طبا طبائی: اشارہ یہ ہے کہ یہ شخص آوارہ دشت و صحرا ہونے کا ارادہ کر رہا ہے اور دردِ بے وطنی درپے ہے اور خاک اڑانے پر نہایت آمادہ ہے کہ صحرا کو ایک مشتِ خاک سمجھتا ہے۔

۵۔ عنانِ گنجتہ .. جس کی باگ ٹوٹ گئی ہو یعنی شوق بے اختیار۔ حسرتِ دیدار کی وجہ سے میری چشمِ تریں وہ جوشِ اشک پوشیدہ ہے کہ جس کو دیا کہہ سکتے ہیں۔

آہستی: میری چشمِ تریں حسرتِ دیدار نے شوق کو نہاں کر دیا ہے اور وہ شوق نکلنے کے لئے بیتاب ہے اور صورتِ دریا آنکھ سے نکل رہا ہے۔ یعنی حسرتِ دیدار کے شوق میں دور رہا ہوں۔

۶۔ پنہ .. روئی۔ سفیدی پنہ کو سپیدی صبح کے تشبیہ دی ہے۔

صبح بہار سے باغوں میں بھول کھلتے ہیں، لیکن عیش و نشاط کے پھول صبح بہار سے نہیں کھلتے۔ گلابائے عیش کے کھلنے کے لئے وہ صبح بہار و درکار ہے۔ جس کو صبح بہار پنبہ مینا کہا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ پنبہ مینا کا شیشہ شراب میں سے نکلتا وہ صبح عیش پیدا کرتا ہے جس سے بادہ خواروں کے بستہ دل شکفتہ ہو جاتے ہیں۔ اس شعر میں پنبہ مینا کی سفیدی کو وجہ شبہ قرار دیا ہے۔

۷۔ غالب! اگر تجھے واعظ بُرا کہتا ہے تو بُرا نہ مان۔ بھلا دنیا میں ایسا بھی کوئی ہے جسے سبھی اچھا کہیں مطلب یہ ہے اگر ایک واعظ تجھے بُرا کہتا ہے تو کیا ہوا سب زند تو تجھے اچھا جانتے ہیں۔

۲۲۰

شبنم یہ گل الالہ نہ خالی زاد ہے ۱ داغِ دل بے درد نظر کا جیسا ہے
دلِ خوں شدہ کشمکشِ حسرت و دہار ۲ آئینہ بدست بت بدستِ حنا ہے
سعد سے نہ ہوتی آہیں شعلہ نے جو کی ۳ جی کس قدا افسردگی دل پہ صلا ہے
تمثال میں تیری ہے وہ سوخی کہ بعد شوق ۴ آئینہ باندازِ گل آغوشِ گشا ہے
قری کفِ خاکسترو بیلِ قفسِ رنگ ۵ اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیسا ہے
خونے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو ۶ معشوقی دے جو صلی طرفہ بلا ہے
مجبوری وہ عوئے گز قناری الفت ۷ دست تہ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے
معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ ۸ تیغِ ستم آئینہ تصورِ بر نما ہے
اے پر تو خورشیدِ جہاں تابِ ادھر بھی ۹ سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی بے غلاو ۱۰ یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب ۱۱ کوئی نہ ہو تیرا تو مری جان خدا ہے

۱۔ نہ خالی زاداً .. ادا سے خالی نہیں، یعنی کچھ مطلب رکھتی ہیں، کمال اللہ
 پر جو شبنم کے قطرات پڑے ہیں، وہ مطلب سے خالی نہیں، ان کا مطلب
 یہ ہے کہ جس دل میں درد نہ ہو مگر داغ ہو، وہ باعثِ شگ و عار ہے ظاہر
 کہ لالہ کے دل میں داغ تو ہے، مگر درد (عشق) نہیں چونکہ یہ بات اس کے
 لئے باعثِ شرم ہے، اس لئے اس شرم سے اسے عرقِ شرم آگیا اور
 عرقِ شرم یہی قطراتِ شبنم ہیں، بقولِ حسرت مذہبِ عشق میں داغ بیدرد کا
 موجبِ شرم ہونا مسلم ہے۔

۲۔ سچید (۱) ہمارا دل کشمکشِ حسرت و دیدار سے خون ہو کر اس بُت
 بدستِ حنا کے ہاتھ کا شیشہ بن گیا (۲) معشوق کے ہاتھ میں آئینہِ خاوندِ حنا
 ہٹا ہے کہ کسی وقت چھوٹتا ہی نہیں اور ادھر حسرت و دیدار کی کشمکش سے
 ہمارا دل خون ہو رہا ہے اس لئے کہ اس کے چہرے کو دیکھیں تو کس طرح
 دیکھیں۔ یہ آئینہِ سچ میں حائل ہے۔

طیبا طبیبی، آئینہِ دل مہندی بن گیا ہے یعنی حسرت و دیدار نے اسے
 پیس ڈالا اور اس کے جگر کو لہو کر دیا۔ دل کو آئینہ بنا کر پھر اسے خاوندِ حنا
 بہت ہی قصع ہے۔

حسرت: (۱) دل اور آئینہ کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہے۔ ایک
 ہمارا دل ہے جو خون شدہ کشمکشِ حسرت و دیدار ہے اور ایک آئینہ ہے
 جو اس بُت بدستِ حنا کے ہاتھ میں ہے۔ (۲) وہی جو سچید نے لکھے ہیں
 آئی، میرا دل حیران جو آئینہ اس لئے بنا تھا کہ معشوق اسے دیکھے
 اور اس صورت سے وہ معشوق کا نظارہ کرے وہ حسرت و دیدار میں خون ہو گیا، مگر
 اس تک نہ پہنچا اور کم نخت حنا اس کے ہاتھ کی آئینہ بنی ہوئی ہے (۲) میرا دل

جو حسرتِ دیدار میں خون ہو گیا تھا وہ صورتِ آئینہ خابن کر اس کے دستِ نازک میں پہنچا ہے۔

۳۔ شعلہٴ عشق مجھے اس قدر نہ جلاتا جس قدر شعلہ نے جلایا ہے۔ گویا افسردگیِ دل پر جی اس قدر جلا ہے کہ اتنا شعلہ سے نہ جلتا۔ جی جلنا سے مراد دل کر جھٹنا ہے۔ ظاہر ہے دل اس بات سے جلا ہے کہ اس میں شعلہ پیدا نہ ہوا اور شعلہ کا نہ پیدا ہونا ناکامیِ عشق کی نشانی ہے گویا دل ناکامیِ عشق سے اتنا جلا ہے جتنا شعلہ عشق سے نہ جلتا۔

۴۔ تماشال .. تصویر، عکس۔ تیرے عکس میں وہ شوخی ہے کہ آئینہ نے کمالِ شوق سے پھول کی طرح اپنی گود کھول دی ہے، تاکہ تیرے عکس کو اپنی آغوش میں لے لے۔

یہ خود تیری تصویر میں بھی ایسی شوخی کوٹ کوٹ کر بھردی گئی ہے کہ اس پر جو آئینہ لگایا گیا ہے، وہ پھول کی طرح شوقِ ہم آغوشی میں آغوش کشا ہو گیا ہے۔

۵۔ حالی : اگر ”لے“ کے بدلے ”جو“ پڑھا جائے تو شعر کا مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ یہ معنی ان کو مرزا صاحب نے خود بتائے تھے۔

کہتے ہیں۔ سوئے نالے کے جگر سوختہ (عشق) کا کوئی نشان نہیں۔ چنانچہ قمری اور بیل کے عاشق ہونے کا نشان بھی صرف ان کی نالہ کشی سے ملتا ہے۔ ورنہ قمری ایک کھٹ خاکستر ہے۔ اپنے خاکی رنگ کی وجہ سے اور اور قفسِ رنگ ہے، اپنے رنگین ہموں کی بدولت گویا ان کی ہستی کھٹ خاکستر اور قفسِ رنگ سے زیادہ نہیں (تمام متفق)

آئسی، نالہ کو مخاطب کر کے پوچھتا ہے کہ قمری سرو کی عاشق ہے اور

وہ غمِ اُلفت میں جل کر خاک کی صورت ہو گئی ہے اور اس صورت میں اس کا پتہ ملتا ہے۔ بیل عشقِ گل میں مقید ہو کر ایسی فنا ہوئی ہے کہ بس قفسِ رنگ ہی رہ گئی ہے یعنی صرف رنگ ہے، باقی اس میں دل و جان نہیں ہے اور یہ رنگ بھی اس اثر سے ہے کہ وہ گل کی عاشق ہے اور اس کا رنگ اس کے رنگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ بیل کا اس سے نشان ملتا ہے۔ مگر اے نالہ میرے جگہ سوختہ کا کیا نشان ہے۔ میں اگر اس کو ڈھونڈوں تو کس صورت سے ڈھونڈوں اور کیونکر پاؤں مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا اجلا ہے کہ اس کا کسی صورت اور کسی رنگ سے سراغ نہیں ملتا۔

۶۔ تو معشوق ہے لیکن بے حوصلہ۔ معشوقیت کا اقتضایہ تھا کہ تو وحشتِ دل پسند کرتا۔ تیری اس بے حوصلگی کی عادت نے میری وحشتِ دل ٹھنڈی کر دی۔ اگر تو با حوصلہ ہوتا تو پھر عشقِ کامرہ آتا۔ معشوق ہو کر بے حوصلہ ہونا اور عشق کی وحشت کی تاب نہ لانا یعنی تازہ انداز اور جو رخصتا نہ کرنا میرے واسطے سخت مصیبت ہے۔ کیونکہ آتشِ عشق اس سے ٹھنڈی ہوئی جاتی ہے۔

۷۔ مجبوری کی حالت میں محبت کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا ہاتھ بھاری پتھر کے نیچے دب گیا ہو اور نکل نہ سکتا ہو۔ لیکن دکھانے کے لئے وہ شخص لوگوں سے کہے کہ ہم یہاں محبت کو نبایہ رہے ہیں۔ خوبیِ شعر میں یہ ہے کہ عہدِ کہتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں، یہاں ہاتھ پر پتھر ہے۔

۸۔ تیری تیغِ ستم دیکھ کر شہیدانِ گزشتہ کا حال معلوم ہوتا ہے، گویا تیری تیغِ تیغ نہیں ہے، بلکہ ایک آئینہ تصویرِ ناب ہے، جس میں تیری تسکے گزشتہ جو ستم کی تصویر نظر آتی ہے۔

بیخود۔ طباطبائی: تیرے ستم کا اندازہ دیکھ کر ستم سیدوں پر جو گندی ہوگی۔ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔
سعیقہ: جو ظلم وہ آج کر رہی ہے۔ وہی شہیدانِ سابق کو جھیلنے پڑے ہوں گے۔

۹۔ حالی: یہ خطاب ہے آفتابِ حقیقت کی طرف کتا ہے کبھی سایہ منتہم وجود ہے اور فی الواقع اس کی کچھ مستی نہیں ہے۔ اسی طرح ہم بھی اس کے دھوکے میں پڑے ہیں۔ اگر آفتابِ حقیقت کی کوئی تجلی ہم پر لمعہ فگن ہو جائے تو یہ دھوکا جاتا ہے اور ہم فنا فی شمس ہو جائیں کیونکہ جہاں آفتاب چمکا اور سایہ کا نور ہوا۔

طباطبائی داسی: یعنی ادھر بھی کرم کر اور وقت بڑھنے کا محاورہ جس محل پر مصطفیٰ نے صرف کیا ہے اس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ حالی: یعنی گناہ جو ہم نے کئے ہیں اگر ان کی سزا ملنی ضرور ہے تو جو گناہ بسببِ عدم قدرت کے ہم نہیں کر سکے اور ان کی حسرتِ دل میں رہ چکی ان کی بھی داد ملنی چاہئے۔ شعر کی خوبی بیان سے باہر ہے۔ بقول طباطبائی میر تقی کو بھی حسرت ہوتی ہوگی کہ یہ مضمون مرزا نوشہ کے لئے بچ رہا۔
۱۱۔ اسے غالب! خلق کی بیگانگی سے بیدل نہ ہو، میری جان اگر تیرا کوئی ہمدرد و مددگار نہیں ہے تو نہ سہی، خدا تو ہے۔

۲۳۱

منظور سختی یہ شکل تجلے کو نور کی ۱ قسمت تھی تیرے قدور رخ سے ظہور کی اک نوچکاں کفن میں کروڑوں بناؤں میں ۲ پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ خور کی دھڑکنہ تم پر نہ کسی کو ہلا سکو ۳ کیا بات ہے، تہاری شرابِ طہور کی

آندہ ہار کی ہے جو میں ہے نغمہ سنج ۴ اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طبعور کی
 لڑتا ہے مجھ سے حشریں قاتل کہ کہوں اٹھا ۵ گویا ابھی ٹسنی نہیں آواز صور کی
 گوداں نہیں پہواں کے نکالے ہوئے تو میں ۶ کعبہ سے لائی تہل کو بھی نہیب سے دُک کی
 کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب ۷ آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طود کی
 غالب اگر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
 حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

۱۔ تجلی .. جلوہ + نور .. نور خدا۔

تجلی کو اپنا نور دکھانے کے لئے تیرے قد و رخ کا انتظار تھا کہ
 ایسی پیاری شکل ملے تو میں اس میں ظہور کروں چنانچہ تیرے قد و رخ کی بدولت
 ظہور کی قسمت کھنی کہ اب وہ ظاہر ہو گئی۔

آرتی نے ”قسمت کھلی ترے قد و رخ کے ظاہر کی“ لکھا ہے، اس صورت
 میں مطلب یہ ہو گا کہ تجلی کو اپنا اظہار مقصود تھا۔ چنانچہ تیرے قد و رخ میں
 ظاہر ہوئی اور اس طرح سے تیری قسمت جاگی۔ گویا یہ شعراعت میں ہے۔

۲۔ خوشچکان لباس دیکھ کر شخص متوجش ہوتا ہے لیکن تیرے شہیدوں کے
 خوشچکان کفن میں کروٹوں بناؤ ہیں اور وہ ایسے بھلے معلوم ہوتے ہیں کہ جو میں بھی
 انہیں حسرت بھری نظروں سے دیکھتی اودھل سے پسند کرتی ہیں۔ بقول حالی یہ
 شعر حقیقت و مجاز دونوں پہلو رکھتا ہے مگر یہ نسبت مجاز کے حقیقت پر
 زیادہ چسپاں ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں یہ شعر بھی ایسا کہا ہے کہ کروٹوں میں
 ایک آدھ ایسا نکلتا ہے۔

۳۔ شرابِ ظہور .. پاک شراب جو بہشت میں میگی۔ واعظ کو مخاطب
 کر کے کہتے ہیں کہ تمہاری شرابِ ظہور کی کیا بات ہے۔ نہ تم خدا اس کو پی سکتے ہو نہ

اور کوہلا سکتے ہو، مگر اس کی تعریفیں اس قدر کرتے ہو، معلوم ہوتا ہے یہ تمہاری شرابِ طہور محض خیالی شراب ہے، جس کی تعریفوں سے تم اپنا اور دوسروں کا دل خوش کر لیا کرتے ہو جنت کے خیالی ہونے کے متعلق پہلے لکھ چکے ہیں۔ ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال چھاپے۔ ۴۔ عقیدہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائیگا تو تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں میرا قاتل اس قدر غافل اور بے خبر ہے کہ صور قیامت پھونک دیا گیا یعنی مردوں کو اٹھنے کا حکم ہو گیا۔ لیکن اُسے مطلق خبر نہیں صور کی آواز سے میں جو اٹھا ہوں تو وہ مجھ سے لڑتا ہے کہ تو کیوں اٹھا۔ اس شعر میں معشوق کی غفلت شعاری کے علاوہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ مجھ سے اس بات پر لڑتا ہے کہ تو میرا کشتہ ہے تجھے میرے حکم سے اٹھنا چاہئے تھا، تو شوِ صور سن کر کیوں اٹھا۔

۵۔ طہور۔ جمع طائری، پرندے۔

’بلبلِ نغمہ سنج‘ ہے۔ اس کی نغمہ سنجی سے معلوم ہوتا ہے کہ بہاؤ آنے والی ہے۔ چونکہ یہ خبر طہور کی زبانی ہے اور ہم نے اڑتے اڑتے سنی ہے۔ اس لئے خدا جلنے یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ بقول طباطبائی یہ تشبیہ نہایت بدیع ہے اور انصاف یہ ہے کہ نئی ہے۔

۶۔ واں سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ زمانہ قدیم میں خانہ کعبہ بُت خانہ تھا۔ رسولِ مقبولؐ نے بُتوں کو توڑ کر اس کو خانہٴ مقدس بنایا۔ کہتے ہیں اسے شفیعؑ تو میری بُت پرستی پر غضبناک نہ ہو۔ تجھ کو اس بات پر غصہ آتا ہے کہ تو خانہ کعبہ کا احترام کرتا ہے اور میں بُتوں کو پوجتا ہوں۔ یا تو ہے میرے مسلک اور تیرے مذہب میں کچھ زیادہ فرق نہیں، کیونکہ زمانہ قدیم میں خانہ کعبہ بُت خانہ تھا۔ اگر

یہ اب وہاں سے نکال دیئے گئے تو کیا ہوا، آخر ان کو خانہ کعبہ سے دُور کی نسبت تو ہے۔

۷۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر صاف جواب ملتا تھا کہ تو ہم کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح ہر ایک کو صاف جواب ملے ممکن ہے کہ ہماری درخواست منظور ہو جائے اور خداوند تعالیٰ ہمیں اپنا جلوہ دکھائے اس لئے آؤ ہم بھی کوہ طور کی سیر کریں اور اپنی قسمت آزمائیں۔ مایوسی گناہ ہے ۸۔ کہتے ہیں کلام میں گرمی اتنی زیادہ نہیں ہوتی چلے گئے کہ جس سے بات کی جلے وہ گرمی کلام کی شکایت زبان پر لائے۔ یعنی بات سُنتے ہی پھنچ اُٹھے کہ گرمی کلام نے مار ڈالا۔

۹۔ حالی: اس شعر سے مرزا کی کمال شوخی طبع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غزل اس زمانہ میں لکھی تھی جبکہ بہادر شاہ مرحوم کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ کمال اشتیاق ظاہر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے لئے منت تھے ہیں کہ حج کا ثواب حضورؐ کی نذر کروں گا اور سفر حج کا وہ اشتیاق اور حج کے ثواب کی یہ بے قدی۔

۲۳۲

غم کھلنے میں بود ا دلِ ناکام بہت ہے ۱۔ رنج کہ کم ہے مے کفلام بہت ہے
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ ۲۔ ہے یوں کہ مجھے حدِ تہِ جلم بہت ہے
نے تیر کمال میں ہے نہ صیاد کیں میں ۳۔ گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا نہ ہو کومانوں کہ نہ ہو گرچہ رہائی ۴۔ پاداشِ غل کی طبع خام بہت ہے
ہیں اہلِ خدمت کس روشِ خاص پہنازاں ۵۔ پابستگیِ رسمِ دورہ عام بہت ہے
زمرم ہی پہ چھوٹو مجھے کیا طرفِ حرم سے ۶۔ آنوہ بے جائزہِ احرام بہت ہے
ہے قہر گلاب بھی نہ بنے بات کہ آن کو ۷۔ انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

غل ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکانیں لے مرگ ۸ رہنے دے مجھے یاں کما بھی کام بہت ہے
ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے

شاعر تو وہ اچھا ہے، پہ بدنام بہت ہے

۱۔ بودا یعنی کمزور + میرانا کا مہل غم کھانے میں بہت کمزور ہے، اس لئے
اس کو ذرا سے رنج کی بھی تاب نہیں۔ مثلاً آج ہمارے پاس بے گلزنگ تھوڑی
تھوڑی ہے بس یہی غم اس کے لئے بہت زیادہ ہے۔ حالانکہ کوئی بات نہیں
زیادہ نہ سہی۔ تھوڑی ہی سہی۔ لیکن اپنے بودے پی کی وجہ سے وہ اسے
بھی زیادہ غم سمجھتا ہے (بیخود)

آستی: میرا دل غم کھانے میں بہت ہی کمزور ہے۔ اگر بہت سی
شراب ہوتی تو اس کو پی کر غم کے دن گزار دیتا۔ کیونکہ وہ اندوہ رہا ہے مگر
چونکہ غم زیادہ ہے، شراب کم ہے۔ یہ میرے واسطے اور بھی افزودنی غم
کا سبب ہے۔

۲۔ حالی: یعنی قناعت کا تو یہ حال ہے کہ شراب کی تلچھٹ میرے
لئے کافی ہے۔ مگر اسی خیال سے کہ ساقی مجھے ذلیل اور کم ہمت اور قانع
پر پہنچ نہ سکے، اس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دیتا (بیخود، سعید)
آستی: ساقی کے پاس ادب سے یہ نہیں کہہ سکتا۔ الخ

طباطبائی: شراب کی حرص کے بیان میں شعرا نے غم خالی کئے ہیں مگر
ہمیشہ یہ مضمون بے کیف رہا، اس شعر کو دیکھئے، اس کا مضمون کیسا ہو شراب ہے
کہ اس سے بڑھ کر حرص مے کا بیان نہیں ہو سکتا۔

۳۔ حالی: کہنا یہ مقصود ہے کہ جو شخص گناہی اور کس پرہیزی کی حالت
میں ہوتا ہے، اس کا کوئی دشمن اور بدخواہ نہیں ہوتا۔ ساری خرابیاں شہرت

اور اقتدار اور نمود کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس مضمون کو ایک قیدی پرندے کی زبانی اس طرح ادا کیا ہے کہ جب بین آداو تھا اور اپنے آشیلے میں رہتا تھا تو ہر وقت صیاد کمان میں تیر لگائے گھات میں رہتا تھا کہ کب میں رو پر آؤں اور وہ کب مجھے نشانہ بنا دے۔ کبھی مجھے گرفتار کرنے کے لئے جال بچھاتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہر وقت بے چینی اور بے قراری دل کو پروردہ اور متفکر کننی تھی، گرفتار ہو کر قفس میں آنے کے بعد یہ سب تفکرات دور ہو گئے اور میں آرام سے ہو گیا، تسکین خاطر کا خوب پسو نکالا ہے۔

۴۔ میں ایسے زہد کو بھی نہیں مانتا جس میں ریا پاگل نہ ہو، کیونکہ اس میں بھی جزا کا خیال بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص سچے دل سے ریاضت کرتا ہے اس کو یہی خیال ہوتا ہے کہ اس زہد و تقویٰ کے بدلے اگلے جہان میں اسے عیش و آرام ملیگا۔ یہی جزا کا خیال ہے جو زہد کو میری نظروں میں بے وقعت بنا دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے زہد و تقویٰ بغیر جزا کے خیال کے ہونا چاہئے۔

۵۔ اہل خرد عامیاناہ رسموں کے بہت زیادہ پابند ہیں، کیا اسی کا نام روش خاص ہے، جس پر وہ ناتواں ہیں۔ انہیں ناز اس وقت زیبا تھا، جب وہ عامیاناہ رسموں کے پابند نہ ہوتے اور کوئی روش خاص رکھتے۔ آسمانی نے دوسرا مضمون یہ نکالا ہے کہ اہل خرد بھی دنیا میں بہت ہیں۔ لہذا ان کی روش خاص نہ رہی۔ رسم عام ہو گئی اور یہ کچھ قابل فخر نہیں ہے۔ مزاجیب تھا کہ جب کوئی روش خاص ہوتی اور وہ اس پر ناز کرتے۔ بقول طباطبائی جس روش کا یہ شعر ہے۔ اس روش پر مصنف کو ناز ہوتا تو زیبا ہے۔

۶۔ مجھے چاہِ زمزم ہی پہننے دو مجھے طوافِ حرم اقدس سے کیا کام ہے۔ میرا جامہٴ احرام تو شراب سے آلودہ ہے۔ اگر میں زمزم پر پہنچا تو اپنا جامہٴ احرام پاک کر لوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ حج کرنے سے پہلے طہارت جسمانی لازم ہے اور مصنف کی شوخی یہ ہے کہ وہ طہارت بھی آبِ زمزم سے کرنا چاہتا ہے۔ اس مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے

راتِ پنی زمزم پیے اور صبحم دھوئے دھتے جامہٴ احرام کے
۷۔ ابرام یعنی اصرار۔ حند۔ اگر اب بھی بات نہ بنے اور میرا مقصد حاصل نہ ہو تو نہایت افسوس ہے۔ کیونکہ اُن کا انکار نہیں اور میں بہت زیادہ مصر ہوں۔

۸۔ موت سے شکایت کرتے ہیں کہ تو بہت جلد آگئی، ابھی تو عشق میں جگر خوں ہو کر آنکھ سے بھی ٹپکنے نہیں پایا۔ مجھے کچھ مدت اور اس دُنیا میں رہنے دے۔ کیونکہ مجھے یہاں ابھی بہت سے کام کرنے ہیں مطلب یہ ہے کہ ابھی ابتدائے عشق ہے۔ تکمیل عشق کی ہمت دے تاکہ منہ زلِ عشق کی تمام صعوبتیں اٹھاؤں اور ان سے لطف اندوز ہوں۔

۹۔ کوئی ایسا شخص بھی ہے جو غالب کو نہ جانے یعنی غالب کو سمجھی جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ بدنام ہے۔ لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ وہ شاعر بھی اچھا ہے

۲۳۳

مُتَم ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے ۱۔ جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کئے ہوئے
کتنا ہوں جمع پھر جگرِ نحتِ نحت کو ۲۔ عرصہ ہوا ہے دعوتِ مہرگاں کئے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے ۳ برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے
 پھر گرم نالہ ہائے شربار ہے نفس ۴ مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے
 پھر کپشِ حراحتِ دل کو چلا ہے عشق ۵ سالانِ صد ہزار ملکداں کئے ہوئے
 پھر پھر رہا ہوں خارِ مرثاں بخونِ دل ۶ سازِ چمن طرازیِ داماں کئے ہوئے
 باہمد گر ہوئے میں دلِ دیدہ پھر قیب ۷ نظارہ و خیال کا سالماں کئے ہوئے
 دل پھر طوافِ کوئےِ ملامت کو چلے ہے ۸ پندار کا صنم کدہِ دیباں کئے ہوئے
 پھر شوق کر رہا ہے خمِ بدار کی طلب ۹ عرضِ متاعِ عقلِ دلِ جاں کئے ہوئے
 دوئے ہے پھر ہر ایک گلِ دلالہ پر خیال ۱۰ صد گلستاں نگاہ کا سالماں کئے ہوئے
 پھر چاہتا ہوں تاملِ دلدار کھولنا ۱۱ جاں نذرِ دلفریبی عنوان کئے ہوئے
 مانگتے ہے پھر کسی کو لبِ بامِ برہوس ۱۲ زلفِ سیاہِ سُرخ پہ پریشاں کئے ہوئے
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آئندہ ۱۳ سُرمے سے تیز و نشہِ مرثاں کئے ہوئے
 اک نوہارِ ناز کو تلکے سے پھر نگاہ ۱۴ چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے
 پھر جی نہیں ہے کہ حدِ کسی کی پٹے ہیں ۱۵ سرِ زیرِ بارِ منتِ دیباں کئے ہوئے
 جی دھونڈھتا ہے پھر وہی فرصتِ لاشن ۱۶ بیٹھے ہیں تصورِ جانان کئے ہوئے
 غالب ہمیں نہ چھیر کہ پھر جوشِ اشک کے
 بیٹھے ہیں ہم تہیہٴ طوفاں کئے ہوئے

۱۔ یار کو مہماں بلاتے ہوئے مدت ہو گئی ہے اور زمانہ گزر گیا ہے
 کہ شرابِ روشن کے ساغروں سے بزم کو روشن نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے
 کہ یار آئے تو پھر بزم کو جوشِ قدح سے چراغاں کروں شرابِ آتشین
 کو چراغِ تصور کیا ہے۔

۲۔ عرصہ ہو گیا ہے کہ مرثاں یار کی دعوت نہیں کی، اس لئے جگر کے

ٹکڑوں کو جس پھر جمع کر رہا ہوں تاکہ دعوتِ مژگانِ یار کیوں۔ ظاہر ہے کہ پہلے دعوتِ مژگانِ یار کر چکے ہیں، جس کی وجہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے اور اس کو اب جمع کر رہے ہیں۔ بقول طباطبائی جو کچھ غالب نے لکھا ہے زینتِ کالفظ وہ لطف ہرگز پیدا نہیں کر سکتا جو دعوت نے کیا ہے۔

۳۔ وضع احتیاط سے گریبان پھاڑنے میں احتیاط کرنا مراد ہے۔ برسوں ہو گئے ہیں کہ جس نے گریبان چاک نہیں کیا۔ اس وضع احتیاط کی وجہ سے میرا دل گھبرانے لگا اور دل میں ایک قسم کی بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔

۴۔ گرم یعنی مصروف۔ میرا نفس پھر نالائے شر بار کھینچنے میں مصروف ہے کیونکہ نالوں کی شرابیاری سے جو کیفیت چراغاں کی پیدا ہوتی ہے، اس کی سیر کئے ہوئے مدت ہو گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پھر ایسے نالے کھینچنے کو ہی چاہتا ہے جو شرابیاری سے چراغاں کا منتظر پیدا کر دیں۔ ۵۔ چراغتِ دل یعنی زخمِ دل۔ طیبِ عشق زخمِ دل کی پریش اور عیادت کو چلا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے ساتھ لاکھوں مکملان ہیں بالفاظِ دیگر عشق پھر زخمِ دل پر نمک چھڑک کر آتشِ عشق کو مشتعل کرنے والا ہے۔

۶۔ جس خامۂ مژگان کو پھر خونِ دل میں ڈبو رہا ہوں تاکہ اسے دامن پر گلکاریاں کروں۔ مطلب یہ ہے کہ مژگان کا موقلم ہے اور خونِ دل کی روٹی جس سے صفحہ دامن پر گلکاریاں ہونگی۔

۷۔ میرے دل اور آنکھوں میں رقابت پیدا ہو گئی ہے، کیونکہ دل نے خیالِ یار اور آنکھوں نے اس کے نظارے کا پھر سامان فراہم کیا ہے۔

۸۔ طواف .. چکر کاٹنا۔ پندار یعنی غرور، خود داری۔

میرادل خود داری کا صمم کردہ دیوان کر کے کوئے ملامت کی طرف جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خود داری کو ترک کر کے میرادل کو بچے معشتی میں طواف کو چلا ہے، یہاں اسے طرح طرح کی ذلتیں اور ملامتیں اٹھانی پڑیں گی، گویا پہلے عشق آ کر فذ سے خود داری ماری تھی۔ اب خود داری کا طلسم ٹوٹ گیا ہے، خود داری کا صمم کردہ کہنا لطف سے خالی نہیں۔

۹۔ شوق یعنی عشق کو پھر کسی خریدار کی طلب ہے اس لئے اس نے ستار عقل و دل و جان کو سجا یا ہے، تاکہ کوئی خریدار (معشوق) آئے اور ان چیزوں کی خریداری کرے۔ مطلب یہ ہے عشق کسی معشوق کا طلب گار ہے جو عقل و دل اور جان کو غارت کر دے۔

۱۰۔ طباطبائی : گل و لالہ کا حسینوں سے استعارہ ہے اور صد گلتاں نگاہ میں گلستاں کو میمانہ نگاہ فرض کیا ہے، اس سبب سے کہ گلستاں پر نگاہ رغبت اور شوق کی پڑتی ہے۔

سعید : صد گلستاں نگاہ کئے ہوئے یعنی نہایت ذوق و شوق کے ساتھ نگاہ کئے ہوئے۔

آسی : ہر گل و لالہ پر خیال دوڑ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس صورت سے میری نگاہ کو رشک صد گلستاں بنائے یعنی ذوقِ نشاط گلستاں سے یا اثرِ نظارہ سے۔

بجود : پھر خیال حسینوں کی طرف دوڑنے لگا ہے نگاہ میں سینکڑوں باغوں کا سامان فراہم کئے ہوئے۔

۱۱۔ عنوان یعنی سرخی۔ نامہ دلداز کے دلفریب عنوان پر ہیں اس قدر

مفتون ہوں کہ اس کا خط میں اس طرح کھولنا چاہتا ہوں کہ اپنی جان کو اس کے عنوان کی دلفریبی پر قربان کر دوں یا بقول آستی یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ میرا شوق اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ان

۱۲۔ پھر میری ہوس نظارہ کی غلبہ گار ہے یعنی کوئی لب بام پر کھڑا ہو اور اس کی سیاہ زلفیں اس کے چاند جیسے چہرے کے ارد گرد پریشان ہوں۔

۱۳۔ پھر میری آرزو چاہتی ہے کہ کوئی میرے سامنے بیٹھا ہو اور اس نے اپنی سڑکوں کے خجروں کو سرزد سے تیز کر رکھا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی سُرگیس چشم معشوق میرے سامنے بیٹھا ہو اور وہ تیر نظر سے میرے دل کو زخمی کر دیا ہو۔

۱۴۔ پھر میری نگاہ ایک نو بہار ناز کو ڈھونڈتی پھرتی ہے جس نے اپنا چہرہ فروغ سے گلستاں بنا رکھا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ شراب کے اثر سے اس کے چہرے پر سرخی اور رنگینی نمودار ہو (مے اور تاک اور دیگر الفاظ میں مناسبت ہے) ۱۵۔ پھر جی میں سمائی ہے کہ ہم معشوق کے دہر پر پڑے رہیں اور ہمارا سر دربان کے بار احسان سے ٹھکا رہے، دربان کا احسان یہ ہے کہ معشوق کے دوا سے ہر پڑے رہنے کی اجازت دے دے۔

۱۶۔ پھر دل کو آرزو ہے کہ زمانہ گزشتہ کی طرح ہمیں ایسی فرصت مل جائے کہ رات دن تصورِ جاناں کئے ہوئے بیٹھے رہیں۔ بقول طباطبائی رات دن زلف و رخ کے تصور میں رہیں۔

۱۷۔ ہمیں نہ پھیرو کیونکہ ہم جوش اشک سے طوفان برپا کرنے کا ارادہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی پھیرے گا تو ہم اس قدر روٹیجے کہ طوفان برپا کر دیں گے۔

۲۳۴
نویز میں ہے بیدار دوست جاں کے لئے ۱ رہی نہ طرز ستم کوئی آسمان کے لئے

جلا سے گرم شدہ یار تشنہ خوں ہے ۲ رکھوں کچھ اپنی بھی مڑ گاں خونفشاں کے لئے
 وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں یہ شناس خلق لئے ضرر ۳ نہ تم کہ جو رہے عمر مادوں کے لئے
 رہا بلا میں بھی میں مبتلا رہے آفتِ رشک ۴ بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کھلنے
 فلک نہ دور رکھ اس کے مجھے کہ میں ہی نہیں ۵ دراز دوستی قائل کے امتحاں کے لئے
 مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر ۶ کرے قفس میں فراہم خس آشیان کے لئے
 گدا بھر کے وہ چپ تنہا مری ہوشامت لئے ۷ اٹھا اور کھٹکے قدم میں نے پاساں کے لئے
 بقدرِ شوق نہیں غریب تنگنائے غول ۸ کچھ اور چاہے سو سخت مرے بیان کے لئے
 دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے ۹ بنا ہے غیش تجلِ حسین خاں کے لئے
 نہاں پر بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا ۱۰ کہ میرے نطق نے بوسہ سری زباں کے لئے
 نصیرِ دولت و دین اور حسینِ ملت و ملک ۱۱ بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستان کے لئے
 زمانہ عہد میں اُس کے ہے محورِ آرائش ۱۲ بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لئے
 درقِ تمام ہوا اور مدحِ باقی ہے ۱۳ سفینہ چاہئے اس بھر بیکراں کے لئے
 ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

صلوات عامہ ہے یا رانِ نکتہ داں کے لئے

۱۔ نویدِ بستی خوشخبری۔ بیدادِ دوستِ میری جان کے لئے امن اور چین
 کی خوشخبری ہے، کیونکہ دوست نے کوئی طرزِ ستم آسمان کے لئے باقی نہیں
 رکھی۔ سبھی قسم کے ظلم اُس نے مجھ پر ختم کر دیئے ہیں لہذا میری جانِ بجزِ فلک سے
 بے خطر ہو گئی ہے۔

۲۔ اگر مڑ گاں یار تشنہ منوں ہیں تو ہوا کریں۔ آخر میری مڑ گاں بھی تو خونفشاں
 ہیں۔ اس لئے مجھے چاہئے کہ کچھ خون میں اپنی مڑ گاں کی خونفشاںی کے لئے رکھ لوں،
 تمام کا تمام خون مڑہ یار کی نذر نہ کر دوں، اگر میں سب خون اس کے حوالے

کر دو ٹکا تو میرے پاس اپنی مڑگان کے لئے کیا رہے گا۔

۳۔ خضر عمر جاوداں کے مالک ہیں۔ کہتے ہیں جناب خضر آپ کی عمر جاوداں کس کام کی ہے۔ نہ کسی سے ملنے جلتے ہو، نہ کسی کو دکھائی دیتے ہو۔ بلکہ عمر جاوداں کے لئے چور بن گئے ہو۔ بھلا یہ کوئی زندگی ہے۔ زندہ ہم ہیں کہ تمام دنیا سے روشناس ہیں اور ہر ایک سے کھلم کھلا ملتے ہیں۔

۴۔ میں مصیبت میں مبتلا ہوں، لیکن پھر بھی رشک نے مجھے نہیں چھوڑا یعنی مصیبت میں مصیبت یہ ہے کہ میں مبتلائے آفتِ رشک ہوں اور یہ رشک اس بات کا ہے کہ تیری ادا بلا ہی سہی، لیکن وہ سارے جہاں کے لئے بلائے جاں کیوں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اگر بلا بھی تھی تو صرف میرے لئے ہونی چاہئے تھی۔

۵۔ اے فلک! یہ درست ہے کہ قاتل کی طائفہ مستی کا امتحان اسی وقت ہو سکتا ہے، جبکہ شکار اس سے دُور ہو، لیکن کیا صرف میں ہی اس امتحان کے لئے رہ گیا ہوں کہ تو نے مجھے قاتل سے دُور رکھا ہے۔ اے فلک! مجھے اس سے دُور نہ رکھ، کیونکہ اور بھی بہت ہیں جنہیں دُور رکھ کر قاتل کی طائفہ مستی کا امتحان ہو سکتا ہے۔

۶۔ میری کوشش اور سعی کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی امیر پرندہ قفس میں آشیانہ بنانے کے لئے تنکے جمع کرتا ہو۔ گویا میری کوشش بے سود بھی ہے اور قابلِ رحم بھی۔ بقولِ حالی اس سے زیادہ سختی کسی پیرا یہ میں بیان نہیں ہو سکتی۔

۷۔ حالی: غالب نے اتنے بڑے مضمون کو کہ میں جو معشوق کے مکان پر پہنچا تو اوّل خاموش کھڑا رہا، پھر یا سبان کے قدموں پر گر پڑا۔ اب اس

نے جانا کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے، اس لئے میرے ساتھ وہ سلوک کیا کہ ناگفتہ بہ ہے۔ اس شعر میں ادا کیا ہے۔

جو واقعہ میرزا نے اس شعر میں بیان کیا ہے اس میں دو باتوں کی تصریح کرنی ضرور تھی۔ ایک یہ کہ پاسان نے سائل کے ساتھ کیا سلوک کیا، دوسرے یہ کہ سائل پاسان سے چاہتا کیا تھا۔ سو یہ دونوں باتیں بہ صراحت بیان نہیں کی گئیں۔ صرف کنایہ میں ادا کی گئی ہیں۔ مگر صراحت زیادہ وضوح کے ساتھ فوراً سمجھ میں آ جاتی ہے۔ پہلی بات پر لفظ شامت اور دوسری پر قدم لینا صرف دلالت کرتا ہے۔ اس کے سوا دوسرے کی نشست اور الفاظ کی بندش اور ایک وسیع خیال کو دو مصرعوں میں ایسی خوبی سے ادا کرنا کہ شریں بھی اس طرح ادا کرنا مشکل ہے۔ یہ سب باتیں نہایت تعریف کے قابل ہیں۔

۸۔ غزل کا تنگ میدان میرے شوق کے مقابلے میں کم ہے، یعنی جن مضامین شوق کوئیں بیان کرنا چاہتا ہوں ہوں، وہ غزل میں نہیں لکھ سکتا میرے بیان کے لئے کچھ اور زیادہ وسعت چاہئے۔ لہذا غزل سرائی مجھ کے درج سرائی شروع کرتا ہوں۔

۹۔ تجمل حسین خاں فرخ آباد کے نواب تھے۔ انہوں نے کمال شوق سے غالب کو بلوایا تھا۔ کہتے ہیں اصل میں خدائے عیش و آرام محض تجمل حسین خاں کے لئے بنایا ہے۔ لیکن دوسروں کو اس مصلحت سے تھوڑا بہت عیش و آرام دے دیا ہے کہ تجمل حسین کے عیش و آرام کو نظر نہ لگے۔

۱۰۔ یا اللہ میری زبان پر یہ کس کا نام آیا ہے کہ میری زبان نے میرے منہ کو متعدد بار چوما۔ تجمل حسین خاں کہتے ہیں زبان شی مرتبہ کام و دہن کو

چھوٹی ہے۔ اسی کو بوسہ سے تعبیر کیا ہے۔ یا یہ کہ خوشی کی وجہ سے زبان نے
 منہ کو چوما۔ یا جس کے اثر سے میرے نطق نے میری زبان کو چوم لیا، واقعہ
 یہ ہے کہ سچ محض چومنا مراد نہیں صرف اظہارِ محبت مقصود ہے۔

۱۱۔ نصیر .. مددگار + دولت .. حکومت + معین .. مددگار۔

وہ دین و دولت کا مددگار اور ملک و ملت کا حامی ہے اور اس کا
 مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ چرخِ بریں اس کے آستانے کے واسطے بنایا
 گیا ہے۔

۱۲۔ حالی: مرزا نے اپنے ممدوح کو ایک ایسے کہاں کے ساتھ
 موصوف کیا ہے، جو تمام کمالات کی جڑ ہے۔ یعنی وہ ہر چیز کو کامل تر
 اور افضل تر حالت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے ہر شے اپنے تئیں
 کامل تر حالت میں اس کو دکھانا چاہتی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یہی
 حال ہے تو شاید آسمان کی زریب و زینت کے لئے اور ستارے پیدا
 کئے جائیں۔ اس پر سوائے اس کے کہ کوئی منطقی اعتراض کیا جائے اور
 کسی طرح کی گرفت نہیں ہو سکتی۔

صبا طبائی لکھتے ہیں کہ ”مولوی حالی صاحب نے جو معنی لکھے ہیں اس
 پر کوئی قرینہ نہیں مطلب یہ ہے کہ ممدوح کا نام تاج محل حسین ہے اسی سبب سے
 زبانہ اس کے عہد میں مصروف تاج محل آرائش ہے۔“ کیا عجب ہے کہ زہرہ و شتری کی
 طرح آسمان کے لئے اور ستارے بھی بن جائیں۔“

۱۳۔ ممدوح کی تعریف صریح لکھتے لکھتے ورق ختم ہو گیا اور اس کی تعریف
 ابھی اتنی باقی ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس بحرِ بیکران (ناپیدائنا گناہ مند) کے لئے
 ایک سفینہ (کشتی) درکار ہے، یعنی اس کی تعریف بہت ہے، وہ چند کاغذوں پر

نہیں لکھی جاسکتی۔ سفینہ کا لفظ بحر کی مناسبت سے لائے ہیں اور اس سے مقصود فقر یا بہت بڑی بیاض ہے۔

۴۱۔ میں آج ادائے خاص سے نکتہ سرا ہوا ہوں یعنی میں نے غزل میں مدح لکھی ہے۔ میں یا دان نکتہ داں کو صلائے عام دیتا ہوں کہ وہ بھی غزل میں مدح کرنے کا یہ نیا ڈھنگ اختیار کریں۔

قصائد

۲۳۵

سازیک ذہ نہیں فیضِ حق سے بیکار ۱ سایہ لالہ بے داغ سوئے بہا
مستی بادِ صبا سے ہے بمرضِ سبزہ ۲ ریوہ شیشہ سے جوہر تیغِ کسار
سبزہ ہے جامِ نیر کی طرح داغِ پتنگ ۳ تازہ ہے ریشہ نارنج صفتِ نئے شرا
مستی ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت ۴ کلاسِ آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
کوہِ دھوا ہما معمور ہی شوقِ بھیل ۵ ماہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے پیدا
سونے سے فیض ہوا صوتِ شرکانِ جیم ۶ سرِ نشتِ دو جہاں ابریکِ سطرِ غبار
کاٹ کر پھینکے ناخن تو باندازِ ہلال ۷ قوتِ نایب اس کو بھی تہ چھوڑے بیکار
کفِ ہر خاک بگہر میں شدہ قمری پڑا ۸ دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طلاؤں شکار
میکدے میں ہمارا گردِ آرزوئے گل چینی ۹ بھول جایک قدحِ بادہ بطقِ گلزار
موجِ گل ڈھونڈ رہے خلوتِ کدہ غنیمتِ باغ ۱۰ گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار
کھینچے گریبا ئی اندر شہرِ حمن کی تصویر ۱۱ سبز مثلِ خطِ نو خیمہ ہو خطِ پرکار
لعل سے کی ہے پے زمرہ جوتِ شاہ ۱۲ طوطی سبزہ کسا نے پیدا منتقار

وہ شہنشاہ کرجس کی ہے تعمیر سرا ۱۳ چشم جبریل ہئی قالبِ خشتِ دیوار
فلک العرش بجومِ غیم دوشِ مزدور ۱۴ رشتہ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار
سبزہ نہ چینِ یک خطِ پشتِ لبِ بام ۱۵ رختِ ہمتِ صد عارفِ یک افجِ حصا
واں کی خاشاکِ محلِ ہوجھے یک پرکاہ ۱۶ وہ ہے مردۂ بالِ پری سے بیزار
خاکِ صحرائے نجف جو ہر سیرِ عرفا ۱۷ چشمِ نقشِ قدمِ آئینہِ بختِ بیدار
دزدہ اس کرد کا خود شید کو آئینہ ناز ۱۸ گردِ دشت کی امید کو احرامِ بہار
آفرینش کو دیاں سے طلبِ مستی ناز ۱۹ عرضِ خمیانہٗ رجا دے ہر سوجِ غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے جلے شمعِ شبت کی ہوا ۱ دل پر وانہ جلاغاں، پر بیلِ گلزار
شکلِ طاقِ کبے آئینہٗ خسانہٗ بڑا ۲ ذوق میں جلوہ کے تیرے ہوائے دیلا
تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گدا ۳ سلکِ اختر میں میرِ نوموڑہ گو سرا
ہم عبادت کو ترا نقشِ قدمِ مہِ ناز ۴ ہم ریاضت کو تیرے حوصلہ سے اشتہار
مدح میں تیری نہاں دزمہٗ لغتِ نبی ۵ جام سے تیرے عیاں بادۂ وحشِ اسرار
جو ہر دستِ عا آئینہٗ یعنی تا شیر ۶ یک طرفِ نازِ بڑگاں دو گرو غمِ خار
مردِ یک سے ہو عزاخانۂ اقبالِ نگاہ ۷ خاکِ دلی تو سے جو چشم نہ ہو آئینہٗ دار
دشمنِ آلِ نبی کو یہ طرب خانہٗ دہر ۸ عرضِ خمیانہٗ سیلاب ہو طاقِ دیار
دیدہٗ تاملِ اسدا آئینہٗ یک پر تو شوق ۹ فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ اقمِ سرشار
۱۔ دزدہ کو ایک ساز تصور کیا ہے، فیضِ چین ۱۰ اثر بہار، لالہٗ بیدار
۱۱ اثر بہار مراد ہے۔

مطلب یہ ہے بہار کے اثر سے لالہ کا داغ دور ہو گیا ہے۔ داغ سیاہ ہوتا ہے۔ بہار میں سیاہی کا کیا کام ہے۔ اس وقت تو ہر طرف سبز ہی سبز ہونا چاہئے۔

سویدا .. دل میں ایک سیاہ تل ہوتا ہے۔
 کہتے ہیں فیض بہار سے باغ کا کوئی ذرہ بیکار نہیں رہا۔ ہرزہ کا ساز مخرک ہے۔ یہاں تک کہ لالہ کا داغ دور ہو گیا ہے۔ سایہ ایک بیکار چیز تھی، لیکن شاعر نے اثر بہار دکھانے کے لئے اسے بھی باکار بنا دیا ہے۔
 طباطبائی لکھتے ہیں۔ لالے کی صفت ہے داغ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں ایک تو رنگ بہار کی خوبی سے لالے میں داغ نہیں رہا۔ دوسرے یہ کہ داغ اگر لالے میں ہوتا تو وہی سویدا ہے بہار تھا۔ لیکن جب اس میں داغ نہیں ہے تو اس کے ساتھ میں سویدا ہے بہار کا حسن و تناسب پیدا ہو گیا۔

۲۔ عرض .. ظاہر کرنا + تیغ کسار .. قلم کوہ کو تیغ کسار کہتے ہیں۔ یعنی پہاڑ کی چوٹی + جوہر۔ یعنی سبزہ کسار + عرض و جوہر اور جوہر تیغ لفظی رعایت رکھتے ہیں۔ پہلے کسار کو ایک تیغ قرار دیا پھر سبزہ کسار کو جوہر تیغ، جوہر تیغ کی تیزی ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے کہ باد صبا کی مستی کے اثر سے وہ سبزہ جوہر تیغ کسار کا جوہر تھا۔ یہ نائے شراب کے ریزے بن گیا ہے۔ ظاہر ہے سبزہ کو مینا کی کہچھل کے ساتھ رنگ میں مشابہت ہے۔ بقول طباطبائی اس شعر میں عرض و جوہر کو جمع کیا ہے۔

۳۔ زمرہ .. سبز رنگ کا قیمتی پتھر + داغ پلنگ .. چنے کی کھال پر سیاہ دھبے ہوتے ہیں + ریشہ نارسج صفت .. نارسج کے پیشوں کی طرح۔

اس شعر میں بھی تاثیر بہار دکھائی ہے۔ کہتے ہیں۔ بہار کے اثر سے چیتے کے سیاہ داغ جام زمرودین کی طرح سبز ہو گئے ہیں اور شرارے نارنج کے ریشوں کی طرح سبز ہو گئے ہیں۔ شر کو ریشہ نارنج سے سُرخ کی وجہ سے مشابہت تامہ حاصل ہے۔ یہ دونوں تشبیہیں نہایت بدیع ہیں۔

۴۔ گلچین طرب .. مسرت کے باغ سے گل چینی کرنے والی یعنی بہت زیادہ محفوظ + دو عالم کا قشار .. دونوں عالم کے غم فراموش ہو جانا۔ لفظ قشار اور آغوش میں رعایت پیدا ہو گئی ہے۔

ہر طرف ابر چھا ہوا ہے۔ گویا اس نے دو عالم کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر سرے دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو واپس نے دو عالم کو اپنی آغوش میں بھینچ رکھا ہے۔ حسرت اس وجہ سے ہے کہ میری آغوش خالی ہے لیکن یہ حسرت تکلیف دہ نہیں طرب آگیا ہے کیونکہ سستی اور سے میں بھی مسرور ہوں اور اس طرح سے دو عالم کے غموں کا فراموش ہو جانا ممکن ہے خوشی کی ترنگ میں انسان اکثر غم بھول جاتا ہے۔

۵۔ ممتوری .. آباد + راہ خوابیدہ .. سوتی راہیں جہاں کوئی نہ چلے پھرے + خندہ گل .. پھول کے چمکنے کی آواز + بیدار .. آباد، پُردنق۔ وہ راستے جو سونے پڑے تھے، موسم بہار کی آمد سے پُردنق ہو گئے ہیں اور تمام کوہ و صحرا بلبلوں کے چھپوں سے آباد ہیں۔ بلبلیں وہیں چھپے کرتی ہیں، جہاں پھول ہوتے ہیں۔ پھولوں کے چمکنے کو خندہ گل کہہ کر مسرت کا ایک سماں پیدا کر دیا ہے۔

آسی نے دو سرے پھولوں میں راہ خوابیدہ سے مراد وہ لوگ لئے ہیں، جو راہ میں سو گئے تھے، گویا وہ خندہ گل سے بیدار ہو گئے ہیں۔

طبا طبائی کہتے ہیں کہ معمولی کی جگہ معمولہ استعمال کرنا بہتر تھا۔

۶۔ فیض ہوا۔۔ موسم بہار کی تاثیر + مژگانِ قیم۔۔ قیم کی خاک آلود آکھوں سے مدقوں اشک جاری رہتے ہیں + سرنوشت۔۔ تقدیر قسمت کا لکھا + دو جہاں ابر۔۔ بہت زیادہ ابر + ایک سطر غبار۔۔ تھوڑا سا غبار۔
اگر آسمان پر ذرا سا غبار آتا ہے تو یاد بہاری اس کو مژگانِ قیم کی خاصیت عطا فرماتی ہے۔ گویا مژگانِ قیم کی طرح مدقوں اشک برساتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فیض ہوا سے غبار میں بھی لبر کشیر کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں مرزا صاحب نے اس شعر میں کمال نازک خیالی دکھائی ہے۔ الفاظ بھی نہایت مناسب ہیں۔

۷۔ باندا بھلال۔۔ بھلال کی طرح + قوتِ نامیہ۔۔ بڑھنے کی قوت، بالیدگی قوتِ نامیہ میں اس قدر زور پیدا ہو گیا ہے کہ اگر ناخن تراش کر بھینکے تو وہ بھلال کی طرح بڑھنے بڑھتے بدرجہا جاتا ہے۔ تراشے ہوئے ناخن کی شکل بھلال جیسی ہوتی ہے

۸۔ کھٹ ہر خاک۔۔ خاک کی ہر مٹھی۔ قمری کا رنگ خاکستری ہوتا ہے۔ اس لئے ہر کھٹ خاک قمری بن گئی + بہ گردوں شدہ۔۔ خاک کی صفت ہے خاک اڑ کر آسمان کی طرف جاتی ہے + کاغذ کٹش نہہ۔۔ جلا ہوا کاغذ کاغذ جل جانے کے بعد جال کی شکل اختیار کر لیتا ہے، کیونکہ اس میں جالی پڑ جاتی ہے۔

تاثیر ہوا سے ہر چیز میں جان پڑ جاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ خاک کی ہر مٹھی جب آسمان کی طرف چڑھتی تو وہ قمری بن گئی اور کاغذ جل جانے کے بعد حام بن گیا جو طلاؤں کو شکار کرتا ہے۔

۹۔ اگر تجھے بھی میکدے میں بیٹھ کر گل چینی کرنے کی آرزو ہے تو بہار کی تاثیر تیری اس آرزو کو بھی پوری کر دیگی۔ اس آرزو کو تو ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شراب کا ایک پیالہ بھر اور اسے طاق گلزار میں رکھ کر بھول جا۔ قوتِ نامیہ اس پیالے سے ہزار پیالے اور ہزار طاق پیدا کر دیگی۔ گویا گلزار میں میکدہ پیدا ہو جائیگا اور تو میکدے میں گل چینی کی آرزو پوری کر سکے گا۔

۱۰۔ اگر تیشے کے عالم میں اپنی پگڑی میکدے کے کسی کونے میں بچل جائے تو پھر تجھے اس پگڑی کو منجانے کے کونوں میں نہیں بلکہ غنچہ بہار کے خلوتِ خلع میں ڈھونڈنا چاہئے۔ فیض بہار سے گوشہ منخانہ غنچہ بہار کا خلوتِ کدہ بن جائیگا اور تیری گمشدہ دستارِ موج گل ہو جائیگی۔

سبحان اللہ کیا نازک خیالی ہے۔ پگڑی جب تک بندھی رہتی ہے غنچہ کی مثل ہے۔

۱۱۔ مانی اندیشہ .. مانی بابل کا مشہور مصوٰدہ ہے۔ اس نے اپنی مصوٰدی کی وجہ سے پیغمبری کا دعوے کیا تھا اور اپنی مصوٰدی کو اپنا معجزہ قرار دیا تھا مراد ہے اندیشہ یعنی قوتِ متخیلہ + خطِ نوخیز .. سبزہ آغاز۔ اگر مانی اندیشہ چمن کی تصویر کھینچے تو بادِ بہاری کی تاثیر سے اس کا خطِ پرکارِ خطِ نوخیز کی طرح سبز ہو جائے۔

طباطبائی لکھتے ہیں کہ مانی اندیشہ کو تصویر تار نے میں پرکار کی کیا ضرورت ہے۔ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ پرکار سے بھی پرکار اندیشہ مراد ہے۔

۱۲۔ منقار .. چرنچ + مدحت .. مدح + طوطی .. ایک سبز رنگ کا چھوٹا سا پرندہ جو مثل طوطے کے بولتا ہے۔

بادشاہ کی مدح سرائی کے لئے سبزہ کسار کے طوطی نے اصل سے

زبان پیدا کر لی ہے۔ سبزہ کو ہمار کو طوطی اور محل کو منقار طوطی قرار دے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ سرخ منقار والا طوطی تیسری درج سرائی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ لطف یہ ہے کہ محل اور سبزہ کو ہماروں ہی میں ہوتا ہے۔

۱۳۔ قالب .. سانچہ + خشک .. اینٹ۔

یہ طوطی اس بادشاہ کی تعریف کرے گا، جس کے محل کی تعمیر کے لئے جبریل کی آنکھیں اینٹیں بنائی گئی ہیں۔

۱۴۔ فلک العرش یعنی آسمان ہفتم۔ ہجوم کثرت خمیدگی کو ظاہر کرنے کے لئے لائے ہیں رخم .. خمیدگی + رشتہ .. سلسلہ + ساز .. سامان +

طناب .. وہ سوت جس سے معمار دیوار کا سیدھا یا ٹیڑھا چار بن دیکھتے ہیں۔

اس عالیشان محل کی تعمیر کے لئے ساتواں آسمان دوش مزدور کی طرح بہت ہی زیادہ خم ہو گیا ہے۔ اس محل کے بنانے والے معمار کا سوت فیض ازل کا رشتہ ہے۔ یعنی اس محل کی تعمیر میں فیض ازل گھسلا رہا ہے۔

حسرت، آہستی اور سنجیدہ خم کے معنی مشک کے لیتے ہیں۔ گویا فلک العرش ایک بڑا سا خم ہے کہ مزدور تعمیر کے لئے اس میں پانی بھر کر لاتے ہیں۔

۱۵۔ سبزہ نہ چین .. تو آسمان کی سبزی، یعنی بہت ہی زیادہ سبزی۔ ممدوح کے محل کی پشت لبہام کا ایک خط تو چمنوں یا آسمانوں کے سبزہ کے برابر ہے اور اس کے محل کی بلندی ستو عارفوں کی ہمت کے برابر بلند ہے واؤ دونوں مصرعوں میں مساوات کے معنی دے رہی ہے۔

طبا طبائی لکھتے ہیں حرف عطف ان معنوں میں محض فارسی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۶۔ خاشاک .. تنکے وغیرہ + کاہ .. سوکھی ہوئی گھاس + مردہ

.. پنکھا + بال پرسی .. پرسی کے بازو -

اس محل کے ٹوڑے کرکٹ میں سے جس شخص کو ایک تنکڑا مل جائے وہ پرسی کے بازو کے پنکھے سے بھی بیزار ہو جائے۔

طبا طبائی لکھتے ہیں کہ ”یہ مبالغہ غیر عادی ہے، کیونکہ بیزار ہی کا کوئی سبب نہیں“ (حالانکہ وجہ معقول موجود ہے)

۱۷۔ نجف .. وہ مقام جہاں حضرت علی کا روضہ ہے عرفاً .. عارف

کی جمع + جو ہر وہ شے ہے جس سے دوسری شے قائم ہو اور اس کی ذات بذات خود قائم ہو۔

صرف صحرائے نجف کی خاک عارفوں کی سیر کا جوہر ہے اور صحرائے نجف کی زمین پر جو نقش قدم بنتے ہیں، وہ گویا بخت بیدار کا آئینہ ہوتے ہیں..... یعنی ان میں بخت بیدار کی صورت نظر آتی ہے۔

۱۸۔ صحرائے نجف کا ہر ذرہ خورشید کے لئے آئینہ ناز ہے، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ ذرہ خورشید پر ناز کرتا ہے اور دشت کی گرد محض نسبت نجف کی وجہ سے امید کے لئے فصل بیمار کا جامہ احرام ہے۔

۱۹۔ حسرت، ایجاد کو اس خاک پاک کی آفرینش پر ناز ہے پس نجف کی ہر موج غبار گویا آفرینش و ایجاد کی اُمڈانی ہے جس کے ذریعہ وہ ہر زبان حال یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کو اس شرابِ فخر و ناز (یعنی نازِ ایجادِ نجف) کی پھر خواہش ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سرزمین کو پیدا کر کے آفرینش کو بار بار ناز ہوتا ہے۔

مطلع ثانی

۱- اے شمع شبستان بہار! تیرے فیض سے سب کی مرادیں حاصل ہو گئی ہیں۔ پروانے کا دل چراغاں بن گیا ہے۔ بلبل کے پر گلزار ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے پروانہ کا معشوق چل رہا ہے اور بلبل کا محبوب پھول۔
۲- کیا تعجب ہے کہ آئینہ خانہ تیرے جلوہ شوق اور تیرے دیدار کے ذوق میں مثل طاووس پرواز کرنے لگے۔ اس نادار تشبیہ کی سبھی تعریف کرتے ہیں۔

۳- غم سے مراد یہاں غم آلِ رسول، یعنی اولاد حضرت علی ہے کہتے ہیں اے شاہ نجف! تیری اولاد کے غم میں آسمان پرستاروں کی لڑکی میں مہ نو گوہر بار بن گیا ہے۔ مہ نو کو مژدہ اور ستاروں کو سداک اشک قرار دیا ہے۔ یہ ہے کہ غم حسین میں جو آئینہ نکلتے ہیں وہ موتی کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

۴- بقول طباطبائی ”ہم“ اس شعر میں بھلا نہیں معلوم ہوتا فارسی میں یہ استعمال قابل اعتراض نہیں۔ ہر نماز سے مراد سجدہ گاہ ہے۔ جس پر اہل تشیع سجدہ کرتے ہیں، استقمار .. پشت پناہ۔ کہتے ہیں تیرا نقش قدم عبادت کے لئے سجدہ گاہ ہے اور تیرا وصلہ ریا ضنت کے لئے پشت پناہ یعنی تقویت کا باعث ہے۔

۵- تیری مدح میں نعت نبی کا رمز مہ پوشیدہ ہے، یعنی تیری مدح درپردہ نبی کی مدح ہے اور جس شخص نے تیری محبت کا جام پی لیا، سمجھ لو وہ یادہ اسرار سے سرشار ہو گیا۔

۶- دست دعا کو آئینہ اور دعا کی تاثیر کو اس آئینہ کا جوہر تصور

کیا ہے۔ کہتے ہیں ایک طرف دعا کی تاثیر مرگن اشک ریز کے لئے باعثِ ناز ہے کیونکہ صدقِ دل سے دعا کرتے وقت آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور دوسری طرف غارِ حسرت کے لئے رنج و ملال کا موجب۔ کیونکہ دعا قبول ہونے پر حسرت پامال ہو جاتی ہے۔

۷۔ مردِ مک .. آنکھ کی پتلی پہ تلی سیاہ ہوتی ہے اس لئے اس کو عزرا خا سے تشبیہ دی ہے + اقبال .. بختِ مندی و کامرانی + آئینہ دار .. فرمانبردار۔ تابعدار۔

جو آنکھ تیرے در کی خاک کی فرمانبردار اور تابعدار نہ ہو اس کی نگاہ اقبال کا عزرا خانہ بن جائے۔ یعنی وہ ہمیشہ اقبال کے سوگ میں سیاہ پوش رہے اور اس کو اقبال مندی دیکھنی نصیب نہ ہو۔

۸۔ طاقِ محراب کی وجہ سے خمیازہ سیلاب سے تشبیہ دی ہے۔ خمیازہ سیلاب .. موجِ بیلاب۔

خدا کرے آلِ نبی کے دشمن کے لئے اس دنیا کے عشرتِ کدہ کا ہر طاقِ دیوار موجِ سیلاب بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو کبھی خوشی نصیب نہ ہو۔

۹۔ اے استاد! آنکھ سے لے کر دل تک میں ایک آئینہ پر تو شوق بن گیا ہوں۔ یعنی سرتاپا شوق بن گیا ہوں اور معنی شوق سے میرے ساغر کا خط سرشار ہے۔

طبا طبائی لکھتے ہیں کہ خط کا لفظ محض مناسبت کی وجہ سے لائے ہیں، ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ گویا شعر کا مضمون محض اس قدر ہے کہ معنی شوق سے سرشار ہے۔

۲۳۶

- ۱۔ دہر جو جلوہ یکسانی معشوق نہیں
 ۲۔ بیکسی ہائے تشاک نہ دنیا سے نہیں
 ۳۔ نغمہ ہے نغمہ زمر و ہم ہستی و عدم
 ۴۔ نقش معنی ہم خیالہ عرض صورت
 ۵۔ لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
 ۶۔ مثل مضمون و ناپااد بدست تسلیم
 ۷۔ عشق بے ربطی شیرازہ اجزائے حاکم
 ۸۔ کوہ کن گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب
 ۹۔ کس نے دیکھا نقش اہل وفا آتش خیز
 ۱۰۔ سامع زمرہ اہل جہاں ہو لیکن
 ۱۱۔ کس قدر ہرزہ سراہوں کہ عیا ذابا شد
 ۱۲۔ نقش لاجول لکھ لے خامہ ہزیاں تحریر
 ۱۳۔ منظر فیض خدا، جان و دل ختم رسل
 ۱۴۔ ہو وہ سراپا، ایجاد جہاں گرم خرام
 ۱۵۔ جلوہ پرواز ہو نقش قدم اس کا جس جا
 ۱۶۔ نسبت نام سے الکی ہے یہ رتبہ کہ ہے
 ۱۷۔ فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
 ۱۸۔ بڑی ترخ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
 ۱۹۔ کفر سدا کس کا جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
 ۲۰۔ جاں پناہ دل و جان فیض دسانا، شاہ

جسمِ اطر کو ترے دو شش پیمبر نمبر ۲۱ نام نامی کو ترے ناصیہ عرشِ نگین
 کس سے ممکن ہے تیری طرح بغیر ازواج ۲۲ شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئین
 آستان پر ہے ترے جوہر آئینہ مسنگ ۲۳ رقم بندگی حضرت جبریل امین
 تیرے دیکھے لئے اسباب اشار آمادہ ۲۴ غایکوں کو جو غزلے دیئے جانی دلِ مودی
 تیری محبت کے لئے میں دل و جاں کام و زباں ۲۵ تیری حلیم کو میں لوح و قلم دستِ جیس
 کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا ۲۶ کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوسِ برین
 جنسِ بازارِ محاصی اسدا اسدا ۲۷ کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خریدار نہیں
 شوقی عرفِ طالب میں ہے گستاخِ طلب ۲۸ ہے ترے حوصلہ فضل پہ اربابِ یقین
 ہے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول ۲۹ کہ اجابت کے ہر حرف پہ سوارِ آمین
 غمِ شبِ ترے ہو سینہ یہاں تک بسر ۳۰ کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگین
 طبع کو الفتِ دلدل میں یہ سرگرمی شوق ۳۱ کہ جہانِ تنگ چلے اُس سے قدم اور مجھ جیسے جس
 دلِ الفتِ نسب و سینہ توجیدِ قضا ۳۲ مگر جلوہ پرست و نفسِ صدق گزریں
 صرف اعدا اثرِ شعلہ دود و دوزخ
 وقف احبابِ گل و سنبلِ فردوسِ بریں

۱۔ صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے کہ جتنی جس شخص اور چیز میں قابضیت ہوتی
 ہے اتنا ہی اس کو نور پہنچتا ہے۔ فرماتے ہیں تمام دنیا ذاتِ باری کی جلوہ گاہ ہے
 اور اس کی تخلیق کا باعث اس معشوقِ حقیقی کی خود بینی ہے۔ اگر اسے اپنا پر تو جو
 دیکھنا مقصود نہ ہوتا تو کوئی چیرہ دنیا میں پیدا نہ ہوتی۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ تمام
 مخلوقات ایک آئینہ ہے جس میں وہ اپنا جمال دیکھتا ہے اور اس کی
 تخلیق کا سبب اس کی خود بینی ہے۔

۲۔ تماشا یعنی نظارۂ عالم۔ فرماتے ہیں ہم نے اس دنیا کے فانی کا

نظارہ ایسی بے دلی ہے کیا کہ اس سے نہ عبرت حاصل ہوئی نہ ذوق پیدا ہوا۔
 اسی طرح ہماری تمنا بالکل ٹیکس ہے کہ نہ وہ دُنیا سے متعلق ہے نہ دین سے۔
 بقول بخود و طباطبائی اگر انسان دُنیا کے تماشے سے عبرت حاصل کرے
 تو دین کا فائدہ ہے اور اگر لطف اٹھائے تو دُنیا کے مزے ہیں۔
 مگر ہماری بے دلی تماشا و بے کئی تماشے دو نون فاشوں سے ہمیں
 محروم رکھا۔

۳۔ ہرگز... لغو۔ بیہودہ + زیر و بم۔ نیچی اور اونچی آواز۔ ہستی
 کو ہم اور زیر کو عدم سے مشابہ کیا ہے + تمکین .. ہوشیاری۔
 ہستی اور نیستی کے نغمے بالکل بے معنی ہیں اور دیوانگی و فرزانگی میں
 فرق کرنا لغو ہے مطلب یہ ہے کہ باوجود باری تعالیٰ کے سوا تمام اشیاء کے
 وجود و عدم یا دیوانگی و فرزانگی کے متعلق بحث کرنا فضول ہے۔ اسی کی ذات
 کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

۴۔ نقشِ معنی... ظاہر داری + عرضِ صورت... اظہارِ صورت۔
 جو لوگ معنی شناسی کے دعویدار ہیں، وہ درحقیقت ظاہر داری کرتے ہیں
 اور جو لوگ حق گوئی کا دعوے کرتے ہیں، انہیں اپنی تعریف و تحسین کی خواہش
 ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ اہل زمانہ میں اصلیت اور حقیقت نہیں رہی۔
 معنی شناسی اور حق گوئی ظاہر داری، تعریف اور تحسین کی آلودگی سے
 پاک ہونی چاہئے۔

۵۔ لافِ بستی۔ شیخی۔ دُنیا کے معاملات میں اپنی عقلمندی کی نشانی مارنا
 غلط ہے اور امور دینی میں نفعِ عبادت کی امید فضول۔ حقیقت امر یہ ہے کہ
 دُنیا و دین دونوں ایک سا غر غفلت کی پیمٹ ہیں۔

۶۔ باد بدست .. بے فائدہ، لا حاصل + فرق .. سر۔

دنیا ایسی جگہ ہے کہ یہاں تسلیم و رضا سے کچھ حاصل نہیں اور خود اری اور وقار سے نقش قدم کی طرح ذلت ہی حاصل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے نقش قدم خاک بسر ہوتا ہے مطلب یہ ہے دنیا میں ان صفات کی کچھ قدر نہیں بلکہ الٹی خورای ہے۔

۷۔ عشق کیا ہے ؟ اجڑائے حواس کے منتشر ہو جانے کا نام عشق ہے اور وصل کیلئے ؟ حُسن یقین کے آئینے کا زنگار۔ اگر آئینہ یقین مجھلا ہوتا تو جلوہ معشوق اپنی صورت میں نظر آتا ہے۔ گویا دائمی وصل حاصل ہو جاتا۔

۸۔ کوہن کون ہے ؟ وہ ایک مجبور کا مزدور ہے اپنے رقیب کے عشق کیلئے اس لئے وہ شیریں کے عشق میں کامیابی حاصل نہیں کر سکا اور کوہ بے شیریں کے خواب غفلت کی تصویر ہے۔ جس سے فریاد سرچھوڑ کر مر گیا اور شیریں کو خبر تک نہ ہوئی۔

۹۔ آج کل کے عاشقوں کے متعلق کتنا ہے کہ اہل وفا کی آہوں میں آتش خیزی اور درد مندوں کے نالوں میں اثر کس نے دیکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ اہل وفا کی آہیں اور نالے بے اثر ہیں۔

۱۰۔ سامع .. سنے والا + زمزمہ .. نغمہ۔ یہاں طنز ہرزہ سرائی مراد ہے + سوز و رگ .. طاقت۔

اہل جہاں کی ہرزہ سرائی کوئیں مجبوراً سن ضرور لیتا ہوں، لیکن نہ تو مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اس کی تعریف کر سکوں اور نہ اتنا دماغ ہے کہ اظہار نفرت کر سکوں۔

۱۱۔ ہرزہ سرائی .. ہیوڑہ گو + عیاذاً باشد .. پناہ بخدا۔

معاذ اللہ میں بھی اس قدر بیہودہ گو واقع ہوا ہوں کہ آداب وقار و تکنت سے ایک دم خارج ہوں، مطلب یہ ہے کہ وہ باتیں جو میں بیان کر چکا ہوں خلاف آداب و تحکیم ہیں۔ یہ شعر گریز کا ہے۔

۱۲۔ نقش .. تعویذ .. لاجل .. نہیں ہے قوت مگر خدا کو + خامہ ہزیان تھوڑے .. وہ قلم جو ہمیشہ بیہودہ اور بے معنی باتیں لکھتا ہو اسے بیہودہ قلم اب تو نقش لاجل لکھتا کہ تیرا ہریان دور ہو اور اے میری دلوں میں پھنسی ہوئی خطرت! قریا علی لکھتا کہ تیرے دوست دور ہوں اور توراہ راست پر آئے۔

۱۳۔ میرے ممدوح یعنی حضرت علی فیض خداوندی کا منظر ظاہر کرنے والے ہیں، اور رسول مقبول خاتم النبیین کے جان و دل ہیں۔ آل نبی کا قبلہ ہیں اور یقین کے کعبے کے موجد۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک ان کی فات بہت مقدس ہے۔

۱۴۔ گردہ تصویر زمین سے گردہ زمین مراد ہے۔ وہ سرمایہ ایجاد و عالم جہاں سرگرم خرام ہو، دہاں کی ہر مشقت خاک گردہ زمین بن جاتی ہے۔ ایجاد کی رعایت سے کہا ہے کہ اس کے پیروں تلے کی خاک سے بہت سے عالم پیدا ہو جاتے ہیں۔

۱۵۔ ممدوح کا نقش قدم جس جگہ جلوہ پیدا ہو، اس تھوڑی سی جگہ کی خاک دونوں عالم کے لئے باعث شرف ہوتی ہے۔

۱۶۔ حضرت علی کی کنیت ابو تراب ہے اور تراب کے معنی خاک کے ہیں۔ ظاہر ہے زمین کو خاک سے نسبت ہے پس اسی نام کی نسبت کی وجہ سے زمین کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ ابد تک پشت فلک اس

فردوس مار کے باغ نم رہے گی۔

۱۷۔ اسے اسدی اُسی کے خلقِ عظیم کا فیض ہے کہ گل کو پنچا ہے
گویا اس کے اثر سے گل میں خوشبو پیدا ہوئی ہے اور بوٹے گل سے
بادِ صبا سطر ہوئی ہے۔

۱۸۔ ممدوح کی ذوالفقار (تلوار) کی کاٹ کا سارے جہان میں چرچا
ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کی تیزی کے چروں سے سرِ شمشادِ اِکبادِ
عالم نہی قطع نہ ہو جائے۔

۱۹۔ ممدوح کا جلوہ ایسا کفر سوز واقع ہوا ہے کہ اس سے عاشق
کے دنگ کی طرح چین کے بُت خانہ کی رونق اڑ جاتی ہے۔
دنگ کا ٹوٹنا اور رونق اور رونق کا ٹوٹنا اردو محاورہ کے خلاف ہے
مرزا صاحب نے فارسی محاورات کا ترجمہ کر ڈالا ہے شاید بت غلطی کی
رعایت سے ایسا کیا ہے۔

۲۰۔ وحی کے عقلی معنی مجس کو وصیت کی گئی ہو یعنی جانشین۔ لے
جان کو بنا دیتے ہوئے اور دل و جان کو فیض پہنچانے والے بادشاہ!
بیشک حاکمِ اختیار کا تو ہی وحی یعنی جانشین ہے۔

۲۱۔ دوش .. کاندھا + اطر .. نہایت پاک .. ناصیب .. پیشانی۔
تیسرے جملہ کا ممبر دوش پیمر ہے اور تیسرے نام نامی
کا لگنے دوش کی پیشانی ہے۔ حضرت علیؑ نے دوش پیمر پر سوار ہو کر
خانہ کعبہ کے تحت لوٹے تھے۔ دوسرے مصرعے سے یہ مراد ہے کہ
تیسرا نام نامی عرشِ معلیٰ پر لکھا ہوا ہے۔ جب رسولِ مقبول عرشِ پر شریف
ہوئے تو انہوں نے وہاں "علی" لکھا ہوا دیکھا۔

۲۲۔ واجب .. خدا تعالیٰ + باندھے آئین .. یعنی آئینہ بندی و آرائش ۔

تیری مدح سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ شمع کی آرائش اور آئینہ بندی شعلہ شمع کے سوا اور کون کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے شمع کو شعلہ ہی سے آرائش حاصل ہوتی ہے۔ گویا ممدوح کی ذات گرامی کو خدائی اللہ ہو جانے کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے وہی تعلق حاصل ہو گیا ہے، جو شمع کو شعلہ سے ہے۔

۲۳۔ ممدوح کے سنگ آستان کو آئینہ قرار دیا ہے اور اس پر حضرت جبرئیل امین کے سجدے کے نشانوں کو اس آئینہ کا جوہر فرماتے ہیں تیرے سنگ آستان کے آئینے میں جبرئیل امین کے سجدوں کے نشانات جوہر آئینہ کی طرح نظر آتے ہیں۔

۲۴۔ اکادہ یعنی تیار۔ جیسا۔ خدا تعالیٰ نے جو خاکیوں کو جان و دل و دین دیئے ہیں، وہ تیرے حق پر سب بچھاؤ کرنے کو تیار ہیں۔

۲۵۔ دل و جان اور کام و زبان سب تیری مدح کے لئے ہیں اور لوح و قلم اور دست و جبین تیری تسلیم بجالانے کے لئے ہیں ظاہر ہے سلام ہاتھ سے کیا جاتا ہے اور سجدہ پیشانی ہے

۲۶۔ جو شخص خدا کا ممدوح ہو، اس کی مدح کس سے ہو سکتی ہے اور فردوس بریں کی آرائش سوائے خدا کے اور کون کر سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو حضرت علی کی مدح کرتا ہے، اس کے لئے بہشت آراستہ کی جاتی ہے۔

۲۷۔ اسد اللہ نام اسد تخلص بازار معاصی کی ایک جنس ہے،

جس کا سواٹے تیرے کوئی خریدار نہیں۔

معجزہ لکھتے ہیں اسد اللہ حضرت علی کا لقب ہے اس لئے ان سے
ان سے خطاب کر کے کہا یعنی اے اسد اللہ علی .. انھ دو سرے شعر سے
مطلب صاف ہو جاتا ہے۔

۲۸۔ چونکہ اس کو تیرے حوصلہ فضل و کرم پر بہت ہی زیادہ یقین
ہے ، اس لئے وہ اپنے عرض مطالب میں اس قدر گستاخ ہو گیا ہے۔

۲۹۔ اجابت یعنی قبولیت۔ میری دعا کو ایسا حسن قبول کا مرتبہ
دے کہ میرے ایک ایک حرف پر قبولیت سو بار آئین کے۔

۳۰۔ غم حسین سے میرے دل کو اس قدر بے رحم کر دے کہ خون جگر سے
میری آنکھیں رنگین رہیں۔

۳۱۔ تیرے دُلیل کی الفت میں میری طبیعت کو ایسا شوق اور عشق
ہو جائے کہ جہاں اس کا قدم ہو وہیں میری جہیں ہو۔

۳۲۔ الفت نسب دل کی صفت ہے۔ یعنی ایسا دل جس کو الفت
سے نسبت اور سینہ توحید فضل سے مراد وہ سینہ جس کی فضا توحید ہو
یعنی وہ توحید سے معمور ہو۔ مطلب یہ ہے۔ میرے دل کو ممدوح کی
افت سے نسبت ہو اور میرے سینے کی فضا توحید سے معمور رہے۔
میری نگاہ اس کی جلوہ پرست ہو اور میرا نفس صداقت
پسند۔

۳۳۔ دوزخ کے شعلے اور دھواں ممدوح کے دشمنوں
پر صرف ہوں اور فردوس بریں کے گل و سنبل اس کے احباب
کے لئے وقف ہوں۔

۲۳۷

۱۔ ہاں مہ نوسیں ہم اس کا نام ۱ جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
 دو دن آیا ہے تو نظر دیم صبح ۲ یہی انداز اور یہی اندام
 بارے دو دن کہاں رہا غائب ۳ بندہ عاجز ہے گردش ریاں
 اڑ کے جاتا کہاں کہ تانوں کا ۴ آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
 مر جہا اے سرور خاص خواص ۵ جہذا اے نشاط عام عوام
 عند میں تین دن نہ آنے کے ۶ لے کے آیا ہے عید کا پیغام
 اس کو بھولا نہ چاہئے کہنا ۷ صبح جو جائے اور آئے شام
 ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا ۸ تیرا آغاز اور ترا انجام
 ناز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے ۹ مجھ کو بچھا ہے کیا کہیں تمام
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں ۱۰ ایک ہی ہے امید گاہ اناام
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ گوش ۱۱ غالب اس کا نگہ نہیں ہے غلام
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو ۱۲ تب کہنا ہے بظریہ استغناء
 ہر تاباں کو ہو تو ہوا اے ماہ ۱۳ قرب ہر روز بر سبیل دوام
 تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا ۱۴ جو بتقریب عید ماہ صیام
 جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو ۱۵ پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام
 ماہ بن ، ماہ تاب بن ، میں کون ۱۶ تجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
 میرا اپنا جدا معاملہ ہے ۱۷ اور کے لین دین سے کیا کام
 ہے مجھے آندوئے خشش خاص ۱۸ گر تجھے ہے امید رحمت عام
 جو کہ بخشے گا تجھ کو فر فردغ ۱۹ کیا نہ دے گا مجھے بے کلام
 جبکہ چودہ من ازل غلی ۲۰ کر چکی قطع تیری تیزی گام

تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر ۲۱ کوئے مشکوئے صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز ۲۲ اپنی صورت کا ایک بتوریں جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا ۲۳ تو سن طبع چاہتا تھا نگام

غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام ۲۴ تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بد نام
مے ہی پھر کیوں نہ میں پشے جاؤں ۲۵ غم سے جب ہو گئی ہو زینتِ حرام
بوسہ کیسا، یہی غنیمت ہے ۲۶ کہ نہ بھیجیں وہ لذتِ دشنام
کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس ۲۷ اب تو باندھا ہے دہریں اہرام
اُس قدر کاسے دور مجھ کو نعت ۲۸ چرخِ خنہ لی ہے جس سے گردشِ دام
بوسہ دینے میں اُن کو سے انکار ۲۹ دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام
پھیرتا ہوں کہ اُن کو غمت آسے

کیوں رکھوں دور نہ اپنا غالب نام

کہہ چکائیں تو سب کچھ اب تو کہہ ۳۱ اسے بری چہرہ پیکرِ تیز خرام
کون ہے جس کے ذریعہ ناصیہ سا ۳۲ ہیں سہ و جہر و زہر و بہرام
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن ۳۳ نام شاہنشہ بلند مقام
قبلہ چشمِ دول، بہادر شاہ ۳۴ منظرِ ذوالجلال و الاکرام
شہسوارِ طریقہ انصاف ۳۵ تو بہارِ حدیقہ اسلام
جن کا ہر فعل صورتِ محبانہ ۳۶ جس کا ہر قول معنیِ السلام
بزم میں میمنہ بانِ قیصر و جم ۳۷ بزم میں استادِ مستم و سام
اے ترا لطفِ زندگی افرا ۳۸ اے ترا عمدہ فرخی مندر جام

چشم بد دور خسر دانہ شکوہ ۳۹ خوش اللہ عارفانہ کلام
 جان نثاروں میں تیرے قیصر دم ۴۰ جرمہ خوابوں میں تیرے مرشد جا
 دارش ملک جانتے ہیں تجھے ۴۱ ریحِ دُور و خسر و ہسرام
 زورِ بادو میں مانتے ہیں تجھے ۴۲ گیو و گورزو و بیزین و ربام
 مرجہا مو شکافی تاوک ۴۳ آفریں آبداری قصصام
 تیرے تیرے غیرِ حدف ۴۴ تیغ کو تیری تیغِ خصم نیام
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند ۴۵ برق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے فیل گراں جسد کی صدا ۴۶ تیرے خوش سبک غناں کا خرام
 فنِ صورت گری میں تیرا گزہ ۴۷ گزہ رکھتا ہو دستگاہ تمام
 اس کے مضروب کے سرو تن سے ۴۸ کیوں نمایاں ہو صورت اذغام
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے ۴۹ صبح ہائے لیلیٰ و ایام
 اور ان اور اک میں بکاکِ قضا ۵۰ غملاً مندرج ہوئے احکام
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش ۵۱ لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 آسماں کو کہا گیا کہ کہیں ۵۲ گنبدِ تیز گرد نیلی فام
 حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں ۵۳ خال کو دانہ اور زلف کو دم
 آتش و آب و باد خاک نے لی ۵۴ وینع سوز و غم و رم و آرام
 ہر رخشاں کا نام خسر و روز ۵۵ ماہِ تاباں کا اسمِ شمع و شام
 تیری توفیقِ سلطنت کو بھی ۵۶ دی بدستور صورتِ ارتقام
 کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم ۵۷ اس رقم کو دیا طرازِ دوام
 ہے ازل سے روانی آغاز ۵۸ ہو اب تک رسائی انجام
 ۱۔ ہر نوکی خمیدگی کو سلام کرنے سے تعبیر کیا ہے کہتے ہیں کہ اسے

ہلال! ذرا ہمیں اس کا نام بھی بتا دے، جس کو تو اس طرح جھک کر سلام کر رہا ہے۔

۲۔ ہر مہینے میں چاند دو دن چھپا کرتا ہے اور تیسرے روز پھر نکلتا ہے۔ مثلاً اگر ۲۶ تاریخ کو چھپتا ہے تو ۲۹ کو نکلتا ہے۔ ان دنوں میں صبح کے وقت بہت کم دیر کے لئے دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بعد دو دن غائب رہتا ہے۔ کہتے ہیں دو دن تو صبح دم نظر آیا۔ تو ایسا ہی نازک اور تھلا تھا اور یہی تیر انداز تھا ان دنوں کا چاند بہت باریک ہوتا ہے۔

۳۔ پھر دو دن تو کہاں غائب رہا۔ ٹھیک ہے۔ بندہ دنوں کی گردش سے عاجز ہے۔ گویا تیری کچھ خطا نہیں۔

۴۔ تو اڑ کے کہاں جاتا۔ کہیں جا ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ آسمان نے ہر طرف تاروں کا جال بچھا رکھا تھا اس لئے تو باہر نہ آسکا۔

۵۔ اے خاص و عام کو سرور بخشنے والے! مرجا اور عوام و عام کے سرور و نشاط کے باعث آفرین۔

۶۔ چاند تیسرے دن نکلا ہے اس لئے کہتے ہیں کہ تین دن نہ آنے کی سخت مثلنے کے لئے اب تو عید کا مسرت بخش پیغام لے کر آیا ہے۔ اب تجھے کون پوچھ سکتا ہے کہ تو کہاں رہا۔

۷۔ تو ۲۶ ویں کی صبح کو غائب ہوا تھا اور ۲۹ ویں کی شام کو نکل آیا۔ گویا صبح کو گیا تھا اور شام کو واپس آگیا۔ پس اس کو بھولا نہیں کہتے جو صبح کا گیا شام کو آجائے۔ قابل تعریف شعر ہے۔ کس خوبی سے محاورہ نظم کیا ہے۔

۸۔ ایک میں کیا، سب نے تیرے آغاز اور انجام کو جان لیا کہ

تو پہلے بڑھتا ہے، پھر تنزل پذیر ہوتا ہے اور پھر ترقی کے مدارج طے کر کے پورا چاند ہوتا ہے۔

۹۔ تمام یعنی چٹھوڑ۔ اسے ہلال! تو مجھ سے اپنے دل کا باز کیوں چھپاتا ہے؟ کیا تو مجھے جھل خور بھلا ہے کہ میں کسی سے تیرا راز کدہ نہ گا۔

۱۰۔ یہ بات میں خوب جانتا ہوں۔ آج ساری دُنیا میں لوگوں کی صرف ایک امید گاہ ہے جہاں سے وہ مراویں پاتے ہیں۔

۱۱۔ یہ میں نے مان لیا کہ تو اس کا حلقہ بگوش غلام ہے لیکن میں تجھ سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا غالب اس کا غلام نہیں ہے یعنی ہم دونوں اس کے غلام ہیں۔ پر وہ کس بات کا ہے۔

۱۲۔ میں جانتا ہوں کہ تو بھی یہ بات خوب جانتا ہے کہ میں بھی اس کا غلام ہوں۔ یہی سبب ہے کہ میں نے تجھ سے بطور استغفار یہ بات پوچھی ہے کہ غالب اُس کا گھر نہیں ہے غلام؟

۱۳۔ اے ماہ۔ مہر تاباں کو اس کی بارگاہ میں قرب ہر روز ہمیشہ کے لئے حاصل ہو تو ہو۔

۱۴۔ روشناسی .. باریابی + پایہ .. رتبہ + ماہِ صیام .. ماہِ رمضان لیکن تجھ کو اس کی بارگاہ میں روشناسی کا رتبہ سوائے عیدِ رمضان کی تقریب کے کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

۱۵۔ میں یہ بات خوب جانتا ہوں اور تجھ کو بتائے دیتا ہوں کہ اب تو اس کے فیض سے پھر ٹوٹا چاند بننا چاہتا ہے۔ مرزا صاحب نے مرثیہ کی مازداری حاصل کرنے کے لئے اس کو یہ بات بتلائی ہے۔

۱۶۔ تو ماہ بن۔ حساب بن۔ میں کون ہوں۔ مجھے تو پھر انعام تھوڑا

ہی دیگا۔ بڑا بے تکلف شعر ہے۔ عید کے انعام کی طرف کس خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے۔

۱۷۔ کہیں یہ خیال نہ کرنا کہ مجھے تجو پر رشک آتا ہے، کیونکہ میں اب انعام سے محروم رہ جاؤں گا۔ نہیں یہ بات نہیں۔ تیرے انعام سے مجھے کیا کام ہے۔ میرا اور ان کا جُدا معاملہ ہے۔ میں محروم نہیں ہوں کہ اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ دوں۔

۱۸۔ اگر تجھے ممدوح سے رحمت عام کی امید ہے، تو مجھے اس سے بخشش خاص کی آرزو ہے۔ لفظ خاص استعمال کر کے اپنا رتبہ بڑھایا ہے۔

۱۹۔ وہ ممدوح جو تجھے عالم کے منور کرنے کی قوت عطا کرے گا۔ کیا وہ مجھے نئے گل رنگ نہ دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ضرور میری مراد بھی پوری ہوگی۔

۲۰۔ جبکہ تیری تیز رفتاری آسمان کے چودہ منازل طے کر چکے، یعنی تو ہلال سے بدین جائے۔

۲۱۔ اور تیری چاندنی سے ہر گلی، کوچہ، محل، صحن اور صوبہ بولوا منور ہو جائیں۔

۲۲۔ تو اس وقت میرے ہاتھ میں اپنی جیسی شکل کا چمکتا دمکتا ایک بتوری جام دیکھنا۔

۲۳۔ کہتے ہیں۔ شراب اور شبِ متاب کا نام آتے ہی میں قصبہ لکھتے لکھتے غول لکھنے لگا۔ اس موقع پر تو سن طبع کو روکنے کی ضرورت تھی۔ لیکن ذکرِ شراب نے چابک کا کام کیا۔ اب وہ بھلا

کیاں لکنا ہے۔

۲۴۔ میں ویسے ہی مرجاتا، تو نے مفت میں میرے قتل کا الزام اپنے سر لیا اور اپنے آپ کو بدنام کیا۔

۲۵۔ شراب بھی حرام ہے اور زندگی بھی حرام ہے۔ کہتے ہیں جب غم سے زندگی حرام ہو گئی تو پھر میں کیوں نہ ہر وقت شراب پیتے جاؤں کیونکہ شراب کے غم غلط ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب دونوں طرح زندگی حرام ہو رہی ہے تو پھر آسان راستہ کیوں نہ اختیار کروں جو ان شراب کا بہترین شاعرانہ استدلال ہے اور مضمون نہایت شوخ اور لطیف۔

۲۶۔ بوسے کا تو ذکر ہی نہ کرو۔ وہ ہمیں کب ملتا ہے۔ بس یہی غنیمت ہے کہ انہیں یہ بات معلوم نہیں کہ ہمیں گالیاں کھانے میں بھی لطف آتا ہے۔ خدا کرے انہیں یہ بات معلوم نہ ہو ورنہ وہ ہمیں اس لذت سے بھی محروم کر دیں گے۔

۲۷۔ احرام کبجے میں باندھتے ہیں۔ کہتے ہیں جس طرح اب ہم بچائے کعبہ کے درمیں احرام باندھ چکے ہیں۔ اسی طرح ہم بچائے دبر کے کعبہ میں جا کر ناقوس بجائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہمارا کچھ مذہب نہیں تو پھر ہم ہر مذہب کے خلاف ہی چلیں گے۔

۲۸۔ مجھے وہ جام عرفان میسر ہے، جس سے چرخ نے گردش مستعار لی ہے۔ یعنی اس جام کی شراب سے مسک ہو کر آسمان قعر گردش کر رہا ہے۔

۲۹۔ ابرام یعنی مند۔ تعجب ہے جنہیں دل لینے کی ضد تھی یہی

کہتے تھے کہ ہم ضرور تمہارا دل لیٹے۔ اب انہیں ہوسہ دینے میں انکار ہے۔

۳۰۔ فرماتے ہیں میں نے اپنا نام غالب اس وجہ سے رکھا ہے کہ انہیں مجھ پر غصہ آئے اور وہ کہیں کہ ادھویہ بھی غالب ہو گیا۔ حقیقتاً میں غالب نہیں بلکہ مغلوب ہوں۔ اپنا غالب نام رکھنا ان سے ایک پھیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے غصہ میں بھی ایک لطف ہے۔

۳۱۔ یہاں سے پھر تصدیق شروع ہوتا ہے اور شاعر ماہ سے خطاب ہو کر کہتا ہے، اے پری چہرہ اور تیز رفتار قاصد! میں تو سب کچھ کہہ چکا، اب تو کیا کہتا ہے۔ بوجہ حسن کے پری اور سیب تیز رفتاری کے چاند کو بیک تیز خرام کہتا ہے۔

۳۲۔ مرتخ کو بہرام فلک کہتے ہیں۔ وہ کون ہے جس کے در پر۔

چاند سودج زہرا اور مرتخ جہیں سائی کرتے ہیں؟

۳۳۔ اگر تو نہیں جانتا تو میری زبانی اس شہنشاہ بلند مرتبت

کا نام سن۔

۳۴۔ یعنی ہا اور شاہ بادشاہ جو چشم و دل کے قبلہ ہیں اور جلال والا کرام کے منظر ہیں۔ کیونکہ چشم امیر امنی کی طرف لگی ہوئی ہے اور دل ان کی طرف رجوع ہے۔

۳۵۔ حدیقہ .. باغ .. طریقہ .. طریقہ .. راستہ۔

۳۶۔ وہ طریقہ انصاف کے شہسوار اور باغ اسلام کے نو بہار ہیں۔

۳۷۔ جس کا ہر فعل ایک معجزہ ہے اور جس کا ہر قول الہام ہے۔

۳۸۔ قیصر و جم .. دو جلیل القدر بادشاہ .. رستم و سام .. ایران کے

دو مشہور پادشاہ۔

ہزم میں قیصر و جم اس کے ہمان ہیں اور وہ اس کا میزبان ہے۔ گویا اس کی شان یہ ہے کہ قیصر و جم جیسے بادشاہ اس کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور رزم میں رستم و سام جیسے مشہور پہلوانوں کا وہ اُستاد ہے۔ گویا رستم و سام ممدوح سے طریقاً جنگ سیکھتے ہیں۔

۳۸۔ یہاں سے گریز شروع ہے۔ کہتے ہیں۔ اے شہنشاہ تیرے لطف و کرم زندگی بڑھانے والے ہیں اور تیرا دور حکومت مبارک زمانہ ہے۔
۳۹۔ خدا تجھ کو نظر بد سے بچائے۔ تیرا شانہ و بدبہ ہے اور ماشاء اللہ تیرا کلام عارفانہ کلام ہے۔

۴۰۔ قیصر و جم جیسے عالیشان بادشاہ تیرے جاں نثاروں میں اور جام کے مرشد یعنی حمید جیسے لوگ تیرے جرمہ خواہوں میں ہیں یعنی تجھ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

سعید، آسی اور طباطبائی نے مرشد جام مولانا جامی مراد لئے ہیں۔ قیصر کے مقابلے میں حمید ہونا چاہئے نہ کہ غریب جامی۔

۴۱۔ ایرج اور تور (فریدون شاہ فارس کے بیٹے) خسرو (خسرو کا بیٹا) اور بہرام بادشاہ عراق تجھ کو اپنے ملک کا وارث جانتے ہیں۔
۴۲۔ سب مشہور پہلوان تیرے بازو کا لوہا مانتے ہیں۔

۴۳۔ موشگافی .. بال کو چیرنا + ناوک .. تیر + صمصام .. تلوار۔

سبحان اللہ تیرے تیر کی موشگافی کے کیا کہنے ہیں اور ہری توار کی آبداری کی کیا بات ہے۔

۴۴۔ ہدف بمعنی نشانہ۔ تیرا تیر دشمن کے تیر کو اپنا مانہ بنتا

ہے۔ تیری تلوار دشمن کی تلوار میں اس طرح گھس جاتی ہے، جس طرح نیام
میں داخل ہوتی ہے۔

۲۷۵-۲۷۶۔ دونوں شعروں میں لطف و نشر مرتب ہے۔ تیرے
کوہ پیکر ہاتھی کی چنگھاڑ نے بکلی کی کرطک کا دم بند کر دیا ہے اور
تیرے سک رفتار گھوڑے کی چال برق کو کیسا الزام دے رہی
ہے۔ یعنی یہ کہتی ہے کہ اے برق تو میرے ساتھ چل بھی نہیں سکتی۔
پیچھے رہی جاتی ہے۔

۲۷۷-۲۷۸۔ صورت گری .. تصویر کشی + دستگاہ .. ہمارت +
اوغام .. دو حرفوں کو ایک کر دینا۔

اگر فن مصوری میں تیرا گز پوری پوری ہمارت نہ رکھتا ہو تو پھر
مضروب کے سرو جسم سے اوغام کی تصویر کیونکر بنے۔ مطلب یہ ہے
کہ تیرا گز خم خوردہ کے سرو تن کو ایک کر دیتا ہے اور اس طرح سے
اوغام کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۹۔ رقم پذیر ہوئے .. لکھے گئے۔ لیالی .. لیل کی جمع رات
ایام .. دن +

جب ازل میں دن اور رات کے صفحات لکھے گئے یعنی دن اور
رات کی تخلیق ہوئی۔

۵۰۔ توان صفوں پر تضا کے قلم نے مفصل نہیں بلکہ اجمال کے ساتھ
احکام خداوندی تحریر فرمائے۔

۵۱۔ شاہد .. معشوق + دشمن کام .. وہ شخص جو دشمنوں کی مراد
کے موافق تباہ حال ہو۔

تو معشوقوں کو عاشق کش اور عاشقوں کو دشمنوں کی مراد کے مطابق تباہ و برباد لکھ دیا یعنی معشوق عاشقوں کو قتل کیا کر بیٹھے اور عاشق ہمیشہ برباد اور تباہ حال رہیں گے۔

۵۲۔ آسمان کے متعلق یہ حکم ہوا کہ اس کو سب لوگ جلدی جلدی گھومنے والا نیلا گنبد کہیں۔

۵۳۔ اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ معشوق کے خال کو دانہ اور زلف کو دام لکھا جائے۔

۵۴۔ لاف و نشر مرتب ہے۔ پھر آگ کو سوز۔ پانی کو نمی۔ ہوا کو بھانگتے پھرنے کی قوت اور خاک کو آرام کی خاصیت عطا کی گئی۔ زمین کے معنی بھاگنا۔

۵۵۔ خسرو.. بادشاہ + شہنہ.. کو تو ال۔ سورج کو دن کے بادشاہ کا لقب عطا ہوا اور ماہ تاباں کو کو تو ال

شام کا۔

۵۶۔ تویق سلطنت.. فرمان شاہی + ارقام.. تحریر۔

اسی طرح تیرے فرمان سلطنت کے لئے بھی حسبِ ضابطہ حکم نافذ ہوا۔

۵۷۔ حکم خداوندی سے کاتبِ حکم نے تیرے فرمان سلطنت پر ہمیشگی کا طغرا بنا دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری سلطنت کے ہمیشہ قائم رہنے کا حکم ہوا۔

۵۸۔ تیری سلطنت ازل سے جاری ہے۔ خدا کرے اس

کے انجام کی ابد تک رسائی ہو۔ یعنی تیری سلطنت ازل سے ابد تک جاری رہے۔

۲۳۸

- صبح دم دروازہ غادر کھلا ۱ مہر عالم تاب کا منظر کھلا
 خسرو انجم کے آیا صرف میں ۲ شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
 وہ بھی تھی اک سیما کی سی نمود ۳ صبح کو رازِ مہر و اختر کھلا
 میں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ ۴ دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
 سطح گردِ دل پر پڑا اختارات کو ۵ موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
 بیخ آیا جانبِ مشرق نظر ۶ اک کنارِ آفتابیں رخ سر کھلا
 تھی نظر بند کیا جب رُخِ سحر ۷ اوٹ گل رنگ کا ساغر کھلا
 لا کے ساتی نے صبحی کے لئے ۸ رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا
 بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ ۹ کعبہ امن و اماں کا در کھلا
 ایچ زریں ہر تاباں سے سوا ۱۰ خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
 شاہ روشن دل بہادرشہ کہ ہے ۱۱ رازِ ہستی اُس پہ سرتاسر کھلا
 وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں ۱۲ مقصدِ نہ چرخ و مہفت اختر کھلا
 وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے ۱۳ عقدہ احکام پر نیمبر کھلا
 پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام ۱۴ اس کے سر ہنگوں کا جب دفتر کھلا
 روشناسوں کی جہاں فرست ہے ۱۵ داں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا
 تو میں شہیں ہے وہ خوبی کہ جب ۱۶ تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا
 نقشِ پا کی صورتیں وہ دلفریب ۱۷ تو کئے بت خانہ آذر کھلا
 مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کی ۱۸ منصبِ ہر دم و محور کھلا
 لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہریک ۱۹ میری جد و سع سے ہا سر کھلا
 تھا دل وابستہ فضلِ بے کلید ۲۰ کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار ۲۱ مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا
ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس ۲۲ لوگ جانیں طبلہءِ عنبر کھلا

غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا ۲۳ کاش کے ہوتا تھن کا در کھلا
ہم پکائیں اور کھلے یوں کون جائے ۲۴ یار کا دروازہ پاویں گر کھلا
ہم کو ہے اس باتِ داری پر گھنٹہ ۲۵ دوست کا ہے باز دشمن پر کھلا
داخلی دل پر بھلا لگتا تھا داغ ۲۶ زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
باتھ سے رکھ دی کب ابرو کی کماں ۲۷ کب کمر سے غمرہ کے خنجر کھلا
مفت کا کس کو بُرا ہے ہرقہ ۲۸ رہ رہی میں پرودہ رہبر کھلا
سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک ۲۹ آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا
نامہ کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ ۳۰ رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا
دیکھو غالب سے گر ابھرا کوئی

ہے دلی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر بڑا مدحت طرازی کا خیال ۳۱ پھر مہِ دُور شید کا دفتر کھلا
خامہ نے پانیِ طبیعت سے مدد ۳۲ یادیاں کے اُٹھتے ہی لنگر کھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ ۳۳ یاں عرض سے رتبہ جو ہر کھلا
حمر کا نیا چمرخ چکر کھا گیا ۳۴ بادشاہ کا رایتِ لشکر کھلا
بادشاہ کا نام لینا ہے خطیب ۳۵ اب علوئے پایہ منبر کھلا
سکھ شہ کا ہوا ہے روشناس ۳۶ اب عیارِ آبروئے زر کھلا

شاہ کے آگے دھراے آئینہ ۳۸ اب بال سبی اسکندر کھلا
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے ۳۹ اب قریب طغرل و سنجر کھلا
 ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے ۴۰ دفتر مدح جہاں داور کھلا
 فکر اچھی پرستائش ناتمام ۴۱ عجز اعجاز ستائش گر کھلا
 جانتا ہوں ہے خط لوح ازل ۴۲ تم پہ اسے خالق نام آور کھلا
 تم کرو صاحبقرانی جب تک

ہے طلسم روز و شب کا در کھلا
 ۱۔ خاور یعنی مشرق۔ صبح دم مشرق کا دروازہ کھل گیا۔ اس دروازے
 سے آفتاب عالم تاب کا جلوہ نظر آیا۔

۲۔ رات کو موتیوں کا خزانہ کھلا ہوا تھا یعنی ہر طرف ستارے
 چمک رہے تھے۔ ان موتیوں کو ستاروں کے بادشاہ (آفتاب) نے صرف
 کر ڈالا۔ مطلب یہ ہے آفتاب طلوع ہوتے ہی ستارے چھپ گئے۔
 ۳۔ علم سیمیا ایک علم ہے جس کے زور سے ایسی چیزیں نظر آتی
 ہیں جن کا حقیقتاً کوئی وجود نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں رات کے وقت
 جو چاند اور ستارے ہیں نظر آرہے تھے، حقیقتاً وہ کچھ نہ تھے وہ
 صرف سیمیا کا کرشمہ تھے۔ اگر وہ کچھ ہوتے تو صبح کو بھی نظر آتے۔ چاند
 اور ستاروں کا یہ راز ہمیں صبح کو معلوم ہوا۔ رات کو ہم دھوکے ہی
 میں رہے۔

۴۔ کو اکب یعنی ستارے۔ اصل میں کچھ ہیں اور نظر کچھ اور
 آتے ہیں۔ گویا یہ بازیگر ہیں، جو ہمیں کھلا دھوکا دیتے ہیں۔ کہتے
 ہیں ستارے ایک دوسرے سے بہت دور ہیں، لیکن ہم قریب

قریب نظر آتے ہیں۔ اکثر ستارے بے نور ہیں، لیکن سورج کی چمک سے متور ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیارے ستارے معلوم ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بس یہی کھلا ہوا دھوکا ہے۔

۵۔ رات کے وقت ان ستاروں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان پر ہر طرف موتیوں کا زہر کھلا پڑا ہے۔

۶۔ صبح کو مشرق کی جانب ایک آتشیں چہرہ معشوق کھلے سر نظر آیا گویا صبح کا منظر تبدیل ہو گیا (سورج نکل آیا)

۷۔ جب ہم نے جادو کو توڑا تو معلوم ہوا کہ وہ آتشیں چہرہ معشوق نہیں بلکہ بادہ گل رنگ کا ایک ساغر ہے۔

۸۔ صبحی بعضی وہ شراب خوار دور کرنے کے لئے صبح کو پی جاتی ہے۔ اس ساغر کو ساتی نے صبحی کے لئے لاکر رکھ دیا ہے اور یہ ایک سونے کا پیالہ ہے جس پر سروش نہیں ہے۔

۹۔ یہاں سے گریز شروع ہوتی ہے۔ کہتے ہیں۔ اس وقت بزم سلطانی آراستہ ہوئی۔ گویا امن و امان کے کعبے کا دروازہ کھل گیا۔

۱۰۔ بادشاہ کے سر پر سونے کا تاج آفتاب عالم کتاب سے بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے اس کے تلج زریں کے سامنے آفتاب ماند پڑ گیا۔

۱۱۔ وہ بادشاہ روشن دل بہادر شاہ ہے جس کے روشن دل پر راز ہستی سترتا سر ظاہر ہے۔

۱۲۔ تکوین یعنی تخلیق۔ پیدا ہونا اور وہ ایسا بادشاہ ہے کہ جس کے پیدا ہونے سے تو آسمانوں اور سات ستاروں کے پیدا ہونے کا مقصد

نجا ہر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے تو آسمانوں اور سات ستارے اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

۱۳۔ وہ ایسا بادشاہ ہے کہ اس کے تاویل کے ناخن سے احکام عمر کی گتھیاں نکلتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مسائل شرعی کو حل کرنے کی پوری پوری قابلیت رکھتا ہے۔

۱۴۔ دارا ۰۰ ایک عالی مرتبہ بادشاہ + سرسنگ ۰۰ معمولی سپاہی دفتر ۰۰ رجسٹر۔

جب اس کے لشکریوں کا رجسٹر کھولا گیا تو اس میں سب سے پہلے دارا کا نام نکل کر آیا۔ گویا دارا اس کی فوج کا ایک اونٹنے سپاہی ہے۔

۱۵۔ روشناس ۰۰ جان پہچان + قیصر ۰۰ ایک عالی مرتبہ بادشاہ + جہاں اس کے روشناسوں کی فہرست ہے۔ وہاں صاف صاف قیصر کا حلیہ درج ہے۔ گویا قیصر جیسا بلند مرتبہ بادشاہ اس کے معمولی روشناسوں میں ہے۔

۱۶۔ ۱۴۔ تھان ۰۰ صطبل + غیرت صرصر ۰۰ جس کی تیزی کو دیکھ کر باد صرصر غیرت کھائے + آذر ۰۰ حضرت ابراہیمؑ کے چچا جو اسلئے درجے کے بُت تراش تھے۔

بادشاہ کے گھوڑے میں وہ خربی ہے کہ جب تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا تو اس کے نقش پا سے ایسی ایسی دلفریب صوتیں پیدا ہوئیں گویا آذر بُت تراش کا بُت خانہ نظر آئے گا۔

۱۸۔ بادشاہ کی تربیت کے فیض سے مجھے چاند سورج اور محمد کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ محور اس فرضی خط کو کہتے ہیں جو ماہرین ارض نے

قطب شمالی سے قطب جنوبی تک کھینچا ہے۔ خیال ہے۔ اس کے گرد زمین گردش کرتی ہے۔

۱۹۔ میرے دل میں لاکھوں گتھیاں تھیں۔ جو میری طاقت سے کسی طرح کھل نہ سکتی تھیں۔ لیکن بادشاہ کے فیض تربیت سے ہر ایک گتھی کھل گئی۔

۲۰۔ میرا بند دل ایک ایسا بند قفل تھا جس کی کوئی کنجی نہ تھی لیکن بادشاہ کے فیض سے وہ اس طرح کھلا کر میں نہیں جانتا اسے کس نے کھولا۔ کب کھولا۔ اور کیوں کر کھولا۔

۲۱۔ کھلا بمعنی بے تکلف ہوا۔ کہتے ہیں اگر بادشاہ سخن گستر مجھ سے بے تکلفانہ پیش آئے تو پھر میں تمہیں بارغ معنی کی بہار دکھاؤں گا۔ یعنی پھر میری شاعری کا لطف دیکھنا۔

۲۲۔ طبلہ بمعنی پٹاری۔ ڈبہ۔ جس وقت میں نے غولخانی شروع کی تو لوگوں کو ایسا معلوم ہو گا جیسے عنبر کا ڈبہ کھل گیا۔ یعنی میرے ہر سانس کے ساتھ عنبر کی خوشبو نکلے گی۔

۲۳۔ افسوس ہے کہ میں کچھ قفس میں اس طرح سے پر کھلا بیٹھا ہوں اور اُڑانہ سکوں۔ کاش کے اس وقت قفس کی کھر کی کھلی ہوتی تاکہ میں پھر سے اُڑ جاتا۔

۲۴۔ (۱) کہتے ہیں ہماری خود داری کا تقاضا ہے کہ ہم جا کر یار کے دروازے پر آداریں اور یار کا دروازہ محض ہمارے لئے کھلے۔ اس طرح جانے میں کیا لطف ہے کہ دروازہ کھلا ہو اور ہم اس کے مکان میں داخل ہو جائیں۔ چاہتے ہیں کہ یار کا گھر محض ہمارے لئے کھلے۔ اس طرح

جانے میں کیا لطف ہے کہ دروازہ کھلا ہو اور ہم اس کے مکان میں داخل ہو جائیں۔ چاہتے ہیں کہ یار کا گھر محض ہمارے اپنے لئے مخصوص ہو۔ ہرکس و ناکس کو وہاں بار نہ ہو (۲) اس طرح سے یار کے گھر جانے کو جی نہیں چاہتا کہ ہم آواز دیں پھر کہیں دروازہ کھلے۔ لطف اس میں ہے کہ دروازہ کھلا ہو اور ہم بلا تکلف ان کے گھر میں داخل ہو جائیں۔ پہلے معنے بہتر ہیں۔ اس سے شاعر کی خودداری کا ثبوت ملتا ہے۔

۲۵۔ ہمیں دوست کی رازداری پر گھمنڈ ہے۔ کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دل کے راز سوائے ہمارے کسی اور سے نہیں کہتا۔ لیکن درحقیقت ہمارے دوست کے راز رقیب کو ابھی طرح معلوم ہیں۔ گویا وہ بھی اس کے راز دار ہیں۔ اپنی سادہ لوحی اور خود فریبی کا اظہار کیا ہے۔

۲۶۔ واقعی ہمارے دل کا داغ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا اور ہم بہت خوش تھے۔ لیکن زخم لگنے پر معلوم ہوا کہ زخم داغ سے بہت برتر ہے۔ اس قصیدے میں کھلنا زیب دینے کے معنوں میں متعدد بار استعمال کیا ہے۔ لیکن زخم کے ساتھ کھلنا استعمال کرنے سے کچھ اور ہی لطف پیدا ہو گیا ہے۔

۲۷۔ عام شعرا ابرو کو کمان سے اور غمزے کو خنجر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے ابرو کو کمان دار اور غمزے کو خنجر گداڑ کہہ کر لطف پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے ابرو صرف کمان ہی نہیں ہیں بلکہ کمان دار بھی ہیں اور اس کا غمزہ خنجر ہی نہیں بلکہ خنجر گداڑ بھی ہے۔ وہ دونوں ہر وقت ہمارے قتل کے درپے ہیں اور کبھی اپنے فرض

سے غافل نہیں ہوتے۔

۲۸۔ ہد رتہ یعنی رہنا۔ جب ہمیں رہبر سے سابقہ پڑا تو معلوم ہو گیا کہ وہ خود منزل سے واقف نہیں۔ لیکن مفت کار ہونا کیا بُرا ہے اور کچھ نہیں تو ایک ساتھی تو ہے۔

۲۹۔ رونے سے دل کی سوزش دُور میں ہوتی جب اشکوں کی بارش ہوتی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے دل کی تپش دب جاتی ہے۔ لیکن جو نہی اشکیاری دم بھر کے لئے بند ہوتی ہے۔ سیلے میں پھر آگ بھر دک اٹھتی ہے برسات میں مینہ برسنے کے بعد یہی کیفیت پیش آتی ہے۔

۳۰۔ اس شعر میں شاعر نے دلی حسرت کا اظہار کیا ہے۔ کتلمے خدا خدا کر کے یار کا خط آیا۔ لیکن پیغام مرگ بھی ساتھ ہی آیا۔ خط کھول کر پڑھنا چاہا تھا کہ روح پرواز کر گئی اور خط چھاتی پر کھلا رہ گیا۔ یہ بخرد اور طباطبائی لکھتے ہیں کہ اس شعر میں شادی مرگ کی کیفیت دکھائی ہے۔

۳۱۔ دیکھنا غالب سے نہ الجھنا۔ وہ ظاہر میں کافر دکھائی دیتا ہے، لیکن درحقیقت وہ ولی ہے۔ اگر وہ بگڑ بیٹھا تو پھر تہاڑی خیر نہیں۔

۳۲۔ غزل لکھتے لکھتے پھر مدح سرائی کا خیال آگیا اور مدح بلاو ش میں ایسے شعر قلم سے نکلنے لگے، جو چاند اور سورج کا مقابلہ کرتے ہیں۔ گویا مردِ خورشید کا دفتر کھل گیا۔

۳۳۔ گویا قلم بلایان اور طبیعت سنگم ہے۔ قلم اُٹھاتے ہی طبیعت اس کی مدد کرنے لگی۔ جس وقت قلم بھال ہوا، اسی وقت طبیعت بھی کھل گئی

یعنی خود بخود شعر موزوں ہونے لگے۔

۳۴۔ مدح عرض ہے اور ممدوح جوہر۔ مدح سے ممدوح کی شان و شکوہ ظاہر ہوتی ہے۔ گویا عرض سے جوہر کا رتبہ معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے عرض جوہر سے بڑھ گیا ہے۔

۳۵۔ رایت یعنی نشان لشکر، جھنڈا۔ جس وقت بادشاہ کا نشان لشکر کھلا، اُسے دیکھ کر آفتاب کانپ اُٹھا اور آسمان چکر لگیا۔ آسمان کا چکر کھانا اور آفتاب کا کانپنا ایک مسئلہ ہے۔ شاعر نے اس کا سبب نشان لشکر قرار دیا ہے۔

۳۶۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ منبر کا رتبہ کیوں بلند ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خطیب اس پر کھڑے ہو کر بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔

۳۷۔ سونے کی آبرو کا سبب یہ ہے کہ اس پر بادشاہ کے نام کا سکہ ہے۔

۳۸۔ آئینہ سکندر نے ایجاد کیا تھا۔ کہتے ہیں اتنی مدت بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ سکندر نے آئینہ ایجاد کرنے میں اتنی کوششیں کیوں کی تھیں۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ اُس کے آئینے کو میرا ممدوح اپنے سامنے رکھے۔

۳۹۔ طغرل اور بنو فریب سے ملک کے وارث بن بیٹے تھے۔ اب جبکہ سلطنت ممدوح کے ہاتھ میں آئی تو ان کا یہ فریب ظاہر ہو گیا اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ ممدوح ہی ملک کا حقیقی وارث ہے۔

۴۰۔ جہاں داؤد یعنی بادشاہ عالم۔ میں اس کی کیا تعریف کر سکتا ہوں ہاں میرا نام اس کے مدح خوانوں میں مشہور ہو گیا کیونکہ میں نے اس کی مدح میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسی مدح ہوتی چاہئے تھی مجھ سے نہیں ہو سکی۔

۴۱۔ فکر تو اچھی ہے لیکن مدح نامقام رہی۔ اس سے شاعر کے اعجاز کا عجز ظاہر ہو گیا۔ مجھو بیانی کا دعویٰ پھر اعجاز میں عجز ثابت کرنا مرزا صاحب ہی کا حصہ ہے۔

۴۲۔ خادان یعنی بادشاہ۔ اے نام آؤد بادشاہ میں جانتا ہوں کہ آپ لوح ازل کی تحریر سے خوب واقف ہیں، اس لئے مجھے اپنا حال بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۴۳۔ صاحب قرآن اس بادشاہ کو کہتے ہیں، جس کی ولادت کے وقت زحل اور مشتری کا قرآن عظمیٰ ہو۔ ایسا بادشاہ بڑا فتح آؤ جلیل القدر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔ تم اس وقت تک صاحب قرآن کرو جب تک روز و شب کے ظلم کا دروازہ کھلا ہے۔ یعنی اب تک۔

۲۳۹

صفتِ انہ

ہاں دل درد مند زمرہ ساز ۱ کیوں نہ کھولے در خزینه راز
خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا ۲ شاخ گل کا ہے گلشن ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیلئے ۳ نکتہ ہائے خرد فرا لکھئے

- بارے آسموں کا کچھ بیاں ہو جائے ۴ خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے
 آم کا کون مرد میدان ہے ۵ ثمر و شاخ گوئے دچوگاں ہے
 تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں ۶ آئے یہ گوئے اور یہ میدان
 آم کے آگے پیش جاوے خاک ۷ پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
 نہ چلا جب کسی طرح مقدور ۸ بادہ تاب بن گیا انگور
 یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے ۹ شرم سے پانی پانی ہونا ہے
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے ۱۰ آم کے آگے نیشکر کیا ہے
 نہ گل اس میں نہ شلخ و برگ نہ با ۱۱ جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار
 اور دوڑائیے قیاس کمال ۱۲ جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
 جان میں ہوتی گم یہ شیرینی ۱۳ کوہ کن با وجود غم گینی
 جان دینے میں اس کو یکتا جان ۱۴ پروہ یوں سہل دے نہ سکنا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر ۱۵ کہ دوا خانہ ازل میں گمر
 آتش گل پہ قند کا ہے قوام ۱۶ شیرہ کے نار کا ہے ریشہ نام
 یا یہ ہوگا کہ فطرافت سے ۱۷ باغبانوں نے بارخ جنت سے
 انگلیں کے بحکم رب الناس ۱۸ بھر کے بیجے ہیں سر بہر گلاس
 یا لگا کہ خضر نے شاخ نبات ۱۹ مدتوں تک دیا ہے آب حیات
 تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل ۲۰ ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
 تھا ترنج زر ایک خسرو پاس ۲۱ رنگ کا زرد پر کہاں بوباس
 آم کو دیکھتا اگر یکبار ۲۲ پھینک دیتا، طلائے دست فشاں
 رونق کار گاہ برگ و نوا ۲۳ نازش دودمان آب و ہوا
 رہر راہ خسل کا توشہ ۲۴ طوبے و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ و برگ بار ہے آم ۲۵ ناز پروردہ بہا ہے آم
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو ۲۶ نو بر نخل باغِ سلطان ہو
 وہ کہ ہے دالی ولایتِ عہد ۲۷ عدل سے اکٹھے حمایتِ عہد
 فخر میں عز و شانِ جاہ و جلال ۲۸ زینتِ طینت و جمالِ کمال
 کار فرمائے دین و دولت و بخت ۲۹ چہرہ آرائے تاج و مست و تخت
 سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے ۳۰ خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
 اے فیض و جود و سایہِ منور ۳۱ جب تلک ہے نو و سایہ و نور
 اس خداوندِ بندہ پرور کو ۳۲ وارثِ گنج و تخت و افسر کو
 شاد و دل شاد و شادماں رکھو
 اور غالب پر مریاں رکھو

۱۔ ہاں اے دل درد مند زمرہ ساز تو خزانہ راز کا دروازہ
 کیوں نہیں کھولتا۔ مطلب یہ ہے ضرور کھول۔

۲۔ جس وقت طبیعت میں آمد ہوتی ہے اور قلم کاغذ پر چلتا ہے
 تو اس کاغذ پر رواں ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسے شاخ گل سے
 پھول جھڑتے ہیں۔

۳۔ اے دل! تو مجھ سے کیا پوچھتا ہے کہ کیا لکھئے؟ تو نخل
 بڑھانے والے نکتے لکھ اور کیا لکھئے گا۔

۴۔ رطب بمعنی خرما، کھجور۔ اچھا اس وقت تو آسموں کے
 متعلق کچھ لکھ۔ لیکن اس طرح کہ قلم نخل رطب افشاں ہو جائے۔
 مطلب یہ ہے قلم سے بہت ہی شیریں مضامین نکلیں۔

۵۔ مرد میدان یعنی بد مقابل۔ ثمر کو گیند اور شاخ کو چوگان سے تشبیہ۔

دی ہے۔ کہتے ہیں۔ آم کا کوئی مد مقابل نہیں۔ اس کا ٹرگیند ہے اور شاخ چوگان ہے۔

۶۔ تاک یعنی انگور کی بیل + انگور کی بیل کے دل میں یہ ارمان کیوں رہے کہ اُس نے آم سے مقابلہ نہیں کیا۔ میدان میں آئے اور مقابلہ کر لے۔ ہمیں گو وہیں میدان ہے۔ یہ چوگان ہے اور یہ گیند موجود ہے۔

۷۔ آم کے آگے انگور کی بیل کی کیا خاکد پٹش جاسکتی ہے۔ بس اسی جہن میں وہ پڑی اپنے جی کے پھپھو لے پھوڑتی ہے۔ انگوروں کو پھپھو لوں سے تشبیہ دی ہے۔

۸۔ جب آم کے سامنے انگور کی کچھ پیش نہ گئی تو وہ ہار کر شرابِ ناب بن گیا۔ گویا اس طرح اس نے اپنے جلے پھپھو لے پھوڑے۔

۹۔ ۱۰۔ کہتے ہیں۔ شرابِ ناب بننے میں بھی کوئی خرابی نہیں۔

یہ تو مجبور ہو کر اپنے جی کو کھونا ہے اور شرم سے پانی پانی ہونا ہے۔

۱۱۔ نیشکر مٹی گتا۔ تم مجھ سے پوچھو۔ تمہیں معلوم نہیں، میں تمہیں بتاتا ہوں۔ آم کے آگے نیشکر بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

۱۲۔ نہ تو اس میں پھول ہیں، نہ شاخیں ہیں، نہ پتے ہیں، نہ پھل ہیں۔ پھر سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ جب خزاں کا موسم آتا ہے تو اس کی بہار آتی ہے گتا سرووں میں ہوتا ہے۔

۱۳۔ آم کی تعریف اس سے زیادہ کیا کی جائے اور کہاں کہاں

قیاس دوڑایا جائے۔ یوں سمجھ لو کہ جان بہت ہی شیریں ہے، لیکن آم جیسی مٹھا اس میں بھی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آم جان سے بھی بہتر ہیں۔

۱۵۱۴۔ اگر جان میں آم جیسی شیرینی ہوتی تو کوہن باوجود غمیگینی کے اس آسانی سے جان نہ دیتا۔ اگرچہ جان قربان کرنے میں وہ یکتائے روزگار تھا، شیرینی اور کوہن کی رعایت خوب آئی ہے۔

۱۶۱۶۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ پھل دوا خانہ ازل میں تیار ہوا ہے۔ وہاں آتش گل کی آنچ پر قند کا قوام تیار کیا گیا اور پھر اس شیرے کے تار کا نام ریشہ کہلایا۔

۱۸ و ۱۹۔ رافت یعنی مہربانی، محبت۔ یایہ بات ہوگی کہ باغِ جنت کے باغبانوں نے جوشِ محبت میں جنت سے خداوندِ تعالیٰ کے حکم سے شہد گل سوں میں بھر بھر کے ان پر صریں لگا کر بھیج دیا ہے۔

۲۰۔ یایہ بات ہے کہ خضر علیہ السلام نے شلخ نبات زمین میں لگائی اور پھر اس کو مدتوں تک (بجائے پانی کے) آبِ حیات دیا۔

۲۱۔ پھر کہیں جا کر یہ درخت پھل لایا، ورنہ کہاں ہم اور کہاں یہ درخت۔

۲۲ و ۲۳۔ کہتے ہیں خسرو کے پاس اس قسم کا کنڈن (خالص سونا) تھا کہ ہاتھ سے دبا کر اس کی جو چیز چاہتے تھے، بنا لیتے تھے۔ پرویز نے اس کا ترنج بنا لیا تھا۔ وہ ترنج اس کے دسترخوان پر رکھا رہتا تھا۔ پھر کسرانے اس کے سونے کا ساگ بنوایا اور اس سے اپنے دسترخوان کو زینت دی۔ مرزا صاحب نے اسی سونے کو طلائے دست فشار اس لئے کہا ہے کہ موم کی طرح ہاتھ سے دب جاتا تھا۔ فرماتے ہیں خسرو کے پاس ایک سونے کا ترنج تھا۔ اس کا رنگ آم کی طرح زرد تھا، لیکن اس میں آم جیسی خوشبو نہیں تھی۔ اگر وہ کہیں

آم کو دیکھ پاتا تو اس خالص سونے کو پھینک دیتا۔

۲۳۔ برگ و نوا سے مراد درخت اور خوش الحان پرندے۔ کارنگاہ کے معنی کار خلیے کے ہیں۔ یہاں چمن مراد ہے۔

کہتے ہیں۔ آم پتہ بہار چمن کی رونق ہے اور خاندانِ آب و ہوا یعنی بہار کے لئے باعثِ ناز ہے۔ دو زبانِ آب و ہوا سے باخ بھی مراد لے سکتے ہیں۔

۲۵۔ طوبے .. جنت میں ایک درخت ہے جس کی ایک ایک شاخ بہشت میں جانے والوں کے مکاؤں میں ہوگی۔ اس شاخ سے طرح طرح کے میوے اور خوشبوئیں پیدا ہوں گی + سدرہ .. ساتویں آسمان پر ایک درخت ہے۔

آم جنت میں جانے والوں کا توشہ ہے اور طوبے اور سدرہ کا جگر گوشہ ہے۔ بقولِ تجنود مراد یہ ہے کہ اگر آم کھاتے کھلتے کوئی مرنے تو وہ سیدہ جنت میں جاتا ہے۔ خوب تو صریح ہے۔

۲۶۔ آم کا درخت خوب لدا پھندا اور پھولا پھلا ہے۔ گویا آم کو بہار نے بڑے ناز و نعم سے پالا ہے۔

۲۷۔ نوبر .. یعنی نیا پھل۔

خاص کردہ آم جو آسانی سے دستیاب نہ ہوتا ہو اور باغِ سلطان کا نیا پھل ہو۔

۲۸۔ اور بادشاہ بھی وہ بادشاہ جو عہدِ پیمان کی ولایت کا دالی ہے۔ اور جس کا عدل و انصاف زمانے کا حامی۔

۲۹۔ میرا بادشاہ دین کے لئے باعثِ فخر ہے اور

جاہ و جلال کی عزت و شان اس سے قائم ہے۔ اس کی ذات طینت کے لئے آرائش اور اُس کا جمال کمال کے لئے زینت کا باعث ہے۔

۳۰۔ کار فرما .. یعنی حاکم، بادشاہ۔ وہ دین و دولت اور بخت کا بادشاہ ہے اور تاج و مسند و تخت کو اس کی ذات سے آرائش حاصل ہے۔

۳۱۔ اس کا سایہ ہما کا سایہ ہے۔ گویا جس پر وہ اپنا سایہ ڈالتا ہے، وہ بادشاہ ہو جاتا ہے اور مخلوق کے سر پر اس کا سایہ خدا کا سایہ ہے۔ یعنی وہ ظل اللہ ہے۔

۳۲۔ مفیض یعنی فیض پہنچانے والا۔ مراد خدا۔ اے نور اور سائے کے فیض رساں جب تک سایہ اور نور کا وجود ہے۔

۳۳۔ اس وقت تک اس بندہ پرور بادشاہ کو جو خزانوں کا مالک اور تخت و تاج کا وارث ہے۔

۳۴۔ شاو، دلشاد اور شادمان رکھیں اور اس کے ساتھ وہ غالب پر بھی حیران رہے۔

قطعتا

۲۴۰

اے شہنشاہ فلک منظر دے مثل نظیر ۱ اے جہاندار کرم شیوہ دے شب و عدیل
پاؤں تیرے ملے فرق ارادت اورنگ ۲ فرق سے تیرے کرے کعبات کلیل

تیرا انداز سخن شانہ زلفِ الہام ۳ تیری رفتارِ قلم جنبشِ ہالِ جبریل
 تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہٴ قربِ کلیم ۴ تجھ سے دنیا میں بھجا ماندہ بندِ خلیں
 بہ سخنِ اوجِ درہ مرتبہٴ معنی و لفظ ۵ بلکہ داغ نہ ناصیبہٴ قلم و قریں
 تاتارے وقت میں ہو عیشِ طرب کی قیر ۶ تاتارے عہد میں ہو رنج و الم کی فزیل
 ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر ۷ زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل
 تیری دانشِ مری صلاحِ مفاسد کی رہیں ۸ تیری بخشش مرے اخراجِ مقاصد کی فزیل
 تیرا اقبالِ ترحم مرے جینے کی فوید ۹ تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی ذیل
 سختِ ناسا نے چاہا کہ نہ شے مجھ کو مال ۱۰ چرخِ کجبار نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذیل
 پیچھے ڈالی ہے سرشتِ اوقات میں گانٹھ ۱۱ پہلے ٹھوکی ہے بنِ ناخنِ تدبیر کی کیل
 پیشِ دل نہیں بے رابطہٴ خوفِ عظیم ۱۲ کششِ دم نہیں بے ضابطہٴ جزِ نقیل
 درِ معنی سے مرا صفحہٴ لغاکِ ڈالھی ۱۳ غمِ گیتی سے مرا سینہٴ عمر کی زنبیل
 فکرِ میری گہرا اندوزِ اشاراتِ کثیر ۱۴ کلکِ میری رقمِ آموزِ عباراتِ قلیل
 میرے اہام پہ ہوتی ہے تصدیقِ توشیح ۱۵ میرے احمال سے کہتی ہے تراشِ تفصیل
 نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف ۱۶ جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل
 قبلہ کون مکانِ خستہ نوازی میں یہ دیر ۱۷ کعبہٴ امن و امان عقدہٴ کشائی میں ڈھیل
 ۱۔ فلکِ منظر .. آسمانِ مرتبت، یعنی آسمان جیسے مرتبے والا، بے عد
 .. بے مثل + بے شبہ .. بے مشبہ، جس کا کوئی ثانی نہ ہو۔

اسے آسمان جیسے مرتبے والے اور بے مثل و بے نظیر شہنشاہ اور
 اسے کرم گستر جہاندار تو کرم گستری میں بے مثال اور لاثانی ہے۔

+ فرق .. رنگ، سر + اورنگ .. تخت + اکیلیں .. تاج -
 تخت تیرے پاؤں سے اپنے سراپادت کو ملتا ہے اور تاج تیرے

سر سے سخاوت حاصل کرتا ہے ۔

۳۔ شانہ بمعنی کنگھی ۔ تیرا انداز سخن زلفِ الہام کے لئے شانہ ہے ۔
یعنی وہ الہامی باتوں کو سلجھاتا ہے اور تیرے قلم کی رفتار جبرئیل علیہ السلام کے پہلوں کی جنبش ہے ۔ یعنی اس سے الہامی باتیں ظاہر ہوتی ہیں ۔

۴۔ کلیم اللہ کو جو خداوند کریم سے قرب حاصل تھا، وہ سُنی سنائی بات
تھی ۔ لیکن تیرے قرب خداوندی کو دیکھ کر لوگوں نے اس بات کو اپنی آنکھوں
سے دیکھ لیا کہ کلیم کو قرب خداوندی کیونکر حاصل ہوا تھا ۔ اسی طرح تیرے
دسترخان کو دیکھ کر اہل دنیا کو سخاوت خلیل اللہ (حضرت ابراہیم) کا اندازہ
ہو گیا ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ نون خصوصیات تجھ میں موجود ہیں ۔

۵۔ اپنی سخاوری سے تو معنی و لفظ کا رتبہ بلند کرتا ہے اور اپنی سخاوت
سے تو بحر قلزم اور دریائے نیل کی پیشانی پر داغ لگاتا ہے ۔ یعنی تیری
سخاوت کے سامنے قلزم و نیل بھی شرمندہ ہیں ۔

۶ و ۷۔ اس لئے تاکہ تیرے عہد میں عیش و مسرت کی کثرت ہو، نیز
اس لئے کہ تیرے عہد میں رنج و الم کی قلت ہو، ماہ نے بُرج نور سے
باہر جانا چھوڑ دیا اور زہرہ نے بُرج حوت سے نکلنا ترک کر دیا ۔ جب یہ
سیارے ان بُرجوں میں ہوتے ہیں تو زمانہ کثرت سے عیش کرتا ہے ۔

۸۔ انجراح مقاصد بمعنی مقاصد کو برا کرنا ۔ تیری عقل و دانش میری کتابوں
اور غلطیوں کی اصلاح کرتی ہے اور تیری بخشش میرے مقاصد کو برا کرنے والی ہے ۔

۹۔ اقبال بمعنی التفات ۔ تیرے رحم و کرم کا میری جانب ملاحظت ہونا
میرے جینے کی خوشخبری ہے اور تیرا اندازِ تغافل میرے مرنے کی دلیل ہے ۔
یعنی تیرے رحم سے میں جی سکتا ہوں اور تیرا تغافل میرے لئے موت ہے ۔

۱۰۔ میرے ناموافق مقدمے نے چاہا تھا کہ تو مجھے پناہ نہ دے اور فلک کج رفتار کا ارادہ تھا کہ مجھ کو ذلیل و خوار کر دے۔

۱۱۔ فلک کج رفتار نے پہلے میرے ناخن تدبیر میں کیل ٹھونک دی۔ اس کے بعد میرے سرشتہ اوقات (کاروبار) میں گہرہ ڈال دی تاکہ ناخن میسر عقدہ کشائی نہ کر سکے۔

۱۲۔ چتر ثقیل .. ایک علم ہے جس میں بھاری چیزوں کے اٹھانے کے قاعدے بتلائے جاتے ہیں۔ ہمیشہ دل میرے لئے خوفِ عظیم کا باعث ہے اور سانس لینا بغیر چتر ثقیل کی امداد کے ممکن نہیں۔
طباطبائی لکھتے ہیں کہ دل کی تیش خوفِ عظیم سے خالی نہیں اور سانس لینا چتر ثقیل سے کم نہیں۔

۱۳۔ لقا کی ڈاڑھی .. داستانِ امیر حمزہ میں مرقوم ہے کہ لقا کی ڈاڑھی کے ہر ایک بال میں موتی پرود بیٹھے جاتے تھے + عمرو کی زنبیل .. عمرو عیار کی زنبیل میں ایک دُنیا آباد تھی۔ عمرو عیار ہر چیز کو اس میں ڈال دیتا تھا۔ لیکن وہ کسی طرح پُر نہ ہوتی تھی۔

کہتے ہیں میرادہ کا غذ جس پر میں نے اشعار لکھے ہیں، معانی کے موتیوں سے اس قدر بھرا ہوا ہے، جیسے لقا کی ڈاڑھی اور دُنیا زمانے کے غم میرے سینے میں اس طرح سمائے ہیں کہ اسے عمرو عیار کی زنبیل کہنا چاہئے کہ وہ کسی طرح پُر ہی نہیں ہوتا۔

۱۴۔ میری فکر میں اشاراتِ کثیر ہیں اگرچہ میرا قلم کم عبارت لکھنے کا عادی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبارت کم ہے، لیکن اس میں معانی بہت ہیں۔

۱۵۔ اہام .. کسی بات کو نہایت مبہم طور پر بیان کرنا + توضیح .. کسی

بات کو وضاحت سے کھول کر بیان کرنا۔

میرا مبہم بیان بھی ایسا صاف ہوتا ہے کہ توضیح و تشریح اس پر قربان ہوتی ہے اور میری محفل اور مختصر بات سے تفصیل ٹپکتی ہے۔ مطلب یہ ہے تو میرے اشاروں کنایوں کو بالتفصیل سمجھنا ہے۔

۱۶۔ نیک حالت یعنی خوش حالی۔ اگر میں تکلیف میں نہ ہوتا۔ یعنی خوشحال ہوتا تو اے معذرح میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ نیز اگر میری طبیعت پریشان نہ ہوتی تو میں اپنا مقصد (صلہ و العام) حاصل کرنے کے لئے اتنی جلدی نہ کرتا۔

۱۷۔ اے قبلہ دو عالم! غریب نواری میں اتنی دیر نہیں ہونی چاہئے۔ اور اے کعبۂ امن و امان! عقدہ کشائی میں اس قدر ڈھیل مناسب نہیں ہمارے قطعہ کا پتھر ڈیسی شعر ہے۔ بقول طباطبائی عقدہ کشائی سے ڈھیل دینے کو جس قدر مشابہت ہے، اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ یعنی یہ سچ ہے کہ بے عقل دینے گرہ نہیں کھل سکتی۔ لیکن اتنی ڈھیل کوئی نہیں دیتا۔

۲۲۱

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیر و نکی دفا داری ۱ کیا کرتے تھے تم تقریرم خاموش رہتے تھے بس اب بگڑے یہ کیا شرمندگی جانے دو بجاؤ ۲ قسم لو ہم سے گریہ کی کیوں کم نہ کتنے تھے ۱۔ غیروں کی دفا داری تقریر کرتے تھے یعنی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ فارسی محاورے کا ترجمہ ہے۔ کہتے ہیں وہ دن گئے جب تم بغیر سوچے کچھ غیروں کی دفا داری کی تعریف کیا کرتے تھے اور ہم خاموش بیٹھے سنا کرتے تھے۔

۲۔ اب جبکہ غیروں سے آپ کی بگڑ گئی ہے تو اب آپ شرمندہ کیوں ہوتے ہیں اور اس شرمندگی کے باعث ہم سے ملنا جلنا کیوں چھوڑ

دیا ہے۔ اس مشرمنگی کو چھوڑو اور ہم سے مل جاؤ۔ ہم سے قسم لے لو جو کبھی ہم یہ بھی کہیں کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے۔ کیوں ہم نہ کہتے تھے؟ میں جو لطف ہے، وہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ ایسے موقع پر صرف اسی قدر کہا جاتا ہے اور اس سے مطلب یہ ہے کہ ہم نہ کہتے تھے یہ لوگ بے وفائیں۔

۲۵۲

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین ۱ اک تیر میرے سینے پر مارا کہ ہائے ہائے وہ سبزہ زار ہائے مٹا کر ہے غضب ۲ وہ نازیں بتان خود آرا کہ ہائے ہائے صبر آزما وہ ان کی نگاہیں کہ حنف نظر ۳ طاقت ربا وہ ان کا اشارہ کہ ٹٹے ٹٹے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ وا

وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

۱۔ ہائے ہائے اسے ہم نشین تو نے کلکتہ کا ذکر کر کے میرے دل پر ایک تیر چلا دیا۔ یعنی کلکتہ یاد آنے سے میرا دل تڑپ گیا۔

۲۔ مٹا کر یعنی شاداب۔ ہائے ہائے کلکتہ کا نام سننے ہی وہاں کے وہ ہرے بھرے صاف مستحق سبزہ زار اور طر حدار معشوق یاد آ گئے۔

۳۔ حنف نظر یعنی چشم بد دور۔ ہائے ہائے وہ ان کی صبر آزما نگاہیں، خدا ان کو نظر بد سے بچائے اور ان کے وہ طاقت ربا اشارے یاد آ گئے۔

۴۔ سبحان اللہ کلکتہ کے وہ تازہ اور شیریں میوے اور ٹٹے ٹٹے وہاں کی وہ خالص اور خوشگوار مشرابیں۔

چکنی دلی

۲۲۳

ہے جو صاحب کے کف دست پر چکنی دلی ۱ زب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا لکھتے
 خامہ انگشت ہندواں کہ اسے کیا لکھتے ۲ ناطقہ سر بگربیاں کہ اسے کیا لکھتے
 مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھتے ۳ حریر بازوئے شکر فاقہ آسا لکھتے
 مستی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھتے ۴ درخ طرف جگر عاشق شیدا لکھتے
 خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھتے ۵ سر پستان پر یزاد سے مانا لکھتے
 اختر سوختہ قیس سے جست دیکھتے ۶ خال مشکیں رخ و کشیلے لکھتے
 حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض ۷ نافہ آہوئے بیابان ختن کا لکھتے
 وضع میں اس کو کچھ لیجئے تاب تریاق ۸ رنگ میں سبزہ نوخیز میا لکھتے
 صومعے میں اُسے ٹھہرائیے گر نہ ناد ۹ میکہ میں اُسے خشت خم صہبا لکھتے
 کیوں اُسے فضل و مدح کیجئے حجت لکھتے ۱۰ کیوں اُسے نقطہ پر کار کشا لکھتے
 کیوں اُسے گوہر نایاب تصویر کیجئے ۱۱ کیوں اُسے مردک دیدہ عتقا لکھتے
 کیوں اُسے تلمذ پیرا بن لیجئے لکھتے ۱۲ کیوں اُسے نقش پے نافہ سلا لکھتے
 بندہ پمور کے کف دست کو دل کیجئے فرض

اور اس چکنی سپاری کو سودا لکھتے

حالی : (یادگار غالب) "سلسلہ" میں جبکہ نواب ضیاء الدین احمد خاں
 مرحوم کلکتہ گئے ہوئے تھے، مولوی محمد عالم مرحوم نے جو کلکتہ کے ایک ویرینہ
 سال فاضل تھے، نواب صاحب سے بیان کیا کہ جس زمانے میں مرزا صاحب

یہاں آئے ہوئے تھے، اور میں بھی حاضر تھا، ایک مجلس میں جہاں مرزا صاحب بھی موجود تھے اور میں بھی حاضر تھا، شعر کا ذکر ہو رہا تھا۔ اثنائے گفتگو میں ایک صاحب نے فیضی کی بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا۔ فیضی کو جیسا لوگ سمجھتے ہیں۔ ویسا نہیں۔ اس پر بات بڑھی۔ اس شخص نے کہا۔ فیضی جب پہلی بار اکبر کے رو برو گیا تھا، اُس نے ڈھائی سو شعروں کا قصیدہ اُسی وقت کہہ کر پڑھا تھا۔ مرزا بولے اب اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ دو چار سو نہیں تو دو چار شعر مروجہ پر کہہ سکتے ہیں۔ مخاطب نے جیب میں سے ایک چمکی ڈلی نکال، متھیلی پر رکھی اور مرزا سے درخواست کی کہ اس ڈلی پر کچھ ارشاد ہو۔ مرزا نے یہ گیارہ شعر کا قطعہ اسی وقت موزوں کر کے پڑھ دیا۔

اُردو شاعری میں اس قطعہ کی مثال مشکل سے ملے گی۔ مرزا نے گیارہ شعروں میں عظیم المثال تشبیہات نظم کیں جن کی تعداد ۲۱ ہے۔
۱۔ کہنہ دست یعنی متھیلی۔ آپ کی متھیلی پر جو چمکی ڈلی ہے، اُس کی جس قدر تعریف کریں، درست ہے۔ یہ چمکی ڈلی اچھی اس سبب سے ہے کہ آپ کے ہاتھ پر رکھی ہے۔

۲۔ انگشت بندناں۔ حیرانی کی کیفیت، سرگرمیاں، فکر کی حالت۔
قلم حیران ہے کہ میں اسے کیا کہوں اور قوتِ گویائی فکر میں ڈوب گئی ہے کہ میں اسے کیا کہوں۔

۳۔ حزن یعنی تعویذ۔ اس کو عزیزانِ گرامی کے خط کی مرکھیا جلائے یا طر حدار اور سرخ و سپید معشوقوں کے بازو کا تعویذ کہا جائے۔

۴۔ اے حسنین کی مٹی بھری انگلی کی پونگٹے باعاشق شید کے جگر کا داغ کٹے۔

۵۔ خاتم۔ انگوٹھی۔ مانا۔ مشابہ۔ سرپستان۔ بھٹنی۔

اسے حضرت سیماں کے ہاتھ کی انگوٹھی کا مشابہ لکھا جائے یا پریراد کے پستان کی بھٹنی کہا جائے۔

۶۔ اسے قیس کے اختر سوختہ سے نسبت دینی چاہئے یا اسی کے دلکش چہرے کا سیاہ بل کہنا چاہئے؟ اختر سوختہ کہہ کر چکنی سے تشبیہ تام پیدا کر دی ہے۔ چکنی سیاہ ہوتی ہے۔

۷۔ یا تو اسے دیوار حرم کا حجر الاسود فرض کیجئے، یا بیابان ختن کے ہرن کا نافہ لکھئے۔ حجر الاسود ایک سیاہ پتھر ہے، جو خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب ہے۔ حجاج اسے بوسہ دیتے ہیں۔ اعتقاد یہ ہے کہ اسے بوسہ دینے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

۸۔ اگر اسے وضع میں تریاق کا قاف سمجھئے تو رنگ میں مسیحا کا سبزہ نوخیز رکھئے۔ طباطبائی لکھتے ہیں۔ ”بکھئے“ میں میم ساکن اور میم تحرک نظم ہوا ہے۔ اس طرح کسی استاد نے نہیں باندھا۔ خلاف محاورہ ہے۔

۹۔ صومعہ۔ عبادت خانہ۔ مہر نماز۔ سجدہ گاہ۔ جس پر اہل تشیع سجدہ کرتے ہیں۔ خشت خم صہبا۔ شراب کے شے کے مٹہ پر ایک ریمٹ رکھ دیتے ہیں کہ شراب اڑنے نہ پائے۔

اگر اس چکنی ڈلی کو عبادت خانے میں مہر نماز ٹھہرائیے تو سیکڑے میں اسے خشت خم صہبا کہئے مطلب یہ ہے کہ عبادت خانوں میں اس پر زاہد اور مے خانوں میں اس پر مست سجدہ کرتے ہیں۔

۱۰۔ اس چکنی ڈلی کو گنج محبت کے دروازے کا قفل کیوں لکھئے اور کیوں اسے تمنا کی پرکار کا مرکز کہئے۔ اس لئے کہ تمنا پر کار کی طرح اس

کے گرد گھومتی ہے۔

۱۱۔ کیوں اسے گوبرِ نایاب تصور کیا جائے اور کیوں اسے عنقا کی آنکھ کی پتی کہا جائے۔

۱۲۔ سلمہ عرب کی ایک حسینہ کا نام ہے۔ کہتے ہیں کیوں اسے یسائے کے پیراؤں کا ٹکڑہ لکھیں اور کیوں اسے سلمہ کی لونٹنی کا نقش قدم کہیں۔

۱۳۔ ان سب تشبیہوں سے بہترین تشبیہ ہے کہ بندہ پروردگار کے کعبہ دست کو دل تصور کر لے۔ اور اس چکنی دلی کو اس دل کا خال سویدا کئے۔

۲۲۴

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور دالانے ۱۔ مجھ جو بھیجی ہے میں کی روغنی روٹی نہ کھاتے گیوں، مکتے نہ خلد سے باہر ۲۔ جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی حالی۔ ”جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز پکواتے تھے تو اکثر مصاحبین اور اہل دربار کے لئے بطور اولوش کے بھیجا کرتے تھے۔ اس کے شکرے میں بھی بھی مرزا کوئی قطعہ یا رباعی بادشاہ کے حضور میں گزاراتے تھے۔ یہ قطعہ بھی اسی قبیل کا ہے۔ جس وقت بادشاہی جوہدار اولوش لے کر آیا۔ ایک باہرکار رہنے والا طالب علم جو مرزا سے کچھ پڑھا کرتا تھا، موجود تھا۔ جوہدار کے چلے جانے کے بعد اُس نے متعجب ہو کر پوچھا کہ بیسنی روٹی ایسی کیسا نادیر چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے بطور اولوش کے تقسیم ہوتی ہے۔ مرزا نے کہا۔ ارے احمق چناہ چیز ہے کہ اس نے ایک دفعہ جناب باری میں فریاد کی کہ دُنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوتے ہیں۔ مجھے دلتے ہیں پیستے ہیں، بھونکتے ہیں، پکلتے ہیں اور مجھ سے سینکڑے چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے۔ ایسا کسی

پر نہیں ہوتا۔ وہاں سے حکم ہوا۔ اے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ
ہمارے سامنے سے چلا جائے۔ ورنہ ہمارا بھی جی ہی چاہتا ہے کہ
تجھ کو کھا جائیں۔

۲۰۱۔ حضور والانے جو مجھے جین کی روغنی روٹی بھیجی ہے اسکی
حقیقت تو مجھ سے نہ پوچھ۔ بس یہ سمجھ لے کہ اگر حضرت آدم یہ بیٹی روٹی
کھاتے تو بہشت سے ہرگز باہر نہ نکالے جاتے۔

سہرا

۲۲۵

خوش ہوئے بخت کہ ہے آج تھے سہرا ۱ باندہ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا
کیا ہی اس چاندیے کھڑے پہ بھلا لگتا ہے ۲ سے تھے جن دل افروز کا زیور سہرا
سر پہ چڑھنا تجھے چھینتا ہے پرلے خرقہ کا ۳ مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا
ناؤ بھر کر سی پروٹے گئے ہونگے موتی ۴ ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں گھر سہرا
رُخ پہ دو لہاکے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا ۵ ہے دگ ابر گہر بار سہرا سہرا
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے ۶ رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
جی میں اترا میں نہ موتی کہ ہیں میں اک چیز ۷ چاہئے پھولوں کا بھی ایک مکہ سہرا
جیکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے ۸ گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
رُخ روشن کی دیک اگوہر غلطاں کی چمک ۹ کیوں نہ دکھائے فروغ مدد اختر سہرا
تار ریشم کا نہیں ہے رگ ابر بہار ۱۰ لائیگا تاب گہر انباری گوہر سہرا
ہم سخن قسم ہیں غالب کے طرفدار ہیں ۱۱ دیکھیں اس سرے سے کہدے کوئی بہتر

بادشاہ کے چھٹے بیٹے مرزا جواں بخت کی شادی کے موقع پر مرزا نے یہ سہرا لکھا اور ایک سونے کی کشتی میں رکھ کر بڑے تکلف کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں گزانا۔ اس سے پہلے اردو میں سہرے لکھنے کا دستور تھا۔ گویا مرزا غالب سہرے کے موجد ہیں۔

اے نصیب خوش ہو کہ آج تیرے سرسرا ہے۔ اب تو سہراؤ جواں بخت کے سر پر سہرا باندھ۔ افسوس ہے مرزا صاحب پورا محاورہ نظم نہیں کر سکے۔ محاورہ میں خالی سہرا نہیں بولا جاتا، ظاہر کرنا چاہئے تھا کہ کس چیز کا سرسرا ہے۔ شعر کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اصلی سہرا مراد ہے۔ حالانکہ مصنف کا مضموم یہ نہیں ہے۔ استاد ذوق نے اپنے مطلع میں یہ کمی پوری کر دی ہے۔

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا آج ہے مین و معاویت کا ترے سر پر
۲۔ تیرے اس چاند سے نکھرے پر سہرا بہت ہی بھلا معلوم دیتا ہے گویا سہرا تیرے حسن دل افروز کا زیور ہے۔

۳۔ لبر۔۔ لبر۔۔ نمبر۔ درجہ۔ گزشتہ صدی میں لبر ہی مستعمل تھا۔ طرف کلاہ۔۔ گوشہ کلاہ۔

اے گوشہ کلاہ تجھے شہزادہ کے سر پر چڑھنا سچ بیچ زیب دیتا ہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیرا درجہ سہرا نہ چھین لے یعنی سہرا باندھنے سے کہیں تو نیچے نہ دب جائے۔

۴۔ مرزا صاحب نے کشتی کے افظ سے فائدہ اٹھایا ہے کہتے ہیں اس سہرے کو گوندھنے میں ایک ناؤ موتی پر دھڑے گئے ہونگے اگر

یہ بات نہ ہوتی تو پھر سرے کو کشتی میں لگا کر کیوں لاتے۔ ذوق کا یہ شعر غالب کے اس شعر سے بہت بڑھا ہوا ہے۔

آج وہ دن ہے کہ لٹے دریا سے فلک کشتی ندی میں سر نہ کی لگا کر مسرا ۵۔ دریا یعنی سمندر۔ سات سمندروں کے موتی جمع کئے

ہوں گے۔ پھر کہیں جا کر اس انداز کا گز بھر مسرا بنا ہوگا۔ بنا کا لفظ خوب ہے۔

۶۔ دولہا کے چہرے سے جو گرمی کے باعث پسینے کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرے کی لڑیاں نہیں ہیں بلکہ ابو گریبا کی رگیں ہیں۔ گرمی سے گرمی محسن مراد ہے۔

۷۔ یہ ایک بے ادبی تھی کہ مسرا قبا سے آگے بڑھ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قبا کے برابر آکر رُک گیا اور آگے نہ بڑھا۔

۸۔ تاکہ شہزادے کے سرے میں گندھ کر موتی اس بات پر نہ اترائیں کہ ہم ہی سب کچھ ہیں۔ اس لئے پھولوں کے سرے کی بھی ضرورت ہے۔

۹۔ جب خوشی کے مارے پھول اپنے میں نہیں سماتے تو پھر پھولوں کا مسرا کوئی کونکر گوندھ سکتا ہے۔

بنمود: کلیوں کا کھلنا گویا قباٹے گل کا جوشِ مسرت سے چاک ہو جانا ہے۔ ایسی صورت میں سرے کا گوندھا جانا دشوار ہو گیا ہے۔

۱۰۔ ادھر رُخ روشن کی دمک ہے ادھر گوہرِ قلعان کی چمک ہے

پھر بھلا سہرا مرد اختر کی چمک دمک کیوں نہ دکھلائے۔

۱۱۔ اس سرے میں ریشم کا تار نہیں ہے، بلکہ رگ ابر بہار ہے۔ اس لئے وہ موتیوں کے بھاری وزن کو بخوبی اٹھالے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ریشم کا تار اس قدموتیوں کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا اور ابر بہار میں تو موتی برسا ہی کرتے ہیں۔

۱۲۔ ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرقدار نہیں کہ اس کی رو رعایت کریں۔ بھلا دیجییں، اس سرے سے بڑھ کر کوئی سہرا کہہ دے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے بہتر سہرا لکھنا ناممکن ہے۔ یہ غالب ہی کا حق ہے۔

آبجیات :- ”جہاں پناہ نے جب سرے کو ملاحظہ فرمایا تو مقطع دیکھ کر حضور کو بھی خیال بلکہ لال ہوا۔ اُستاد ذوق مرحوم جو حسب معمول حضور میں گئے تو یہ سہرا دیا اور کہا۔ اُستاد اسے تو دیکھو، انہوں نے پڑھا اور بوجب عادت کے عرض کی، پیرو مرشد درست۔ بادشاہ نے فرمایا۔ تم بھی ایک سہرا لکھ دو۔ عرض کی بہت خوب۔ پھر فرمایا کہ ابھی لکھ دو اور کہا کہ مقطع کو بھی دیکھا۔ عرض کی حضور دیکھا، عرض وہیں بیٹھ گئے اور عرض کیا :-

اے جہاں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا ۱ آج ہے یمن و سعادت کا تو ہے سر سہرا
آج وہ دن ہے کلائے درانجہ سے تنگ ۲ کشتی دریا میں بہ ڈکی لگا کر سہرا
تالیش حسن سے مانند شعاع خورشید ۳ رخ پُر نور پہ ہے تیرے منور سہرا
وہ کے صل علی، یہ سکے سبحان اللہ ۴ دیکھے کھڑے پہ جو تیرے مرد و خنر سہرا
تا بنے اور بنی میں رہے اخلاص بہم ۵ گو نہ تھے سورۃ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

دعوم ہے گلشن آفاق میں اس سہو کی ۶ گائیں مرغابن نواسخ نہ کیونکر سہرا
 روئے فرخ ہے جو ہیں تیرے بہتے انوار ۷ تبار بارش سے بنا ایک سرا سرا سہرا
 ایک کو ایک پہ تڑپیں ہے دم آرائش ۸ سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا
 اک گہر بھی نہیں صد کان گہر میں چھوڑا ۹ تیرا ہوا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا
 پھرتی خوشبو سے ہے آرائی ہوئی باد بہا ۱۰ اللہ اللہ سے پھولوں کا معطر سہرا
 سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدھی ۱۱ گنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو سر پہ سہرا
 لونٹائی میں تجھے ہے سرو خورشید فلک ۱۲ کھول دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا
 کثرت تار نظر سے ہے تماشا یوں کے ۱۳ دم نطافہ ترے روئے نکو پر سہرا
 در خوش آب مضامین سے بنا کر لایا ۱۴ وسطے تیرے ترا ذوق ثنا گر سہرا
 جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دوان کو
 دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

ارباب نشاط حضور میں ملازم تھیں۔ اسی وقت انہیں بلا اور شہر
 کی گلی گلی کوچے کوچے میں پھیل گیا۔ مرزا بڑے اداس تھے کہ
 کیا تھا کچھ اور ہو گیا کچھ اور۔ اسی وقت یہ قطعہ لکھ کر حضور میں گزرا نا۔
 سب طرف تعریفیں ہوئیں۔

معذرت

۲۲۶

منظور ہے گزارش احوال واقعی ۱ اپنا بیان حسن طبیعت نہیں ہے
 سادہ دلی سے ہے ہمیشہ آبا سپر ۲ کچھ شاعری ذریعہ عورت نہیں ہے

آزاد نہ ہوں اور اسلک سے صلح کل ۳ ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
 کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں ۴ مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
 استادش سے ہو مجھے پر غاش کا خیال ۵ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
 جامِ جہاں نما ہے شمشاد کا ضمیر ۶ سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
 میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا ۷ جز انبساطِ خاطر حضرت نہیں مجھے
 سرا لکھا گیا ترہ امتثال امر ۸ دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
 مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانبات ۹ مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
 روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ ۱۰ سودا نہیں تنوں میں حشمت نہیں مجھے
 قسمت بُری سہی پر طبیعت بُری نہیں ۱۱ ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالبِ خدا گواہ

کتنا سوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

۱۔ مجھے اپنا واقعی حال عرض کرنا مقصود ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے اپنے

حسنِ طبیعت کا بیان منظور نہیں۔

۲۔ میرے آبا و اجداد کا پیشہ سو سال سے سپاہ گری ہے اور یہی

پیشہ میرے لئے باعثِ فخر ہے میں شاعری کو ذریعہ عزت نہیں سمجھتا۔

مطلب یہ ہے کہ اہل سیف اہل قلم سے زیادہ عزت رکھتے ہیں۔

۳۔ آزاد رو ۷۰ آزاد پوش + مسلک .. طریقہ، راستہ۔

میں ایک آزادہ رو انسان ہوں اور میرا طریقہ صلح کل ہے۔ میں کسی

کا دل نہیں دکھاتا اور میں ہرگز کسی سے عداوت و بغض نہیں رکھتا۔

۴۔ یہ سچ ہے کہ مجھے عزت، مرتبہ اور دولت مندی حاصل نہیں۔

لیکن یہ کیا کم عزت ہے کہ میں ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ کا غلام ہوں۔

- ۵۔ بادشاہ کا غلام ہوتے ہوئے، مجھے بادشاہ کے اُمتاد سے پر خاش ہو۔ توبہ۔ توبہ۔ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں بچے۔
- ۶۔ بادشاہ کا دل جامِ جہاں ناس ہے۔ اس میں وہ ہر ایک چیز کی حقیقت دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے مجھے اپنی بریت کے لئے قسم کھانے اور گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔
- ۷۔ بھلا مجھے رنجتہ کوئی سے کیا واسطہ۔ کہاں میں کہاں رنجتہ کوئی۔ میں تو فارسی کا شاعر ہوں۔ ہاں صرف خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُردو میں کہہ لیتا ہوں۔
- ۸۔ امتثالِ امر یعنی تعمیلِ حکم۔ محض حضور کے حکم سے یہ سہرا لکھا گیا تھا اور وہ بھی اس وقت جب میں نے دیکھا کہ سوائے تعمیلِ حکم کے کچھ چارہ کار نہیں۔
- ۹۔ سہرے کے مقطع میں محض ایک شاعرانہ اور سخن گسترانہ بات آپڑی ہے، ورنہ اس سے میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ میں محبت کے راہِ درسم منقطع کر دوں۔
- ۱۰۔ اگر میں نے اس مقطع میں کسی پرچوٹ کی ہو تو کالا منہ ہو۔ میں کوئی دیوانہ نہیں، مجنوں نہیں، وحشی نہیں کہ ایسی قبیح حرکت کرتا۔
- ۱۱۔ مانا کہ میری قسمت بُری ہے، لیکن میری طبیعت بُری نہیں۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ مجھے کسی سے اس بات کی شکایت نہیں۔
- ۱۲۔ خدا گواہ ہے کہ میں اپنے قول کا سچا ہوں اور میں سچ کہتا

ہوں کہ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت قطعی نہیں۔

مدح

۲۴۷

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے ۱ تجھ سے جو اتنی ارادت اُن کو کس بات سے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے ۲ رونق بزمِ سر و مہر تیری ذات سے ہے
اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی خود کروں ۳ غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
خستگی کا ہو بھلا جسکے سبب سے سرتو ۴ نسبت اک گونہ مرنے کی کو تھے ہات سے ہے
باتھ میں تیرے ہے تو میں دولت کی عنان ۵ یہ دُعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
تو سکند ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا ۶ گو شرفِ خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے
اُس پہ گندے نہ گماں ریودریا کا زہار

غالب خاک نشین اہل خرابات سے

۱۔ اے نصرت الملک بہادر آپ مجھے یہ بتلائیں کہ مجھے جو آپ سے
اپنی عقیدت اور محبت ہے وہ کس وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی
ارادت انعام و اکرام کی وجہ سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کچھ روحانی اور قلبی
تعلق ہے۔ استفہام اور استعجاب نے بلاغت پیدا کر دی ہے۔

۲۔ تو وہ ہستی ہے کہ اگر تو اپنی محفلِ آراستہ کرے تو بزمِ سر و مہر
کو بھی تیری ذات سے رونق حاصل ہو جائے۔

۳۔ تیرے مقابلے میں میں وہ ہوں کہ اگر میں اپنے آپ پر خود کرتا
ہوں تو دُور رہے، مجھے خود اپنے آپ سے نفرت ہوتی ہے۔

۴۔ خدا اس خشکی یعنی سختی دلی کا بھلا کرے کہ جس کے سبب سے میرے دل کو تیرے ہاتھ سے ایک گونہ نسبت حاصل ہے، طلب یہ ہے کہ میں مفلس ہوں، اس لئے تیرا دستِ کرم مجھ تک پہنچتا ہے۔
۵۔ تیرے ہاتھ میں ہمیشہ تو سن دولت و حکومت کی باگ رہے۔ بس قاضی حاجات سے شام و صبح میری یہی دعا ہے۔

۶۔ اس شعر میں ایہام ہے۔ ”خضر سلطان“ بہادر شاہ بادشاہ کے ایک فرزند کا بھی نام تھا۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پہلے لکھ چکے ہیں۔

خضر سلطان گورکھے خاقانِ اکبر سہسز شاہ کے بارغ ہیں یہ تازہ نہال اچھلے
۷۔ ریلو دریا یعنی مکاری و ریاکاری۔ غالب پر ریاکاری اور مکاری کا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک خاک نشین فقیر ہے اور اہل خرابات سے ہے۔ مطلب یہ ہے۔ زاہد لوگ ریاکار ہو سکتے ہیں۔ زندہ نہیں ہوتے۔

آخری چہار شنبہ

۲۲۸

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو ۱ رکھ دیں جن میں بھر کے بے مشکبو کی ناند
جو آئے جام بھر کے پئے اور ہو کے مست ۲ سہرے کو روندنا پھرے بھو لونوٹاٹے پھاند
غالب یہ کیا بیاں ہے بھو مدح بادشاہ ۳ بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتہ خواند
بٹتے ہیں سونے ٹپے کے چھلے حضور میں ۴ ہے جن کے آگے رسم وزیر مرد ماہ ماند

یوں سمجھ کر بیچ سے خالی کئے ہوئے ہ لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور شمار چاند
۱۔ آج آخری چار شنبہ ہے۔ چلو ہم بھی چین میں بے مشکب کو کی ناند بھر کر
رکھ دیں۔ کیونکہ آج کے دن احباب سبزہ روندنے کے لئے چین میں آئینگے۔
گلگشت بارغ کے ساتھ بے نوشی کا بھی لطف رہے گا۔ ماہ صفر کے آخری
چار شنبے کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوم صحت ہے لال تلخہ میں
اس روز نوشی کی جاتی تھی اور سونے چاندی کے چھلے تقسیم ہوتے تھے۔
آسی لکھتے ہیں۔ ممکن ہے محرم کی حرمت کی وجہ سے آخر ماہ صفر
تک غالب بادہ نوشی نہ کرتے ہوں اور اسی وجہ سے کہا ہو کہ اس دن
صفر کا مہینہ ختم ہو جائے گا۔ چلو بارغ میں شراب کی ناند بھر کر رکھ دیں۔
یہ مضمون قرین قیاس نہیں ہے۔

۲۔ تاکہ جو بارغ میں آئے وہ شراب بھر کے جام پیئے اور پھر
مستی کے عالم میں سبزے کو روندنا پھرے اور پھولوں کے پودوں کو
پھاند جائے۔

۳۔ غالب تم یہ کیا فضول باتیں لکھ رہے ہو۔ اب مجھے بادشاہ کی
مدح کے سوا دوسری کوئی بات لکھنی اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ مطلب یہ
ہے۔ تشبیب کو چھوڑو اور مدح شروع کرو۔

۴۔ آج بادشاہ کے محل میں سونے چاندی کے چھلے تقسیم ہو رہے
ہیں۔ ان پھٹوں کی چمک دمک کے سامنے ہر ماہ کا سیم وزر بھی ماند ہے
مطلب یہ ہے کہ یہ چھلے ہر ماہ سے زیادہ چمکدار ہیں۔ ان پھٹوں کو دم
کئے ہوئے پانی میں بھجا کر باٹا کرتے تھے۔

۵۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ چھلے نہیں ہیں بلکہ لاکھوں چاندوں اور

بے شمار سود جوں کو بیچ میں سے خالی کر دیا ہے۔

مدح شاہ

۲۲۹

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہانما ۱ ہے غریب کے سردم تھے صد گونہ بشارت
جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ دل ہو ۲ توہ اکبرے اُس عقدے کو سو بھی بہ بشارت
ممکن ہے کہے خضر سکندر سے تلو ذکر؟ ۳ گر لب کو نہ ہے ختمہ جیواں سے طہارت
آصف کو سیماں کی ذرات سے شرف تھا ۴ ہے خضر سیماں جو کہے نیری ذرات
ہے نقش مریدی ترا فرمان الہی ۵ ہے درخ غلامی ترا تو قیغ امارت
تو آب سے گر سلب کئے طاقت سلطان ۶ تو آگ سے گر دفع کئے تاب شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجب دریا میں بدانی ۷ باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت
ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غل ۸ ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں ہمارت
کیونکر نہ کر دیں مدح کو میں ختم دعا پر ۹ قاصر ہے شکایت سے تری میری عبارت
نور ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں ۱۰ نظارگی صنعت حق اہل بصارت
تجھ کو شرف نہر جہاں تاب مبارک
خالِب کو ترے عتبہ عالی کی زبانت

۱۔ اے بادشاہ جہاں گیر۔ اے بادشاہ جہاں بخش اور اے بادشاہ
جہاندار تجھ کو غیب سے سو طرح کی بشارتیں حاصل ہیں۔ بخود دیکھتے ہیں کہ
متذکرہ صفات تجھے اس وجہ سے حاصل ہیں کہ تجھے ہر کلام کے لئے
پہلے سے بشارت ہو جاتی ہے۔

۲۔ وہ عقدہ دشوار جو بادِ جہد کو شمشیں کے دا نہیں ہوتا، وہ تیرے اشارے سے کھل جاتا ہے۔

۳۔ اس وقت تک حضرت بنو نصر تیرا ذکرِ خیر سکندر سے نہیں کر سکتے، جب تک وہ آبِ حیات سے اپنے منہ پاک نہ کر لیں۔ پہلے مصرعہ میں استفہام انکاری ہے۔

۴۔ آصف برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے۔ ان کو حضرت سلیمان کی وزارت سے فخر حاصل تھا۔ اگرچہ حضرت سلیمان تیری وزارت کریں تو ان کے لئے تیری وزارت باعثِ فخر ہوگی۔ دوسرا مضموم یہ ہے جو شخص تیری وزارت کرے، وہ سلیمان کے لئے باعثِ فخر ہے۔

۵۔ جس کو تو نے اپنا مرید کر کے مرید کی سند دے دی۔ گویا اسے فرمانِ الٰہی مل گیا اور جس کو تیرا داغِ غلامی نصیب ہو گیا گویا اسے امیری کی سند مل گئی۔ مطلب یہ ہے تیری غلامی امیری سے بڑھ کر ہے۔

۶۔ لف و نشر مرتب ہے۔ اگر تو پانی کے بہنے کی طاقت دفع کر دے تو دریا کی موجوں میں روانی ڈھونڈے نہ ملے اور اگر تو آگ کی حرارت سلب کر دے تو جلا دینے والی آگ میں حرارت نام کو باقی نہ رہے۔

۸۔ تو قفل .. مہارتِ کامل + سحرِ طرازی .. فنِ شاعری۔ اگرچہ میں شاعری میں مہارتِ کامل رکھتا ہوں اور اگرچہ میں سحرِ طرازی میں مشتاق ہوں۔

۹۔ میرا ارادہ تھا کہ میں تجھ سے کچھ تیری شکایتیں کروں۔ لیکن کیا کروں مجبور ہوں۔ میری عبادت تیری شکایت میں قاصر ہے۔ میں تیری

شکایت نہیں لکھ سکتا۔ اس لئے مجبوراً مدح کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔

۱۰۔ نظارگی یعنی دیکھنے والے، اسم فاعل۔ آج نوروز ہے۔ گویا آج وہ دن ہے کہ اہل نظر خدا کی قدرت دیکھ رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ اہل بصیرت آج تجھے دیکھ رہے ہیں۔

۱۱۔ نوروز کے دن آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے اور یہ صوبہ شاہدانی خلق کا باعث ہے۔ اسے شرف آفتاب کہتے ہیں۔ تجھے شرف آفتاب جہان تاب مبارک ہو اور تجھے تیرے عتبہ عالیہ (آسمان بلند) کی زیارت۔ دوسرا مقہوم یہ ہے کہ تجھے آفتاب کا شرف و مرتبہ مبارک ہو۔

۲۵۰

انفار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو ۱ اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو ۲ روزہ اگر نہ کھائے تو مجبور کیا کرے اس قلعہ کے متعلق مرزا نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے۔ یہ قلعہ بھی رمضان کے مہینے میں بادشاہ کے حضور میں پہنچا تھا۔ اس کو سن کر تمام حاضرین بے اختیار ہنس پڑے تھے۔

دستگاہ یعنی قدرت و مقدرہ + روزہ کھانے سے مراد روزہ نہ رکھنا ہے۔ جس شخص کو روزہ کھولنے کا تھوڑا بہت مقدر ہے اسے روزہ ضرور رکھنا چاہئے۔ لیکن جس شخص کے پاس روزہ کھولنے کے بعد کھانے کے لئے کچھ نہ ہو، وہ غریب اگر روزہ نہ کھائے تو کیا کرے۔

گزارش مصنف بحضور شاہ

۲۵۱

- ۱ اے شہنشاہِ آسمان اورنگ ۱ اے جهاندارِ آفتاب آشمار
 ۲ تھائیں اک بینوائے گوشہ نشین ۲ تھائیں اک درد مند سینہ فگار
 ۳ تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی ۳ ہوئی وہ میری گرمی بازار
 ۴ کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچیز ۴ روشناسِ ثوابت و سیار
 ۵ گرچہ از روئے ننگ بے ہنری ۵ ہوں خود اپنی نظریں اتنا خوار
 ۶ کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی ۶ جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
 ۷ شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہوں ۷ بادشہ کا غلام کار گزار
 ۸ خاند زاد اور مرید اور براج ۸ تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
 ۹ بارے تو کر بھی ہو گیا صد شکر ۹ نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
 ۱۰ نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں ۱۰ مدعلے ضروری الاظہار
 ۱۱ پیرو مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں ۱۱ ذوقِ آرائش سرو، دستار
 ۱۲ کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر ۱۲ تا نہ دے بادِ زمہریرِ آزاد
 ۱۳ کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش ۱۳ جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 ۱۴ کچھ خبر بداتھیں ہے اب کے سال ۱۴ کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
 ۱۵ رات کو آگ اور دن کو دھوپ ۱۵ بھاریں جائیں ایسے نیل و نہار
 ۱۶ آگ تاپے کہاں تلک انسان ۱۶ دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار
 ۱۷ دھوپ کی تابش آگ کی گرمی ۱۷ رہنا وقتاً عذاب النار

میری تنخواہ جو مقرر ہے ۱۸ اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجاہ
 رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک ۱۹ خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات ۲۰ اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض ۲۱ اور رہتی ہے سود کی تکرار
 میری تنخواہ میں تنائی کا ۲۲ ہو گیا ہے شریک سا ہو کار
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں ۲۳ شاعر لغز گوئے و خوش گفتار
 رزم کی داستان گریٹنے ۲۴ ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 بزم کا التزام گریجے ۲۵ ہے قلم میلا ابر کو سر بار
 ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد ۲۶ قبر ہے گر کرد نہ مجھ کو پیار
 آپ کا بندہ اور پھروں ننگا ۲۷ آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
 میری تنخواہ کیجے ماہ بماء ۲۸ تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام ۲۹ شاعری سے نہیں بچے سرو کار
 تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار

حالی : یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا نے بادشاہ کے حضور میں اس
 درخواست کے ساتھ گزانا تھا کہ ان کی تنخواہ جو شمشاہی گزرنے
 پر اکٹھی چھ مہینے کی ملا کرتی ہے، وہ ماہ بماء ملا کر سے چنانچہ اس
 اس درخواست کے موافق تنخواہ ماہ بماء ملنے لگی تھی۔

۱۔ اے وہ شہنشاہ کہ تیرا تخت آسمان ہے اور اے وہ جانبا
 کہ تیری حکومت آفتاب کی طرح کل جان پر ہے۔ اس شعر میں
 مصنف نے صنعت براعت الاستہلال صرف کی ہے۔ ممدوح

کو آفتاب آثار لکھ کر مطلع ہی میں ظاہر کر دیا ہے کہ موسم سرما کی شکایت کریں گے۔

۲۔ میں ایک محتاج گوشہ نشین فقیر اور مصیبت زدہ خستہ دل شخص تھا۔

۳۔ تمہارے آبرو بچتے سے مجھے بہت زیادہ عزت و شہرت حاصل ہوئی۔

۴۔ گویا تمہاری ذرہ نوازی سے مرتبہ اس قدر بلند ہوا، کہ مجھ سے ذرہ بے مقدار کو سیارے اور ستارے جلنے اور پہچاننے لگے۔

۵، ۶۔ اگرچہ اپنی بے ہنری کی وجہ سے میں خود اپنی نظروں میں استحقاق و ذلیل ہوں کہ اگر میں اپنے آپ کو خاکی کہوں تو یہ سن کر خاک کو بھی شرم آجائے۔

۷۔ لیکن پھر بھی میں اپنے دل میں خوش ہوں کہ میں بادشاہ کا ایک کار گزار غلام ہوں۔

۸۔ یہ خانہ زاد غلام، مرید اور مداح ہمیشہ سے عرائض و توسل کی خدمت انجام دیتا تھا۔

۹۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آخر کار میں ذکر بھی ہو گیا اور حضور سے مجھے مذکورہ بالا چار نسبتیں ہو گئیں۔ یعنی خانہ زاد مرید، مداح اور عزیز نگار ہو گیا۔

۱۰۔ اگر میں اپنا ضروری مدعا آپ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں۔

۱۱۔ اے پیر و مرشدِ بادشاہ، اگرچہ مجھے سر اور دستار کو آرائش

دینے کا شوق نہیں۔

۱۲۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ لباس تو جاڑے میں ہونا چاہئے تاکہ موسم سرما کی سخت ٹھنڈی ہوا تکلیف نہ دے۔

۱۳۔ اگرچہ میرا جسم لاغراور کمزور ہے، لیکن پھر بھی مجھے لباس کی تو ضرورت ہے۔

۱۴۔ میں نے اس سال کپڑے وغیرہ بالکل نہیں خریدے اور اس بار کچھ نہیں بنایا۔

۱۵۔ رات کو آگ سینک کر گزارہ کرتا ہوں اور دن کو دھوپ تپ کر۔ ایسے دن رات بھاڑ میں جاتیں، جن میں میری یہ حالت ہو۔

۱۶۔ انسان آخر کہاں تک آگ تاپے اور کب تک دھوپ کھائے۔

۱۷۔ دھوپ کی تپش اور آگ کی حرارت سے بس خدا ہی بچائے۔

۱۸۔ وقفاً عذاب النار یعنی خدا ہم کو آگ (دوزخ) کی گرمی سے بچائے۔

۱۹۔ دنیا کا دستور ہے کہ مرد سے کی چھ ماہی سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے۔

۲۰۔ لیکن مجھے دیکھئے کہ میں زندہ ہوں مگر میری چھ ماہی سال میں دوبار ہوتی ہے۔ چھ جینے کے بعد تنخواہ ملنے کی طرف اشارہ کیا ہے مطلب یہ ہے کہ میں زندہ ہوں مگر مردوں سے بدتر۔

۲۱۔ سود کی نگرانی یعنی سود در سود۔ میں ہر مہینے قرض لیتا ہوں اور اس طرح سود بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۲۲۔ ان حالات میں ساہوکار میری تنخواہ میں ایک تہائی کا شریک ہو گیا ہے۔ یعنی ایک تہائی تنخواہ سود میں لگ جاتی ہے۔
 ۲۳۔ لغز گو بمعنی خوش گو۔ موجودہ دور میں مجھ جیسا خوشگوار معنی آفرین شاعر نہیں ملے گا۔

۲۴۔ اگر میری زبان سے جنگ و جدل کا بیان نہیں تو آپ کو ایسا معلوم ہو گا۔ کہ میری زبان ہی شمشیرِ جوہر دار ہے۔
 ۲۵۔ اگر آپ مجھ سے بزم کا نقشہ کھجوا میں تو آپ محسوس کریں گے کہ میرا قلم ابر کو ہر بار ہے یعنی ہر طرف موٹی برسائیگا۔ غالب قلم کو مذکر لکھتے ہیں۔ اہل دہلی ہمیشہ سے مؤنث کہتے ہیں۔

۲۶۔ جب مجھ میں ایسا جوہر قابلیت موجود ہے تو ظلم ہو گا کہ آپ میرے کلام کی داد نہ دیں اور قس ہو گا اگر آپ میری قدر نہ کریں۔

۲۷۔ غضب ہے کہ میں آپ کا غلام ہوتے ہوئے تنگ پھروں اور آپ کا نوکر ہو کر قرض کھاؤں۔ گویا یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔

۳۸۔ مہربانی فرما کر میری تنخواہ بجائے چھ ماہی کے ماہ بہ ماہ کر دیجئے تاکہ میں آرام سے زندگی بسر کر سکوں۔

۲۹۔ میں اپنا کلام اب دُعا پر ختم کرتا ہوں۔ چونکہ یہ قطعہ مرزا صاحب نے اپنی خاص طرز کے خلاف بہت سیدھا سادہ لکھا ہے۔ نیز قصیدہ کے قوانین کو بھی بد نظر نہیں رکھا۔ اس لئے کہتے ہیں کہ مجھے شاعری سے کوئی سروکار نہیں۔ شاعری سے یہاں صنعتِ شاعرانہ مراد ہے اور اور مطلب یہ ہے کہ اس قطعہ میں کسی قسم کی صنعتِ شاعرانہ نہیں ہے۔

۳۰۔ آپ ہزار برس زندہ سلامت رہیں اور ہر برس کے دن

پچاس ہزار ہوں۔ یعنی آپ کا اقبال و دولت ابد تک رہے۔

۲۵۲

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے ۱ جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہو نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے ۲ کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے
۱۔ سیہ گلیم یعنی سیاہ پوش یعنی سیاہ بخت۔ چونکہ میں بد نصیب و
بد بخت ہوں۔ اس لئے دنیا میں جو شخص فتح و ظفر کا طلب گار ہے اسے
چاہئے کہ میرا نام نہ لے۔ اگر وہ میرا نام لے گا تو کامیابی کا منہ نہیں
دیکھ سکے گا۔

۲۔ میں وہ بد نصیب ہوں کہ آج تک مجھے کسی پر غلبہ حاصل
نہیں ہوا۔ جو شخص میرا شریک ہوتا ہے، اس کا حصہ ہمیشہ نجد سے
زیادہ ہوتا ہے۔ شریک غالب اس شریک کو کہتے ہیں، جس کا حصہ
دوسرے شریکوں سے غالب ہو۔ غالب کے لفظ نے ایک عجیب
لطف اور معنی پیدا کر دیئے ہیں۔

۲۵۳

سہل تھا سہل دلے سخت مشکل آپڑی ۱ مجھ پہ کیا گزری گی اتنے بد حاضرین ہوئے
تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد ۲ تین سہل تین تبریدیں، یہ سب کے دن ہوئے
سہل .. جلاب + تبرید .. ٹھنڈائی جو جلاب کی گرمی دور کرنے
کے لئے پنی جاتی ہے۔

سہل لینا تو آسان ہے۔ لیکن سخت مشکل یہ آپڑی ہے کہ بادشاہ
کے دربار سے غیر حاضر رہنے سے میری کیا حالت ہوگی۔ سہل لینے سے پہلے
تین دن میں مٹھنچ پیوں گا۔ اس کے بعد عین دن سہل ہوں گے اور پھر تین دن

تبریز میں ہوں گی۔ گویا اس طرح سے میں بارہ دن غیر حاضر رہوں گا۔ مولانا
حالی لکھتے ہیں۔ ایک شعر میں سہل کے ان تمام دنوں کی تفصیل : جن میں مجھ
چلنے پھرنے کو منع کرتے ہیں کس عہدگی سے بیان کی ہے۔ یہ قطعہ دربار
کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے (یادگار غالب)

قطعہ تاریخ

۲۵۳

نچستہ انجمن طوئے میرزا جعفر کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محفوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب نہ کیوں ہوا وہ سال عیسوی محفوظ
نچستہ .. مبارک .. طوئے .. جشن عروسی .. محفوظ .. خوش اسرور ..
فرخندہ .. مبارک .. محفوظ سے سنہ عروسی نکلتا ہے۔

۲۵۵

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہوا بزم طرب میں رقص ناہید
کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے تو بولا "اشرح جشن جمیدہ
ناہید .. زہرہ - اس ستارے کو رقصہ فلک بھی کہتے ہیں۔"

۲۵۶

گو ایک بادشاہ کے سب خاندان ہیں دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں گھسٹے ہوئے سلام اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں
حالی : بادشاہ کے دربار کے یہ آداب تھے کہ آپس میں جو دربار دار
وہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی جگہ دہان ہاتھ

دائیں کان پر رکھ لیتے تھے۔ چونکہ اُردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں۔ اس لئے میرزا نے اس کو اس پیرائے میں بیان کیا ہے۔

رُباعیات

۲۵۷

بعد از اتمامِ بزمِ عجبِ اطفال ایامِ جوانی رہے ساغرِ کشِ حال
 آپہنچے ہیں تما سوادِ اقلیمِ عدم اسے عمرِ گزشتہ یک قدمِ استقبال
 اتمامِ معنی ختم کرنا۔ انجام کو پہنچنا بچپن کی خوشیوں کا زمانہ ختم کرنے
 کے بعد مستِ الستِ جوانی آئی۔ جوانی کے دن غفلت میں گزرے۔ اب ہم
 ملکِ عدم کے گرد و نواح میں پہنچ گئے۔ یعنی بڑھے ہو گئے ہیں۔ اسے
 عمرِ گزشتہ چونکہ تو عدم میں ہے۔ اس لئے ہمارے استقبال کے لئے
 ایک قدم آگے جا۔ مطلب یہ ہے جوانی کے ایک قدم آگے آجئے سے
 شبابِ رفتہ بھی چند دن کے لئے واپس آجائیگا۔ ایامِ شباب کے واپس
 آنے کی آرزو ظاہر کی ہے۔

۲۵۸

شبِ زلفِ رخِ عرقِ فشاں کا غم تھا کیا شرح کروں کہ طرفِ تعامل تھا
 رویائیں ہزار آنکھ سے صبحِ تماک ہر قطرۂ اشک دیدہ پُرم تھا
 رات کو مجھے اس محبوب کی زلف اور اس کے عرقِ فشاں چہرے کا
 غم تھا۔ میں اپنی کیفیت کیا بیان کروں بس یوں سمجھ لیجئے۔ میری کچھ عجیب

حالت تھی۔ اسی عالم میں صبح تک میں ہزار آنکھ سے روتا رہا اور رُوہ اس طرح سے کہ میرا ہر قطرہ اشک ایک چشم اشک ریز تھا۔ زلفِ درخ کے قصوں میں چونکہ ہزار آنسو بہائے، اس لئے ان آنسوؤں نے زلفِ سیاہی اور درخ یار کی سفیدی پیدا کر لی اور اس سیاہی اور سفیدی کی وجہ سے ہر آنسو ایک آنکھ بن گیا۔ ظاہر ہے آنکھ میں سفیدی اور سیاہی ہوتی ہے، اس لئے میں ہزار آنکھ سے رویا۔

۲۵۹

آتش بازی ہے جیسے شعلِ اطفال ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لئے گیا ہے کیا کھیل نکال جیسے آتش بازی بچوں کا کھیل ہے، بس سوزِ دل کی بھی بالکل ہی کیفیت ہے معلوم ہوتا ہے، موجدِ عشق بھی کوئی قیامت کا پتلا تھا۔ جوانِ طفلانِ پری چہرہ کے لئے یہ کھیل ایجاد کر گیا ہے مطلب یہ ہے یہ ستم پیشہ لوگ عاشقوں کے سوزِ جگر کا آتش بازی کی طرح پر تماشا دیکھتے ہیں اور خوب خوش ہوتے ہیں۔

۲۶۰

دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی بیتابیِ رشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسرِ دل کے تجلی افسوس تکرارِ روا نہیں تو تجددِ سہی
جان درد تمہید .. وہ جان جس کا آغاز درد سے ہوا ہو + سہی
.. پہلے دو مصرعوں میں پرداخت کرنا کے معنی میں ہے + فسرِ دل ..
افسردہ ہونا۔ تجلی سے تجلی یا مراد ہے + تجدد .. از سر نو پیدا کرنا۔
پہلے ہمارے پہلو میں دل تھا، جو ہم نے پُر درد زندگی۔ بیتابی

ریشک اور حسرت دید کی تکلیفوں کو برداشت کر لیا۔ لیکن اب ہم ہیں اور افسردگی، اس حالت میں اسے تجلّی یا اگر متذکرہ بالا کیفیتوں کا اعادہ ممکن نہیں تو پھر انہیں از سر نو ہی پیدا کر دے۔ ظاہر ہے تکرار معدوم کی محال ہے۔ لیکن تجدید ممکن ہے۔ مطلب یہ ہے افسردگی۔ بیدلی۔ بے تابی اور ریشک و حسرت کی آندو ہے، کیونکہ ان کے بغیر زندگی بے لطف ہو گئی ہے۔

۲۶۱

ہے خلقِ حسد قماشِ لڑنے کے لئے وحشتِ کدّہ تلاشِ لڑنے کے لئے
یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد ملتے ہیں یہ بد معاشِ لڑنے کے لئے
حسد قماش .. حسد شعار + وحشت کدّہ تلاش .. دُنیا مار
ہے + کاغذِ باد .. پتنگ۔

فرماتے ہیں۔ دُنیا کے رہنے والے حسد شعار ہیں اور یہ دُنیا جو وحشت کدّہ تلاش معاش ہے، لڑنے کے واسطے .. اس دُنیا میں دو شخصوں کا ملنا ایسا ہے، جیسے پتنگ کا ملنا۔ جب آپس میں ملتے ہیں لڑتے ہیں۔ گویا انسان کا انسان سے ملنا جنگِ فہل کا مرادف ہے۔

۲۶۲

دلِ سخت نر نہ ہو گیا ہے گویا اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پہرہ بار کے کگے بول سکتے ہی نہیں غالب مٹہ بند ہو گیا ہے گویا
نر نہ معنی ٹھکین۔ میرادل بہت زیادہ ٹھکین اور افسردہ ہو گیا ہے۔
گویا بار سے کچھ شکایتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن یار سے رنجیدہ اور

گلہ مند ہونے کے باوجود ہم اس کے سامنے کچھ شکوہ شکایت کر ہی نہیں سکتے
گویا اس کے سامنے منہ ہی بند ہو گیا۔ مصرعہ آخر کے گویا کے لفظ
میں ایہام ہے۔

۲۶۳

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب دل رُک کے بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سو گند ہو گیا ہے غالب
سو گند بمعنی قسم یعنی معدوم۔ غالب میرے دل کو دکھ پسند آ گیا ہے
اور غم کی وجہ سے میں اتنا گرفتہ خاطر ہوا ہوں کہ دل کی حرکت ہی بند
ہو گئی ہے۔ خدا کی قسم مجھے رات کو بالکل نیند نہیں آتی۔ گویا نیند آنا
قسم کے برابر ہے۔ اکثر دیوانوں میں اس رباعی کا دوسرا مصرعہ غلط لکھا
ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں۔ غالب کے خود صحیح کئے ہوئے دیوان میں بھی
یہ مصرعہ اسی طرح لکھا ہے۔ بہر حال مصرعہ کو رباعی کے وزن میں رکھنے
کے لئے ”رُک“ ایک مرتبہ ہونا چاہئے۔

۲۶۴

مشکل ہے زبں کلام میرا اسے دل سن سن کے اُسے سخنوران کا بل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گو نیم مشکل دگر نہ کو نیم مشکل
چونکہ میرا کلام بہت ہی زیادہ مشکل ہے، اس لئے سخنوران کا بل
اسے سن سن کر مجھے آسان کہنے کی فرمائش کرتے ہیں۔
حالی: آخر کے مصرعہ میں دو معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر
میں ان کی فرمائش پوری کروں اور آسان شعر کہوں تو یہ مشکل ہے کہ اپنی
طبیعت کے اقتضا کے خلاف ہے اور اگر آسان کہوں تو یہ مشکل ہے کہ

وہ برامانتے ہیں اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس باب میں صاف صاف بات کہنا ہوں تو سخت دلی کمال کی نا قہمی اور کٹنگ مہنی ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر صاف صاف بات نہ کہوں تو آپ ملزم ٹھہرتا ہوں۔

۲۶۵

بھیجی ہے جو مجھ کو شہ مجاہد نے دال ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ یہ دال یہ شاہ پسند دال بے بحث و جلال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال شاہ مجاہد... جمشید جیسے مرتبے والا جلیل القدر بادشاہ دوسرے مصرعہ میں دال کے معنی "دلاست کرنے والی"

بادشاہ کے ہاں اکثر لوگ کی دال پکا کرتی تھی اور وہ شاہ پسند دال کہلاتی تھی۔ کہیں بادشاہ نے یہ دال میرزا کو بھیجی ہے اور میرزا نے یہ رباعی اس کے شکرے میں لکھی ہے۔

جلیل القدر بادشاہ نے جو مجھ کو دال بھیجی ہے۔ یہ شہنشاہ کے لطف و عنایات پر دلاست کرتی ہے۔ یہ شاہ پسند دال بے شک و شبہ دولت۔ دین۔ دانش اور عدل کی دال ہے۔

۲۶۶

میں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم اشارہ جلالی و جمالی باہم ہوں شاد نہ کیوں ساقی و عالی باہم ہے اب کی شب و قدر و دوالی باہم ساقی و عالی یعنی ادنیٰ و اعلیٰ۔ ہمارے بادشاہ میں جلال و جمال کی صفات دونوں موجود ہیں۔ ہر طبقہ کے لوگ اس سے کیوں نہ خوش ہوں کہ اب کی مرتبہ شب قدر اور دیوالی دونوں ایک ہی دن ہیں۔ اس رباعی

کے الفاظ نہایت متناسب واقع ہوئے ہیں۔ شب قدر علوی اور دیوالی
صغلی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۶۷

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تاشاہ شیوع دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے
شیوع .. پھیلانا۔ رواج دینا + رشتہ عمر .. ایک ڈوری ہوتی
ہے، جس میں ہر سال ولادت کے دن گرہ لگائی جاتی ہے۔ یہ رباعی
بادشاہ کی سالگرہ کے موقع پر لکھی ہے۔

کہتے ہیں خدا نے تعالیٰ بادشاہ کو زندہ سلامت رکھے اور اس
کی بقا سے رعایا کو شاد و آباد رکھے۔ دانش و عدل بادشاہ کے دم قدم
سے جاری ہیں، وہ زندہ رہینگے تو دانش و عدل جاری و ساری رہینگے۔
اس سالگرہ کی تقریب پر جو رشتہ عمر میں گرہ لگائی گئی ہے، وہ اصل میں
صفر ہے جو عدد کے سامنے لگایا ہے تاکہ اعداد عمر میں اضافہ ہو جائے۔
مثلاً اگر بادشاہ کی عمر ساٹھ سال کی ہے تو صفر لگنے سے ۶۰ سال
کی ہو گئی۔

۲۶۸

اس رشتے میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سیکڑے کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گریں ہزار ہوں بلکہ سوا
یہ رباعی بھی سالگرہ کے موقع کی ہے۔ اس رشتہ عمر میں لاکھ تار
ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوں اور پھر اتنے ہی برس گئے جائیں۔
حبیب بلکہ اس سے بھی زیادہ شمار ہوں۔ شاعر کی محبت اس پر بھی کتنا

نہیں کرتی۔ وہ کہتا ہے یوں بھی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر سال کی بجائے ہر سو سال کے بعد رشتہ دہریوں میں گرہ لگانے کی فرض کی جائے اور ایسی گزشتہ ہزار ہوں مطلب یہ ہے کہ بادشاہ لاکھوں برس کی عمر پائیں اہل لکھنؤ سینکڑہ میں نون غنہ نہیں ہوتے۔ دلی والے ہمیشہ سینکڑہ کہتے ہیں۔

۲۶۹

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزاد نہیں عشاق کی پریش سے اُسے عاز نہیں جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکہ مانوں کہ اس میں تلوار نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب اُس نے مردم آزادی ترک کر دی ہے پہلے وہ عشاق کا حال زار دریافت کرنا عیب کی بات سمجھتا تھا۔ لیکن اب بلا تکلف ان کی کیفیت دریافت کرتا ہے۔ لیکن میں یہ بات ہرگز نہیں مانتا۔ کیونکہ جو ہاتھ اُس نے ظلم سے روکا ہوگا اُس میں ضرور بالضرور تلوار ہوگی تیسرے مصرعہ میں ہاتھ اٹھانا فو معنی ہے (۱) کسی کام سے ہاتھ اٹھانا۔ گویا اس سے دست بردار ہونا (۲) مارنے کے لئے ہاتھ اٹھانا۔ اس محاورے کے استعمال سے ایک نیا لطف پیدا ہو گیا ہے۔

۲۷۰

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کہتے ہیں درنگ کام کرنے والے کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ وہ آپ ہیں صبح و شام کہنے والے حالی: اس رباعی میں میرزا نے غایت درجہ کی شوخی برتی ہے، جو بالکل اچھوتی اور نئی طرح کی ہے۔ کہتا ہے کہ ہم ہر چند دربار کے با اختیار لوگوں کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں مگر وہ ہماری کالہ دوائی میں درنگ اور لیت دے کر رہتے ہیں ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ آؤ خدا ہی سے کہیں پھر

یہ خیال آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو۔ وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ صبح و شام کرنا لیت و لعل کرنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ صبح کو شام کہتا اور شام کو صبح کرنا خدا کا کام ہے، تو خدا کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ وہ صبح و شام کرنے والے ہیں۔ مگر شاعر کا اصل مقصود یہی ہے کہ کارروائی خلق میں جیسی لیت و لعل وہاں ہوتی ہے، ایسی کہیں نہیں ہوتی۔ آتش ساری عمر اسید ہی میں گزر جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

۲۷۱

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزِ مژہ ایمان ہے غالب لیکن نصحانہ و برف آب کہاں سے لاؤں
یہ رباعی بھی اس قطعہ کے ساتھ جس میں روزے کا مضمون نظم کیا ہے
بادشاہ کے حضور میں پیش کی گئی تھی۔ کہتے ہیں۔ میں کھانے اور سونے کے سامان
اور آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں۔ روزہ رکھنا میرا ایمان ہے لیکن روزہ
گزارنے کے لئے خس کی ٹیٹوں اور برف آب کی ضرورت ہے۔ میں غریب
آدمی ہوں، وہ کہاں سے جیتا کروں۔ مطلب یہ ہے۔ روزہ رکھنے کے سامان
بہم پہنچ سکے تو میں روزہ ضرور رکھتا۔

شام شد

اسفلان پر میں لاہور
باتہام میں چھپا